مادام کیوری

تصنیف۔ ای کیوری ○ ترجمہ۔ ابُوالحسن نغمی



مادام کیوری

۱۹۲۹ء کی ایک تصویر

مادام کیوری

تصنیف

ای کیوری

ترجمہ

ابوالحسن نغمی

زیر نگرانی

سیّد عابد علی عابد

مجلسِ ترقیِ ادب، نرسنگھ داس گارڈن۔ کلب روڈ لاہور

ناشر

کریم احمد خان

معتمد مجلسِ ترقیٔ ادب۔ لاہور

مطبع: الائیڈ پریس ۲۶ مال روڈ لاہور ○ زیرِ اہتمام مجید الملکی

سالِ اشاعت ۱۹۵۹ء

بار اول ۔ ایک ہزار

قیمت دس روپے ۱۰

مجلسِ ترقیٔ ادب نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور

فہرست

دوسرا حصہ

پیش لفظ

مادام کیوری پولینڈ کے شہر وارسا میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد طبعیات کے معلم تھے۔ مادام کیوری نے امتیاز کے ساتھ ھائی اسکول پاس کیا۔ ان کے زمانے میں پولینڈ میں ھائی اسکول کے بعد لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ وہ اپنے وطن کو چھوڑ کر فرانس کے شہر پیرس پہنچیں، وھاں کی مشہور درس گاہ ساربون میں داخل ہوئیں۔ کالج ھی کے زمانے میں مسٹر کیوری سے ان کے مراسم بڑھے۔ دونوں نے بیاہ کر لیا۔ بیاہ کے بعد دونوں تحقیقی کاموں میں مصروف ہو گئے۔ دونوں نے مل کر ریڈیم کو دریافت کیا، دونوں کو نوبل پرائز ملا اور شہرت اور دولت نے ان کے قدم چومے۔

دو عظیم سائنسدانوں نے شوہر اور بیوی کی حیثیت سے زندگی کے بے حد مسرور دن گزارے، لیکن اس رفاقت کو ایک حادثے نے ختم کر دیا۔ مسٹر کیوری سڑک پار کرتے ہوئے دو گھوڑوں کی بگھی کے نیچے کچل کر مر گیا۔

اتنے اندوہ ناک حادثے سے مادام کیوری کو بے پناہ رنج پہنچا، لیکن میاں بیوی نے مل کر جو سائنسی تحقیق کی شمع روشن کی تھی مادام کیوری نے شوہر کی موت کے بعد اسے گل نہ ہونے دیا اور تحقیقی کام جاری رکھا۔ چنانچہ مادام کیوری کو دوبارہ انعام ملا۔ مرتے دم تک وہ سائنس کی خدمت کرتی رہی۔

مادام کیوری کی زندگی کا بیشتر حصہ مفلسی میں بسر ہوا۔ اس نے ٹیوشنیں پڑھا پڑھا کر اپنی تعلیم جاری رکھی، فاقوں پر فاقوں کئے لیکن جس کام کا بیڑا اٹھایا تھا اسے پورا کر کے دم لیا۔

مادام کیوری کی چھوٹی لڑکی ایو کیوری نے اپنی ماں کے حالات زندگی بڑے ہی دلکش پیرائے میں قلمبند کئے ہیں اور میں نے بڑی محنت سے اس کے سوانح کو اردو میں منتقل کیا ہے۔ میں نے انتہائی کوشش کی ہے کہ "ترجمہ پن" کہیں سے نہ ظاہر ہو اور اصل کا لطف قائم رہے۔ اب آپ بتائیے کہ میں اپنی اس کوشش میں کہاں تک کامیاب رہا۔

مادام کیوری کے سوانح نے مجھے بے حد متاثر کیا، اسی لئے میں نے مجلس ترقی ادب، لاہور سے گزارش کی کہ وہ مجھے مادام کیوری کے سوانح کا ترجمہ کرنے کا موقع دے۔ میں مجلس کے صدر، ارکان مجلس اور مجلس کے معتمد جناب کریم احمد خاں کا ممنون ہوں کہ انھوں نے مجھے اتنی اچھی کتاب کا ترجمہ کرنے کا موقع دیا۔

ابوالحسن نغمی

۳۰ جولائی ۱۹۵۹ء

تعارف

میری کیوری کی زندگی عجیب و غریب واقعات سے اس حد تک پر ہے کہ ہر کس و ناکس کا جی چاہئے گا کہ اس کی کہانی داستان گوئی کے قدیم انداز سے بیان کی جائے ۔

وہ عورت تھی ، مظلوم قوم کی فرد تھی ، وہ غریب تھی ، وہ خوب صورت تھی ، علم کی زبردست لگن اسے اس کے وطن پولینڈ سے کھینچ کر پیرس لے گئی ، جہاں اس نے افلاس اور گوشہ نشینی میں اک عمر گزاری ۔ وہاں وہ ایک شخص سے ملی ، جس کی ذھانت اس سے مشابہت رکھتی تھی ۔ اس نے اس شخص سے بیاہ کر لیا ۔ اب ان کی مسرتوں کی کوئی مثال نہ تھی ۔ نہایت حوصلہ شکن اور ان تھک کوششوں کے بعد انہوں نے ایک طلسمی عنصر ”ریڈیم“ دریافت کیا ۔ اس دریافت نے نہ صرف یہ کہ ایک نئے سائنس اور ایک نئے فلسفے کو جنم دیا بلکہ اس نے نوع بشر کو وہ ذرائع فراہم کئے جن سے ایک خوفناک مرض کا علاج ممکن ہو گیا ۔

اس منزل پر جب دو سائنسدانوں اور انسانیت کے محسنوں کی شہرت ساری دنیا میں پھیل رہی تھی ، غم و اندوہ نے میری کو جھاپ لیا ، اس کا شوہر ، اس کا شاندار رفیق اس سے چھن گیا ، موت نے ایک لمحے میں اسے چھین لیا ، لیکن مصیبت اور علالت کے باوجود اس نے تن تنہا اس کام کو جاری رکھا جسے اس نے

شوہر کے ساتھ شروع کیا تھا ، اوراس نے طباعی کے ساتھ اس سائنس کو فروغ دیا جسے دونوں نے تخلیق کیا تھا ۔

جب اس کا سنن نکمیل کو پہنچ گیا تو وہ مر گئی ۔ وفات کے وقت تک وہ بالکل تھک چکی تھی ، دولت قبول کرنے سے اس نے انکار کر دیا ، جو اعزازات اسے دیئے گئے انہیں اس نے نہایت بددلی اور پھیکے پن سے برداشت کر لیا ۔

یہ بڑی مجرمانہ حرکت ہوتی کہ اس کی کہانی میں قدیم داستانوں کی طرح اپنی طرف سے کلیاں پھندنے لگائے جاتے ۔ میں نے ایسی ایک بھی روایت نقل نہیں کی ہے جس پر مجھے یقین نہ ہو ۔ میں نے ایک بھی ضروری فقرے کی شکل نہیں بگاڑی اور ماش کی سفیدی بھر بھی حاشیہ آرائی نہیں کی ہے ۔ جو واقعات جس طرح لکھے گئے ہیں اسی طرح ہوئے تھے ، جو الفاظ جس طرح واوین میں درج ہیں ، وہ سچ مچ اسی طرح زبان سے ادا ہوئے تھے ۔

میں اپنے دلکش اور شائستہ پولش کنبے کی ممنون ہوں اور سب سے بڑھ کر اپنی والدہ کی سب سے بڑی بہن مادام لوسکا کی ممنون ہوں جو بہن ہونے کے علاوہ والدہ کی چہیتی سہیلی تھیں ، انہوں نے مجھے نادر خطوط فراہم کئے ہیں اور وہ اس خاتون سائنسداں کے عہد شباب کی عینی شاہد ہیں ۔

مادام کیوری کے ذاتی ملفوظات اور ان کے مختصر خود نوشت حالات سے ، بیشمار سرکاری دستاویزوں سے ، تحریری روایات سے اور

فرانسیسی اور پولش دوستوں کے خطوط سے ، (جن کا میں جی بھر کر شکریہ بھی نہیں ادا کر سکتی ہوں) اپنی بہن آئیرین جولیٹ کیوری اور اپنے بہنوئی فریڈرک جولیٹ کے مجموعوں سے اور خود اپنے جمع کئے ہوئے رقعات سے میں اس قابل ہوسکی ہوں کہ مادام کیوری کو دور حاضر سے اس طرح قریب کر دوں کہ وہ جیتی جاگتی اور منہ بولتی محسوس ہو۔

مجھے امید ہے کہ پڑھنے والے اس بات کو مسلسل محسوس کریں گے کہ مادام کیوری کی روح کے اندر جو کچھ تھا وہ اس کے کام اور اس کی زندگی سے بھی زیادہ عجیب تھا ، ایک ٹس سے مس نہ ہونے والا فولادی کردار ، ایک ذہین عورت کی ڈھیٹ بن کے ساتھ جد و جہد ، ایک انسان کی آزادانہ قربانی ، جس نے سب کچھ دے دیا اور کچھ نہ لیا ، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک ایسی روح کا احساس ہوتا ہے جس کی بے مثال پاکیزگی کو نہ شہرت آلودہ کر سکی اور نہ مفلسی کچھ بگاڑ سکی ۔ دنیا نے اس سے جس کردار کے ادا کرنے کی خواہش کی اس کی ادائیگی میں اسے دکھ ہوا ، اس کی فطرت اتنی اثر پذیر اور معقول تھی کہ شہرت کی تجویز کی ہوئی تمام نعمتوں میں سے اس نے ایک کو بھی نہ قبول کیا ، نہ بے تکلفی ، نہ میکانیکی انداز کی دوستی ، نہ زھد خشک اور نہ دکھاوے کی شائستگی ۔

اسے معلوم ھی نہ تھا کہ شہرت کس طرح حاصل کی جاتی ھے ۔

جب میں پیدا ہوئی تھی تو میری والدہ کی عمر سینتیس سال تھی - جب میں اس خاتون کو اچھی طرح سمجھنے کی عمر کو پہنچی تو سن رسیدہ عورت تھی اور شہرت کی بلندیوں سے گذر چکی تھی - اس کے باوجود بہ مسلم‌الثبوت سائنسداں خاتون میرے لئے سب سے زیادہ بیگانہ تھی ، شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ مادام کیوری کے ذہن میں اپنے مسلم‌الثبوت سائنسداں ہونے کا کوئی خیال نہ تھا - مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں ہمیشہ غریب اور خواب زدہ طالب علم میریا اسکلوڈووسکا کے پاس رہی ، دنیا میں آنے سے بہت پہلے میں اس کے پاس تھی اور مرتے دم تک مادام کیوری کی اس نوجوان لڑکی سے مشابہت برقرار رہی - وہ جس منزل تک پہنچنا چاہتی تھی وہاں تک پہنچنے کے لئے راستہ کٹھن ، دشوار گزار اور حوصلہ شکن تھا ، لیکن مصائب اسے کم تر یا بالا تر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے ، نہ اسے جلیل کر سکے نہ ذلیل کر سکے - جس دن اس کا انتقال ہوا ، اس دن بھی وہ اتنی شریف ، ضدی ، بزدل اور تمام چیزوں کے بارے میں متجسس تھی جتنی اپنی زندگی کے عہد تاریک میں تھی -

حکومتیں اپنے عظیم انسانوں کا جنازہ بڑی شان و شوکت سے اٹھاتی ہیں، اس کے جنازے کے ساتھ ایسا کرنا اس کی بے حرمتی تھا - دیہات کے ایک قبرستان میں ، موسم گرما کے پھولوں میں وہ نہایت سادگی اور نہایت سکون سے دفن ہے ، گویا اس کی زندگی بھی اسی طرح گزری ہے جیسے لاکھوں بندگان خدا کی عام طور پر گزرتی ہے -

مجھ میں تصنیف کرنے کی صلاحیت تھی ، اس لئے میں نے اس لافانی طالبۂ علم کے بارے میں لکھنا پسند کیا جس کے بارے میں آئین سٹائین نے کہا ہے "مسلم الثبوت لوگوں میں صرف مادام کیوری ہی ایک ایسی ہستی ہے جس کا شہرت کچھ نہ بگاڑ سکی"، وہ اپنی زندگی کے احاطے سے اجنبیوں کی طرح ، کسی چیز سے آلودہ ہوئے بغیر نہایت قدرتی انداز سے گزر گئی اور وہ تقریباً اس بات سے آگاہ نہ تھی کہ وہ کتنی حیرت انگیز تقدیر کی مالک تھی -

ایو کیوری



پہلا باب

مانیا

اتوار کو نوولپکی اسٹریٹ کے مدرسے کی عمارت پر گہرا سکوت مسلط رہتا تھا - عمارت میں پتھر کے تکونے حصے کے نیچے روسی حروف میں یہ الفاظ کندہ تھے ''لڑکوں کے لئے ہائی سکول''، صدر دروازہ بند رہتا تھا اور ستونوں والی ڈیوڑھی کسی ویران مندر کی طرح نظر آتی تھی - اس یک منزلہ لمبی، نیچی عمارت، جس کے کمروں میں دھوپ بھری ہوتی تھی اور جن میں قطار اندر قطار آبنوسی ڈیسکیں رکھی تھیں، جن پر چاقو سے مختلف نام کھدے تھے، اتوار کو جیسے زندگی یہاں سے کوچ کر جاتی تھی - ایسا سناٹا ہوتا کہ پاک مریم کے کلیسا کی گھنٹیوں کے سوا کوئی آواز نہ سنائی دیتی، بس کلیسا کی گھنٹیاں بجتی تھیں، جو شام کی عبادت میں شریک ہونے کی دعوت دیتی تھیں یا گاہے گاہے گلی میں کسی گزرنے والے ریڑے کی گھڑ گھڑاہٹ یا چار پہیوں والی چھوٹی سی روسی گاڑی کے کاہلی سے چلنے والے گھوڑے کے قدموں کی آواز سنائی دیتی تھی - ایک جنگلے سے اسکول کی چار دیواری بنائی گئی تھی، جنگلے کے پیچھے چار پودے لگے تھے، جن میں سرخ پھول کھلے تھے، یہ پھول گرد سے اٹے ہوئے اور حقیر سے نظر آتے تھے لیکن بہترین اتوار منانے کی ترنگ میں جب راہگیر ادھر سے گذرتے تو ان پھولوں کی بھینی بھینی مہک سے اچنبھے میں پڑ جاتے - مئی کا

مہینا ابھی بمشکل ختم ہوا تھا ، لیکن موسم گرما تھا ۔ وارسا میں سورج اتنا ہی سخت اور شدید ہے جتنا برفانی موسم بیرحم ہوتا ہے ۔

لیکن اس مقدس سکوت میں کوئی چیز خلل انداز بھی ہوتی تھی ۔ عمارت کے بائیں بازو پر ، بالائی منزل میں علم طبیعات کے پروفیسر اور اسکول کے انڈر انسپکٹر ایم ۔ ولاڈی سلاف اسکولڈووسکی رہتے تھے ، ان کے مکان سے گھٹی گھٹی سی آواز بازگشت پیدا ہوتی اور یہ آوازیں پر اسرار سرگرمیوں کا پتا دیتی تھیں ۔ بعض دفعہ ایسی آوازیں آتیں جیسے کوئی ہتھوڑے چلا رہا ہو ، اور ہتھوڑے کی ٹھک ٹھک میں کوئی ترتیب یا آہنگ نہ تھا ، پھر گھڑگھڑاہٹ ہوتی ، جیسے کسی چیز کا ڈھانچا گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہو ، پھر فوجی سلام کی تیز آوازیں آتیں اور پھر ہتھوڑے کی ضربیں پڑنے لگتیں ۔ بلند آواز سے فوجی انداز میں ، پولش زبان میں مختصر مختصر سے احکام دیئے جاتے ۔

" ہیلا ، میں اسلحہ خانے سے بھاگ آیا ہوں "

" مینار ، جوزف ! مینار کو نشانہ بناؤ ! "

" مانیا راستے سے ہٹ جاؤ "

" کیوں ؟ میں تمھارے لئے لکڑی کے کچھ ٹکڑے لا رہی ہوں "

" اوہ ، اوہ ، اوہ "

ایک ٹکراؤ ، پالش کئے ہوئے فرش پر لکڑی کے ٹکڑوں کی دھڑا دھڑ آوازیں ، اور وہ سینار ختم ہو گیا ۔ شور دوگنا ہو گیا ، توپ دغ گئی اور دغ کر نیچے گر پڑی ۔

میدان جنگ بہت سی کھڑکیوں والا ایک بہت بڑا چوکور کمرہ تھا جو در اصل ورزش خانہ تھا ۔ اس کے چاروں کونوں میں چار بچوں کے پلنگ بچھے ہوئے تھے اور ان پلنگوں کے درمیان پانچ برس سے لے کر نو برس کی عمر تک کے چار بچے چیخم دھاڑ مچا کر اپنے جنگی کھیل کھیلتے تھے ۔ بچوں کا چچا پرسکون طبیعت کا آدمی تھا ، اسے کوٹ پیس کے کھیل سے شغف تھا اور مزاج میں صبر و سکون تھا ، اس نے ننھے اسکولڈووسکیوں کو بڑے دن کے لئے ایک کھلونا دیا تھا ، جسے ترتیب دے کر عمارتیں بنائی جا سکتی تھیں ، لیکن اس غریب کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس کے تحفے کا کیا حشر ہوگا ۔ جوزف ، برونیا ، ھیلا اور مانیا کچھ دن تک تو فرماں برداری کے ساتھ عمارتی کھیل کھیلتے رہے اور لکڑی کے مکعبوں سے قلعے ، پل اور کلیسا بناتے رہے اور لکڑی کے بڑے صندوق میں انھیں جو جو ماڈل ملتے گئے ، اس کے مطابق وہ عمارتیں بناتے رہے ، لیکن بہت جلد لکڑی کے ٹکڑے اور لٹھے اپنی اصل اوقات کو پہنچ گئے ، شاہ بلوط کے چھوٹے چھوٹے لٹھوں کی توپیں بن گئیں ، چوکور ٹکڑے توپ کے گولے قرار پائے اور یہ ننھے منے معمار فوج کے سپہ سالار بن بیٹھے ۔

جوزف فرش پر پیٹ کے بل رینگ رہا تھا اور اس طرح گویا وہ میدان جیت رہا تھا ، وہ بڑے سلیقے سے اپنی توپ کو حریف کی طرف بڑھا رہا تھا ۔ اس کا چہرہ صحت مند بچے کا چہرہ تھا ، اس کے بال خوبصورت اور چہرے کے نقوش پائدار تھے ، جب بڑے گھمسان کا رن پڑا ، اس وقت بھی اس کے چہرے کی متانت برقرار رہی ، جو ایک فوجی کمانڈر کے لئے نہایت موزوں ہے ۔ وہ چاروں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ پڑھا لکھا تھا ، گویا ان چاروں میں وہی ایک ننھا مرد تھا ۔ اس کے چاروں طرف لڑکیاں تھیں ، صرف لڑکیاں ، سب لڑکیوں کے لباس ایک جیسے تھے ، سب اتوار والے کپڑے پہنے تھیں ، جھالردار چھوٹے چھوٹے کالر اور پیٹس بند ۔

لیکن ایمان کی یہ بات ہے کہ لڑکیاں خوب لڑیں ۔ جوزف کی حلیف ہیلا کی وحشیانہ آنکھوں سے مارے جوش کے شعلے نکل رہے تھے ۔ ہیلا کی عمر ساڑھے چھ سال تھی اور وہ جذبۂ حریت سے پاگل ہو رہی تھی، وہ بہت تیزی اور سختی کے ساتھ اپنے لکڑی کے ٹکڑے کو آگے دھکیلنا چاہتی تھی ، وہ آٹھ سال کی برونیا سے رشک کرتی تھی . . . برونیا کی ٹھوڑی میں اناردانہ (چاہ زنخداں) تھا ، اس کی شخصیت چکا چوند کر دینے والی تھی ، اس کے بال سنہرے تھے اور جب وہ دو کھڑکیوں کے درمیان تک اپنے پیچھے ہٹنے والے دستے کی حفاظت کے لئے جست لگاتی تھی تو اس کے سنہرے بال ھوا میں اچھلتے تھے ۔

برونیا کی ماتحتی میں ایک منی سی نائب سپہ سالار تھی ، اس کا پیش بند خوب‌صورت تھا ، وہ اسلحہ جمع کرتی تھی اور ایک پلٹن سے اچک کر دوسری پلٹن میں پہنچ کر خود کو شد و مد کے ساتھ مصروف رکھتی تھی ، اس کا چہرہ سرخ اور ہونٹ خشک ہو جاتے ، کیوں کہ وہ بہت چیختی اور بہت زیادہ ہنستی تھی ۔

” مانیا “

بچی ایک زناٹے دار جھٹکے کے ساتھ ٹھہر گئی ، اس نے اپنے پیش بند کو ڈھیلا چھوڑ دیا جسے وہ سینے سے چمٹائے تھی ، لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے چٹر پٹر کر کے فرش پر گر پڑے ۔

” کیا بات ہے ؟ “

اسکولڈووسکیوں کی سب سے بڑی لڑکی زوسیہ کمرے میں داخل ہوئی ۔ ابھی اس کی عمر بارہ برس کی بھی نہ تھی لیکن وہ اپنے چھوٹے بھائی بہنوں میں جوان جہان نظر آتی تھی ۔ اس کے لمبے سرمئی اور سنہرے بال کھلے ہوئے تھے اور شانوں پر بکھرے ہوئے تھے ۔ اس کے چہرے سے حوصلہ مندی نمایاں تھی ، اس کی صورت موھنی اور خواب آلود بھورے رنگ کی حسین آنکھیں تھیں ۔

” امی کہتی ھیں تم بڑی دیر سے کھیل رھی ھو ، اب کھیل ختم کرو “

” لیکن برونیا کو میری ضرورت ھے . . . میں اسے لکڑی کے ٹکڑے لا کر دیتی ھوں “

" امی کہتی ہیں اب بس کرو "

ایک لمحے کے تامل کے بعد مانیا نے بڑی بہن کا ہاتھ پکڑا اور باوقار انداز سے چلی گئی ۔ پانچ برس کی عمر میں جنگ میں شرکت کرنا مشکل کام ہے اور ننھی بچی اتنا تھک چکی تھی کہ وہ جنگ سے دستبردار ہو کر ناخوش نہ تھی ۔ دوسرے کمرے سے ایک پیار بھری آواز اسے چمکار کر پکار رہی تھی " مانیا . . . . مانوسہ اے میری انسیو پیسیو . . . "

پولینڈ میں مخفف نام اور عرفیت کے ناموں کا بڑا رواج ہے ۔ اسکولڈووسکی اپنی سب سے بڑی لڑکی کو صوفیہ کہہ کر کبھی نہ پکارتے تھے بلکہ ہمیشہ " زوسیہ " کہا کرتے تھے ۔ برونی سلاوا کو " برونیا " کہتے تھے ۔ ہیلن ہیلا بن چکی تھی اور جوزف جوزیو کہلاتا تھا ۔ سب سے چھوٹی بچی مانیا گھر بھر کی چہیتی تھی ، اس بچی کو جتنے عرفیت کے نام دیئے گئے اتنے کسی کو بھی نہیں دیئے گئے ۔ " مانیا " اس کا عرف عام تھا " مانوسہ " اسے پیار سے کہتے تھے اور " انسیو پیسیو " از راہ ظرافت کہتے تھے ، یہ ظریفانہ نام ابتدائے طفلی میں رکھا گیا تھا ۔

" میری انسیو پیسیو ، تمہارے بال کتنے پریشان ہیں اور تم کتنا سرخ ہو رہی ہو "

لاغر اور نہایت زرد زرد ہاتھوں نے پیش بند کے کھلے ہوئے ربن کو باندھا اور مستقبل کی سائنس دان خاتون کے ضدی چہرے

سے گھونگھریلی لٹیں ھٹائیں اور بال درست کئے - دھیرے دھیرے بچی کے اعصاب کا دباؤ دور ھوا اور وہ پرسکون ھو گئی -

مانیا کو اپنی ماں سے بے پناہ محبت تھی - اسے یوں محسوس ہوتا کہ اس دنیا میں ماں سے بڑھ کر کوئی رحم دل ، پیارا اور عقلمند نہیں ھے -

مادام اسکولڈووسکا دیہاتی شرفاء کے ایک خاندان کی سب سے بڑی لڑکی تھیں - ان کے والد فلکس بوگسکی چھوٹے زمیندار تھے اور پولینڈ میں ان کی طرح اور بہت سے زمیندار شرفاء تھے ، اتنے غریب تھے کہ اپنی زمین کی آمدنی پر گزر اوقات نہیں کر سکتے تھے، اس لئے بڑے جاگیرداروں کی زمینوں کی دیکھ بھال اور ان کا انتظام کر کے چار پیسے کماتے تھے - ان کی شادی معاشقے کا نتیجہ تھی - انہیں ایک بڑے گھرانے کی لڑکی سے محبت ھو گئی ، بڑے گھرانے میں دولت تو تھی نہیں خالی خولی نجابت ھی نجابت تھی - لڑکی ذات میں ان سے زیادہ اونچی تھی - انہوں نے چوری چھپے لڑکی سے بیاہ کر لیا اور اس حسینہ کے والدین احتجاج ھی کرتے رہ گئے - ماہ و سال گزرتے گئے اور یہ من چلے عاشق ساری جان سے تھر تھر کانپنے والے بزدل بڑے میاں بن گئے اور ان کی معشوقہ دلنواز چڑ چڑی دادی اماں بن گئیں . . . . -

چھ بچوں میں مادام اسکولڈووسکا یقیناً نہایت متوازن شخصیت کی مالک تھیں اور نہایت ذھین تھیں - انہوں نے وارسا کے ایک پرائیویٹ اسکول میں اعلیٰ تعلیم پائی تھی اور جب انہوں

نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اپنی زندگی درس و تدریس کے لئے وقف کر دیں گی تو وہ اسی اسکول میں پروفیسر مقرر ہوئیں اور بالآخر اس ادارے کی ڈائرکٹر بن گئیں - ۱۸٦۰ء میں جب پروفیسر ولاڈی سلاف اسکولڈووسکی ان سے بیاہ کرنے کے لئے کہہ رہے تھے تو دراصل وہ ایک نہایت شائستہ اور سگھڑ بیوی کا انتخاب کر رہے تھے - مادام کے پاس دولت نہیں تھی لیکن وہ اعلیٰ خاندان میں پیدا ہوئی تھیں ، عفت مآب نہیں اور کام کاج سرگرمی سے کرتی تھیں - ان کا مستقبل درخشاں تھا - سو باتوں کی ایک بات یہ کہ وہ فن موسیقی کی ماہر نہیں ، پیانو بجا سکتی تھیں ، وجد آور کمزور آواز میں رائج الوقت گیت گا سکتی تھیں -

پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نہایت حسین تھیں - ان کے بیاہ کے وقت کی ایک دل نواز تصویر سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنی حسین تھیں ، بھرا بھرا چہرہ ، چکنے چکنے گندھے ہوئے چھلے دار بال ، نہایت نفیس محرابی بھنویں ، چہرے کی طمانیت اور مصریوں کی طرح لمبی لمبی بھوری آنکھیں اور دزدیدہ نگاہیں -

یہ تھا وہ بیاہ جسے لوگ ”نہایت موزوں شادی“ کہتے ہیں ، اسکولڈووسکیوں کا اب بگڑے رئیسوں میں شمار تھا ، اگلے وقتوں میں یہ لوگ بھی چھوٹے موٹے رئیس تھے لیکن پولینڈ کی بد نصیبی نے جن رؤسا کو تباہ کیا تھا ، ان ہی میں

یہ بھی شامل تھے ۔ اب یہ بھی سن لیجئے کہ یہ لوگ اسکولڈووسکی کیوں کہلائے ۔ اسکولڈی ایک موضع کا نام ہے ، اصلاً ان کا وہیں سے تعلق تھا ۔ اسکولڈی وارسا کے شمال میں کوئی سو کلومیٹر کے رقبے میں کھیتوں کے ایک مجموعے کا نام تھا ۔ بہت سے خاندان مل کر اسکولڈی میں رہتے تھے اور اسکولڈووسکی کہلاتے تھے ۔ دور دور تک پھیلی ہوئی روائت کے مطابق کسی زمانے میں اس تعلقے کے نواب سے یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ اس نے اپنے ان چھوٹے زمینداروں کو یہ لقب عطا کیا تھا ۔ یا یوں کہئے کہ نواب کی طرف سے اجازت تھی کہ وہ اپنے ناموں کے ساتھ خاندانی لقب استعمال کر سکیں ۔

ان خاندانوں کا آبائی پیشہ زراعت تھا لیکن ایک ایسا برا وقت آیا جب ریاستوں کی حالت پتلی ہو گئی اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں ۔ گو اٹھارھویں صدی میں ولاڈی سلاف اسکولڈووسکی کے جد بزرگوار کے پاس کئی سو ایکڑ زمین تھی اور وہ خوشحال زندگی بسر کر سکتے تھے ۔ جد امجد کی اولاد اگرچہ جاگیردار نہ تھی لیکن ان کے پوتے پرپوتے کھاتے پیتے کسان ضرور تھے ، لیکن جوزف کے ساتھ یہ کیفیت نہیں تھی ۔ جوزف یعنی نوجوان پروفیسر کا باپ ۔ اپنی حالت کو خود بہتر بنانے اور اس نام کی توقیر بڑھانے کے لئے جس پر اتنا ناز تھا ، اسکولڈووسکیوں کے خاندان کا یہ فرزند تعلیم کی طرف مائل ہوا ، جنگوں اور انقلابوں نے اس کے حالات میں ڈرامائی تغیرات پیدا کئے اور آخر کار

وہ ایک مشہور شہر لبلن میں لڑکوں کے اسکول میں ڈائریکٹر کی حیثیت سے پایا گیا ۔ وہ اپنے خاندان کا پہلا دانشور تھا ۔

بوگسکی اور اسکولڈووسکی نے کئی کنبے بنائے ، چھ بچے یہاں ، سات وہاں ۔ کاشتکار ، اسکول ماسٹر ، ناظر دیوانی ، راہبہ . . . . اور پھر چند مختلف المرکز سائے نمودار ہوئے ۔ مادام اسکولڈووسکا کا ایک بھائی ہنری ... ل علاج حد تک فنون لطیفہ کا دلدادہ تھا ، اپنے ... اس کا یہ عقیدہ تھا کہ نہایت خطرناک طور پر ... سے ذہانت بخشی تھی ۔ جہاں تک پروفیسر کے من چلے بھائی یڈبس سلاف کا تعلق ہے وہ خوش باش شخص تھا اور اس نے پیٹرز برگ میں کبھی وکالت کی ، کبھی پولینڈ کی تحریک بغاوت میں رضاکار رہا ، کبھی باغی کہلایا ، کبھی پرووِنسل شاعر اور کبھی ٹولوز میں قانون کا ڈاکٹر ہوگیا ، غرض یہ کہ متواتر خوشحالی اور بدحالی کے درمیان ڈگمگاتا رہا ۔

خاندان میں تیز مزاج اور بردبار سبھی طرح کے کردار موجود تھے ، خاندان کے دانش وروں کا فوج کے اعلیٰ حکام کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا تھا ۔

مادام کیوری کے والدین دانا و فہیم تھے ۔ ان کے والد اپنے والد کی طرح سائنس کی تعلیم کے لئے دور دراز کا سفر طے کر کے پیٹرز برگ کی یونی ورسٹی میں جا کر داخل ہوئے اور وارسا واپس آئے اور اسکول میں علم طبیعات اور ریاضی پڑھانے

لگے ۔ ان کی والدہ کامیابی کے ساتھ ایک ایسا اسکول چلا رہی تھیں جس میں شہر کے شرفاء اپنی بیٹیوں کو پڑھنے کے لئے بھیجتے تھے ۔ آٹھ سال تک یہ خاندان فریٹا اسٹریٹ میں بیوی کے اسکول کی بالائی منزل پر رہتا رہا ۔ ہر صبح جب اسکول ماسٹر گھریلو فضا سے نکلتا تو نیچے چھوٹی لڑکیاں کھڑی ہوئی باتیں کرتی پائی جاتیں ۔

لیکن جب ۱۸۶۸ء میں ولاڈی سلاف اسکولڈووسکی نے وہ اسکول چھوڑ دیا جہاں وہ پڑھاتا تھا اور نوولپکی اسٹریٹ کے ھائی اسکول میں پروفیسر اور انڈر انسپکٹر مقرر ھوا تو اس کی بیوی نے بھی نئے حالات میں خود کو ڈھال لیا ۔ یہ اس کے لئے ناممکن تھا کہ لڑکیوں کے اسکول کی پرنسپل کی حیثیت سے رہنے کے لئے اسے جو کچھ الاٹ ھوا تھا اس میں وہ شوہر کی نئی پوزیشن کے بعد بھی رہتی ، پھر یہ کہ اس کے پانچ عدد بچے بھی تو تھے ۔ چنانچہ کسی افسوس کے بغیر مادام اسکولڈووسکی نے فریٹا اسٹریٹ کا بورڈنگ ھاؤس چھوڑ دیا ، جہاں چند ماہ قبل ۷ نومبر ۱۸۶۷ء کو مادام کیوری یعنی ننھی مانیا پیدا ھوئی تھی ۔

” اچھا پھر انسیو پسیو کیا تم سو رسی ہو ؟ “

ماں کے پاؤں کے پاس ایک گدے پر دوھری لیٹی ھوئی مانیا نے سر ھلا کر کہا ” نہیں امی میں بالکل ٹھیک ھوں “

یہ سن کر مادام اسکولڈووسکا نے فوراً اپنی چھنگلیا سے ننھی بچی کا ماتھا سہلانا شروع کر دیا ۔ مانیا کے نزدیک امی جان کی

یہ ادا بڑی مانوس اور نہایت دل نواز تھی ۔ جہاں تک مانیا کو یاد ہے اس کی ماں نے اسے کبھی نہ چوما تھا ۔ اس لئے اس کے نزدیک اس سے بڑھ کر اور کوئی مسرت نہ تھی کہ وہ ماں کے بالکل نزدیک دبک جائے ، اس سے اتنا قریب ہو جائے جتنا کہ اس مغموم اور دل کش شخصیت سے نزدیک ہونا ممکن تھا اور پھر تذبذب کے عالم میں اس کے تقریباً ناقابل ادراک اشاروں کے بارے میں سوچے ...... ایک لفظ ، ایک تبسم ، ایک پیار بھری نظر ...... ایک بے پایاں محبت اس کی معصوم تقدیر کو تکتی رہتی تھی ۔

وہ اس عمر میں اس بات کا سراغ نہ لگا سکی کہ اس کی ماں اس سے دور دور کیوں رہتی ہے اور اسے چومتی اور پیار کیوں نہیں کرتی ۔ مادام اسکولڈووسکا شدید طور پر علیل تھیں ۔ جب مانیا پیدا ہوئی تھی تو تپ دق کی ابتدائی علامات ظاہر ہوچکی تھیں اور پانچ برس سے علاج اور پرہیز کے باوجود بیماری نے کچھ نہ کچھ ترقی ہی کی تھی لیکن مادام اسکولڈووسکا ایک با حوصلہ عیسائی خاتون تھیں ، انہوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ گھر کے افراد کو اپنی مصیبت کا علم نہ ہونے دیں گی اور اپنی مدد آپ کریں گی ۔ وہ صاف سنہرا لباس پہنتیں ، ہمیشہ چاق چوبند رہتیں ، گھریلو عورتوں کی طرح ہر وقت کام کاج میں مصروف رہتیں اور گھر والوں پر یہی ظاہر کرتیں کہ وہ بالکل بھلی چنگی ہیں حالانکہ انہوں نے خود اپنی ذات پر نہایت سخت قواعد نافذ کر رکھے تھے ، انہوں نے اپنے کھانے پینے کے برتن الگ کر لئے

تھے ، وہ اسے بیٹے اور بیٹیوں کو کبھی نہ چمٹاتی تھیں۔ ننھے بچوں کو ماں کی خوفناک بیماری کا بہت کم علم تھا۔ خشک کھانسی کے مختصر سے حملے ہوتے ، جب کھانسی کا دورہ پڑتا تو امی جان دوسرے کمرے میں چلی جاتیں ، ابا جان کا چہرہ اداس ہو جاتا اور پانچوں بچے شام کے وقت خدا سے دعا مانگتے ”اے خدا امی جان کو اچھا کر دے“

ننھی بچی نے ماں کے گلے میں باھیں ڈال دی تھیں، نوجوان ماں نے آھستہ سے ننھے ننھے ھاتھوں کو الگ کر دیا۔ ”مانوسہ مجھے جانے دو . . . . اتنا بہت سا کام کرنے کو پڑا ھے“

” میں یہاں ٹھہروں ؟ امی کیا میں کتاب پڑھوں ؟ “

” میرا جی چاھتا ھے کہ تم اس وقت پڑھنے کے بجائے باغ میں جاؤ . . . . آج کتنی سہانی رت ھے !“

جب مانیا کو پڑھنے سے منع کیا گیا تو شرم کے مارے اس کے گال سرخ ہو گئے، پار سال جب خاندان کے سب لوگ دیہات میں تھے تو برونیا کو تمام حروف تہجی یاد کرنے میں سخت کوفت محسوس ہو رھی، اس وقت اس نے اپنی بہن کو تعلیم میں تجربے کے طور پر استعمال کیا اور انھوں نے کھیل ھی کھیل میں اسے استانی بنا دیا۔ کئی ھفتے تک سب بچیاں مل کر یہی کھیل کھیلتی رھیں اور دفتی کے حرفوں سے الفاظ بناتی رھیں۔ پھر ایک روز صبح کے وقت جب برونیا اپنے ابا اور امی کو اٹک اٹک کر سبق سنا رھی تھی، حالانکہ سبق نہایت آسان تھا، تو مانیا یہ دیکھ بے صبر

ہو گئی اور اس نے کھلی ہوئی کتاب بڑی بہن کے ہاتھ سے چھین لی اور فرفر پڑھنے لگی ۔ ابتداً جب سب لوگ خاموش تھے تو وہ دل ہی دل میں خوش ہوئی اور اس نے اس دلپسند کھیل کو جاری رکھا ، لیکن اچانک وہ خوفزدہ ہو گئی ۔ ابا اور امی بدحواس ہو رہے تھے اور برونیا روٹھ چلی تھی ، وہ ایک آدھ دفعہ ہکلا کر کچھ بولی اور پھر کوشش کے باوجود اپنی سسکی کو روک نہ سکی۔ ۔ ۔ چار سال کی بچی نادرۂ روزگار تھی لیکن وہ رونے لگی اور مغموم آواز میں بولی :

" مجھے معاف کر دو ، مجھے معاف کر دو۔ ۔ ۔ یہ میری غلطی نہیں ہے۔ ۔ ۔ یہ برونیا کی بھی غلطی نہیں ہے ۔ یہ صرف اس وجہ سے ایسا ہوا کہ سبق بہت آسان تھا "

مانیا کو اچانک رنج کے ساتھ یہ احساس ہوا کہ شاید اسے کبھی معاف نہ کیا جائے گا کہ اس نے پڑھنا سیکھ لیا ہے ۔

اس یادگار واقعہ کے بعد بچی حروف تہجی سے اور زیادہ مانوس ہو گئی ، اور اگر وہ غیر معمولی ترقی نہ کر سکی تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اس کے والدین کی چالاکی اور مصلحت کارفرما تھی ، جنھوں نے مسلسل ننھی بچی کو کتابیں دینے سے گریز کیا ۔ مصلحت اندیش معلمین کی طرح وہ ننھی بچی کے قبل از وقت نشو و نما پانے سے خوف زدہ تھے ۔ جب وہ بڑے حروف والے البم کی طرف ہاتھ بڑھاتی تو ایک آواز یہ تجویزیں پیش کرتی " بہتر یہ ہے کہ تم لکڑی کے ٹکڑوں سے کھیلو۔ ۔ ۔ تمہاری گڑیا کہاں ہے ؟

. . . .مانیا ہمیں گانا سناؤ،، یا پھر جیسے آج کہا گیا ”پڑھنے کے بجائے میرا جی چاہتا ہے کہ تم باغ میں جاؤ،،

مانیا متجسس نگاہوں سے اس دروازے کو دیکھنی جس سے وہ تھوڑی دیر پہلے آئی تھی - برابر والے کمرے میں جنگی کھیل جاری تھا ، لکڑی کے ٹکڑے فرش پر کھڑکھڑا رہے تھے، چیخ پکار کی آوازیں بالکل صاف سنائی دے رہی تھیں، مانیا سمجھ گئی کہ باغ کی سیر کے لئے کوئی ساتھی مشکل ہی سے ملے گا - باورچی خانے میں جانا بھی فضول تھا ، وہ مسلسل گفتگو جاری تھی یا پھر آگ اور لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں تھیں اور پتیلی کا ڈھکن اعلان کر رہا تھا کہ ملازمین شام کا کھانا تیار کر رہے ہیں -

”میں زوسیہ سے ملوں گی،،

”اگر تمہارا جی چاہے،،

”زوسیہ . . . . زوسیہ ! ،،

ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر دونوں بہنیں باغ کی سیر کرنے چلی گئیں ، جہاں وہ ہر روز آنکھ مچولی اور چند بیرا کھیلتی تھیں . . .

”زوسیہ کیا ہم لوگ جلد ہی زوالا جائیں گے ؟ ،،

”نہیں. . . . .جولائی تک نہیں ، لیکن کیا تمہیں زوالا یاد ہے ؟ ،،

مانیا کا حافظہ حیرت انگیز تھا ، اس نے زوالا کی تمام یادوں کو جمع کر رکھا تھا - اسے وہ چشمہ یاد تھا جس میں گذشتہ سال

وہ اور اس کی بہنیں گھنٹوں کشتی میں بیٹھ کر سیر کرتی تھیں . . . چوری چھپے وہ مٹی گیلی کر کے آٹا گوندھتی تھیں اور مٹی کی چپاتیاں پکاتی تھیں ، گیلی مٹی سے ان کے کپڑے اور بوٹ بند لتھڑ جاتے - پھر وہ چھپ چھپ کر کپڑے دھوتیں اور لکڑی کے ایک تختے پر سکھاتیں ، اس تختے کا ٹھکانا صرف انہی کو معلوم تھا . . . . لائم کے درخت پر سات آٹھ سازشی بچے چڑھتے ، چچیری بہنیں، چچیرے بھائی اور دوسرے دوست اور سہیلیاں اور پھر وہ سب اس ننھی سی جان کو بھی مل کر درخت پر چڑھاتی تھیں جس کے ہاتھ پاؤں ابھی درخت پر چڑھنے کے قابل نہ تھے . . . . پھر درخت کی موٹی موٹی شاخوں پر گوبھی کے پتے لگائے جاتے، چھوٹی چھوٹی شاخوں پر وہ جنگلی انگور اور شاہ دانے رکھے تھے اور وہاں بیٹھ کر گاجریں کھاتے تھے -

اور مارکی کے اناج گھر میں کتنی گرمی تھی، جہاں جوزف پہاڑے یاد کرنے جایا کرتا تھا اور جہاں وہ اناج کے ڈھیر میں مانیا کو دبانے کی کوشش کرتے تھے . . . اور بوڑھا بابا اسکرزی بووسکی جب گاڑی ہانکتا تھا تو کتنی تیزی سے شڑاپ سے چابک رسید کرتا تھا ! اور چچا اکزاویر کے گھوڑے . . . .

ہر سال بچے تعطیلات منانے دیہات جاتے اور وہ دن کتنے نشہ آور ہوتے تھے- حقیقت یہ ہے کہ اس وسیع خاندان کی صرف یہی شاخ شہر میں آباد ہو گئی تھی - دیہات میں ان اسکولڈووسکی بچوں کے بہت سے رشتہ دار تھے- پولینڈ کے ہر صوبے میں چند اسکولڈووسکی اور بوگسکی موجود تھے جو پولینڈ کی زمین پر ہل چلاتے تھے -

اگرچہ ان دیہاتیوں کے مکانات پرتکلف نہیں تھے لیکن خوشگوار موسم میں پروفیسر اور اس کے کنبے کے لئے ان کے پاس کافی کمرے تھے۔

موسم گرما میں دانشوروں کی یہ بیٹی جی جان سے کسان لڑکی بن جاتی تھی، دیہات کی لڑکیوں اور اس میں کوئی فرق نہ تھا۔

"آؤ دوڑیں۔ میں شرط لگاتی ہوں کہ باغ کے آخری سرے تک تم سے پہلے پہنچوں گی"

زوسیا چلائی۔ ایسے موقعوں پر وہ متین ہو جایا کرتی تھی اور اپنے تئیں "ماں" کا کردار ادا کرتی تھی۔

"نہیں بھئی میں نہیں دوڑتی۔ تم مجھے کہانی سناؤ"

زوسیا بڑی باکمال داستان گو تھی۔ کسی اور کا تو خیر کیا ذکر، خود پروفیسر صاحب یا ان کی بیوی تک اتنے عمدہ طریقے سے کہانی نہ سنا سکتے تھے۔ جب وہ پریوں کی کہانی سناتی تو اس کا غیر معمولی تخیل برابر کلیاں پھندنے لگاتا رہتا۔ اس نے بعض طربیہ کہانیاں خود گڑھی تھیں اور اپنے بھائی بہنوں کو حیرت میں ڈال دیا تھا۔ مصنفہ اور مشغلہ کے طور پر زوسیا نے مانیا کو خاصا مرعوب اور مسخر کر رکھا تھا۔ جب وہ کہانیاں سنتی تو کبھی تو کھلکھلا کر ہنستی اور کبھی خوف سے تھر تھر کانپتی، حالاں کہ ان سنسنی پیدا کرنے والی

مبالغہ آمیز کہانیوں کو پوری طرح سمجھ بھی نہ سکتی تھی - پانچ برس کی بچی کی بساط ھی کیا !

چھٹیاں گزار کر لڑکیاں گھر آتیں - جب ھائی اسکول نزدیک سے نظر آتا تو بڑی لڑکی کی آواز دھیمی پڑ جاتی ، وہ جس کہانی کا تانا بانا بن رھی ھوتی تھی اور ساتھ ھی ساتھ سناتی جاتی تھی ، گھر نزدیک آنے سے ادھوری رہ جاتی ، زوسیا اختصار سے کام لیتی ، بچے خاموشی سے عمارت میں داخل ھوتے اور داھنے بازوں کی کھڑکیوں کو مڑ مڑ دیکھتے ، تمام کھڑکیوں پر وھی سخت کلف والے پردے ھوتے -

ان کھڑکیوں کے پیچھے وہ لوگ رہتے تھے ، جن سے اسکولڈووسکیوں کا یہ کنبہ بہت زیادہ ڈرتا اور شدید نفرت کرتا تھا - یہاں موسیو ایوانوف ناظم ورزش خانہ۱ رہتے تھے - یہ زار روس کے نمائندے تھے -

۱۸۷۲ء میں پولستانیوں پر بڑا پیغمبری وقت پڑا تھا - روس کی رعایا ھونا سب سے بڑی بدنصیبی تھی - روسی جاسوس شہ رگ سے بھی قریب تھے - انقلابی منصوبے آتش فشاں کے لاوے کی طرح تیار ھو رھے تھے - غلامی ان پر مسلط کی گئی تھی اور وہ بری طرح کچلے جا رہے تھے - ٹھیک ایک صدی پہلے طاقتور ھمسایہ حکمرانوں نے ایک نہایت کمزور ریاست (پولینڈ) کو برباد کرنے کا

---

۱ - پولینڈ میں ھائی اسکول کو ورزش خانہ کہتے ھیں (مترجم)

فیصلہ کر لیا تھا ۔ ملک کو حصوں بخروں میں بانٹ دیا گیا تھا اور تین حصوں میں منقسم ملک جرمن پولینڈ، روسی پولینڈ اور آسٹروی پولینڈ کہا جاتا تھا ۔ صدہا موقعے آئے جب پولستانی استبدادی طاقتوں کے سامنے صف آرا ہوئے، لیکن غلامی کے بندھن اور مضبوط ہوگئے - ۱۸۳۱ء کے ناکام انقلاب کے بعد زار نکولس نے روسی پولینڈ کے باشندوں سے شدید انتقام لیا ۔ محب وطن لوگوں کو دارورسن تک پہنچایا گیا اور بعضوں کو جلا وطن کیا گیا اور ان کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں ۔

۱۸۶۳ء میں ایک کوشش اور کی گئی اور ایک انقلاب عظیم رونما ہوا، باغیوں کے پاس زار روس کی سنگینوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بیلچوں، پھاوڑوں اور ہنسیوں کے سوا کچھ نہ تھا، لیکن وہ جان پر کھیل گئے اور اٹھارہ مہینے تک مسلسل جدوجہد کرتے رہے ..... اور انجام یہ ہوا کہ وارسا کے بڑے بند پر باغی رہنماؤں کو سولی پر لٹکا دیا گیا ۔

اس کے بعد اس پولینڈ کو ہر طرح سے اطاعت کرنے پر مجبور کر دیا گیا، جس نے مرنے سے انکار کردیا تھا ۔ جب پا بہ زنجیر باغیوں کے دستے سائبیریا کی طرف کوچ کر رہے تھے، اس وقت ملک بھر میں روسی پولیس، روسی پروفیسروں اور روس کے ادنیٰ درجہ کے کاروباری لوگوں کو کھلا چھوڑ دیا گیا تھا ۔ ان کا مقصد کیا تھا ؟ پولینڈ

کے باشندوں کی نگرانی کرنا ، ان کے مذہب کو تباہ کرنا ، مشکوک کتابوں اور اخباروں کو ضبط کرنا اور رفتہ رفتہ قومی زبان کو ختم کرنا ، مختصر یہ کہ عوام کی روح کو کچل کر رکھ دینا ۔

لیکن دوسری طرف مدافعت کا انتظام ہو رہا تھا اور پولستانی نہایت تیزی سے منظم ہو رہے تھے - تلخ تجربات نے ثابت کردیا تھا کہ فی‌الحال طاقت کے زور سے آزادی حاصل کرنا ممکن نہ تھا ، لہذا اب ان کا کام یہ رہ گیا تھا کہ وہ وقت کا انتظار کریں اور ان میں سے جو حوصلہ ہار بیٹھیں یا بزدلی کا ثبوت دیں ان کا معقول بندوبست کریں -

تو یوں کہنا چاہئے کہ میدان بدل دیا گیا تھا ۔ اب پولستانی ہیرو ، وہ بیلچہ بدست سورما نہ تھے جو روسی قزاقوں پر حملہ کرتے تھے اور یہ نعرہ لگاتے ہوئے مر جاتے تھے ”کیا ہوا گر مر گئے اپنے وطن کے واسطے“ اب پولستانی ہیرو دانشوروں ، فن‌کاروں ، پادریوں اور مدرسوں پر مشتمل تھے کہ انھی پر نسل نو کا انحصار ہے ، انھی سے قوم کا ذہن بنتا ہے ، یہ لوگ بظاہر گربۂ مسکیں بنے ہوئے تھے - زار روس ان لوگوں کے ساتھ جو ناروا سلوک کررہا تھا ، اسے یہ برداشت کر رہے تھے لیکن در پردہ ہم وطنوں خصوصاً نوجوانوں کی رہنمائی کر رہے تھے -

اس طرح نرم نرم لہجے کے پیچھے ، حاکم و محکوم کے درمیان شدید مخالفت جاری تھی اور یہ کیفیت تمام پولستانی اسکولوں میں جاری و ساری تھی - یہ مخالفت اسکول کے پرنسپل اور مدرس کے درمیان چل رہی تھی اور یہ مخالفت اسکولڈووسکیوں اور ایوانوفوں کے درمیان جاری تھی -

وہ ایوانوف جو نوولپکی اسٹریٹ والے اسکول پر حکومت کر رہا تھا ، خصوصیت کے ساتھ بدتمیز تھا - اسے اپنے ماتحتوں سے کوئی ہمدردی نہ تھی - وہ ماتحت جنہیں مجبور کیا گیا تھا کہ وہ خود اپنے ملک میں اپنے وطن کے بچوں کو روسی زبان میں تعلیم دیں اور یہ بدتمیز شخص کبھی شہد سے زیادہ میٹھے الفاظ میں تعریف کرتا اور کبھی نہایت شدید الزامات لگاتا - ایوانوف جاھل مطلق تھا ، لیکن طالب علموں کے جواب مضمون کی کاپیاں دیکھا کرتا تھا اور بڑے جوش سے تبصرہ کرتا تھا ، وہ جواب مضمون کی کاپیوں میں " پولش ازم " تلاش کرتا تھا جو اکثر لڑکوں کے قلم سے نکل جاتا تھا - اس کے اور پروفیسر اسکولڈووسکی کے تعلقات خاصے ناخوشگوار تھے - تلخی کا آغاز یوں ہوا کہ کسی طالب علم نے اپنے جواب مضمون میں کوئی غلطی کی اور ایوانوف نے پکڑ لیا - پروفیسر صاحب نے اپنے طالب علموں کی حمایت کرتے ہوئے کہا :

" ایوانوف صاحب جانے دیجئے ، کیا ہوا جو غلطی ہوگئی بچہ ہی تو ہے ، ظاہر ہے بھولے ہی سے ایسا ہوا ہے . . . .

کبھی کبھی تو آپ بھی روسی زبان غلط لکھتے ھیں، گو آپ کی تحریر میں غلطی کا امکان بہت کم ھے اور مجھے اطمینان ھے کہ آپ قصداً غلطی نہیں کرتے، بس اس بچے کی بھی یہی کیفیت ھے،،

جب زوسیا اور سانیا سیر کر کے اپنے باپ کے کمرے میں آئیں تو پروفیسر صاحب اپنی بیوی سے ایوانوف کی باتیں کر رہے تھے۔

" وہ جو ایک ھفتہ پہلے دوسرے سال کے لڑکوں نے گرجا میں جلسہ عام کیا تھا، وہ تمہیں یاد ھے، کتنے جوش کے ساتھ مناجات پڑھ رہے تھے، انہوں نے خود چندہ کر کے وہ جلسہ کیا تھا اور انہوں نے پادری کو نہیں بتایا تھا کہ اتنا غیر معمولی جلسہ کس مقصد کے لئے کیا گیا تھا، وہ چھوٹا سا لڑکا بارزسکی جو ھے نا، کل اس نے سب کچھ بتایا تھا، طالب‌علموں کو معلوم تھا کہ ایوانوف کی چھوٹی لڑکی کو میعادی بخار ھے اور ایوانوف کے خلاف نفرت اس حد تک بڑھ چکی ھے کہ انہوں نے میلادالمسیح کا جلسہ کر کے لڑکی کے مرنے کی دعا مانگی تھی۔ اگر غریب پادری کو پتا چل جاتا تو وہ کبھی ان جوکھوں میں نہیں پڑتا،،

اس واقعہ سے پروفیسر صاحب خوش تھے لیکن ان کی میم صاحبہ کٹر کیتھولک تھیں، وہ نہ ھنسیں، بلکہ اپنے غیر دلچسپ کام میں منہمک ھو گئیں، ان کے ایک ھاتھ میں سوجا تھا اور

دوسرے ھاتھ میں رانپی ، وہ جوڑے بنا رھی تھیں ۔ ان کی ایک اھم خصوصیت یہ تھی کہ وہ وھی کام کرتی تھیں جسے وہ بخوبی کر سکتیں ۔ آئے دن کی بیماری اور حمل نے انھیں گھر بیٹھنے پر مجبور کر دیا تھا ، اس عرصہ میں انھوں نے موچی کا کام سیکھ لیا تھا ۔ اب بچے جو آئے دن جوتے توڑا کرتے تھے اس کی کوئی فکر نہ رھی ، کیوں کہ چمڑے کے سوا خرچ ھی کیا تھا ۔

” یہ جوڑا تمھارا ھے مانوسا ، دیکھو ، ان جوتوں میں تمھارے پاؤں کتنے بھلے لگتے ھیں “

مانیا ان لانبے ھاتھوں کو غور سے دیکھنے لگی جو ایک تلا تراش رھے تھے اور سخت سی ڈوری پرو رھے تھے ۔ پاس ھی اس کے والد نہایت سکون کے ساتھ اپنی پسندیدہ آرام کرسی پر دراز تھے ۔ ان کے گھٹنوں کو پکڑ کر جھولنے میں یا ان کی ٹائی کی گرہ کو گڑ بڑ کرنے میں کتنا مزا آتا تھا ۔ وہ بڑی احتیاط سے ٹائی کی گرہ لگاتے تھے اور ان کی بادامی داڑھی پکڑنے میں کتنا لطف آتا تھا ۔ داڑھی نے ان کے چہرے کو خاصا بھاری بھر کم بنا دیا تھا اور ان کے تبسم میں کتنی شفقت تھی ۔

لیکن بزرگوں کی باتیں کتنا بور کرتی تھیں ، ”ایوانوف ، . . . پولیس . . . زار روس . . . جلا وطنی . . . سازش . . . سائبیریا . . “ جب سے وہ پیدا ھوئی تھی اور اس نے ھوش سنبھالا تھا اسی

قسم کے جملے سن رہی تھی ۔ وہ اس قسم کی باتوں سے دل ہی دل میں خوفزدہ تھی اور طبعاً ان باتوں سے کتراتی تھی ، وہ جان بوجھ کر ان باتوں کو سمجھنا نہ چاہتی تھی ۔

وہ الگ تھلگ رہ کر بچکانہ خوابوں میں کھو جاتی تھی ، وہ اپنے والدین کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ جاتی اور ان کی گفتگو کو سنی ان سنی کرنے کی کوشش کرتی ۔ کیل پر ہتھوڑا پڑتا ، تیز آواز آتی اور چمڑے پر قینچی چلنے کی "کتر کتر" آواز آتی ۔ وہ کمرے بھر میں ماری ماری پھرتی . . . . کاہلوں کی طرح اور کمرے کی ان چیزوں کو نگاہ تحسین سے دیکھتی جو اسے بہت عزیز تھیں ۔

یہ کمرہ روزمرہ کے کاموں کے لئے مخصوص تھا اور اس گھر کا سب سے نفیس کمرہ تھا ، یا یوں کہہ لیجئے کہ مانیا کو اس کمرے سے بے حد لگاؤ تھا ۔ فرنچ مہاگنی کی بڑی ڈیسک ، آرام کرسی ، جس پر سرخ مخمل کا غلاف چڑھا ہوا تھا ، جسے دیکھ کر اس کے دل میں جذبۂ تعظیم پیدا ہوتا تھا اور فرنیچر کتنا صاف اور چمچماتا ہوا تھا ! ایک روز جب مانیا سیانی ہو چکی تھی اور اسکول جانے لگی تھی تو اس نے سوچا تھا کہ جب میں بڑی ہو جاؤں گی تو میں بھی ٹھاٹھ سے میز کرسی سجا کر بیٹھا کروں گی اور ابا جان والی میز سنبھال لوں گی ، جس میں بہت سے

خانے هیں ، پھر سہ پہر کو چاروں طرف طالب علم جمع ہو کر اپنا کام کیا کریں گے -

کمرے میں ایک پادری کی بڑی سی تصویر آویزاں تھی ، جس کا سنہرا فریم بہت بھاری تھا اور اس تصویر کو اس خاندان میں بڑی اهمیت حاصل تھی ، لیکن مانیا کو ایک آنکھ نہ بھاتی تھی - اس کی داد و تحسین چمکدار هرے رنگ کی ملاکٹ کی گھڑی کے لئے محفوظ تھی - کتنی موٹی اور چمکدار گھڑی تھی جو ڈیسک پر ایستادہ تھی اور کمرے میں ایک گول میز تھی جسے کوئی ایک سال ہوا جب اس کے رشتے کا ایک بھائی بالرسو سے لایا تھا - اس پر شطرنج کی بساط بنی ہوئی تھی اور هر چوکور خانے میں مرمر کی فردیں رکھی ہوئی تھیں ، کمرے میں اٹھارھویں لوئی کی تمغا نما تصویر بھی تھی ، یہ تصویر ایک طشتری کے اوپر ایک نیلے رنگ کے پیالے سے لگی ہوئی تھی اور طشتری ایک سٹینڈ پر رکھی تھی اور طشتری پر چینی انداز کا کام کیا گیا تھا - ننھی مانیا جان بوجھ کر اس تصویر سے کتراتی تھی ، کیوں کہ هزاروں بار اسے سمجھایا گیا تھا کہ وہ اسے نہ چھوئے - نتیجہ یہ تھا کہ وہ اس تصویر سے خائف رهنے لگی تھی اور اپنے سب سے پیارے خزانے کے پاس پہنچ کر ٹھٹھک جاتی تھی -

کمرے میں باد پیما بھی آویزاں تھا ، یہ شاہ بلوط کے تختے سے جڑا ہوا تھا ، اس کی سوئیاں گلٹ کی بنی ہوئی تھیں ،

اور سفید ڈائل پر چمکتی رهتی نهیں ۔ کبھی کبھی پروفیسر صاحب باد پیما کو ٹھیک ٹھاک کرتے اور اس کی صفائی کرتے اور ان کے بچے نہایت غور سے اپنے والد کی کارگزاری دیکھتے تھے ۔

ایک شیشے کا صندوق تھا جس میں کئی خانے تھے ، ان میں حیران کن اور خوب صورت آلات تھے ، شیشے کی نلکیاں، چھوٹے چھوٹے ترازو ، مختلف معدنیات کے نمونے اور سونے کے پتر کا بنا ہوا الیکٹرک اسکوپ بھی تھا . . . . پہلے پروفیسر اسکولڈووسکی سائنس کے ان آلات کو کلاس روم میں لے جایا کرتے تھے ، لیکن جب سے حکومت نے سائنس کی تعلیم میں تخفیف کردی تھی ، تب سے یہ شیشے کا صندوق همیشه بند هی رهتا تھا ۔

مانیا تصور بھی نہ کر سکتی تھی کہ یہ دل کش ، پرتکلف اور ننھی منی چیزیں کس مصرف میں آتی هیں ۔ ایک روز وہ پنجوں کے بل کھڑی ہو کر نہایت انہماک سے ان آلات کو دیکھ رهی تھی اور بے حد خوش ہو رہی تھی ۔ ابا جان کمرے میں داخل ہوئے اور انہوں نے سرسری طور پر بتایا کہ یہ " آلات طبعیات " هیں ۔

کیسا مذاقیہ نام ہے ۔

وہ اس نام کو کبھی نہ بھولی ۔ وہ کبھی کسی بات کو نہیں بھولی ، وہ اس وقت بڑے ترنگ میں تھی اور آلات طبعیات کے مرکب لفظ کو ترنم سے گانے لگی ۔

دوسرا باب

دھندلے دن

" ماریا اسکولڈووسکا "

" حاضر جناب "

" ہمیں اسٹینی سلاس آگسٹس کے بارے میں بتاؤ "

" اسٹینی سلاس آگسٹس پونیاٹووسکی کو ۱۷۶۴ء میں پولینڈ کا بادشاہ منتخب کیا گیا ، وہ ذہین اور شائستہ تھا ، مصنفوں اور فن کاروں کا دوست تھا۔ وہ ان خرابیوں کو جانتا تھا جن سے ریاست کمزور ہوئی جا رہی تھی ، اس نے ریاست کی بدنظمی کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ بدقسمتی سے وہ کم حوصلہ انسان تھا . . . . "

یہ طالبہ جو اپنی جگہ پر کھڑی تھی ، یہ کلاس میں تیسری قطار میں بیٹھا کرتی تھی ، اس کی نشست کے پاس ایک بڑی سی کھڑکی تھی۔ جس سے "سکسونی گارڈن " کا منظر نظر آتا تھا۔ سکسونی گارڈن کا سبزہ برف سے ڈھکا ہوتا تھا۔ لڑکی اپنا سبق پر اعتماد آواز میں نہایت واضح طور پر سناتی تھی ، وہ بورڈنگ اسکول کا یونیفارم پہنے ہوئے تھی نیلے رنگ کا سرج ، جس میں فولادی بٹن لگے تھے اور سفید

کالر خوب کلف کیا ہوا ۔ دس سال کی بچی اس لباس میں کسی ہوئی تھی اور اینسو پیسیو کے بالوں کی چھوٹی چھوٹی لٹیں ہمیشہ بے ترتیبی سے ماتھے پر پریشان رہتی تھیں ۔ ایک ربن مضبوطی سے بندھا ہوتا تھا جس سے گھونگھر والے بال پیچھے کی طرف کھنچے رہتے تھے ، کانوں کے پاس سے ربن اس طرح سے گزرتا کہ اس کا پر جوش چہرہ معمولی سا نظر آتا تھا ، یعنی موباف باندھنے سے اس کی شکل عام طور معمولی سی نظر آتی تھی ، اگر ربن نہ بندھتا تو چہرے سے قوت ارادی نمایاں ہو جاتی ۔ ہیلا بھی موباف باندھتی تھی ، اس کا موباف زیادہ موٹا اور گہرے رنگ کا ہوتا تھا ، اور گھونگھر والے بال مضبوطی سے بندھے رہتے تھے ۔ ہیلا کی نشست مانیا کی نشست سے ملی ہوئی تھی ، لباس اور زیب و زینت کے سلسلے میں اسکورسکا کے پرائیویٹ اسکول کے قواعد و ضوابط بہت سخت تھے ۔

استانی کی وضع قطع میں بڑی متانت ہوتی تھی ، وہ سیاہ ریشم کی انگیا اور وھیل مچھلی کی ہڈی سے مشابہ کالر لگاتی تھی ۔ اس میں نئے فیشن کا دخل نہ تھا ۔ انٹونیاٹو پالسکا کا خوب صورتی سے کوئی تعلق نہ تھا ۔ ان کا چہرہ بھدا ، ناشائستہ اور بھونڈا تھا ، جسے دیکھ کر کوئی ہمدردی نہ ہوتی تھی ۔ ٹو پالسکا کو حال ھی میں ٹپسیا کی عرفیت دے دی گئی تھی ۔ وہ صرف ریاضی اور تاریخ کی معلمہ ھی نہ تھیں بلکہ ورزش بھی کراتی تھیں اور ان جیسی قوی‌الجثہ خاتون کے لئے یہ مشغلہ مناسب بھی تھا ، اس سلسلہ میں انہیں طاقت کا استعمال

بھی کرنا پڑتا تھا اور ننھی اسکولڈووسکا کو بھی بعض اوقات ان کی سختی کا شکار ہونا پڑتا تھا ۔ حالاں کہ بچی کی طبیعت میں خود مختاری اور ضدی پن بدرجہ اتم موجود تھا ۔

اس کے باوجود استانی جی مانیا کو کچھ زیادہ ھی مشفقانہ نظروں سے دیکھتی نہیں ، بھلا وہ کیسے اپنی اس ذہین شاگرد پر فخر نہ کرتیں جو اپنی ہم جماعتوں سے عمر میں دو سال چھوٹی تھی لیکن حساب میں اول ، تاریخ میں اول، ادب میں اول ، جرمن میں اول ، فرنچ میں اول اور زبانی امتحان میں اول . . . . اور رفتار میں کبھی تغیر نہ آیا ۔

کلاس روم میں خاموشی کی حکومت تھی ، خاموشی سے بڑھ کر بھی کوئی لفظ استعمال کیا جا سکتا ھے ۔ تاریخ کے ان اسباق کو بہت پرجوش طریقہ سے یاد کیا جا رہا تھا ۔ پچیس آنکھیں جو پلک تک نہ جھپکاتی تھیں ، نہایت ولولے کے ساتھ تاریخ کا سبق لے رہی تھیں ، اک شہنشاہ کا ذکر تھا جسے مرے ہوئے بہت زمانہ ھوچکا ھے ۔ جب مانیا نے اپنی مسحور کن آواز میں یہ جملہ کہا تو ایک آگ سی لگ گئی :

”. . . بدقسمتی سے وہ کم حوصلہ انسان تھا . . . “

غیر وجیہ معلمہ اور اس کے غیر معمولی سنجیدہ شاگرد جنہیں وہ پولینڈ کی تاریخ پولش میں پڑھاتی تھی مشکوک نظروں سے دیکھنے لگے ، جیسے وہ کسی سازش میں

شریک تھی اور اچانک تمام شاگرد چونک کر اس طرح خاموش ہوگئے جیسے وہ بھی سریک جرم تھے، دور سے بجلی کی گھنٹی بجنے کی آواز آئی -

” دو آوازیں نسبتاً تیز اور دو مدھم “

گھنٹی کے اعلان نے ایک لمحے کے لئے فصا میں تحریک پیدا کی ، مدھم لیکن پر جوش تحریک . . . . گھنٹی سن کر ٹسپیا نے کرسی پر پھیلی ہوئی کتابوں کو جلدی جلدی سمیٹا ، پھرتیلے ہاتھ پولش کتابیں اور اخبارات جو ڈسک پر بکھرے پڑے تھے سنبھالنے لگے اور انھوں نے جلدی سے یہ سامان چار پھرتیلی لڑکیوں کے پیش بند میں ڈال دیا جو اس بوجھ کو لے کر چلتی بنیں اور اپنے بورڈنگ ہاؤس کی ڈارمیٹری کی طرف چلی گئیں - کرسیوں کی جنبش اور ڈسک کے ڈھکن کھولنے اور بند کرنے کی آوازیں بڑے رازدارانہ انداز سے سنائی دیتی تھیں . . . . چاروں لڑکیاں سانس روکے ہوئے واپس آئیں اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئیں ، ڈیوڑھی کا دروازہ آہستہ سے کھلا -

مسٹر ہارن برگ نمودار ہوئے اور چوکھٹ پر کھڑے ہو گئے - یہ شہر وارسا کے پرائیویٹ بورڈنگ اسکولوں کے انسپکٹر تھے - سجیلی وردی پہنے تھے - خاکی پتلون ، نیلا چغہ اور چمکدار بٹن ، ٹھسا ٹھس موٹے تھے اور جرمن فیشن میں تھے ، ان کا چہرہ بھرا بھرا اور آنکھیں چمکیلی تھیں، جو سنہری کمانی کی عینک کے شیشوں سے جھانکتی تھیں -

ایک لفظ کہے بغیر انہوں نے طالب علموں کو بغور دیکھا اور ان کے پاس ھی ڈائریکٹر کھڑے تھے ، وہ بھی یک لخت ساکت کھڑے تھے - اسکورسکا نے انہیں بھی دیکھا لیکن دبے ہوئے اضطراب کے ساتھ - آج وہ نہایت مختصر سے نوٹس کے ساتھ آگئے تھے ، اسکول کے ملازم نے ان کے آنے کی اطلاع کے لئے وہ مدھم سی گھنٹی بجائی تھی اور تقریباً اچانک ھی آ گئے تھے - کیا سب چیزیں ٹھیک ٹھاک تھیں ؟

سب چیزیں ٹھیک ٹھاک تھیں - پچیس چھوٹی لڑکیاں انگشتانے پہنے سلائی کا کام کر رھی تھیں اور معصومیت کے ساتھ کپڑے میں بٹن کے کاج بنا رھی تھیں - صاف ستھری ڈیسکوں پر قینچیاں اور دھاگے کی پیچکیں پڑی تھیں اور ٹوپسیا اپنے چمپئی چہرے اور ماتھے کی ابھری ہوئی رگوں کے ساتھ میز پکڑے کھڑی تھی ، اس کے سامنے ایک رجسٹر کھلا ھوا تھا جس پر دقیانوسی حرفوں میں کچھ لکھا تھا .... " انسپکٹر صاحب ! ان بچیوں کو ھفتے میں دو گھنٹے سلائی کا کام سکھایا جاتا ھے " استانی نے پر سکون لہجے میں کہا -

انسپکٹر ھارن برگ استانی کی طرف بڑھے -

" استانی صاحبہ ! آپ ابھی بلند آواز سے کیا پڑھ رھی تھیں ، وہ کون سی کتاب تھی "

" کرائی لوف کی لکھی ہوئی بچوں کی کہانیاں - آج ھی سے پڑھانا شروع کیا ھے "

ٹوپسیا نے مکمل اعتماد کے ساتھ جواب دیا ، رفتہ رفتہ اس کے رخساروں کی اصلی رنگت واپس آرھی تھی -

ھارن برگ نے اپنے تئیں نہایت بے خیالی سے قریب ھی رکھی ھوئی ایک ڈیسک کا ڈھکن کھولا - نہ کوئی کتاب تھی نہ کوئی کاغذ -

لڑکیاں سلائی کا کام ختم کر چکی تھیں - انھوں نے نہایت ھنرمندی سے ھچکیوں میں سوئیاں اڑس دیں اور بے حس و حرکت اسے سینے پر دونوں ھاتھوں کو ایک دوسرے سے پھنسا کر بیٹھ گئیں - گہرے نیلے لباس اور سفید کالروں میں سب لڑکیاں ایک جیسی لگ رھی تھیں - پچیس بچکانہ چہرے ایک دم بوڑھے سے لگنے لگے - سب چہروں پر ایک ھی کیفیت تھی - خوف و ھراس ، نفرت اور فراست کے چھپے ھوئے تاثرات -

ھارن برگ نے ٹوپسیا کی پیش کی ھوئی کرسی کو قبول کیا اور بھاری بھرکم انداز سے بیٹھ گئے -

" مہربانی فرما کر ان بچیوں میں سے کسی کو بلائیے "

تیسری نشست میں ماریا اسکولڈووسکا بیٹھی تھی ، اس نے جان بوجھ کر کھڑکی کی طرف منہ پھیر لیا - وہ دل ھی دل میں دعا مانگ رھی تھی -

" اللہ کرے مجھے نہ بلائیں . . . کسی اور کو بلائیں . . . کسی اور کو . . . "

لیکن وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ قرعۂ فال اسی کے نام نکلے گا ، وہ جانتی تھی کہ اسے تقریباً ہمیشہ ان سرکاری انسپکٹروں کے سوالات کا جواب دینا پڑا ہے ، وجہ یہ تھی کہ وہ سب سے زیادہ قابل تھی ، کہ فصیح و بلیغ روسی بولتی تھی -

اپنا نام سن کر وہ سیدھی ہو گئی ، اس کے بدن میں گرمی کی لہر دوڑ گئی . . . . نہیں ، وہ سرد پڑ گئی - ایک خوفناک شرم نے اسے حلق سے دبوچ لیا -

" مناجات "، هارن برگ نے نہایت اختصار سے کہا ، اس کے روپے سے لا تعلقی اور بے زاری نمایاں تھی -

مانیا نے مناجات پڑھنا شروع کی " ہمارے باپ "، صحیح تلفظ ، آواز میں نہ کوئی رنگ نہ کوئی کیفیت ، وہی ادنیٰ درجہ کی مکاری جو زار کے تسلط سے پیدا ہوئی تھی ، یعنی جیسے زار نے تذلیل کی خاطر نافذ کیا تھا ، کہ تمام پولش بچے روزانہ روسی زبان میں کیتھولک مناجات ادا کریں - اس طرح جب پولش بچے اپنے عقیدے کا احترام کرنا چاہیں تو زار روس روسی زبان مسلط کر کے ان کے عقیدے کی ذلت کر سکتا تھا -

دوبارہ خاموشی -

" ان زاروں کے نام بتائیے جو کیتھرائین دوم کے وقت سے مقدس روس پر حکمرانی کرتے رہے "

" کیتھرائن دوم ، پال اوّل ، الیگزینڈر دوم "

انسپکٹر مطمئن ہوگیا ۔ اس بچی کا حافظہ اچھا تھا اور تلفظ اور لب و لہجہ کس معرکہ کا تھا ! یہ لڑکی یقیناً سینٹ پیٹرز برگ میں پیدا ہوئی ہوگی ۔

"مجھے شاہی خاندان کے اسمائے گرامی اور ان کے القابات سناؤ"

"سرکار عالیہ ملکہ معظمہ ، شہنشاہ معظم سی زارا وچ الیگزینڈر، سرکار والا تبار . . . "

نام کے آخر میں بے شمار القابات تھے جنہیں سن کر ھارن برگ کے ہونٹوں پر دھیما سا تبسم آگیا ، اس نے سوچا کہ یہ لڑکی خوب ہے ، مانیا کے چہرے کی کیفیات اور اس کے کرب کا اسے کوئی اندازہ نہ تھا ، اس نے اس نیت سے اسے دیکھا ہی نہیں ، اسے کیا معلوم تھا کہ وہ اپنے اندر کی چھپی ہوئی باغی اور محب وطن بچی پر کس عیاری سے پردہ ڈال رہی تھی ۔

"ہمارے زار باوقار کے اور کیا القابات ہیں ؟ "

"ویلی چسٹوفوف"

"اور میرے منصب کا کیا نام ہے"

"وائسو کورو ڈائی"

ان تفصیلات سے انسپکٹر کو بڑا مزا آ رہا تھا ، ریاضی یا علم ھجا کے مقابلے میں یہ انداز فکر زیادہ اھم تھا ، محض اپنے لطف کی خاطر اس نے پھر سوال کیا ۔

"ہم پر کس کی بادشاہت ہے"

استانی اور سپرنٹنڈنٹ کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے اور انہوں نے اپنے غم و غصے کو چھپانے کے لئے سامنے کھلے ہوئے رجسٹر پر سختی سے نظریں جمالیں - جب جلدی سے جواب نہ ملا تو ھارن برگ نے تلخ لہجے میں بلند آواز سے کہا

" ہم پر کس کی بادشاھت ھے ؟ "

" اعلیٰ حضرت سرکار والا تبار شہنشاہ معظم الیگزینڈر دوم کی بادشاھت ھے ، جو تمام روسوں کے زار ھیں " مانیا نے نہایت تکلیف کے ساتھ یہ تفصیل بتائی اور اس کا منہ لٹک گیا -

اجلاس برخواست ھوا - سرکاری کارندہ اپنی کرسی سے اٹھا ، اس نے سر کو خفیف سی جنبش دی اور دوسرے کمرے کی طرف چلا گیا - اسکورسکا اس کے ھمراہ تھیں -

پھر ٹوپسیا نے اپنا سر اٹھایا -

" یہاں آؤ - میرے لال ، میری منی بٹیا "

مانیا اپنی جگہ سے اٹھ کر استانی کے پاس آئی ، استانی نے کچھ کہے بغیر اس کی پیشانی کا بوسہ لیا - کلاس روم میں زندگی کے آثار پیدا ھو چلے تھے لیکن اچانک پولش بچی کی اعصابی طاقتیں جواب دے گئیں اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی -

" آج انسپکٹر آیا تھا ! آج انسپکٹر آیا تھا !

سراسیمہ بچوں نے اپنی ماؤں کو یہ خبر سنائی تھی اور بعض بچوں نے اپنی آیاؤں کو یہ خبر سنائی جو اسکول کے باھر بیٹھی

ان کا انتظار کر رهی تهیں ۔ مفلر لپیٹے هوئے لڑکیوں کے گروہ اور سمور کے کوٹ پہننے والے بڑی عمر کے لوگ سڑکوں پر منتشر هو گئے ۔ آج موسم سرما کی پہلی برف گری تهی ، لوگ زیر لب باتیں کر رهے تهے، راہ گیر اور کوچہ گرد لوگ ادهر ادهر پهر رهے تهے ۔ بعض لوگ مکانوں کی کهڑکیوں کو گهور گهور کر دیکھ رهے تهے ۔ شاید وہ خفیہ پولیس کے لوگ تهے ۔

هیلا آج صبح کے واقعات مائکاووسکا اور چچی لوسیا کو سنا رهی تهی ، جو دونوں بهنوں سے ملنے آئی تهیں ۔

" هارن برگ نے مانیا سے سوالات کئے اور اس نے بڑی خوبی سے جواب دئیے لیکن پهر وہ رونے لگی ۔ ایسا معلوم هوتا هے آج کے معائنے میں انسپکٹر نے کسی کلاس کے بارے میں کوئی بات نہیں کہی "

سحر طراز هیلا سرگوشیاں کر رهی تهی لیکن اپنی مانیا کے ساتھ خاموشی سے چلی گئی ۔ انسپکٹر کے سوالوں کا جواب دیئے هوئے کئی گهنٹے گزر چکے تهے لیکن ننهی بچی اب تک کرب کے عالم میں تهی ، وہ اس قسم کی اچانک نازل هونے والی سراسیمگی سے نفرت کرتی تهی ۔ اس قسم کی ذلت آمیز نمائشوں سے کیا حاصل تها جس میں انسان کو همیشہ جهوٹ بولنا پڑتا هے . . . .
هارن برگ کے معائنے سے وہ مغموم هوگئی تهی اور آج اسے اپنی زندگی بہت گراں گزر رهی تهی ، کیا وہ تصور کر سکتی تهی کہ وہ ان فکروں سے آزاد هو کر زندگی گزار سکتی جیسے کہ بچے گزارتے

ھیں ۔ اسکولڈووسکی گھرانے پر مسلسل آفتیں نازل ھوتی رھیں اور مانیا کو گزرے ھوئے چار برس بھیانک خواب کی طرح محسوس ھوتے تھے ۔

پہلے مادام اسکولڈووسکا زوسیا کے ساتھ نائیلس روانہ ھوئیں اور مانیا کو یہ سمجھایا گیا کہ ” علاج کے بعد ممی بالکل اچھی ھو جائیں گی “ لیکن جب بچی نے سال بھر بعد اپنی ماں کو دیکھا تو وہ اپنی بدنصیب ماں کو بمشکل پہچان سکی . . .

پھر ۱۸۷۳ء کے موسم خزاں میں ایک دن وہ ڈرامائی انداز سے چھٹیاں منا کر گھر لوٹے ۔ پروفیسر اسکولڈووسکی جب اپنے کنبے کے ساتھ گھر آئے تو میز پر ایک سرکاری لفافہ رکھا تھا ۔ محکمانہ حکم کے بموجب ان کی تنخواہ میں تخفیف کر دی گئی اور اسکول کے کارکن کی حیثیت سے انھیں رھنے کے لئے جو مکان دیا گیا تھا وہ چھین لیا گیا ، کیونکہ اب وہ نائب انسپکٹر کے منصب پر فائز نہ تھے ، بے رحمی کا یہ مظاھرہ سرکاری طور پر کیا گیا تھا ۔ یہ ظالمانہ انتقام پرنسپل ایوانوف لے رھے تھے اور یہ انتقام اس ماتحت سے لیا جا رھا تھا جو فن خوشامد اور زمانہ سازی سے بیگانہ تھا ۔ ایوانوف اس جنگ میں فاتح رھا ۔

اس کے بعد اسکولڈووسکی مارے مارے پھرے ۔ نوولپکی اور کارمیلائٹ اسٹریٹ کے چوراھے کے کونے پر انھوں نے آباد ھونے کی کوشش کی ۔ وہ رہی جمی زندگی ، وہ بھرا پرا گھرانا آئے دن کی بپتا سے الجھنے لگا ۔ اب انھیں نامانوس حالات و واقعات سے سابقہ پڑا ۔

پروفیسر صاحب نے پہلے یہ کیا کہ دو تین طالب علموں کو اپنے گھر میں ٹھہرا لیا ، پھر بحالت مجبوری طالب علموں کی تعداد بڑھنے لگی ۔ دو سے چار ہوئے ، چار سے آٹھ اور آخر تعداد دس تک پہنچ گئی ۔ وہ ان طلباء کے طعام و قیام اور تعلیم کا بندوبست کرتے تھے ۔ یہ طلباء ان کے سابق شاگرد ھی تھے اور اس طرح اچھا خاصا مکان ھنگامہ خیز پارک بن گیا ۔ کنبے کی نجی بے تکلفی ختم ھو گئی اور اس طرح گھریلو ماحول باقی نہ رہا ۔

یہ سب کچھ اس لئے کرنا پڑا کہ بیوی کا علاج ضروری تھا ، پروفیسر صاحب کی مالی حالت خراب تھی اور بیوی کے لئے ایثار کرنا ضروری تھا ۔ پروفیسر صاحب کے ایک برادر نسبتی تھے ، وہ ایک بڑے ”معرکے“ کا اسٹیم مل چلا رہے تھے اور عجب ذات شریف تھے ، انھوں نے سبز باغ دکھا کر پروفیسر صاحب کو اس .کاروبار میں سرمایہ لگانے پر راغب کیا ۔ پروفیسر صاحب بڑے دور اندیش اور محتاط تھے ، لیکن اس کے باوجود جھانسے میں آ گئے اور تیس ھزار روبل گنوا بیٹھے ، یہی عمر بھر کی پونجی تھی ۔ باقی زندگی وہ اس خسارے پر خون کے آنسو بہاتے رہے ۔ وہ شدت جذبات میں خود کو مطعون کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ گویا انھوں نے خود ھی اپنے پیروں میں کلھاڑی ماری ، اپنا گھر تباہ کر لیا اور وہ سرمایہ برباد کر دیا جو لڑکیوں کے بیاہ اور جہیز میں کام آتا ۔

جنوری ۱۸۷۶ء میں (یعنی اس مدت سے دو سال قبل جس مدت کو مانیا بہت نا خوشگوار کہا کرتی تھی) برونیا اور زوسیا بخار میں مبتلا ہو گئیں - یہ ایسا بخار تھا جس میں سارے بدن پر ارغوانی دانے نکل آئے تھے . . . . . دراصل ایک لڑکے کی جھوت لگ گئی تھی ، یہ لڑکا پروفیسر صاحب کے گھر رہتا تھا ، جیسے دوسرے طلباء رہا کرتے تھے - کتنے خوف ناک دن تھے ! ایک کمرے میں امی جان ایڑیاں رگڑ رہی تھیں اور اپنی کھانسی کو قابو میں رکھنے کی کوشش میں اس حد تک مصروف تھیں کہ انہیں تشنج کی شکایت ہو جاتی تھی ، دوسرے کمرے میں دونوں بچیاں پڑی تھیں ، ان پر ھل ھلا کے بخار چڑھا تھا اور وہ بیچاریاں کراہ رہی تھیں -

اچھی طرح یاد ہے ، وہ بدھ کا دن تھا ، جب پروفیسر صاحب جوزف ، ہیلا اور مانیا کو لینے آئے تھے تاکہ وہ ان سب کو آخری مرتبہ ان کی بڑی بہن کا چہرہ دکھا دیں - زوسیا کا جنازہ رکھا تھا ، وہ سفید لباس میں اس طرح لیٹی تھی جیسے مسکرا رہی ہو ، اس کے چہرے پہ خون کی ایک چھینٹ تک نہ تھی ، اس کے دونوں ہاتھ ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے اور ضرورت سے زیادہ گھنے بالوں کے باوجود مرنے والی بلا کی حسین نظر آ رہی تھی -

مانیا کا موت سے یہ پہلا تعارف تھا ، یہ جنازہ تھا جس میں وہ شریک ہوئی تھی ، وہ سیاہ ماتمی لباس پہنے تھی ، بخار تو برونیا کو بھی آیا تھا لیکن وہ اللہ کے فضل سے

بھلی چنگی تھی اور تکئیے میں منہ چھپا کر رو رہی تھی ۔ مادام اسکولڈووسکا بیچاری اتنی کمزور تھیں کہ وہ جنازے کے ساتھ چلنے سے بھی معذور تھیں ، نصیبوں جلی ماں بے دم ہو ہو کر ایک کھڑکی سے دوسری کھڑکی کی طرف بھاگتی تھی اور کھڑکی سے جھانک کر دیکھتی تھی ، اس کے دل کے ٹکڑے کا جنازہ جا رہا تھا ، اس کی نگاہیں تا حد نظر تعاقب کر رہی تھیں اور جنازہ آہستہ آہستہ کارمی لایٹ اسٹریٹ سے گزر گیا ۔

” سنو بچو ؟ ہم چہل قدمی کرنے جا رہے ہیں ۔ آج کچھ سیب خریدنے جائیں گے ، ابھی سیب خرید لئے جائیں تو اچھا ہے ، پھر چلے کی سردیاں شروع ہو جائیں گی “

بچے چچی لوسیا کے ساتھ چل دئیے ، وہ بڑی اچھی تھیں ۔ سکسونی گارڈن کے درمیان سے ایک نہایت نشاط افزا راستے پر بھتیجیاں اپنی چچی کے ساتھ چل دیں ، نومبر کی سہ پہر تھی اور راستہ تقریباً سنسان تھا ۔ وہ بچیوں کو بہلا پھسلا کر ہوا خوری کے لئے لائی تھیں، وہ چاہتی تھیں کہ جہاں تک ہو سکے مکان سے دور رہا جائے، کیوں کہ مکان میں بچیوں کی ماں دق کے مرض میں ایڑیاں رگڑ رہی تھیں ۔ اللہ نہ کرے کہ بچیوں کو چھوت لگے . . . ! ہیلا تو ماشاءاللہ بھلی چنگی تھی لیکن مانیا اتنا مغموم تھی کہ بیچاری کا چہرہ زرد پڑ گیا تھا ۔

باغ سے نکل کر وہ تینوں وارسا کے پرانے شہر میں داخل ہوئیں ، یہیں مانیا پیدا ہوئی تھی ، یہاں کی گلیاں نئے شہر کے

مقابلے میں زیادہ پر بیچ تھیں ، یہاں چھتیں ڈھلوان تھیں اور اسٹیٹرمیاستو کے مکانوں میں رنگ برنگی چیزیں سجی ہوئی تھیں ، پتھر کے مجسمے ، پادریوں کے بت ، جانوروں کی شکلیں . . . یہ مکان تھے کہ دکانیں !

برفیلی ہوا میں گرجے کی گھنٹیاں مختلف لہجوں میں ایک دوسرے کو جواب دے رہی تھیں ۔ گرجے کی ان گھنٹوں سے مانیا کو اپنا بھولا بسرا بچپن یاد آرہا تھا ۔ اسی سینٹ میری کے گرجے میں اس کے بتپسمے کی رسم ادا ہوئی تھی ، وہ بڑا یادگار دن تھا جب مانیا نے "حلف عیسوی" اٹھایا تھا . . . . لڑکیاں اکثر سینٹ پال کے گرجے میں اتوار کو وعظ سننے آتی تھیں ۔ یہ وعظ جرمن زبان میں ہوتا تھا ۔

میاستو ویران سی جگہ تھی لیکن مانیا کے لئے یہ علاقہ مانوس تھا ، کیونکہ سرکاری طور پر جب انہیں ایک مکان سے نکالا گیا تھا تو وہ ایک برس تک یہاں رہے تھے ۔ ہر روز مانیا اپنی ماں اور بہنوں کے ساتھ "اور لیڈی" کے گرجے میں جاتی تھی ۔ یہ گرجا اجنبی تھا ، لیکن یہاں کی فضا بڑی وجد آور تھی، اس کے منارے چوکور تھے اور تمام عمارت اور سیڑھیاں سنگ سرخ کی بنی تھیں ۔ صدیوں کا پرانا پن نمایاں تھا ، تمام عمارت مجموعی طور پر ٹیڑھی ٹیڑھی ہوگئی تھی ۔

چچی لوسیا کے کہنے سے آج پھر سب لڑکیاں اندر داخل ہوئیں چند قدم اندر گئیں ، مانیا گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی اور کانپنے لگی ۔

زوسیا کے بغیر یہاں آنا اس کے لئے قیامت تھا ، اور زوسیا ہمیشہ کے لئے رخصت ہوچکی تھی اور پھر اس کی پراسرار ماں بھی تو همراہ نہ تھی ، جو مصیبتیں جھیلے جا رہی تھی اور جس پر بظاہر اللہ میاں کو بالکل ترس نہ آتا تھا ۔

مانیا ۔ ایک بار پھر گڑ گڑا کر دعا مانگی ، دعا پر اسے یقین تھا ، اس نے بڑی وارفتگی اور مایوسی کے عالم میں مسیح علیہ‌السلام سے کہا کہ وہ اسے حیات نو بخش دیں ، جسے وہ دنیا میں سب سے زیادہ چاہتی تھی ۔ اس نے خداوند یسوع مسیح سے کہا کہ " اے خداوند ! میں اپنی امی کے بدلے مرنے کے لئے تیار ہوں ، مجھے مار ڈال لیکن میری امی کو اچھا کر دے "، پاس ہی چچی لوسیا اور ہیلا سجدے میں گری ہوئی زیر لب دعا مانگ رہی تھیں ۔

پھر وہ گرجے سے باہر نکلیں اور سیڑھیوں سے اترنے لگیں، یہ دوہری دوھری سیڑھیاں تھیں ، ان کی ایک شاخ دریا کی طرف جاتی تھی ۔ منظر بڑا حسین تھا ، لیکن طبیعت پر گراں گزر رہا تھا ، دریا کا عنابی رنگ کا پانی ساحل تک بار بار آتا تھا اور جزیرے سے بناتا ہوا واپس لوٹ جاتا تھا ۔ دریا کے کنارے کپڑے دھونے کے لئے لٹھے پڑے ہوئے تھے ، یہ لٹھے پانی سے ٹکراتے تھے ۔ بھورے رنگ کی لمبی لمبی کشتیاں ساحل پر بے حس و حرکت پڑی تھیں ۔ موسم گرما میں خوش باش نوجوانوں کے گروہ کشتیوں میں بیٹھ کر دریا کی سیر کرتے تھے ۔

اب تو فقط اتنا رہ گیا تھا کہ کشتیوں سے باربرداری کا کام لیا جاتا تھا اور ان میں سیب بھر کر لائے جاتے تھے ۔ آٹھ چپوؤں والی دو کشتاں تھیں ، یہ تنگ اور نوک دار تھیں اور ان کا ایک سرا زیادہ تر پانی میں ڈوبا رہتا تھا ۔

بھیڑ کی کھالوں میں مال بھرا جاتا تھا اور سوداگر تاجرانہ فراست سے کام لے کر کھالوں میں بھوسا بھر کر رکھ دیتا تھا ۔ بھوسا بھرنے سے سیب کھرے سے محفوظ رہتے تھے اورسرخ اور چمکدار سیب کشتی کی شان بڑھاتے تھے ۔ سینکڑوں ہزاروں سیب ان کشتیوں میں بھرے ہوئے تھے، یہ سیب کارمرز کے خوب صورت شہر سے آئے تھے اور یہاں آتے آتے کافی دن لگ جاتے تھے ۔

” آؤ ہم اپنے سیب چن لیں ،، ہیلا چلائی اور بہت جلدی مانیا سے بے تکلف ہو گئی ۔ اس نے اپنا اسکولی تھیلا اور دستانے اتار دیئے، یہی ایک مہم تھی جو بچیوں میں تازہ روح پھونک سکتی تھی، سیب چننے کے مشغلے سے انہیں بڑی رغبت تھی ۔ باری باری سے انہوں نے سیب اٹھا لئے اور سیبوں کو اچھی طرح سے گھما گھما کر دیکھا، جو معائنے کے معیار پر پورے اترے، انہیں بید کی ٹوکریوں میں ڈال دیا جاتا تھا اور سڑے گلے سیبوں کو پوری طاقت سے دریا میں پھینک دیا جاتا تھا ۔ جب ٹوکری بھر جاتی تھی اور گاھک کشتی سے باھر آتے تھے تو ان کے پاس بہترین سیب ہوتے تھے۔ سردی بہت پڑ رہی تھی اور بتیسی بج رہی تھی ۔ چچی لوسیا سودا چکا رہی تھی اور یہ سیب کترنے کا نادر موقع تھا ۔ شریر اور چنچل لڑکے گاھکوں کے سیب گھر پہنچاتے تھے ۔ چچی لوسیا

نے ایک لڑکے کو طے کیا ، جس کے چہرے پر داغ دھبے تھے ۔ شام کے پانچ بجے تھے ۔ چائے کے بعد نوکروں نے کھانے کے کمرے کی لمبی میز صاف کر دی اور پٹرولیم کا لیمپ جلا دیا ۔ کام کا وقت شروع ہوچکا تھا ، اس گھر میں رہنے والے طالب علم دو دو تین تین کی ٹکریوں میں اپنے اپنے کمروں میں جمع ہو رہے تھے ۔ پروفیسر کا بچہ اور بیجیاں بدستور کھانے کے کمرے میں بیٹھے رہے کیونکہ یہی کھانے کا کمرہ اب مطالعہ کا کمرہ بھی تھا ، انہوں نے اپنی کاپیاں اور کتابیں کھول لیں اور چند منٹ کے بعد جادو کی سی فضا بن گئی، اس قسم کی فضا اس گھر میں کئی برس تک رہی ۔

یہ ہمیشہ وہی بچے ہوتے تھے جو بلند آواز میں لاطینی زبان میں نظمیں نہیں پڑھ سکتے تھے بلکہ اٹک اٹک کر پڑھتے تھے ۔ تاریخ کے سن اور دوسری عبارتیں بھی آسانی سے نہ پڑھ سکتے تھے ۔ ہر کونے سے بھنبھنانے کی آوازیں آتی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے کوئی کسی معاملے میں شدید جدوجہد کر رہا ہے، ہر چیز کتنی مشکل تھی ۔ بعض اوقات پروفیسر صاحب کو مشکلیں آسان کرنا ہوتی تھیں ، یہ مشکل دراصل زبان کی تھی ۔ ایک ہی بات جسے کوئی ہونہار طالب علم اپنی زبان میں بخوبی سمجھ سکتا تھا زبان غیر بالکل نہ سمجھ پاتا تھا ، لیکن روسی زبان سرکاری زبان تھی ، اس زبان میں آموختہ کرانے میں اور بھی دقت ہوتی تھی ۔

ننھی مانیا کو اس سلسلہ میں کوئی دقت نہ تھی اور زبان کے سلسلہ میں اسے کوئی ذہنی پریشانی نہ تھی، اس نے ایسا حافظہ پایا تھا کہ اس کی سہیلیاں جب اس کی زبان سے نقائص

سے یکسر پاک، نظمیں سنتیں تو حیران رہ جاتیں ۔ یہ وہ نظمیں تھیں جنھیں وہ صرف دو ایک بار پڑھ کر یاد کر لیتی تھی ۔ سہیلیاں سمجھتی تھیں کہ اس میں مانیا کی کوئی چال بازی ہے اور ان کا قیاس تھا کہ شاید وہ ان نظموں کو در پردہ خوب رٹتی تھی ، وہ دوسری بچیوں کے مقابلے میں اپنا کام بہت جلد ختم کر لیتی تھی اور اکثر اپنی ذہانت سے مجبور ہو کر کسی اور کام میں مشغول ہو جاتی تھی، پھر وہ اپنی سہیلیوں کی الجھنیں رفع کرتی تھی اور اکثر اقلیدس کی اشکال سمجھا دیتی تھی ۔

لیکن ان سب باتوں سے بڑھ کر اسے یہ بات پسند تھی کہ بڑی میز پر کتاب رکھ کر جم کر بیٹھ جائے، جیسا کہ آج رات بھی اس نے کیا تھا . . . . وہ کہنی ٹیک کر بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے ماتھا پکڑ لیا اور کانوں کو انگوٹھوں سے بند کر لیا، وہ کان بند کر کے اس لئے بیٹھی تھی کہ ہیلا زور زور سے سبق یاد کرتی تھی ۔ مانیا ضرورت سے زیادہ احتیاط کرتی تھی ، کیونکہ ننھی لڑکی تھوڑی ہی دیر میں فنافی المطالعہ ہو جاتی تھی اور کلی طور پر دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتی تھی ۔

اس صحت مند بچی میں مستغرق ہونے کا معاملہ کچھ ایسا تھا جو اسے باقی بچوں سے مختلف ظاہر کرتا تھا، جب وہ بیٹھے بیٹھے کھو جاتی اور گرد و پیش سے بے خبر ہو جاتی تو اس کی بہنیں اور اس کی سہیلیاں بہت لطف لیتیں ۔ بیسیوں مرتبہ برونیا اور ہیلا نے گھر میں رہنے والے طالب علموں سے مل کر اس مستغرق لڑکی کے پاس کھڑے ہو کر نہایت زور سے غل غپاڑا مچایا لیکن لڑکی کی محویت

کا یہ عالم تھا کہ اس نے سر اٹھا کر بھی نہ دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے۔

آج انہوں نے چاہا تھا کہ وہ سچ مچ کوئی کوشش کریں یعنی مطالعہ میں خلل اندازی کریں۔ آج تو جیجی لوسیا کی لڑکی ھن ریٹا مائکلووسکا بھی موجود نھی، لہذا انہوں نے اس پرانی خباثت کا مظاہرہ کیا، سب لڑکیاں پنجوں کے بل کھڑی ہو گئیں، انہوں نے مچان بنائی، ماننا بے حس و حرکت بیٹھی تھی اور مطالعہ میں غرق تھی، دو دو کرسیاں اس کے دائیں بائیں تھیں، ایک عقب میں تھی، دو آگے رکھی تھیں اور پہلی تین کرسیوں کے اوپر دو کرسیاں رکھی تھیں، اب گویا یہ ایک بلڈنگ بن گئی تھی، ان سب کرسیوں کے اوپر ایک کرسی تاج کے طور پر رکھ دی گئی تھی .... بلڈنگ بنا کر سب لڑکیاں چپکے سے کھسک گئیں اور بظاہر کام کاج میں مصروف ہوگئیں، پھر انہوں نے انتظار کیا لیکن بچی کو کچھ احساس نہ ہوا، نہ اس نے کانا پھوسی کی آوازیں سنیں، نہ اس نے فرمائشی قہقہے سنے، نہ اسے یہ پتا چلا کہ اس کے سر پر کرسی سایہ فگن ہے۔ کوئی آدھ گھنٹے تک وہ یوں ھی بیٹھی رھی اور بالکل بے خبر رھی کہ اس کے سر پر ایک ناپائیدار مینار کھڑا ہے۔ جب اس کے مطالعہ کا باب ختم ہوگیا تو اس نے اپنی کتاب بند کر دی اور اپنا سر اٹھایا .... زور کا دھماکا ہوا، ہر چیز متصادم ہو گئی، کرسیاں فرش پر قلابازیاں کھا گئیں، ہیلا خوشی سے چیخ اٹھی،

برونیا اور هن ربٹا نے تیزی سے دفاعی مورچہ سنبھال لیا کیونکہ جوابی حملے کا اندیشہ تھا ۔

لیکن مانیا بے حس و حرکت بیٹھی رهی - اسے نہیں معلوم تھا کہ ناراض کیسے هوا جاتا ھے ، وہ تھوڑی سی خوف زدہ تو هو گئی تھی ۔ اس شعبدے بازی سے محظوظ نہ هوسکی ، اس کی راکھ جیسی بھوری آنکھیں کچھ ایسا ظاهر کر رهی تھیں جیسے نیند کی حالت میں چلنے والا مریض کسی چیز سے ٹھوکر کھا جائے ، اس نے اپنے بائیں بازو کو سہلایا کہ ایک کرسی سے چوٹ آ گئی تھی ، پھر اس نے اپنی کتابیں سنبھالیں اور دوسرے کمرے میں چلی گئی ۔ بڑی عمر کی لڑکیوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے صرف دو لفظ کہے :

” احمقانہ حرکت ! “

یہ ناطق فیصلہ تھا جس سے بڑی عمر کی لڑکیاں مطمئن نہ تھیں ۔ یہ وہ حیران کن خوبی تھی جو بچپن هی سے مانیا کے اندر موجود تھی ۔ وہ معرا نظمیں اور تعلیمی رسالے پڑھتی تھی اور اپنے والد کی لائبریری سے مانگ کر فنی کتابیں اور ایسی کہانیاں پڑھتی تھی جن کے هیرو هتھیلی پر جان رکھ کر کسی مہم کے لئے نکلتے تھے ۔

اس طرح وہ چند لمحات کے لئے اپنے خانگی اور خارجی مسائل بھول جاتی تھی، وہ روسی جاسوسوں اور هارن برگ کے معائنے کو بھی بھول جاتی تھی ، وہ اپنے باپ کا چہرہ بھی بھول جاتی تھی ، غم و حوادث کا مارا هوا چہرہ . . . . اور گھر کا

دائمی غل غپاڑا اور تاریک صبحیں ، کہ جب وہ آتی تھیں تو وہ سووا ننڈی کی حالت میں ہوتی تھی ، پھر اسے چتکبرے رنگ کے دیوان سے اٹھنا پڑتا تھا تاکہ مکان میں رہنے والے طالب علم لڑکے کھانے والے کمرے میں ناشتہ کرسکیں - کیونکہ یہی ایک کمرہ تھا جس میں اسکولڈووسکی بچے سوتے بھی تھے -

غرق مطالعہ ہو کر وہ اپنا خوف و ہراس بھول گئی ، اس خوف و ہراس کو بھی بھول گئی جو ظالموں نے مسلط کیا تھا ، اسے مذہب کا بھی خوف نہ رہا اور بیماری اور موت کے خوف کو بھی بھول گئی، وہ جان بوجھ کر اس فضا سے فراریت اختیار کرتی تھی جو اس کے لئے ناقابل برداشت تھی -

جب وہ مطالعہ سے سر اٹھاتی تو اس کا شعور جاگ اٹھتا اور تمام مسائل سامنے آ کھڑے ہوئے .... سب سے پہلے ماں کی طویل علالت کا خیال آتا جس نے گھر کی فضا کو مغموم بنا رکھا تھا - مریضہ جو کبھی نہایت خوش گل خاتون تھیں اب سوکھ کے کانٹا ہو گئیں ، صورت دیکھی نہ جاتی تھی - بڑی عمر کے لوگ اسے دلاسے دے کر بہلاتے لیکن اس کے باوجود مانیا جانتی تھی کہ یہ دعائیں اور یہ وجد آور مناجاتیں اس آنے والے خوف ناک وقت کو نہ ٹال سکیں گی ، جو قریب تر ہوتا جا رہا تھا -

مادام اسکولڈووسکا بھی جانتی تھیں کہ اب موت ناگزیر ہے - وہ اس گھڑی کا اس طور سے استقبال کرنا چاہتی تھیں کہ

بہ بھرا پرا گھر تتر بتر نہ ہو جائے۔ ۹ مئی ۱۸۷۸ء کو انھوں نے ڈاکٹر سے کہا کہ بس اب تو پادری کو آنے دیجئے۔ پادری ہی اس کی بے چین عیسائی روح کا درماں بتائے گا۔ اسے مختلف قسم کی فکریں تھیں۔ پیارے شوہر اور چار بچوں کی جدائی کا غم، بچوں کے مستقبل کا خیال اور پھر ننھی مانوسا کا خیال جو ابھی صرف دس سال کی تھی۔

اپنے خاندان کے سامنے اس نے آخری بار چہرہ دکھایا، چہرے پر مکمل طمانیت کے آثار تھے اور تمام شفقتیں اور مامتا کی ڈاہ سمٹ کر چہرے پر آ گئی تھی، وہ اسی طرح مری جس طرح وہ مرنا چاہتی تھی، نہ ہذیان کی شکایت ہوئی نہ جان کنی کی کیفیت طاری ہوئی۔ صاف ستھرے کمرے میں بستر کے نزدیک اس کا شوہر، اس کا بیٹا اور اس کی بیٹیاں اسے تکتی رہیں اور اس کی لانبی بھوری اور اندوہ گیں آنکھیں، جنہیں پہلے ہی سے موت کی تکان تھی باری باری سے پانچوں کملائے ہوئے چہروں کو دیکھتی رہیں، یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے مرنے والی خاتون تمام افراد سے معافی مانگ رہی تھیں کہ ان کی وجہ سے سب کو پریشانی اٹھانا پڑی۔

موت کے آخری سنبھالے نے انہیں اتنی مہلت دے دی تھی کہ انہوں نے فرداً فرداً ہر شخص سے الوداع کہا۔ پھر دھیرے دھیرے کمزوری کا غلبہ ہوا، شعلہ حیات کو فقط اتنی اجازت دی گئی کہ وہ آخری اشارہ کرسکے اور آخری الفاظ ادا کر سکے۔ اس کے تھرتھراتے ہوئے ہاتھ خاندان کی دعائے خیر کے لئے اٹھے اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے صلیب کا نشان بنایا اور وہ آخری الفاظ جو اس

ئے شوھر اور بچوں کو متوجه کر کے ایک سانس میں کہے
یه نھے -

” میں تم سے محبت کرتی ھوں “ . . . . اور وہ
چل بسی -

مانیا نے ایک دفعه پھر سیاہ ماتمی لباس پہن لیا ، وہ کتنی مغموم تھی ، بےچین ھو کر گھر بھر میں دیوانه وار پھر رھی تھی - برونیا نے مرحومه کے کمرے پر قبضه کر لیا تھا لیکن مانیا کو اتنی بھی سدھ نه تھی - چتکبرے دیوان پر اب صرف ھیلا اور وہ سویا کرتی تھیں - گھر چلانے کے لئے ایک منتظم رکھ لیا گیا تھا جو ھر روز آتا اور نوکروں پر حکم چلاتا ، گھر میں رھنے والے طالب علموں کے لئے نئے نئے کھانے تجویز کرتا ، اور برائے نام بچوں کے لباس کی دیکھ بھال کرتا - پروفیسر صاحب بن ماں کے بچوں کی نگہداشت پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتے لیکن ان کی دیکھبھال ویسی ھی ھوتی تھی جیسی که مردوں سے ممکن ھے -

مانیا کو احساس ھوا که زندگی بڑی ظالم چیز ھے . . . . .
. . . . فرد کے لئے بھی اور معاشرے کے لئے بھی . . .

زوسیا مر چکی تھی - مادام اسکولڈووسکا مر چکی تھی - ماں کی مامتا سے محروم اور بڑی بہن کی شفقتوں سے محروم بچی ، بڑی ھونے لگی - اس نے تنہائی کا کبھی شکوہ نه کیا اور اب جب کبھی وہ کیتھولک چرچ میں عبادت کے لئے

جھکتی تو اسے یاد آتا کہ وہ یہاں اپنی ماں کے ساتھ آیا کرتی تھی ، اسے یاد ہے کہ اس کے دل میں چھپی ہوئی بغاوت سر اٹھاتی تھی ۔ اب اس کے دل میں خدا کی وہ محبت نہ تھی ۔ خدا نے ناانصافی کی تھی ، اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کئے تھے ۔ خدا نے مسرتیں چھین کر غم دے دئے تھے اور اس کے ماحول میں مٹھاس کی جگہ تلخی گھول دی تھی ۔



تیسرا باب

بلوغت

ہر خاندان کی تاریخ میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ جب خاندان اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ جاتا ہے، پر اسرار اسباب پیدا ہوتے ہیں اور وہ کسی خاص نسل کو بام عروج پر پہنچاتے ہیں اور اس طرح وہ نسل یا خاندان دوسرے خاندانوں سے ممتاز نظر آتا ہے۔ اس خاندان پر انواع و اقسام کے انعام نازل ہوتے ہیں۔ تہور، شجاعت، قوت و جبروت، حسن و جمال اور ظفرمندی سے خاندان مالا مال ہو جاتا ہے۔

اسکولڈووسکیوں کے خاندان پر وہ با برکت وقت آ پہنچا حالانکہ یہ خاندان بدنصیبی اور نامرادی کو خراج دے چکا تھا اور خراج دئے ہوئے کچھ زیادہ عرصہ بھی نہ ہوا تھا۔ موت زوسیا کو چھین لے گئی تھی، پانچ ہونہار اور ذہین بچوں میں سے ایک بچے کو موت بطور یرغمال لے گئی تھی، باقی چار نوجوان افراد مدقوق ماں کے بطن سے پیدا ہوئے، ان میں ایک دانشور تھی جو کام کی زیادتی سے کچلی ہوئی تھی، اس کے دم سے سب کو بڑا سہارا تھا اور وہ ایک ناقابل تسخیر قوت محسوس کرتے تھے۔ یہ کنبہ شہرت کو مسخر کرنے والا تھا، تاکہ ترقی کی راہ میں نظر آنے والی مشکلات ہیچ ہو جائیں۔ یہ چاروں افراد بنی نوع انسان میں استثنائی حیثیت رکھتے تھے۔



مادام اسکلوڈووسکا
میری کیوری کی ماں



اسکلوڈوسکی بچے

(بائیں سے دائیں) زوسیا ، ھیلا ، مانیا (میری) جوزف اور برونیا

۱۸۸۲ء کے موسم بہار کی سہانی صبح کا منظر کتنا دل آویز تھا ، مطلع صاف تھا اور دھوپ نکلی ہوئی تھی - میز کے گرد ایک کنبہ ناشتا کر رہا تھا - ہیلا سولہ سال کی دلربا نازنین تھی ، وہ متفقہ طور پر ''حسن خاندان'' تھی - برونیا کے بال سنہرے تھے اور چہرہ شگفتہ پھول تھا ، سب سے بڑا لڑکا جوزف طالب علموں کی وردی پہنے تھا ، نارڈک لوگوں کی طرح اس کا بدن ورزشی تھا -

اب رہی مانیا . . . . تو یہ تو ماننا پڑے گا کہ وزن اس کا کچھ بڑھ گیا تھا اور چست وردی سے جو بدن ظاہر ہوتا تھا اسے یقیناً چھریرا نہیں کہا جا سکتا تھا - وہ سب سے چھوٹی تھی اور کسی قدر خوب صورت بھی تھی ، اس کا چہرہ پر حوصلہ ، شگفتہ اور منور تھا ، آنکھیں روشن تھیں اور جلد اور بال پولش عورتوں کی طرح تھے -

صرف دو چھوٹی لڑکیاں اس وقت اسکول کی وردیاں پہنے تھیں - اسکورسکا اسکول کی وفادار بچی کی طرح ہیلا اب تک نیلے رنگ کی وردی پہنے تھی لیکن مانیا قرمزی رنگ کا لباس پہنے تھی - اب اس کی عمر چودہ سال تھی - سرکاری جمنیزیم کی نہایت ذہین طالبہ . . . وہی جمنیزیم-۱ جہاں سے برونیا نے گذشتہ سال اپنی تعلیم ختم کی تھی اور طلائی تمغا حاصل کیا تھا ، جو بہت بڑی کامیابی کی دلیل تھی - برونیا تینوں بہنوں میں سب سے بڑی تھی -

اب وہ اسکول کی طالبہ نہیں ، جوان جہان لڑکی تھی - اس نے گھر کے سارے دھندے سنبھال لئے تھے - پہلے گھر میں ایک

۱- اسکول

منتظم نوکر تھا ، اب برونیا نے اس کی جگہ سنبھال لی تھی - کھاتے اور رجسٹر اسی کے پاس رہا کرتے تھے اور گھر میں رہنے والے طالب علموں کا وھی حساب کتاب رکھنی تھی اور ان کی دیکھ بھال کرتی تھی ، جو اب یہاں مستقل طور پر رہتے تھے - فقط یہ تھا کہ ان کے نام اور شکلیں بدل جاتی تھیں -

وہ اب بڑی عمر کی عورتوں کی طرح بال سنوارتی تھی اور لمبا کمانی دار اسکرٹ پہننی تھی جس کا دامن خاصا لمبا ہوتا تھا اور لباس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے بٹن لگے ہوتے تھے -

برونیا کی طرح جوزف نے جب ھائی اسکول کی تعلیم مکمل کی تھی تو اسے بھی ایک طلائی تمغا ملا تھا - اب وہ میڈیکل کالج میں پڑھتا تھا، اس کی بہنیں اس کی مداح بھی تھیں اور اس پر رشک بھی کرتی تھیں - وہ اسے کتنا خوش نصیب تصور کرتی تھیں ! بات یہ تھی کہ وارسا یونیورسٹی میں عورتیں نہیں پڑھ سکتی تھیں اور تینوں اسکولڈوسکی لڑکیاں اپنی ذھانت کے بوجھ سے دبی ھوئی تھیں، اعلیٰ تعلیم کی خواھش مند تھیں، لیکن بس نہ چلتا تھا - جب ان کا بھائی " زار کی یونیورسٹی " میں طالب علمانہ زندگی کی کہانیاں سناتا تھا تو وہ بڑی محویت سے سنتی تھیں ، اگرچہ وہ یونی ورسٹی کچھ زیادہ اچھی نہ تھی جہاں کے روسی پروفیسر خود غرض تھے اور پولستانی طالب علم ان کی خوشامد میں لگے رہتے تھے -

ناشتے کے وقت بہت زیادہ باتیں ھوا کرتی تھیں لیکن بسیارگوئی سے ایسا کبھی نہیں ھوا کہ وہ کم ناشتا کرتے - روٹی ، مکھن ، کریم اور مربے جادو کی طرح غائب ھو جاتے تھے -

”جوزف ! آج رات ہمارے اسکول میں ناچ ہوگا ۔ بغیر کسی مرد کے ہم کیسے جائیں گی ، تم ہمارے ساتھ چلنا ،، ہیلا نے بڑی فکر مندی سے کہا ”برونیا ! بتاؤ کیا میرا لباس ٹھیک ہے ، کیا استری اچھی طرح ہوئی ہے ؟ ،،

” اب چونکہ تمہارے پاس کچھ پہننے کو نہیں ہے لہذا یہی ٹھیک ہے ،، برونیا نے فلسفانہ انداز سے کہا ”جب تم نن بجے گھر آؤ گی تو میں اسے دیکھ بھال لوں گی ،،

” تمہارا لباس بہت پیارا ہے ،، مانیا نے بڑے وثوق سے کہا ۔

” ارے ہٹو ! تمہیں ان باتوں کا کیا پتا ، ابھی تم بہت چھوٹی ہو ،، چاروں افراد جو سر جوڑے باتیں کر رہے تھے ، ان کا سلسلہ کلام ختم ہو گیا ۔ برونیا نے میز صاف کی ۔ جوزف بغل میں کتابیں داب کر چلتا بنا اور ہیلا اور مانیا ۔ افتاں و خیزاں باورچی خانے کا رخ کیا ۔

”جناب ! سبری روٹی اور مکھن . . . . مکھن کیا ہوا ؟ ،،

اس کے باوجود کہ انہوں نے ڈٹ کر ناشتا کیا تھا لیکن یہ نوجوان عورتیں باورچی خانے میں آ کر پھر مصروف ہوگئیں ، اب دراصل آئندہ کا خیال تھا، دن کے گیارہ بجے جب اسکول میں انٹرول ہونا ہے ، اس وقت کے لئے انہوں نے کپڑے کے تھیلوں میں اپنا لنچ رکھ لیا ۔ روٹی ، سیب ، اور دو عدد ” سر ڈلکیاں ،، رکھ لیں ۔ یہ پولینڈ کی بڑی عجیب و غریب غذا ہوتی ہے ، ایک آنت ہوتی ہے

اس کے اندر قیمہ اور مسالے بھر دیتے ھیں - مانیا نے اپنا ناشتا باندھ لیا اور اسکول کا تھیلا کندھے پر ڈال لیا -

"جلدی کرو ! ورنہ تم وقت پر نہ پہنچ سکوگی"

ھیلا مذاق اڑانے لگی ، وہ تیار تو ھو ھی چکی تھی -

" نہیں ، نہیں ! ابھی تو ساڑھے آٹھ بجے ھیں ، خدا حافظ "

جب وہ سیڑھیوں سے اترنے لگی تو اسے دو طالب علموں کے پاس سے گزرنا پڑا ، یہ اسی گھر میں رہتے تھے ، یہ بھی اسکول جا رہے تھے ، لیکن انہیں اتنی جلدی نہ تھی -

ھائی اسکول ، بورڈنگ اسکول ، ڈے اسکول . . . . مانیا اسکولڈووسکا کا عنفوان شباب انہیں چیزوں کے تلے دبا ھوا تھا - مادام اسکولڈووسکی ھائی اسکول میں پڑھا کرتی تھیں - برونیا نے حال ھی میں ھائی اسکول پاس کیا تھا ، اور اب مانیا ھائی اسکول جا رھی تھی اور جوزف یونی ورسٹی ، اور ھیلا اسکورسکا کے بورڈنگ اسکول جاتی تھی - خود ان کا گھر بھی تو ایک طرح کا بورڈنگ اور اسکول تھا - مانیا اب اتنی ذی شعور ھو چکی تھی کہ وہ کل کائنات کو ایک وسیع اسکول سجھنے لگی تھی ، جس میں اساتذہ اور تلامذہ کے اور کوئی نہ تھا اور جہاں ایک ھی نصب العین کارفرما تھا ، یعنی حصول علم -

جب یہ خاندان کارمیلائٹ اسٹریٹ سے اٹھ کر لیسچن اسٹریٹ میں رہنے لگا تو اس گھر میں رہنے والے طالب علم ان کے لئے کچھ زیادہ بوجھ نہ رہے - یہ بلڈنگ بڑی دل کش تھی ، سامنے کا حصہ

نئی وضع کا بنا ہوا تھا ، آگے پرسکون صحن تھا ، فاختائیں کوکو کرتی تھیں اور بالکونیوں پر ورجینیا کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور عمارت کی پہلی منزل کافی کشادہ تھی ، طالب علموں کے رہنے کے علاوہ چار کمرے اسکولڈووسکیوں کے لئے بچ رہتے تھے ۔

اس مکان کے کشادہ کھرنجے کے ساتھ ساتھ لیسٹن اسٹریٹ کے معززین کے مکانات بنے ہوئے تھے ۔ منظر کی دلکشی میں کوئی کلام نہ تھا ۔ سلافیوں کے رہن سہن کا انداز نمایاں تھا ۔ اس خوش وضع عمارت کے سامنے کا منظر بکار بکار کر کہہ رہا تھا کہ مغربی ہوں ، کالولنسٹ گرجا کے بالمقابل رائیمنسکا اسٹریٹ میں فرانسیسیوں کے مکانات تھے ، نپولین نے پولینڈ میں اپنا جس طرح سے احترام کرایا تھا ، اس کا اظہار ان فرانسیسی مکانات سے ہوتا تھا ، یہ احترام آج تک جاری تھا اور عمارات کی شکل ہی میں نمایاں تھا ۔

پیٹھ پر تھیلا ڈالے ہوئے مانیا " زنگاری محل " کی طرف بڑھ رہی تھی ۔ یہ کاؤنٹ زموسکی کا محل تھا ۔ صدر دروازے سے بچتی ہوئی وہ پرانے دروازے سے داخل ہوئی ، جس کے باہر کانسی کا شیر پہرہ دے رہا تھا ۔ پھر وہ ٹھٹھک گئی کیونکہ اندر کوئی نہ تھا ۔

ایک مشفقانہ آواز آئی " کہاں واپس جا رہی ہو ، پیاری مانوسیا! . . . کازیا نیچے آ رہی ہے "

" اوہ ، شکریہ ، محترمہ ! سلام صبح عرض کرتی ہوں محترمہ ! "

یہ مادام پراٹی بورروسکا تھیں ۔ کاؤنٹ زموسکی لائبریرین کی بیوی تھیں ، گھورے رنگ کے چکنے بال پیچھے کی طرف لوٹ آئے تھے اور موٹا سا موباف بندھا ہوا تھا ، وہ نوجوان اسکولڈووسکا کے گول گول رخساروں والے ہر حوصلہ چہرے کو محبت سے دیکھ رہی تھیں ۔ کازیا ان ھی کی لڑکی تھی اور دو برس سے مانیا اور کازیا ایک دوسرے کی چہیتی سہیلیاں تھیں ۔

" آج سہ پہر تم ضرور آنا اور ھمارے ساتھ چائے پینا ۔ میں تمھارے لئے " پوزی " اور چاکلیٹ والی آئس کریم تیار کروں گی ، تمہیں یہ دونوں چیزیں بہت مرغوب ھیں نا "

" ھاں سچی ، ضرور آنا چائے پہ " کازیا چلائی ، اس نے سیڑھیوں کا دروازہ بند کر دیا اور سہیلی کی بانہوں میں بانہیں ڈال دیں " ھاں ، دیر ھو چکی ھے ، جلدی چلنا چاھئیے "

" میں شیر کی زنجیر اٹھانے ھی کو تھی "

ھر روز صبح مانیا کازیا کو لینے آتی اور اس کے مکان کی برساتی میں کھڑی ھو جاتی ۔ یہی ان دونوں کے ملنے کی جگہ تھی ۔ جب مقام ملاقات پر کوئی نہ ھوتا تو مانیا کانسی کے شیر کی بھاری زنجیر اٹھاتی ، یہ زنجیر شیر کے پیٹ میں پیوست تھی ۔ وہ زنجیر اٹھا کر شیر کی ناک میں پنہا دیتی تھی اور ننھا اسکول چلی جاتی تھی ۔ جب کازیا شیر کی ناک میں زنجیر دیکھتی تو سمجھ جاتی کہ مانیا آ کر چلی گئی ھے اور اگر وہ اسے راستے میں پکڑنا چاھتی تو تیز تیز قدموں سے دوڑتی ۔

کازیا بڑی دلکش ، شگفتہ اور حوصلہ مند تھی ، وہ بڑی خوش باش لڑکی تھی ، جس کے نفیس طبیعت والدین نے اسے برباد کرنے پر بہترین کوشش صرف کردیں ۔ محترم اور محترمہ پرائی بوررووسکی نے مانیا کے ساتھ بھی ویسا ہی لاڈ دلار کیا ، وہ اسے اپنی سگی بیٹی سمجھتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ وہ بھول جائے کہ وہ بن ماں کی بچی ہے ، لیکن اگر باریک بینی سے دیکھا جاتا تو بہ آسانی سمجھ میں آ سکتا تھا کہ دونوں لڑکیوں میں ایک لڑکی نازوں کی پلی ہوئی ہے ۔ بہ ظاہر دونوں بھورا لباس پہنتی تھیں، لیکن جزئیات پڑ کر دیکھا جاتا تو فرق نمایاں تھا ، ایک بچی کی ارمان زدہ ماں اس کے بالوں میں خوب مانگ پٹی کرتی تھی، اور مضبوطی سے موباف باندھتی تھی اور دوسری لڑکی جس کی عمر ساڑھے چودہ برس تھی خود رو پودے کی طرح پروان چڑھ رہی تھی ، کیونکہ اس کے گھر میں کسی کو ان چاؤ چونچلوں کی فرصت نہ تھی ۔

دونوں سہیلیاں ایک دوسرے کے بانہیں ڈالے ہوئے زیبیا اسٹریٹ کے تنگ راستے سے گزرتی تھیں ۔ وہ دونوں پرسوں چائے کی دعوت پر ملی تھیں اور آج انہیں ہزاروں اہم مسائل پر گفتگو کرنی تھی ۔ ھائی اسکول کے کراکووسکی بولوارڈ میں بیٹھ کر وہ دونوں گپ شپ کرتیں ۔ یہ ایک روسی اسکول تھا جو پہلے جرمن سرکاری ملازمین کے بچوں کے لئے مخصوص تھا ، آج بھی یہاں جرمن آداب اور روایات کو ملحوظ رکھا جاتا تھا ۔

یہ بہت بڑی تبدیلی تھی کہ ایک طالبہ جو پہلے اسکورروسکا کے کٹر پرلش اسکول میں پڑھ چکی تھی ، وہ اب ایک ایسے سرکاری

اسکول میں پڑھ رہی تھی جس کی فضا روس زدہ تھی ، لیکن یہ تبدیلی ضروری تھی، کیونکہ اسی سرکاری اسکول کی سند تسلیم کی جاتی تھی، لیکن مانیا اور کازیا تمام استانیوں کا در پردہ مذاق اڑا کر گویا انتقام لیتی تھیں - روسی استانیوں کا مذاق تو اڑتا ھی تھا ، ان کے علاوہ وہ دونوں بیزار کن جرمن استانی پیسٹرمڈنگ کا بھی مذاق اڑاتی تھیں ، اور ان سب سے بالاتر تعلیمات کی منتظمہ میئر کو بھی نہ بخشا جاتا تھا اور یہ خاتون نہایت قابل نفرت اور بدذوق تھیں -

میئر نہایت "المختصر" قسم منحنی خاتون تھیں - ہکا رنگ ، چکٹے ہوئے بال اور جوتیاں ایسی پہنتی تھیں جن میں کوئی آواز نہ تھی - جوتیاں کیا تھیں گویا خاموش جاسوس تھیں ، وہ مادام اسکولڈووسکا کی دشمن قرار پائیں ، وہ اسے ہر طرح سے ملامت کیا کرتی تھیں - اس کی سیرت میں ضدی پن تھا - استانی کے اپنے بیان کے بموجب اس کی یہ دونوں خصوصیات مانیا کی بڑی دل آزاری کرتی تھیں -

"یہ اسکولڈووسکا ! اس سے بات کرنا بے سود ہے ، یہ تو چکنا گھڑا ہے" تعلیمات کی منتظمہ غرانے لگی - وہ اس کے چھلے دار بالوں سے خاص طور پر جلتی تھی - وہ ان بالوں کو دیکھ کر اسے "جھبڑی" کہا کرتی تھی اور مذاق اڑاتی تھی - اس نے برش کے زناٹے دار جھٹکوں سے ان بد تمیز اور خود سر بالوں کو سیدھا کرنے کی کوشش اور ایک پولستانی لڑکی کو "گریشن" بنانا چاھتی تھی ، وہ اس کے بالوں میں خوب کس کر موباف باندھ دیتی تھی - بے سود ! چند منٹ بعد من موجی گھونگھر والے بال بکھر کر

لڑکی کے چہرے پر آ جاتے تھے اور مانیا کی نہایت معصوم نظر ضدی منتظمہ کے چمکتے ہوئے موباف پر جم جاتی تھی ۔

" میں تمہیں اس طرح گھورنے سے متنبہ کرتی ہوں "، میئر 'اخ تھو'، قسم کی نفرت کے ساتھ کہتی " تم مجھے اتنی حقارت سے مت دیکھو "

ایک روز مانیا پر گستاخی کا دورہ پڑا، وہ منتظمہ سے بالشت بھر لمبی تھی ۔ اس نے اس کے طعنے سن کر جواب دیا " حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی "

بدمزاج بوڑھی عورت اور تنگ مزاج طالبہ کے درمیان روز بروز جنگ بڑھتی گئی ۔ گزشتہ سال جنگ کا بدترین طوفان کھڑا ہوا ۔ میئر غیر متوقع طور پر کلاس روم میں داخل ہوئی اور اس نے مانیا اور کازیا کو مسرت سے ناچتے ہوئے دیکھا ۔ وہ دونوں زار الیگزینڈر ثانی کے قتل کی خوشی میں ناچ رہی تھیں ۔ اس سانحہ عظیم پر تمام مملکت میں سوگ منایا جا رہا تھا ۔

جب کسی قوم کو سیاسی طور پر کچلا جاتا ہے اور قوم میں بے زاری پیدا ہوتی ہے، اور جب کچلی ہوئی قوم سر اٹھاتی ہے تو وہ اکثر درندگی کے مظاہرے کرتی ہے ۔ مانیا اور کازیا کے جذبات بھی اسی قسم کے تھے ۔ آزاد قوم کے افراد اس طرح کبھی سوچتے ہی نہیں، وہ تو قدرتاً نرم دل اور وسیع القلب ہوتے ہیں اور ان کی اخلاقی اقدار بلند ہوتی ہیں، اس کے برخلاف غلاموں کی اخلاقی خوبیوں پر نفرت کے پردے پڑ جاتے ہیں اور اطاعت بزدلی میں تبدیل ہوجاتی ہے ۔

جب نئی نئی جوانی آتی ہے تو طبیعت میں جوش زیادہ ہوتا ہے اور اس جوش کی شدت میں بعض اوقات شدید رد عمل رونما ہوتا ہے ، دونوں سہیلیوں کی یہی کیفیت تھی - وہ نوجوان اور خوب صورت استاد مسٹر گلاس کا بہت احترام کرتی تھیں ، وہ ریاضی پڑھاتے تھے ، ان کے علاوہ وہ دونوں نیچرل سائنس کے پروفیسر سولوسرسکی کی بھی عزت کرتی تھیں ، یہ دونوں یولستانی تھے اور لڑکیوں کے شریک جرم تھے ، اور ان دونوں پروفیسروں کے دم سے لڑکیوں کی اشک شوئی ہوجاتی تھی - یہ دونوں پروفیسر روسیوں کا احترام کرتے تھے لیکن اس کے باوجود ان کے اصلی جذبات ظاہر ہو جاتے تھے - ایک اور پروفیسر مسٹر میکینزے بڑے پراسرار تھے ، ان کے بارے میں بھلا کوئی کیا سوچ سکتا تھا ، بظاہر حکومت کے مداح تھے لیکن کیفیت یہ تھی جب کسی شاگرد کو نمایاں ترقی کرتے دیکھتے تھے تو اس کے ہاتھ میں چپکے سے شاعر انقلاب کراسوف کا مجموعہ کلام تھما دیتے تھے - طالب علم حیران رہ جاتا تھا اور اسے چند لمحوں کے لئے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دشمن کے کیمپ سے سفید جھنڈا دکھایا جا رہا ہے - روس مقدس میں سب لوگ زار کے وفادار نہ تھے . . . مانیا کے کلاس میں پولش ، یہودی ، روسی اور جرمن لڑکیاں کسی شدید اختلاف کے بغیر پہلو بہ پہلو بیٹھتی تھیں - سب نوجوان تھیں اور اسکولی رقابت بھی آپس میں چلتی تھی ، لیکن جب کلاس میں بیٹھتی تھیں تو سب کچھ بھول جاتی تھیں اور وقتی طور پر نسلی اور نظریاتی تعصبات ختم ہو جاتے تھے - کام کاج اور کھیل کود میں ایک دوسرے کی مدد کرتی تھیں اور تفریحی اوقات میں انہیں

دیکھ کر یوں محسوس ہوتا تھا کہ ان میں مثالی قسم کا تعاون اور تفہیم باہمی موجود ہے ۔

لیکن جیسے ہی اسکول میں چھٹی ہوتی ہر لڑکی اپنی زبان، اپنے جذبۂ حب‌الوطنی ، اور اپنے مذہب کی طرف لوٹ جاتی ۔ پولش لڑکیاں دوسروں کی نسبت زیادہ مغرور تھیں ، کیونکہ وہ کچلی ہوئی نہیں ، وہ سختی کے ساتھ چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹی ہوئی تھیں اور اسکول کے اوقات کے بعد گھروں پر جانے کی دعوتیں کیا کرتی تھیں ، ان دعوتوں میں کسی روسی یا جرمن لڑکی کو مدعو کرنا ناممکن تھا ۔

ان کی انتہا پسندی مخفی مشکلات سے خالی نہ تھی ، انہیں ہر چیز مجرمانہ نظر آتی تھی ، کبھی وہ کسی غیر ملکی لڑکی سے غیرارادی طور پر دوستی کرتی تھیں اور لطف اندوز بھی ہوتی نہیں ، لیکن اس دوستی میں بھی کھوٹ محسوس ہوتا تھا ۔ پھر انہیں حاکم قوم کے پروفیسروں سے فلسفے اور سائنس کے لیکچر سننا پڑتے تھے اور اس ”سرکاری“ تعلیم سے وہ بڑی نفرت کرتی تھیں ۔

پار سال گرمیوں میں مانیا نے کازیا کو بڑا دل گداز خط لکھا اور اس کے بزدلانہ اعتراف میں شرمندگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ۔

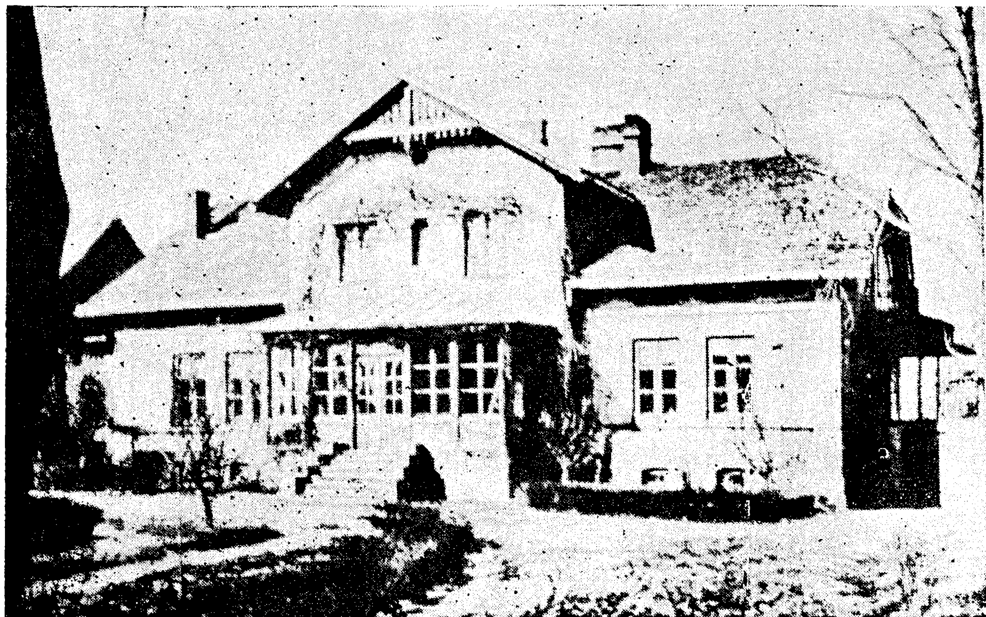
”کازیا ! کیا تم جانتی ہو کہ سب باتوں کے باوجود میں اسکول پسند کرتی ہوں ، شاید تم میرا مذاق اڑاؤ گی ، لیکن

میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتی کہ مجھے اسکول پسند ہے ، اور حد تو یہ ہے کہ مجھے اس سے محبت ہے ، اب مجھے اس کا احساس ہو چلا ہے، یہ نہ سوچنا کہ میں اسے کھو بیٹھی ہوں ! ارے نہیں ، بالکل نہیں ، لیکن جب میں یہ سوچتی ہوں کہ میں دوبارہ اسکول جا رہی ہوں تو مجھے کوفت نہیں ہوتی ۔ میں نے دو سال جو اسکول میں گزارے ہیں وہ اتنے بھیانک اور کرب انگیز نہیں تھے جتنا میں انہیں پہلے سمجھتی تھی ۔

سیکسونی گارڈن کے پاس لازنکی پارک تھا ، وہاں وہ تفریح کے اوقات میں بیٹھا کرتی تھی . . . یہ مانیا کی محبوب ترین جگہ تھی ، مستقبل میں وہ ایسی ہی چند جگہوں پر مشتمل شہر کو " میرا پیارا چھوٹا سا وارسا " کہنے کو تھی ۔

لوہے کے جنگلے سے گزر کر مانیا اور کازیا کنج میں چلنے لگیں ۔ یہ کنج محل کی طرف جاتا تھا ۔ دو مہینے پہلے تک جب وہ اس راستے سے گزرتی تھیں تو گیلی مٹی پر ربڑ کے جوتوں کے نقوش بناتی چلتی تھیں ، یہ یہاں کا بڑا پرانا کھیل تھا ، وہ اپنے جوتوں کے کناروں کو نم کرتی تھیں لیکن یہ احتیاط کرتی تھیں کہ جوتے کیچڑ میں لت پت نہ ہو جائیں ۔ جب موسم بہار آیا تو وہ دوسرے کھیلوں کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئیں جو اپنی سادگی کے باوجود شور و شغب کا باعث ہوتے تھے ، مثلاً " سبز " کھیل ۔

" میری فرنچ کی کاپی تقریباً ختم ہو چکی ہے " مانیا نرم لہجے میں کہنا شروع کرتی " کیا تم میرے ساتھ نئی



اس مکان میں میری کیوری اتالیق کی حیثیت سے رہ چکی ہے

مکان کی دوسری منزل میں داھنی طرف جو کھڑکی نظر آ رہی ہے وہ میری کے کمرے کی ہے



مسٹر اسکلوڈوسکی اور ان کی تین لڑکیاں
(بائیں سے دائیں) مانیا، برونیا اور ہیلا
۱۸۹۰ء کی ایک تصویر

کاپی خریدنے چلوگی ؟ میں نے کچھ بڑی خوب صورت سبز سرورق کی . . . "

لیکن کازیا بہت چوکنا تھی " سبز " کے لفظ پر وہ جھپٹ پڑی ، اس کی جیب میں سبز مخمل کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا، یہ ٹکڑا مانیا کو جرمانے کے طور پر دینا پڑا ۔ مانیا کھیل میں ھار کر اس کھیل سے کترانے لگی اور تاریخ کے ایک سبق پر گفتگو کرنے لگی ۔ کل ان کے ایک پروفیسر نے یہ سبق املا کرایا تھا ، جس میں پولینڈ کو ایک صوبہ اور پولش زبان کو ایک " بولی " کہا گیا تھا ، یہ بھی لکھوایا گیا تھا کہ زارنکولس اول پولینڈ کے باشندوں سے محبت کرتا تھا ، لیکن پولستانی بڑے نا شکر گزار لوگ ھیں اور وہ ان ھی کے غم میں مر گیا . . . .

" دکھیا زار کتنی الجھنوں میں پھنسا ھوا تھا ، جب اسے ناشکرے پولستانیوں کا حال سنایا گیا ھوگا تو اسے کتنا صدمہ ھوا ھوگا ۔ کیا تم نے اس کا پرلے درجے کا ھولناک چہرہ دیکھا ھے ؟ "

" ھاں ، وہ بیچارہ ایک دم سبز پڑ گیا تھا " کازیا نے ایک دم الل ٹپ کہہ دیا ، اور جان بوجھ کر نہایت بے خیالی سے کہا ، لیکن اچانک شاہ بلوط کی ایک سبز پتی اس کی ناک کے نیچے حاضر تھی ۔

بہت سے بچے مل کر مٹی کی چپاتیاں بناتے تھے یا لوھے کے چھوٹے چھوٹے پہیئے بھگاتے تھے ۔ مانیا اور کازیا ان بچکانہ

کھیلوں پر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو جاتی تھیں ۔ وہ دونوں سیکسونی محل کے ستونوں کے عقب سب وقت گزارتیں اور چبوترے ہر دوڑتیں، پھر مانیا چیخ کر کہتی " لیکن ہم لاٹ کے پاس سے تھوکے بغیر جلے آئے ہیں، آؤ واپس چلیں "

کازیا ایک لفظ کہے بغیر واپس لوٹتی، گویا ان من چلی سہیلیوں سے ایک ناقابل معافی قصور ہو گیا تھا ۔ سیکسونی اسکوئر کے وسط میں چار شیروں والی ایک پر شکوہ لاٹ کھڑی تھی، جس پر قدیم رسم الخط میں بہ الفاظ کندہ تھے" شہنشاہیت کے وفادار پولسنانیوں کی یادگار " یہ ہدیۂ عقیدت زار کی طرف سے ان پولستانیوں کے لئے تھا جنہوں نے اپنے ملک سے غداری کی تھی اور استبدادی قوتوں کے حلیف بن گئے تھے ۔ یہ یادگار محب وطن لوگوں کے باعث تنفر تھی اور ان کا قاعدہ تھا کہ جب وہ اس لاٹ کے پاس سے گزرتے تھے تو ہر مرتبہ تھوکتے تھے ۔ اگر کوئی شخص اپنی بے توجہی کی وجہ سے یہ رسم نہ ادا کرسکتا تھا تو اسے پھر واپس جا کر کفارہ ادا کرنا ہوتا تھا ۔

جب انہوں نے اپنا فرض ادا کر لیا تو دونوں سابقہ گفتگو میں مصروف ہو گئیں ، " آج شام کو گھر پر وہ لوگ ناچنے آرہے ہیں" مانیا نے کہا " کیا تم ان کا ناچ دیکھنے آؤگی ؟"

" ہاں ہاں مانوسا ! میں ضرور آؤں گی ۔ وہاں ہمیں ناچنے کا بھی تو حق ہوگا ؟ ہم تو پہلے ہی والز بہت اچھا ناچ لیتے ہیں ! " کازیا نے بے صبری سے شکایت کرتے ہوئے کہا ۔

کب ؟ جب اسکول میں چھٹی ہو گئی اور لڑکیاں کلاسوں سے چلی گئیں ، انہیں صرف آپس میں ناچ کی مشق کرنے کی اجازت تھی - وہ اسکول کے ڈانس ماسٹر سے لانسر ، بولکا ، مزورکا اور اوبریگ ناچ سیکھ سکتی تھیں ، جب اسکولڈووسکیوں کے مکان میں ناچ ہوتا تو چھوٹی چھوٹی کرسیوں پر بچیاں بیٹھ جاتیں -

ھائی اسکول میں جب وہ یہ امید کرتیں کہ اب ان کے ناچ کی باری آئے گی تو اس امید میں مہینے گزر جاتے اور ھائی اسکول کی سہ منزلہ لنڈ منڈ عمارت بدستور گرجا گھر کے سامنے کھڑی رہتی، گرجا گھر کی عمارت اطالوی نشاۂ ثانیہ کی یادگار تھی - اسی انداز کی چند حویلیاں بھی تھیں - دونوں سہیلیوں کی دوسری سہیلیاں بھی قطار میں بیٹھی رہتیں - نیلی آنکھوں والی ننھی آنیا راٹرٹ جس کی ناک چپٹی تھی جرمن لڑکی تھی اور مانیا کے بعد کلاس میں سب سے تیز تھی اور لیونائے کونیکا . . .

کونیکا کا کیا معاملہ تھا ؟ اس کی آنکھیں روتے روتے سوج گئی تھیں اور وہ جو ہمیشہ نفیس لباس پہنتی تھی آج اجڑی اجڑی نظر آ رہی تھی -

مانیا اور کازیا نے مسکرانا بند کر دیا اور اپنی سہیلی کی طرف دوڑ پڑیں -

” کیا بات ہے ؟ آخر قصہ کیا ہے کونیکا ؟ “

کونیکا کا معصوم چہرہ فق تھا ، وہ اٹک اٹک کر بڑی دقت سے بول رہی تھی ” میرا بھائی . . . سازش میں شریک تھا . . .

اس کی مخبری کر دی گئی . . . ہم نہیں جانتے کہ وہ تین دن تک کہاں رہا ،،

اس کی آواز رندھ گئی ، وہ ھچکیاں لینے لگی ، اس نے کہا ”کل اسے پھانسی دے دی جائے گی ،،

دونوں لڑکیاں دهشت زدہ ھو گئیں ، وہ بدنصیب لڑکی کو گھیرے ھوئے سوالات کر رھی تھیں اور اسے تسلی دے رھی تھیں ، لیکن سننظمه سٹر کی تیز آواز مخل ھوئی ۔ انھوں نے مختصر سا حکم دیا ”آؤ لڑکیو ، آؤ ! بہت باتیں کر چکیں اب جلدی کرو ،،

پھانسی کی خبر سے مانیا کے بدن میں سنسی سی دوڑ گئی اور وہ اس کیفیت میں آهسته آهسته قدم اٹھاتی ھوئی چل دی ۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے رقص اور موسیقی کے خواب دیکھ رھی تھی ۔ جغرافیه کے سبق کے ابتدائی فقرے اس کے کانوں میں گونج رھے تھے ۔ وہ کلاس میں بیٹھی تھی مگر توجه سے نه سن رھی تھی ، اس کی آنکھوں تلے پھانسی پانے والے نوجوان لڑکے کا چہرہ پھر رہا تھا . . . . پھانسی کا تخته ، جلاد اور رسی . . .

پندرہ ساله چھ لڑکیاں رات کو ناچ سیکھنے کا سبق لے رھی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کا دھیان کونیکا کے تنگ کمرے کی طرف تھا ۔ مانیا ، ھیلا ، برونیا اور کازیا اور اس کی بہن الا صبح صادق کا انتظار کر رھی تھیں ۔

انہوں نے اپنے باغی اور آنسوؤں کو مخلوط کر لیا ، انہوں نے اپنی سہیلی کی دل جوئی کی ، اسے ہر طرح سے خوش کرنے کی کوشش کی ، انہوں نے اس کی سوجی ہوئی آنکھوں کو دھویا اور بڑے اصرار سے تھوڑی سی چائے پلائی، وقت کسی نہ کسی طرح کٹ گیا ۔ اتنا تیز اور اتنا سست ! چھ طالبات میں سے چار اب بھی اسکولی وردیاں پہنے تھیں ، جب پو پھٹی تو ان کے چہروں پر زردی پھیل گئی ، آخری لمحہ آ پہنچا ۔ وہ سجدوں میں گر پڑیں اور انہوں نے الوداعی دعا پڑھی ، انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے چہروں کو ڈھانپ لیا ، ان پر بہت زیادہ خوف و ہراس طاری تھا ۔

ایک طلائی تمغا ، دو طلائی تمغے ، تین طلائی تمغے . . . تینوں طلائی تمغے اسکولڈووسکی خاندان میں آ گئے . . . تیسرا طلائی تمغا مانیا کو ملا اور اس طرح ۱۲ جون ۱۸۸۳ء کو اس کی ثانوی تعلیم ہوئی ۔

جلاکے کی گرمی میں انعامات کی فہرست سنائی گئی ، دھواں دھار تقریریں کی گئیں ، استادوں نے مبارک باد کہا ، روسی پولینڈ کے محکمۂ تعلیم کے ناظم اعلیٰ آپوشٹنگ نے مانیا سے ہاتھ ملایا ۔ وہ اس تقریب کے موقعے پر سیاہ لباس پہنے تھی اور کمر میں گلاب کے پھول پروئے ہوئے تھے ، ننھی اسکولڈووسکا نے سب کو الوداع اور قسم کھائی کہ وہ اپنی سہیلیوں کو ہر ہفتے خط لکھا کرے گی ، وہ روسی زبان کی انعامی کتابوں سے لدی پھندی تھی ۔ اس موقع پر اس نے ان کتابوں کی مذمت

کی (یہ اس کا آخری دن تھا ، لیکن اس نے کتنا خطرہ مول لیا) اس نے ہمیشہ کے لئے اسکول چھوڑ دیا اور اپنے باپ کے ہمراہ اسکول کی چہار دیواری سے نکلی ، اس کا باپ اس کاسیابی پر پھولا نہ سماتا تھا ۔

مانیا نے بڑی محنت کی تھی اور بڑی اچھی طرح تعلیم حاصل کی تھی ، پروفیسر اسکولڈووسکی نے فیصلہ کیا کہ وہ مانیا کو ایک سال کے لئے گاؤں بھیج دیں ، جہاں وہ ایک سال تک رہ کر اپنے مستقبل کے بارے میں اچھی طرح فیصلہ کر لے ۔

ایک سال کی تعطیلات ! .... شاید کوئی سوچے کہ ذھین بچی نے درپردہ سائنس کی کتابیں پڑھی ہوں گی ، لیکن ایسی کوئی بات نہ تھی ۔ یہ جو بلوغت کا زمانہ ھوتا ھے نا ، یہ بڑا پراسرار ھوتا ھے ۔ جب اس کے جسم میں تبدیلیاں ھو رھی تھیں اور اس کا چہرہ دل کش سے دل کش تر ھوتا جا رھا تھا تو اس زمانے میں مانیا ایک دم کاھل ھو گئی ، اسکول کی کتابوں کو اس نے الگ ھٹا دیا اور زندگی میں پہلی اور آخری مرتبہ تن آسانی کے نشے سے سرشار ھو گئی ۔

پروفیسر کی بیٹی کی کہانی میں ایک وقفہ آ جاتا ھے اور یہ وقفہ دیہاتی زندگی پر مشتمل ھے "مجھے یقین نہیں ھے کہ اقلیدس اور جبرو مقابلے کا کوئی وجود بھی تھا" وہ کازیا کو لکھتی ھے "میں ان مضامین کو قطعی طور پر بھول چکی ھوں" وہ وارسا اسکول سے بہت دور بیٹھی تھی ، وہ اپنے رشتہ داروں

کے یہاں رہتی تھی ، جنھوں نے ہفتوں اسے سر آنکھوں پر بٹھایا ، انہیں اس سے یہ فائدہ تھا کہ وہ ان کے بچوں کو تھوڑا بہت پڑھا دیتی تھی اور گویا یہ وہاں رہنے کا ایک چھوٹا سا معاوضہ تھا ، اس کی زندگی میں بڑی مٹھاس آ چلی تھی ۔

وہ کتنی بے فکر تھی ! کتنی جوان اور کتنی خوش باش تھی ، وہ اچانک اتنی کمسن بن گئی تھی کہ گویا بچپن کے ابتدائی دن لوٹ آئے تھے ! شدید محنت اور بے فکری سے تاش کھیلنے کے وقفے کو وہ اپنے خطوط میں ظاہر کرتی ہے "میری پیاری اور منی سی چڑیل ! یا "کازیا ! میری جان ! "

مانیا بنام کازیا :

یوں کہنا چاہئیے کہ ایک چھوٹے سے لڑکے کو ایک گھنٹا فرنچ پڑھانے کے علاوہ کوئی کام نہیں کرتی ، قطعی طور پر کچھ نہیں کرتی ، ابھی چند روز ہوئے میں نے زردوزی کا کام شروع کیا تھا ، وہ بھی مجھ سے نہ ہو سکا ۔ ۔ ۔ ۔ میرا کوئی پروگرام نہیں ، بعض دن میں دس بجے اٹھ پڑتی ہوں اور بعض دن چار پانچ بجے (میری مراد صبح سے ہے شام نہ سمجھ لینا !) میں کوئی سنجیدہ کتاب نہیں پڑھتی ، صرف بے ضرر اور لغو ناولٹ ۔ ۔ ۔ ۔ اسی لئے ہائی اسکول پاس کر لینے کے باوجود جو متانت اور سنجیدگی ہونی چاہئیے وہ مجھ میں نہیں ہے ، اور میں اپنے آپ کو احمق سمجھتی ہوں ۔ بعض اوقات میں اپنے اوپر خود ہنستی ہوں ، اور اپنی مجموعی حماقت جس سے میں مطمئن ہوں ، اس کی میں بڑی توہین کرتی ہوں ۔

هم لوگ گروہ بنا کر جنگلوں کی سیر کرنے جاتے ہیں ، گیند بلا کھیلتے ہیں (اس کھیل میں میں بہت پھسڈی ہوں) ، کراس ٹیگ کھیلتی ہوں ، '' بطخ بطخ '' کھیلتی ہوں اور بعض بڑے ہی بچکانہ کھیل کھیلتی ہوں - یہاں جنگلوں میں بے شمار اسٹرابریاں ہوتی ہیں - بڑی سی سینی میں بھر جاتی ہیں - افسوس کہ موسم ختم ہو گیا ! . . . . لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ میرا ہاضمہ اتنا اچھا ہو گیا ہے کہ جب میں واپس آؤں گی اور بے حساب کھاؤں گی تو ندیدی ، پیٹو اور مربھکی کہلاؤں گی -

هم خوب تیرتے ہیں ، مچھلیاں پکڑتے ہیں اور جھینگے پکڑتے ہیں . . . . ہر اتوار کو ہم گھوڑے پر بیٹھ کر تفریح کرنے جاتے ہیں ، پھر ہم پادری سے ملنے جاتے ہیں - یہاں دونوں پادری نہایت ذہین اور نہایت زندہ دل ہیں ، ان کی رفاقت میں رہ کر ہم خاصے محظوظ ہوتے ہیں -

چند روز میں نے زوالا میں قیام کیا ہے - وہاں ایک اداکار تھا ، کوٹربنسکی اس نے ہمیں بہت محظوظ کیا - اس نے اتنے بہت سے گانے سنائے اور اتنی نظمیں سنائیں اور ایسے ایسے لطیفے گڑھ کر سنائے اور ہمارے لئے اتنے بہت سے جنگلی پھل جمع کئے ، جس روز وہ رخصت ہونے لگا تو ہم نے اس کے لئے پوست کی بڈیوں کا بڑا سا ہار بنا دیا اور اس ہار میں بہت سے لال ، پیلے جنگلی پھول پروئے اور جب وہ گاڑی میں بیٹھنے لگا ، سامنے اس کے اوپر ہار پھینک دیئے اور چلا چلا کر کہنے لگے '' مسٹر کوٹربنسکی

وی واٹ وی واٹ ،، اس نے جلدی سے ھار اٹھا کر سر پر رکھ لیا اور پھر ھمارا قیاس ھے کہ وارسا کا سفر کرتے ھوئے اس نے وہ ھار اپنے سوٹ کیس میں رکھ لیا ھوگا ۔ آہ زووالا میں زندگی کتنی مسرت انگیز ھے ! وھاں ھمیشہ لوگوں کا ھجوم رھتا ھے ، وھاں ایسی آزادی ، ایسی مساوات اور ایسی خود مختاری ھے جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتیں . . . جب ھم سفر سے لوٹے تو ھمارا کتا لانسیٹ اتنا زیادہ بھونکا کہ ھماری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ ھمارا کیا بنے گا . . .

اسکولڈووسکی خاندان کی زندگی میں لانسیٹ ایک اھم کردار ادا کرتا ھے ، اگر اس کی اچھی طرح تربیت کی گئی ھوتی تو وہ بھورے رنگ کا کتا معزز شکاری کتا بن جاتا ، لیکن مانیا ، اس کی دونوں بہنیں اور اس کے بھائی جوزف نے اس کی ریڑھ ماردی تھی ، یہ لوگ اسے خوب چمٹاتے تھے ، چومتے تھے ، اور ضرورت سے زیادہ راتب دیتے تھے ، نتیجہ یہ ھوا کہ لانسیٹ ایک خود سر کتا بن گیا ، اور اب اس کی ڈکٹیٹرشپ تمام خاندان پر بھاری تھی ۔ وہ فرنیچر کو برباد کرتا تھا ، پھولوں کے گملے الٹ پلٹ دیتا تھا ، دوسروں کا کھانا ھڑپ کر جاتا تھا ، اور گھر میں آنے والے اجنبیوں پر جھپٹ کر ان کا خیر مقدم کرتا تھا ، اگر کوئی بھولے سے یا بے احتیاطی سے اپنا ھیٹ یا دستانے ادھر ادھر رکھ دیتا تھا تو یہ اسے نوچ کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا تھا ۔ کتے کے مالکوں کو اس میں اتنی بہت سی خوبیاں نظر آتی تھیں کہ وہ لائق پرستش بن چکا تھا اور وہ اس مطلق العنان جانور کو ھر تعطیل پر اپنے ساتھ لے جاتے تھے ۔

کاہلی کے اس سال میں مانیا کی گرم جوش ذہانت پر غنودگی طاری ہوچکی تھی ، اک جذبہ تھا جس نے اس نوجوان لڑکی کو گرفت میں لے لیا تھا ، اور اس جذبے کو وہ تمام زندگی فراموش نہ کرسکی اور وہ تھا جذبۂ دیہات پسندی ۔ وہ کبھی ایک گاؤں میں موسم کے تغیر کا مشاہدہ کرتی ، کبھی دوسرے گاؤں میں ، اور وہ مسلسل سر زمین پولستان کی نئی نئی خوب صورتیاں دریافت کر رہی تھی ۔ سر زمین پولستان . . . . جس پر اس کا خاندان بکھرا پڑا تھا ۔ زوالا ایک پرسکون گاؤں تھا، جو دامان نظر کو کسی طرح نہ کھینچتا تھا، کوئی چیز قابل ذکر نہ تھی ، افق بہت دور نظر آتا تھا ، دنیا بھر میں کہیں بھی اتنا دور افق نظر نہ آتا ہوگا ۔ زاوپسی میں چچا اگزیویر رہتے تھے ۔ وہاں تقریباً بچاس اعلیٰ نسل کے گھوڑے تھے ، ان گھوڑوں سے جاگیر میں کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا تھا ۔ مانیا گھوڑ سواری سیکھنے لگی ، وہ اپنی چچیری بہن سے برجس مانگ کر پہنتی اور گھوڑے پر بیٹھ کر نہایت خوب صورتی سے سرپٹ اور دلکی چالوں کی مشق کرتی ۔ جب اس نے ”کارپتھین کی پہاڑیاں“ دیکھیں تو وہ متحیر ہو گئی ۔ وہ میدانی علاقے کی باشندہ تھی اور میدانی علاقے کی سچی باشندہ ہونے کی حیثیت سے جب اس نے برف سے ڈھکی ہوئی پہاڑیاں دیکھیں تو مسحور ہو گئی اور سیاہ اور کھردری سمور کو دیکھ کر بھی وہ حیران ہو گئی ۔ وہ تمام زندگی چڑھائی کی طرف جانے والے ان پہاڑی راستوں کو نہ بھول سکی جن کے دونوں طرف جھاڑیاں لگی ہوئی تھیں ، وہ ان پہاڑی جھونپڑوں کو بھی فراموش نہ کرسکی جن میں عمارتی لکڑی کا ہر نمونہ شاہکار تھا اور نہایت صاف شفاف اور نفیس جھیل جس کا نام نہایت البیلا تھا یعنی ”ساگر نین“

یہ جھیل ''گلیشیا'' کی سرحد سے زیادہ دور نہ تھی اور وھیں اس کے چچا زیسلاف رھتے تھے، اسے انھی کے کنبے میں سردیاں گزارنی تھیں - ان کے گھر میں شور بہت ھونا تھا ، اور چچا ''اسکالمرز'' میں رجسٹری کے دفتر میں ناظر تھے - چچا بڑے ھی زندہ دل اور خوش باش بزرگ تھے اور چچی صورت‌دار بی‌بی تھیں - ان کی تین بیٹیاں تھیں ، تینوں کی زندگی کا مقصد صرف ٹھٹھے لگانا تھا - بھلا ایسے کنبے میں مانیا کیوں کر بور ھوسکتی تھی ؟ ھر ھفتے کوئی نہ کوئی نیا مہمان آتا تھا ، دعوتیں ھوتی تھیں اور ھمہ وقت رونق اور چہل پہل رھا کرتی تھی ، گھر کے بزرگ شکار مار لاتے تھے اور نوجوان لڑکیاں مہمانوں کے لئے کیک بناتی تھیں یا ان کے لئے کمرے آراستہ کرتی تھیں ، اور اپنے رنگ برنگی لباسوں میں جلدی جلدی تسمے باندھتی تھیں تاکہ آئیندہ کلگ کے کھیل میں وہ بھیس بدل سکیں -

کلگ ایک قسم کا رقص تھا ، اور یہ رقص اس طرح کیا جاتا کہ سب مبہوت ھو جاتے تھے - جب کنبہ سیر و شکار کے لئے نکلتا اور رنگ رلیاں پورے عروج پر ھوتیں تو اس سحرانگیز رقص کا مظاھرہ کیا جاتا - شام کے وقت دو سلیج گاڑیاں برف سے پھسلتی ھوئی گزرتیں ، جن میں مانیا اسکولڈووسکا اور اس کی تینوں چچیری بہنیں چہروں پر نقابیں ڈالے کراکو کی کسان لڑکیوں کا لباس پہن کر بے ھنگم انداز سے نکلتی تھیں - نوجوان مرد ھاتھوں میں مشعلیں لئے گنوار لباس پہنے گھوڑوں پر بیٹھے رواں دواں تھے - درختوں کے جھنڈوں سے مشعلیں جگمگاتی نظر آتیں ، اور جاڑوں کی ٹھٹھرتی ھوئی رات سحر انگیز نغمات سے لبریز ھو جاتی - موسیقاروں

کی گاڑی چار بوڑھے یہودیوں کو گاؤں سے لے کر آئی - یہ یہودی مست اور سرشار تھے ، رندی اور سرشاری ان کے چہروں سے نمایاں تھی ، وہ دو دن دو راتوں سے برابر ساز بجا رہے تھے ، اور ان کی دھنیں بڑی ھی وجدآور اور نشیلی تھیں - وہ والز ، کراکوویاک اور مزروکا کی دھنیں بجاتے تھے اور تمام گروہ ان ھی دھنوں پر کورس گاتا تھا - یہودی ساز بجاتے اور تین تین ، پانچ پانچ اور دس دس سلیج گاڑیوں سے ان کی دھنوں کا جواب ملتا - سلیج گاڑیاں ھچکولے کھاتیں اور افتاں و خیزاں برف سے پھسلتیں ، لیکن انہیں اس میں لطف آتا ، اور گاڑیاں جہاں بھی ٹھہرتیں وھاں وہ فتح‌مندی کا ناچ ناچتے اور اس طرح وہ البیلی رات بسر کی گئی -

پھر اس بے ھنگم شور مچانے والے ھجوم نے سلیج گاڑیاں ایک مکان کے پاس کھڑی کر دیں ، مکان نیند میں ڈوبا ھوا تھا اور مالک مکان حسب توقع متحیر تھا - چند لمحوں کے بعد یہ گروہ ایک میز پر چڑھ کر ناچنے لگا - مشعلیں اور لالٹینیں جل رھی تھیں اور ناچ ھو رھا تھا - کھانا پہلے ھی سے تیار تھا ، سب نے مل کر کھایا اور وھاں سے روانہ ھوگئے - کھانا ، گھوڑے ، سلیج گاڑیاں اور ھجوم میں اضافہ ھوتا چلا گیا - یہ ایک مکان سے دوسرے مکان اور ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے اور ھر گاؤں سے نئے رنگروٹ بھرتی کر کے روانہ ھو جاتے - سورج طلوع اور غروب ھوتا رھا - سازندوں کو اتنا وقت مل جاتا تھا کہ وہ سکون کی سانس لیں اور تھوڑا سا سو سکیں اور پھر تھکے ھوئے ناچنے والوں کے ساتھ شامل ھو جائیں - دوسری رات کو جب سلیج گاڑیوں کا پڑاؤ پڑا اور رقص کی جھنکار شروع ھوئی تو سامنے ایک رئیس کا مکان تھا ، یہ اس نواح

کا سب سے بڑا مکان تھا اور یہیں اصلی ناچ ہونے والا تھا ۔ یہاں پر یہودی بونوں نے کراکوویاک نامی رقص کا پہلا مظاہرہ کیا ۔ رقص کیا تھا گویا فتح مندانہ حملہ تھا ۔ کیا طوفانی ناج تھا اور کیا جوش کا عالم تھا، دوسرے لوگ اس رقص کا ساتھ نہ دے سکے ۔

ایک نوجوان شخص سفید اونی لباس پہنے تھا ، جس پر زردوزی کا کام تھا ، یہ شخص آگے بڑھا اور اس نے کہا " میں بہترین رقاصاؤں کو دعوت رقص دیتا ہوں " ایک سولہ سال کی لڑکی آگے بڑھی ، اس کا بدن مضبوط تھا ، وہ مخملی جیکٹ پہنے تھی ، آستینیں پھولی ہوئی تھیں ، سر پر ایک قسم کا تاج پہنے تھی اور تاج سے رنگ برنگی موباف لٹک رہے تھے ۔ وہ اس لباس میں دوشیزہ کوہسار نظر آ رہی تھی ، اس الھڑ لڑکی کا نام مانیا اسکولڈووسکا تھا ۔

قدرتاً مانیا نے اس جوش و خروش میں کازیا کو شریک کیا (یعنی اسے خطوط لکھے)

میں کلگ ناچوں میں شریک ہوتی رہی ہوں ، تم تصور بھی نہیں کر سکتیں کہ یہ رقص کتنا نشاط انگیز ہوتا ہے ، خصوصاً جب لباس خوب صورت ہو اور لڑکے بھی خوش پوشاک ہوں ۔ میرا لباس بڑا پیارا تھا . . . . .

اس سے پہلے کلگ ناچ کے بعد میں دوسرے ناج میں شریک ہوئی ، جس میں میں نے بڑے اچھے رقص کا مظاہرہ کیا ۔ کراکو سے کافی لوگ آئے تھے اور ان میں کافی خوبرو لڑکے بھی تھے جو بہت اچھا ناچے ۔ ایسے ناچنے والے شاذ و نادر ہی ملیں گے ۔ صبح آٹھ

بجے ہم آخری ناچ ناچے ۔ اس رقص کا نام مزروکا تھا اور اسے ناچتے وقت سفید لباس پہنا گیا تھا ۔

اس سحر انگیز تعیش میں نقطۂ عروج آ گیا ۔

جولائی ۱۸۸۴ء میں جب کہ مانیا ابھی وارسا واپس ہی ہوئی تھی کہ ایک خاتون پروفیسر اسکولڈووسکی سے ملنے آئیں، ان کا نام ''مٹیسے''، تھا ، وہ خود پولش خاتون تھیں لیکن ان کی شادی ایک فرانسیسی سے ہوئی تھی اور وہ کسی زمانے میں مادام اسکولڈووسکا کی شاگرد رہ چکی تھیں ۔ پروفیسر کی نوجوان لڑکیوں نے تعطیلات گزارنے کا کوئی منصوبہ نہ بنایا تھا ، لہذا ان خاتون نے یہ تجویز پیش کی کہ کیوں نہ یہ لڑکیاں دو مہینے کی چھٹیاں ان کے مکان میں گزاریں ، ان کا مکان دیہات میں تھا ۔

یہ اتوار کی بات ہے (مانیا کازیا کو لکھتی ہے) اور اتوار کی شام کو ہم جا چکے تھے ، یعنی میں اور ہیلا ۔ ہم نے تار دے کر اطلاع دے دی تھی کہ اسٹیشن پر ہمارے لئے گاڑی بھیج دی جائے ۔ اب ہم کئی ہفتوں کے لئے کیمپا میں قیام پذیر تھے ، میں تمہیں یہاں کے حالات لکھنا چاہتی ہوں ، مگر مجھ میں جرأت نہیں ، میں فقط اتنا لکھوں گی کہ یہ دن یادگار ہیں ، کیمپا نیرف اور ببرزا دریاؤں کے سنگم پر واقع ہے ، یوں کہنا چاہئے کہ یہاں تیرنے اور کشتی چلانے کے لئے پانی کی فراوانی ہے ۔ میں اس نعمت غیر مترقبہ سے بہت مسرور ہوں ۔ میں آج کل کشتی چلانا سیکھ رہی ہوں ، اور اچھی خاصی چلا لیتی ہوں ، اور مجھے تیراکی تو مثالی قسم کی آتی ہے ، جو ہمارے جی میں

آتا ہے فوراً کر گزرتے ھیں ، کبھی رات کو سوتے ھیں اور کبھی دن میں سوتے ھیں اور جب ترنگ میں آتے ھیں فوراً ناچنے لگتے ھیں اور بعض اوقات ایسی احمقانہ باتوں کے پیچھے بھاگتے ھیں کہ ھم پاگل خانے میں پاگل کے طور پر بند کئے جانے کے مستحق ھیں . . . . . .

مانیا شاید ھی مبالغہ کرتی تھی ۔ دو رواں دواں دریاؤں کے شفاف سنگم کے کنارے اس خوب صورت مکان میں تمام تعطیلات بھر مانیا معصومانہ پاگل پن کی مدھر بیروائی میں سانس لیتی رھی ۔ یہ اسکولڈووسکی لڑکیاں اپنے کمروں کی کھڑکیاں کھولتیں اور تا حد نظر پھیلے ھوئے سبزے اور آب رواں کو دیکھتی رھتی تھیں ، اور ساحل کے ساتھ ساتھ چنار اور بید مجنوں کے درخت دور تک پھیلے ھوئے تھے ۔ پانی کا مد زور سے اٹھتا اور میدان پر آب رواں کی چادر پھیل جاتی ، جس پر سورج کی کرنوں کی چھوٹ پڑتی اور نگاھیں خیرہ ھو جاتیں ۔

ھیلا اور مانیا کیمپا میں رھنے والے لڑکوں اور لڑکیوں کے گروہ کی سرغنہ بن گئیں ۔ اس گھر کے مالکان کا رویہ بڑا انوکھا تھا ، جب یہ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں سامنے ھوتیں تو یہ بزرگوں کی طرح نصیحتیں کرتے ، ان کے اعمال کا سینسر کرتے اور ایسا ظاھر کرتے گویا وہ نوجوانوں کی بے راہ روی کے سخت خلاف ھیں ، لیکن جب میاں بیوی اکیلے میں ملتے تو نوجوانوں کی بے راہ رویوں کا ایسے چٹخارے لے لے کر ذکر کرتے کہ خود بھی شریک جرم بن جاتے ۔ معلوم ھوتا ھے کہ وہ نوجوانوں کی سرگرمیوں

سے پورا پورا تعاون کرنے کے لئے آمادہ ہیں اور چشم پوشی اور درگزر کے لئے تیار ہیں -

مثال کے طور پر آج وہ کیا کرنے جا رہے تھے ؟ گھوڑ سواری کا ارادہ تھا ، جنگلوں اور جھاڑیوں میں گھومنے پھرنے کا پروگرام تھا - لمبی سیاحت کے لئے وہ ہمیشہ سے تیار تھے- مانیا نے 'جان سونی زسکو، یعنی 'مادام ڈی فلارے ' کے بھائی سے متصل قصبے تک جانے کے لئے کہا - جب وہ چلا گیا تو اس کی غیر حاضری میں مانیا نے دوسروں کی مدد سے نوجوان کے کمرے کی ہر چیز کو دھنیوں سے لٹکا دیا - اس کا بستر ، اس کی میز ، اس کا اسباب ، اس کے کپڑے ، ہر چیز معلق تھی ، اب جب وہ آئے گا تو کیسا مزا آئے گا ، اسے اپنے ہوائی سامان کو زمین پر اتارنے میں کتنی جد و جہد کرنا ہوگی . . . . اور یہ چائے جو مہمانوں کے لئے خصوصیت سے تیار کی گئی تھی کتنی عجیب تھی ، چائے کی اس دعوت میں ''بچے'' مستثنیٰ قرار دیئے گئے تھے ؟ ناقابل برداشت ! جب مہمان باغ میں چہل‌قدمی کر رہے تھے تو موقع کو غنیمت جان کر بچوں نے پیسٹریاں اور دوسری چیزیں نگلنا شروع کر دیں اور جس چیز کو حلق سے نہ اتار سکے اسے ساتھ لے جانا پسند کیا ، اور اجڑی ہوئی میز پر انہوں نے آدمی کا ایک پتلا تیار کر کے کھڑا کیا ، یہ پتلا گویا کاؤنٹ ڈی فلارے تھا - جب پتلا تیار ہو گیا تو سب بھاگ کھڑے ہوئے -

اب مجرم کا کیسے پتا لگایا جاتا - یہی مسئلہ اس دن بھی زیر غور تھا اور یہی مسئلہ تعطیلات سرما میں ہر روز زیر غور رہا - وہ ہر روز ایک جرم کرتے اور جنات کی طرح غائب ہو جاتے - جب ان کے بارے میں توقع کی جاتی کہ وہ کمرے میں ہوں گے تو وہ گھاس کے لان پر نظر آتے اور جب ان کے بارے میں گمان کیا جاتا کہ وہ سیر کرنے گئے ہوں گے تو وہ تہ خانوں میں چھپے ہوتے ، وہاں وہ چھپ چھپ کر باورچی خانے سے پھلوں کی ٹوکری چرا کر لاتے تھے اور مل جل کر کھاتے تھے ، اور اگر صبح پانچ بجے گھر میں بالکل سکون اور سناٹا ہو تو اس کا یہ مطلب تھا کہ گھر چھوڑا جا چکا ہے - مانیا ، ہبلا اور ان کے مقلدین طلوع آفتاب کے وقت دریا میں نہانے کا پروگرام بنا چکے ہیں - اب انہیں واپس بلانے کی ایک ہی ترکیب ہو سکتی تھی کہ کسی تقریب کا اعلان کیا جائے ، چیستان میں شریک کیا جائے یا ناچنے کے لئے کہا جائے - ڈی فلارے نے اکثر ان چیزوں کا انتظام کیا ، ان آٹھ ہفتوں میں اس نے تین مرتبہ جشن رقص کیا ، دو گارڈن پارٹیاں دیں ، سیر سپاٹے اور کشتی چلانے کا پروگرام بنایا -

دونوں میاں بیوی نہایت فیاضی سے ان نوجوانوں کو مراعات دے رہے تھے ، کیونکہ انہیں اپنے دن یاد آتے تھے اور اس طرح کچھ تلافی ہو جاتی تھی - وہ دونوں مست قلندر نوجوانوں کا احترام کرتے تھے ، ان کی آپس کی رفاقت ، ان کا اعتماد اور ان کی بے مثال مسرت کا نظارہ ، ایسی مسرت جو حد سے سوا تھی

جسے اسراف بیجا کہا جا سکتا تھا ، جس میں وحشی پن نمایاں تھا ، لیکن اس کے باوجود وہ مجرد اور خالص مسرت تھی ۔

وہ ان تعجبات کا بھی تجربہ کرتے جو نوجوان لڑکے لڑکیاں ان کے لئے تیار کرتے ، جب انہوں نے اپنی شادی کی چودھویں سالگرہ منائی تو انہی نوجوانوں کے دو نمائندوں نے انہیں چالیس پونڈ وزنی تاج پیش کیا ۔ یہ سجا سجایا تاج ترکاریوں کا بنا ہوا تھا اور انہوں نے ایک چھتر تیار کیا اور حریر و پرنیاں کے پردے گھیر کر میاں بیوی کو اس کے اندر بیٹھنے کی دعوت دی اور سب سے چھوٹی لڑکی نے نہایت متانت سے اس موقع پر ایک نظم پڑھی ۔

یہ نظم مانیا کی تخلیق تھی ۔ اس نے اپنے کمرے میں جاتے ہوئے سیڑھیوں سے چڑھتے اور اترتے ہوئے یہ نظم کہہ لی تھی ، نظم میں بلا کی آمد تھی اور آخری بند یہ تھا :

سینٹ لوئیس ڈے کے موقع پر
ہم ایک پکنک کی توقع کرتے ہیں
کچھ لڑکوں سے کہئے کہ وہ ،
ہمارے ساتھ پکنک پر چلیں
ہر لڑکی کے ساتھ ایک لڑکا ہو
تا کہ آپ کی مثال کے مطابق
ہم بھی زندگی کی منزلیں تیزی سے طے کر سکیں ،
جتنی جلدی ہوسکے ، قربان گاہ کی طرف قدم اٹھا سکیں ۔

اس نظم کا کوئی جواب نہ دیا گیا - میاں بیوی نے فوراً ایک عظیم‌الشان جشن موسیقی اور رقص کا اعلان کر دیا - گھر کی مالکہ نے کیک ، قندیلوں اور پھولوں کے گجروں کے منگوانے کا آرڈر دے دیا اور مانیا اور ہیلا اس رات کے جشن کے لئے اپنے لباس تیار کرنے لگیں -

ان غریب لڑکیوں کے لئے لباس فاخرہ ممکن نہ تھا ، انہیں سال میں دو جوڑے ملتے تھے ، ایک ناچنے کے لئے ، ایک گھر میں پہننے کے لئے اور ایک ادنیٰ درجے کا درزی ان کے کپڑے سیتا تھا ، دونوں بہنوں نے اپنی مشترکہ قسمتوں کا اندازہ کیا اور ایک فیصلہ کر لیا - مانیا کے لباس میں اس کا نقاب تک تار تار تھا ، البتہ نیلے رنگ کی ساٹن اچھی حالت میں تھی ، انہوں نے طے کیا کہ وہ شہر جائیں گی اور نہایت سستے داموں کی نیلی ململ خریدیں گی اور اس طرح پھٹیچر نقاب کی کمی پوری کریں گی - نیلی ساٹن تو ٹھیک ہی تھی ، گویا اس لازوال بنیاد پر نئی منزل کھڑی کی جائے گی - پھر بادامی رنگ کے جوتوں کا مسئلہ درپیش تھا - یہاں کا ربن ، وہاں کا تسمہ ، کسی جگہ کا تکمہ - غرض بیسیوں قسم کے مسئلے تھے لیکن سب مشکلیں آسان ہو گئیں اور اب فقط یہ کرنے کو باقی رہ گیا تھا کہ باغ میں جاتیں گلاب کے پھول چنتیں اور اپنے بالوں میں سجا لیتیں -

جب سینٹ لوئیس کی رات آئی اور جب سازندے اپنے ساز چھیڑ رہے تھے تو اس با رونق مکان میں ہیلا تیتری کی طرح

ادھر ادھر پھر رہی تھی ، وہ آج حیرت انگیز طور پر خوب صورت لگ رہی تھی ۔ مانیا نے اپنا جائزہ لینے کے لئے آخری بار آئینے پر نظر ڈالی ۔ سب ٹھیک تھا ۔ کلف لگی ہوئی ململ ، گلے میں تازہ پھولوں کا گجرا اور نفیس قسم کے نئے جوتے ، جنھیں رات گزارنے اور پو پھٹنے کے بعد کسی کونے میں اٹھا کر پھینک دیا جائے گا ، کیونکہ وہ رات بھر اتنا ناچے گی کہ ان کے تلوں کا کوئی وجود باقی نہ رہے گا ۔

مدتیں گزر گئیں اور جب میں بڑی ہوئی تو میری والدہ ان سنہرے دنوں اور روپہلی راتوں کو میرے لئے واپس بلانا چاہتی تھیں ۔ میں نے امی کے تھکے ہوئے چہرے کو دیکھا ، نصف صدی کے تفکرات اور شدید محنت سے جھریایا ہوا چہرہ . . . اور میں نے مقدر کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے میری والدہ کو چند ایسے دن بخش دیئے کہ وہ سلیج گاڑی پر سوار ہو کر جشن منا سکی اور مستانہ وار رقص کرسکی اور نئے جوتے کے تلے ایک رات میں توڑ سکی ۔



چوتھا باب

انتخاب معاش

میں نے مانیا اسکولڈووسکا کو بچی کے طور پر، نوخیز دوشیزہ کے طور پر، طالبہ کے طور پر اور کھلاڑی لڑکی کے طور پر پیش کرنے کی کوشش کی ہے ۔ وہ صحت مند، دیانتدار، حساس اور خوش باش لڑکی تھی ۔ اس نے محبت کرنے والا دل پایا تھا ۔ اس کی استانیوں کا بیان ہے کہ وہ غیرمعمولی ذہین تھی اور ذہنی نعمتوں سے مالا مال تھی، لیکن مجموعی طور پر اس کی سیرت میں کوئی ایسی چونکا دینے والی خصوصیت نہ تھی جو اسے دوسرے بچوں سے ممتاز و ممیز کر دیتی، جن کے ساتھ وہ پروان چڑھ رہی تھی، اب تک ایسی کوئی خوبی نمایاں نہ ہو سکی تھی جو اس کے نابغہ ہونے کا ثبوت دیتی ۔

اس نوجوان لڑکی کی ایک اور تصویر ملاحظہ ہو، یہ تصویر نسبتاً زیادہ متین ہے ۔ مانیا کی زندگی سے کچھ پسندیدہ صورتیں روپوش ہو چکی ہیں اور اگر وہ صورتیں آئندہ جیتی جاگتی محسوس ہوں گی تو محض مانیا کے حافظے کے بل بوتے پر، اس کی دوستیاں بھی بتدریج تبدیل ہو رہی تھیں، بورڈنگ اسکول اور ہائی اسکول اپنا وجود کھو چلے تھے اور رفاقت کے معاہدے جو بظاہر بڑے مضبوط تھے، کمزور ہوتے جا رہے تھے ۔ بے تکلفانہ تعلقات روزمرہ کے رسمی مراسم کی شکل اختیار کر رہے تھے ۔ اب مانیا کا یہ کام رہ گیا تھا

کہ وہ دو شخصوں کے تعلقات کے فرق کا تجزیہ کرے جو اس کی نظر میں وقیع اور قابل ستائش تھے ، دو شخصیتیں جو بے حد شفیق تھیں ، جن کے لئے اس کے دل میں احترام تھا اور جو اتفاق سے اس کے قریب ترین رشتہ دار تھے ، اس کا باپ اور اس کی بڑی بہن ۔

اب میرا جی چاہتا ہے کہ ان دو دوستوں کے درمیان گھری ہوئی مانیا کو پیش کروں جن کے زیر عاطفت وہ اپنے عظیم الشان دماغ میں مستقبل کی عمارت تعمیر کر رہی تھی ، لیکن جیسا کہ بالعموم لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ مستقبل کی عمارت کا خاکہ تیار کرتے وقت تناسب اور توازن کا خیال نہیں کرتے ، بعینہ یہ لڑکی جو بڑی جسارت کے سات مستقبل کے خواب دیکھ رہی تھی ، حد اعتدال سے بڑھ چکی تھی ، حالانکہ اس لڑکی کو مادام کیوری بننا تھا !

ستمبر میں اسے سیر سپاٹے کرتے ہوئے پورا ایک سال ہو چکا تھا ، لیکن طبیعت میں تلون بدستور تھا ، وہ دوبارہ وارسا جانے والی سڑک پر چل پڑی ، وہ اپنے گھر آئی ، اس دفعہ اس کا گھر اس اسکول کے قریب تھا جس میں وہ اپنی ابتدائی زندگی گزار چکی تھی ۔

نوولپکی اسٹریٹ کی بے وفائی کا اس طرح جواز پیش کیا جاسکتا ہے کہ ترک مکانی سے اسکولڈووسکیوں کی زندگی میں غیر معمولی تغیر آ گیا تھا ۔ جوں جوں پروفیسر کی عمر ڈھلتی گئی وہ فیصلہ کرتا گیا کہ وہ درس و تدریس کا پیشہ تو نہ ترک کرے گا ، لیکن زیادہ طالب علموں کو اپنے گھر میں نہ ٹھہرائے گا ۔ اب مانیا اور اس کا کنبہ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا ، آپس کی یگانگت بڑھ گئی تھی ،

اور زندگی پہلے کے مقابلے میں زیادہ غریبامؤ ہو گئی تھی - گرد و پیش کے بارے میں زیادہ سوچ بچار ہونے لگا تھا -

جو لوگ پروفیسر اسکولڈووسکی سے پہلی بار ملتے تھے وہ اس کے انداز میں روکھا پن محسوس کرتے تھے - ثانوی مدارس کی تیس سالہ مدرسی نے اس چھوٹے سے آدمی کو اکل کھرا اور متین بنا دیا تھا ، اس کے حلیئے بشرے اور رکھ رکھاؤ میں ایسی ہزاروں باتیں تھیں جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ نرا سرکاری عہدےدار رہ چکا ہے ، گہرے رنگ کا لباس ، جس پر بالعموم نہایت احتیاط سے برش کیا جاتا تھا ، وہ مختصر اور جامع گفتگو کرتا تھا - اس کی زندگی کے ہر اقدام میں قاعدہ اور ضابطہ موجود تھا - اگر وہ خط لکھتا تو اس کا ہر ہر جملہ منطق سے پر ہوتا اور تحریر نستعلیق ہوتی - اگر وہ تعطیلات میں بچوں کو لے کر کہیں جاتا تو اس میں کوئی اتفاقی واقعہ رونما نہ ہو سکتا تھا - وہ چھپی ہوئی گائڈ پہلے سے خرید لیتے تھے اور بچوں کی نہایت صحیح رہنمائی کرتے تھے اور ان جگہوں کی طرف متوجہ کرتے تھے جو بہت زیادہ اہم ہوتی تھیں ، بچے آگے بڑھتے جاتے اور پروفیسر صاحب منظر کی دلکشی یا کسی لاٹ کی تاریخی اہمیت پر تبصرہ کرتے جاتے تھے - مانیا نے ان " میاں جی " کی ان چھوٹی چھوٹی خصوصیات پر کبھی غور نہ کیا ، وہ بڑی نرم دلی کے ساتھ اپنے باپ سے محبت کرتی تھی ، وہ اس کا محافظ اور مربی تھا اور مانیا یہی سمجھتی تھی کہ اس کا باپ علم کا سمندر ہے اور ساری دنیا کی باتیں اسے معلوم ہیں -

یہ سچ ہے کہ پروفیسر اسکولڈووسکی ہر بات جانتے تھے ، یا یوں کہہ لیجئے کہ تقریباً ہر بات جانتے تھے - بھلا یورپ کے کس ملک میں کوئی اسکول ماسٹر اتنا متبحر اور فاضل ہوسکتا ہے ؟ غریب آدمی ، ایک کنبے کا باپ ، جو گھر کے بجٹ کو نہایت دقت کے ساتھ متوازن رکھتا تھا ، اتنا فاضل وقت بھی نکال لیتا تھا کہ سائنسی معلومات میں اضافہ کرنے کے لئے کتابیں پڑھا کرتا تھا ، اور کتابیں اس بیچارے کو بڑی مشکل سے دستیاب ہوتی تھیں - وہ اس بات کو اپنا فرض منصبی نہ سمجھتا تھا بلکہ اس بات کو اپنی طبیعت کے عین مطابق جانتا تھا کہ علم کیمیا اور طبعیات کی رفتار ترقی کے ساتھ ساتھ اسے رفتار مطالعہ بڑھانا چاھئے اور نئے نئے انکشافات و ایجادات سے واقفیت حاصل کرنا چاھئے اور وہ اس بات کو بھی اپنے لئے قدرتی سمجھتا تھا کہ اسے یونانی ، لاطینی ، انگریزی ، فرنچ اور جرمن میں گفتگو کرنے کا سلیقہ ہونا چاھئیے (اور پولش اور روسی زبان تو آنی ھی چاھئے) وہ اس بات کو بھی اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا کہ وہ دنیا کے ادبیات عالیہ کے مضامین نظم و نثر کو اپنی ملکی زبان میں منتقل کرے اور خالی وقت میں شعر کہے ، اور اپنی بیاض میں خط نستعلیق میں کہے ہوئے اشعار کو محفوظ کر لے - اس نے بڑی خوب صورت بیاض بنائی تھی جس پر سیاہ اور سبز رنگ کا غلاف چڑھا تھا ، اس کی نظموں کے عنوانات کچھ اس قسم کے ہوا کرتے تھے " اپنے دوستوں کے نام " " شادی کا کیک " " اپنے سابق شاگردوں کے نام "

سالہا سال سے پروفیسر اسکولڈووسکی ، ان کے بیٹے اور بیٹیاں ہفتے کی شام کو سر جوڑ کر بیٹھتے اور رات گئے تک ادبی مشاغل جاری رکھتے ۔ عام طور پر اس گھر میں سناٹا رہا کرتا تھا ، لیکن ہفتے کی شام کو گرما گرم چائے کا دور چلتا اور علمی ادبی مباحثے ہوتے ۔ بوڑھا پروفیسر ترنم سے نظم یا تحت اللفظ پڑھتا ، بچے بڑے غور سے سنتے تھے اور انہیں وجد آتا تھا ، ان لمحوں میں پروفیسر آنکھوں کو بڑا بھلا لگتا تھا ، اس کے بال پیچھے کی طرف لوٹے ہوئے تھے اور اس کے پرسکون چہرے سے حلیم الطبعی نمایاں تھی اور یہ چہرہ بھورے رنگ کی خوب صورت چھوٹی سی داڑھی سے کسی قدر لمبا ہو گیا تھا ۔ اس کی گفتگو میں بڑی دلکشی تھی ۔ سنیچر پر سنیچر گزرے گئے اور مانیا ایک مانوس آواز کے توسط سے ادبیات عالیہ کے شاہکاروں کو سنتی گئی ۔ جب وہ چھوٹی تھی تو اسی آواز نے پریوں کی کہانیاں سنائی تھیں ، سفر نامے سنائے تھے اور ” ڈیوڈ کوپر فیلڈ ،، سے روشناس کرایا تھا ۔ پروفیسر اسکولڈووسکی نے بغیر کسی دقت کے اس ناول کا انگریزی سے پولش میں ترجمہ کیا تھا ، اور اب یہی آواز جو مسلسل مدرسی کرتے کرتے قدرے شکستہ ہو چکی تھی ، چار ہمہ تن گوش نوجوانوں کو رومانی مصنفین کے ادب سے روشناس کرا رہی تھی ، یہ مصنفین پولینڈ کے شعرائے انقلاب تھے ، سلوواکی ، کراسفسکی ، مکوز ۔ خستہ حال قدیم زبانوں کی ورق گردانی کی جاتی ، ان میں سے بعض نسخے زار کی عدم توجہی سے بچ گئے تھے ، بعض بوسیدہ طور پر طبع کئے گئے تھے ، قارئین

" کورڈیاں " کی نظموں کے غم انگیز مجموعے یا میسرز تھیڈئیس کی نہایت ولولہ انگیز اور رزمیہ نظموں کا تجزیہ کر رہے تھے۔

مانیا ان ناموں کو کبھی فراموش نہ کرسکی، وہ اپنے والد کی ممنون تھی جس کے طفیل وہ دانشوروں کے ماحول میں پلی، بڑھی۔ ایسا غیر معمولی ماحول بہت کم لڑکیوں کو نصیب ہوا ہوگا۔ وہ قدرت کی جانب سے پیدائشی طور ایک ایسے شخص سے وابستہ تھی جس نے بڑی جد و جہد کے ساتھ اس کی شخصیت کو دلچسپ اور دلکش بنا دیا۔ اسے اپنے باپ سے اتنی محبت تھی اور اس کے بارے میں وہ اتنی متجسس تھی کہ وہ اپنے باپ کے پرسکون چہرے کے پیچھے چھپے ہوئے کرب کو بھانپ سکتی تھی، ایک رنڈوے کی یاسیت جس کا اس نے کبھی اظہار نہ کیا، ایک ہراساں اور کچلے ہوئے محکوم عہدےدار کا غم، ایک محتاط انسان کا پچھتاوا جو اپنے کو کبھی معاف نہ کرسکا اور اندیشہ ہائے گوں‌ناگوں میں گھرا رہا، اندیشہ ہائے گوں‌ناگوں جو اس شریف آدمی کی تقدیر کو نگل گئے۔

وہ بہت ضبط کرنے کی کوشش کرتا تھا لیکن کبھی کبھی جی چھوڑ بیٹھتا تھا، تب وہ ایک جملہ کہا کرتا تھا، شکایت سے بھرا ہوا جملہ، اور یہ جملہ کہہ کر گویا وہ سبکدوش ہونا چاہتا تھا۔

" میں اپنی سب جمع پونجی کھو بیٹھا ہوں، میں تمہیں اعلیٰ تعلیم دلانا چاہتا تھا، تعلیم کے لئے تم سب کو ولایت

بھیجنا چاھتا تھا ، مگر میرے خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکے ۔ اب میں فلانج ہوں تمہاری مدد نہیں کرسکتا بلکہ خود تمہارا دست نگر ہوں ، نہ جانے تمہارا کیا حشر ہوگا ؟ ،،

پروفیسر بڑے کرب کے ساتھ آہ بھرتا اور اپنے بچوں کا منہ تکنے لگتا ، وہ غیر ارادی طور پر ان کے خاموش احتجاج کا جواب دیتا تھا ، تمام کنبہ مطالعہ کے کمرے میں بڑے لیمپ کے نیچے جمع ہو جاتا اور زندگی کی لہر سی دوڑ جاتی ۔ چار ضدی کھوپڑیاں ، چار جسارت آمیز مسکراہٹیں ، اسے دیکھتیں اور ان تمام تلملاتی اور چمکیلی آنکھوں میں جذبات کی شدت اور امید کی کیفیت دیکھی جا سکتی تھی ۔

” ہم جوان ہیں ، ہم قوی ہیں ، ہم کامیاب ہوں گے ،،

پروفیسر اسکولڈووسکی کے اندیشوں کو سمجھنا آسان تھا ، وہ سال جس پر ان کے بچوں کے تمام مستقبل کا انحصار تھا ، ایسا نازک تھا اور صورت حال ایسی تھی کہ بچوں کی نری ذھانت کافی نہ تھی ۔

مسئلہ بالکل سادہ تھا ۔ کنبے کے سرپرست کی مالی کیفیت یہ تھی کہ مکان کا کرایہ بھی مشکل ہی سے ادا ہو سکتا تھا اور پیٹ بھر کر کھانا بھی مشکل ہی سے ملتا تھا ۔ نہایت قلیل تنخواہ تھی ، پنشن کے دن قریب تھے یعنی آمدنی میں مزید تخفیف ہونے والی تھی ، لہذا مطلب بالکل واضح تھا یعنی جوزف ، برونیا ، ہیلا اور مانیا کو اپنی روزی آپ کمانی تھی ۔

یہ بچے ایک استاد اور ایک استانی کی اولاد تھے۔ لہذا پہلے پہل قدرتاً والدین کا پیشہ اختیار کرنے کا خیال آیا۔ ”میڈیکل اسٹوڈنٹ پرائیویٹ ٹیوشنوں کا خواہشمند ہے“ یا (ایک اور اشتہار) ”ایک سند یافتہ نوجوان استانی معقول فیس پر ریاضی، اقلیدس اور فرنچ پڑھانے کی خواہشمند ہے“ وارسا میں سینکڑوں ذہین نوجوان تلاش روزگار میں مارے مارے پھر رہے تھے، ان ہی میں اسکولڈووسکی نوجوان بھی شامل ہوگئے۔

کیسی ستم ظریفی تھی کہ مانیا سترہ سال کی عمر سے پہلے ہی زمانے کے سرد و گرم سے آشنا ہوگئی، صعوبتیں اور ذلتیں شروع ہو گئیں، وہ پورا شہر ناپ ڈالتی، بارش میں بھیگتی اور ٹھنڈ میں اکڑتی اور کند ذہن اور کاہل شاگردوں کو پڑھاتی تھی، جن کے والدین اس سے ملاقاتی کمرے میں انتظار کرنے کو کہتے (” استانی جی سے کہو، میری لڑکی پندرہ منٹ بعد آئے گی“) اور بعض والدین تو اتنے بدتمیز تھے کہ محض ارادۃً غفلت کے تحت ٹیوشن فیس کے چند ٹکے دینا بھول جاتے تھے۔ یہ فیس جس کی ادائیگی کا پہلی تاریخ کو وعدہ کیا جاتا تھا، بڑی صبر آزما تھی۔ مانیا ہر صبح اٹھ کر انگلیوں کے پوروں پر گنتی تھی کہ پہلی تاریخ میں کتنے دن باقی ہیں۔

یہاں سب خیریت ہے۔ (مانیا رقم طراز ہے) گھر میں جو پودے لگے ہیں وہ اچھی طرح ہیں، پھول کھل چکے ہیں، لانسیٹ دری پر سوتا ہے ”گوسیا“، درزن میرے کپڑے تیار کر چکی ہے، جنہیں میں رنگ چکی ہوں۔ کپڑوں کا جوڑا موزوں اور

نفبس ہے - برونبا کے کپڑے سل چکے ہبں اور اچھے ملے ہیں - مس نے کسی کو کوئی خط نہیں لکھا ، نہ اننا وقت ہے نہ اتنے ٹکٹ کے دام - کل ایک شخص ہمارے گھر آیا ، کہنے لگا آپ لوگ ٹیوشن پڑھانے کی کیا فس لبنی ہیں ، برونبا نے بنایا کہ ایک گھنٹے کا محنتانہ آدھا روبل لیتے ہبں - یہ سن کر وہ شخص ایسا بھاگا جیسے مکان مس آگ لگ گئی ہو . . . .

شاید کوئی یہ سوچے کہ مانیا اس وقت گھنے داتوں کے بغیر ایک جوان عورت ہوگی - محنتی اور باسعور ، جس کی تمام تر دلچسپی اس سے ہوگی کہ وہ اپنے شاگردوں کی فہرست نیار کیا کرے . . . . . تو یہ مفروضہ درست نہ ہوگا ، اس نے بڑی بہادری کے ساتھ زندگی کے تلخ حقائق کو تسلیم کیا اور اپنی ضرورت کے تحت ٹیوشنیں پڑھانے لگی تھی ، لیکن اس کی زندگی کچھ اور ہی تھی ، جو پوشیدہ اور جذبات سے پر تھی ، عام پولستانیوں کی طرح وہ بھی خواب دیکھا کرتی تھی -

تمام نوجوانوں مبں ایک خواب مشترک تھا ، اور یہ قومیت کا خواب تھا ، وہ اپنی ذاتی خواہشوں ، شادی اور محبت کے ارمانوں پر جذبۂ حب‌الوطنی کو ترجیح دیتے تھے - ہر شخص وطن پر مٹنے کے لئے تیار تھا اور آزادئ وطن کے خواب دیکھ رہا تھا - کوئی یہ خواب دیکھتا تھا کہ وہ شدید جد و جہد کرے گا ، اپنی جان پر کھیل کر حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش کے سلسلے میں قوم کو منظم کرے گا ، کوئی آئینی جنگ کر کے حکومت حاصل کرنے کے خواب دیکھ رہا تھا اور کسی کی یہ کیفیت تھی

کہ معجزوں کے خواب دیکھ رہا تھا ، کیونکہ کیتھولک مذہب بھی تو ایک قلعہ تھا جس میں بیٹھ کر ظالموں کے مظالم سے بچایا جا سکتا تھا ۔

مانیا اب مافوق‌الفطرت باتوں پر یقین نہیں کرتی تھی ، رواجی اور رسمی طور پر وہ عیسائی تھی لیکن ماں کی موت نے اس کے عقائد کو متزلزل کر دیا تھا اور رفتہ رفتہ اس کے دل سے مذہب کافور ہو چکا تھا ، اس نے اپنی مقدس اور مذہبی ماں کی آغوش میں آنکھیں کھولیں تھیں لیکن اب وہ چھ سات برس سے اپنے والد کے زیر اثر تھی اور وہ برائے نام کیتھولک تھے ، وہ بغیر تسلیم کئے ہوئے آزاد خیال مفکر تھی ۔ اس کا بچپن دینداری میں بسر ہوا تھا ۔ باقی تمام زندگی بھر وہ کسی ایسی ان دیکھی طاقت کا احترام کرتی رہی جو بہت ہی بلند اور عظیم تھی ۔

اس کے دوستوں میں بعض انقلابی محب‌الوطن تھے ، نازک وقتوں میں وہ ان کی مدد کرتی تھی ، لیکن وہ اس قسم کے خواب نہیں دیکھا کرتی تھی کہ وہ قتل و خون ریزی میں شریک ہوگی یا ' زار ' یا ' وارسا ' کے گورنر کی سواری پر بم پھینکے گی ۔ دانشوروں کے جس جوان طبقہ سے یہ لڑکی تعلق رکھتی تھی اس طبقے میں ایک زبردست تحریک شروع ہو چلی تھی اور وہ تحریک یہ تھی کہ باطل خیالات کو یکسر فراموش کر دیا جائے اور ان کی مذمت کی جائے ، مطلب یہ تھا کہ حصول آزادی کے لئے بے ہنگم شور نہ مچایا جائے ۔ اس طبقے کے نزدیک ایک ہی

چیز نہایت اہم تھی یعنی کام کیا جائے ، پولینڈ کے لئے علم و دانش کا عظیم سرمایہ تیار کیا جائے ، غریبوں کی تعلیم کی طرف توجہ کی جائے جنہیں حکومت نے دانستہ طور پر تاریکی میں رکھ چھوڑا تھا ۔

اس عہد کے ان فلسفیانہ نظریات نے قومی ترقی کا رخ بدل دیا تھا ۔ چند سال پہلے کومٹے اور اسپنسر کے مثبت فلسفے نے یورپ کو سوچنے کے نئے موضوعات دیئے تھے ۔ اسی زمانے میں ، پاسچر ، ڈارون اور کلائڈ برنارڈ نے سائنس کے وقار کو بڑی شدت سے بلند کیا تھا ۔ وارسا میں دوسری جگہوں کی طرح بلکہ دوسری جگہوں سے بھی زیادہ رومانی فضا سے زیادہ دانشورانہ فیشن ابھرا تھا - اس نے کچھ عرصے تک فنون لطیفہ اور جذباتیت کی دنیا کو نظر حقارت سے دیکھا اور نوجوان طبقہ حقائق کی طرف راغب ہوا اور دو ٹوک فیصلے کرنے پر مائل ہوا ۔ اچانک علم کیمیا اور علم‌الحیات کو ادب پر فوقیت دی جانے لگی ۔ ادیبوں اور شاعروں کے بجائے سائنسدانوں کی پرستش ہونے لگی ۔

آزاد ممالک میں خیالات کی اس رو کو آزادی کے ساتھ بڑھنے کا موقع دیا گیا ، لیکن پولینڈ میں یہ معاملہ نہ تھا ، وہاں ہر قسم کی آزاد روی کو شک و شبے کی نظر سے دیکھا جاتا تھا لیکن نئے نظریات نے نکاس کا راستہ ڈھونڈ لیا اور پھر وہ در پردہ اندر ہی اندر جڑیں مضبوط کرنے لگے ۔ مانیا اسکولڈووسکا جیسے ہی وارسا آئی تو وہ ایک ایسے گروہ کی حلیف بن گئی جو نہایت پرجوش طور پر فلسفۂ ثبوتیت کا قائل تھا ، ایک خاتون نہیں

جن کا اسم گرامی ”پیاسکا“ تھا ۔ انہوں نے مانیا کو بہت متاثر کیا تھا ، وہ کسی ہائی اسکول میں استانی تھی ، ۲۶|۲۷ سال عمر تھی ، چھریرا بدن ، گوری رنگت اور دل کش طور پر بدصورت تھیں ، انہیں ایک طالب علم سے محبت تھی ، جس کا نام ’ناربلن‘ تھا ، جسے اس کی سیاسی سرگرمیوں کی بنا پر یونیورسٹی سے نکال دیا گیا تھا ۔ ان خاتون کو سدت کے ساتھ نئے نظریات سے دل چسپی تھی ۔

ابتدا میں جب ”پیاسکا“ اپنے جرأت مندانہ خیالات کا اظہار کرتی تھیں تو مانیا پر بزدلی کی کیفیت طاری ہوجاتی تھی اور استانی صاحبہ اسے ناقابل اعتماد لڑکی سمجھتی تھیں لیکن بالآخر انہوں نے مانیا کے دل و دماغ کو متاثر کر لیا ، وہ اپنی بہن برونیا اور سہیلی ” ماریا راکوسکا “ کے ہمراہ ”فلوٹنگ یونیورسٹی“ میں داخل ہوگئی ، دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہئے کہ وہ ایسے کریم‌النفس اساتذہ سے اناٹومی ، نیچرل ہسٹری اور سوشیالوجی کا درس لیتی تھی جو اپنے شاگردوں کے کلچر کو فروغ دینے کے خواہاں تھے ۔ ”فلوٹنگ یونیورسٹی“ کسی خاص عمارت میں نہ تھی ، اس کی نشستیں رازدارانہ طریقے سے کبھی پیاسکا کے مکان میں اور کبھی کسی اور بھروسے کے آدمی کے مکان میں ہوتی تھیں ۔ شاگردوں کی تعداد ایک وقت میں کبھی آٹھ اور کبھی دس ہوتی تھی ، انہیں ضروری باتیں املا کرا دی جاتی تھیں اور مفید کتابچے اور مقالے دے دیئے جاتے تھے ۔ جب کلاس میں درس دیا جاتا تھا تو سب اتنے چوکنا ہوتے تھے کہ پتے کے کھڑکنے سے بھی ان کے دل دھڑک جاتے تھے ، کیونکہ

اگر پولیس کو معلوم ہو جاتا تو سب کے سب جیل میں ٹھونس دیئے جاتے۔

مجھے وہ ہمدردانہ ماحول اور وہ مجلسی اور دانشورانہ رقابت کی فضا آج تک اچھی طرح یاد ہے ، (مادام کیوری چالیس کے بعد ایک جگہ لکھتی ہیں) تحریک کے وسائل ناکافی تھے اور جو نتائج برآمد ہوئے وہ بہت معمولی تھے ، لیکن میں آج بھی اس بات پر مصر ہوں کہ جن خیالات کے ذریعے ہماری رہنمائی کی گئی تھی وہ آج بھی ہماری سچی ثقافتی ترقی کے لئے برحق ہیں ۔ جب تک فرد کی اصلاح نہ ہو، اس وقت تک ہم بہتر عالمی معاشرہ تعمیر نہیں کر سکتے ۔ اس نصب العین کے حصول کے لئے ہم سب سے ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ اپنی ذات کو زیادہ سے زیادہ ترقی دے اور اس نکتے کو بھی فراموش نہ کرے کہ انسانیت کا اس پر حق ہے اور معاشرے کے ایک فرد کی حیثیت سے اس پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عوام الناس کی عمومی فلاح و بہبود کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کرے ، ہمارا خصوصی فرض یہ ہے کہ ہم ان کی مدد کریں جنہیں ہماری مدد کی بے حد ضرورت ہے اور جن کے لئے ہماری مدد نہایت مفید ثابت ہوگی ۔

"فلوٹنگ یونیورسٹی" کا صرف یہی مقصد نہ تھا کہ مدارس فوقانیہ سے نکلنے والے نوجوان طلباء کو مزید تعلیم دے ، بلکہ طلباء پر یہ بھی فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ ساتھ ساتھ عوام کو بھی پڑھائیں ۔ پیاسکا کی تحریک سے مانیا غریب عورتوں کو پڑھانے لگی

تھی ، وہ ایک درزی خانے کی عورتوں کو بلند آواز سے سبق یاد کراتی تھی اور اس نے رفتہ رفتہ ان عورتوں کے لئے پولش کتابوں کی ایک لائبریری قائم کی جس میں ان عورتوں کے لئے مفید مطلب کتابیں تھیں -

سترہ سال کی اس لڑکی کے جوش و خروش اور سرگرمیوں کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے، اس کا بچپن پر اسرارالوہیت کے بغیر گزر گیا ، یہ ان دنوں کی بات ہے جب سائنس کی تعلیم حاصل کرنا فیشن نہ تھا ، لیکن اس کے باپ کے کیمپ خانے میں آلات طبعیات رکھے تھے ، اسے اپنے باپ کی طرف سے جستجو کی صفات ورثے میں ملی تھی لیکن دنیا مانتا جیسی پر جوش اور طوفانی لڑکی کا ساتھ نہ دے سکتی تھی ، وہ علم دنیوی کے نعمتوں میں بڑی شدت کے ساتھ داخل ہوئی ، اس نے کامٹے کو پڑھا ، عمرانی ارتقاء کی تعلیم حاصل کی اور اب وہ صرف ریاضی یا کیمیا میں ماہر بننے کے خواب نہیں دیکھ رہی تھی بلکہ عوام الناس کی وسیع پیمانے پر اصلاح کرنے کی خواہاں تھی . . . . . اس کے خیالات ترقی یافتہ اور اس کی روح سخاوت سے پر تھی اور وہ صحیح معنوں میں سوشلسٹ تھی ، لیکن واضح رہے کہ اس کے باوجود وہ پولینڈ کے سوشلسٹ طلبا کی انجمن کی ممبر نہ تھی - وہ نتائج مرتب کرنے میں بہت آزاد خیال تھی ، اس لئے اسے ڈر تھا کہ اس کی آزاد روی سے پارٹی اسپرٹ مجروح ہو جائے گی اور اس کی محب الوطنی اسے اجازت نہ دیتی تھی کہ وہ "کارل مارکس" کی بین الاقوامیت کو قبول کرے - سو باتوں کی ایک بات یہ تھی کہ وہ ملک کی خدمت کو سب سے زیادہ مقدم جانتی تھی -

اسے ابھی تک خود نہیں معلوم تھا کہ ایک ایسا وقت آئے گا جب وہ ان مختلف راستوں میں سے اپنے لئے ایک راستہ چن لے گی۔ وہ سرفرازی اور عروج کے نشے میں ، جذبۂ حب الوطنی کی شدت میں ، انسان دوستی کے جذبات میں سرشار تھی اور ان سب باتوں کو آپس میں گڈ مڈ کر رہی تھی۔ ان مختلف النوع نظریات کی افراط و تفریط کے درمیان گھرے ہونے کے باوجود وہ معجزاتی طور پر دل کش نظر آتی تھی ۔ اس نے بڑی شدت کے ساتھ اعلیٰ درجے کی ذہنی تعلیم حاصل کی تھی ۔ اس کی نظر اپنے شباب پر بھی تھی اور وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ وہ حدود سے تجاوز کر جائے۔ اس کی طبیعت میں خنکی اور متوازن قسم کا وقار تھا اور وہ بنیادی طور پر متین اور بھاری بھر کم تھی اور یہی چیزیں اس کے جوش و خروش کے ساتھ منسلک تھیں ، اس میں کبھی کسی قسم کا عجلا پن نہیں محسوس ہوا ، اس کی متانت کا تو یہ عالم تھا کہ اس نے کبھی معصومانہ انداز سے بھی سگریٹ نہ پیا۔

جب اس نے کچھ عرصے کے لئے پوشیدہ طور پر پڑھنا پڑھانا ترک کر دیا تو اس نے اپنے آپ کو اپنے کمرے میں مقفل کر لیا اور بے ضرر اور مہمل ناول پڑھنے لگی ، لیکن یہ وقت بھی گزر گیا ۔ اب وہ دوستوفسکی ، گونچروف اور بولو سلاف کو کھول کر ہی جانا چاہتی تھی۔ جب اس نے " دی ای مین سی سپے ٹڈ " پڑھی تو اس میں اسے اپنا چہرہ نظر آیا، بلکہ تمام پولس لڑکیوں کے چہرے نظر آئے ، جو کلچر کے لئے دیوانی ہو رہی تھیں ، اس کی نوٹ بک پڑھنے سے اس کی ذہنی کیفیات کا اندازہ ہوتا ہے۔

اس کی یاد داشتوں کا مطالعہ کیجئے تو ایسا معلوم ہوگا کہ یہ ایک ایسی لڑکی کی نوٹ بک ہے جو بے حد مضطرب ہے، جس کا ذہن فطری نعمتوں سے مالا مال ہے، لیکن جو اپنی ذہانت سے سیماب صفت بن گئی ہے، اس کی نوٹ بک کے دس صفحے تصویروں پر مشتمل ہیں، یہ تصویریں اس نے بڑی دل سوزی سے بنائی ہیں اور "لافون ٹین" کی کہانیوں کو مصور کیا ہے - تمام تصویریں پنسل سے بنائی گئی ہیں۔ اس نوٹ بک میں جرمن اور پولش نظمیں بھی ہیں، "میکس نارڈاؤ" کی نظم "روائتی جھوٹ"، "کراسنکی"، "سلوواکی" اور "ھائی نے" کے اقتباسات بھی ہیں، "رینان" کی "حیات مسیح" کے تین صفحے بھی نقل ہیں "دنیا میں کسی شخص نے دنیوی وقار پر انسانیت کو اتنی ترجیح نہیں دی جتنی کہ مسیح علیہ السلام نے . . . ."، روسی فلسفیانہ مضامین، لوئی بلانک کی تحریر کا ایک اقتباس، برانڈیر کا ایک صفحہ اور پھر تصویریں، پھولوں کی تصویریں اور جانوروں کی تصویریں اور پھر "ھائی نے"، اور "موسیٹ" سلے پریوڈوم اور فرانکائے کوپے کی نظمیں جن کا مانیا نے پولش میں منظوم ترجمہ کیا تھا۔

کتنا تضاد تھا ایمینسی پیٹڈ لڑکی اور مانیا میں - ناول کی لڑکی میں غچلا پن اور بازاری پن تھا، وہ اپنے خوب صورت بالوں کو خشخشنے ہونے کی حد تک ترشواتی تھی - تنہائیوں میں آھیں بھرتی تھی اور اپنی نوٹ بک میں بے شمار اشعار نقل کرتی تھی :

اے نیلی آنکھوں والے ! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں تو کون جانے کہ اس کا کیا جواب دو گے ؟

شاید کوئی سوچے کہ مانما پوشیدہ طور پر "آڈیو سوزاں" یا "بروکن ویس" کا مطالعہ کرتی ہوگی اور اپنے دوستوں کو نہ بتاتی ہوگی کہ وہ ان کی مداح ہے۔ نہیں، وہ صاف گوئی کے ساتھ ان کی معترف تھی، وہ اس طرح میک اپ کرتی تھی کہ اس کے چہرے سے بچکانہ پن ظاہر ہوتا تھا اور با وقار شخصیت کے بجائے وہ چھوٹی سی لڑکی نظر آتی تھی۔ جلسوں میں بہت شرکت کرتی تھی اور ایک اجلاس سے دوسرے اجلاس میں بھاگی بھاگی پھرتی تھی۔ بحث کرتے وقت اس کا چہرہ تمتمانے لگتا تھا۔

اگر کبھی دوستوں کو نظمیں سنانے کا اتفاق ہوتا تو وہ اسنائک کی ناصحانہ نظمیں سناتی تھی، وہ کوئی بڑا شاعر بھی نہ تھا، چند اشعار ملاحظہ ہوں:

صداقت کی صاف شفاف روشنی کو دیکھ،
نئے اور انجانے راستوں کو دیکھ،
انسان کی نگاہ تیز ہو جائے گی، گو ابھی نہیں۔
پراسرارالوہیت اسے کبھی ناکام نہ ہونے دے گی،
ہر عمر کے خواب جداگانہ ہیں،
لہذا کل کے خوابوں کو بھول جا،
علم کی مشعل کو تھام لے،
صدیوں پرانے مزدوروں کے درمیان جد و جہد شروع کر،
اور مستقبل کا محل تعمیر کر۔

اس نے ماریا روکووسکا کو اپنی تصویر بطور تحفہ دی ، اس تصویر میں وہ اپنی بہن برونیا کے پیچھے بڑی محبت سے کھڑی تھی ، اس نے تصویر کے نیچے ایک جملہ لکھا ، جس سے اس کی ذہنی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے ۔

"فلسفۂ ثبوتیت کو ماننے والی ایک مثالی لڑکی کے نام ۔ ۔ ۔ ۔ فلسفۂ ثبوتیت کو ماننے والی دو مثالی لڑکیوں کی طرف سے" ۔

ہماری دونوں مثالی لڑکیوں نے مستقبل کا منصوبہ بنانے کی کوشش میں کئی گھنٹے گزار دئیے ۔ بدقسمتی سے نہ اسنانک نے اور نہ برانڈیز نے کوئی ایسا نکتہ بیان کیا جس سے یہ دونوں لڑکیاں ایک ایسے شہر میں رہ کر اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتیں ، جہاں یونیورسٹی کے دروازے لڑکیوں کے لئے بند تھے ۔ ان مصنفین نے کوئی ایسا منتر بھی نہ بتایا ، جس کی مدد سے یہ لڑکیاں آدھا روبل فی گھنٹے پر ٹیوشن پڑھا کر جلدی سے دولت مند بن جاتیں ۔

مانیا کا دل سخی تھا اور اسی لئے وہ رنجیدہ تھی ۔ اس کی کیفیت نیوفاؤنڈلینڈ کے کتے کی سی تھی ، وہ اپنے گھر میں سب سے چھوٹی تھی ، لیکن وہ اپنے باپ کے مستقبل کے بارے میں خود کو ذمہ دار سمجھتی تھی ، بھائی بہنوں کے مستقبل کا غم اسے کھائے جا رہا تھا ۔ خوش قسمتی سے جوزف اور ہیلا کے معاملے میں اسے کوئی غم نہ تھا ، جوان بھائی ڈاکٹر بننے جا رہا تھا ، اور خوب صورت اور طوفانی ہیلا اسنانی کے پیشے اور مغنیہ کے پیشے کے درمیان تذبذب کی کیفیت میں مبتلا تھی ۔ بہت اونچی

آواز میں اور بہت اچھا گاتی تھی ۔ اس نے بہت سی سند یں حاصل کی تھیں اور شادی کے جتنے پیغام آتے تھے ، ان سے انکار کر دیتی تھی ۔

لیکن برونیا ! برونیا کی کس طرح مدد کی جائے ؟ اسکول چھوڑے اسے چار برس ہو چکے تھے اور گھر کی تمام ذمہ داریوں کا بوجھ اس کے کاندھے پر آ پڑا تھا ۔ وہ غلہ خریدتی تھی ، کھانے پکانے کی نئی نئی ترکیبیں سوچتی تھی اور اپنی نگرانی میں اچار ، مربے اور چٹنیاں تیار کراتی تھی ۔ وہ بڑی سگھڑ لڑکی تھی ، لیکن وہ نری سگھڑ رہنے پر ملول رہا کرتی تھی ۔ مانیا اپنی بڑی بہن کی خلش کو بھانپ چکی تھی ، برونیا کی سب سے بڑی لیکن چھپی ہوئی خواہش یہ تھی کہ وہ پیرس جائے ، طبی تعلیم حاصل کرے اور اپنے وطن واپس آ کر پریکٹس کرے ۔ غریب لڑکی نے تھوڑے سے دام بھی جمع کر لئے تھے ، لیکن ولایت جانے کے لئے گٹھری بھر سکے درکار تھے ! اسے کتنے ماہ و سال انتظار میں گزارنے ہوں گے ؟

مانیا کچھ ایسی مٹی کی بنی تھی کہ اپنی بہن کی صاف طور پر نظر آنے والی خلش اور بے حوصلگی سے بے حد ملول تھی اور بہن کا غم اسے گھن کی طرح کھائے جا رہا تھا ۔ بہن کے غم کے آگے وہ اپنا غم بھول بیٹھی تھی ۔ وہ بھول گئی کہ وہ بھی اپنے ابھرتے ہوئے ملک کی گرویدہ ہے ، اور اکثر خواب دیکھتی رہی ہے کہ ہزاروں میل کا فیصلہ طے کر کے ولایت پہنچے اور علم کی پیاس بجھائے ، یہ بنیادی ضرورت تھی کہ وہ

ولابت جا کر اعلیٰ تعلیم حاصل کرے اور وارسا میں اپنے پیارے ہم وطنوں کے درمیان رہ کر معلمہؑ اعلیٰ کے فرائض انجام دے۔

اگر اسے برونیا کے مستقبل کا غم سا رہا تھا تو اس میں بہن کے رشتے کو کم دخل تھا، اور اس نفیس تعلق کو زیادہ اہمیت حاصل تھی جو ماں کی موت کے بعد پیدا ہوا تھا۔ برونیا نے ماں کے بعد مانیا کے لئے ماما کی سی جاہ پیدا کی تھی۔ ایک بڑے ہی متحد خاندان میں جہاں افراد کی کمی نہ تھی، ان دونوں نے اپنی ذات پر ایک دوسرے کو ترجیح دینا پسند کیا، ان دونوں کی طبیعتیں ایک دوسرے کے لئے امدادی ثابت ہوئیں، بڑی بہن اپنے تجربات اور با عمل ہونے کی وجہ سے مانیا پر تسلط جمائے ہوئے تھی، اور مانیا نے بھی روز مرہ زندگی کے چھوٹے موٹے مسائل بڑی بہن کو سونپ دئے تھے، اور چھوٹی بہن جو طبعاً بزدل تھی، برونیا کے لئے ایک نہایت اچھی ساتھی ثابت ہوئی، جس کے دل میں بے پناہ محبت کے ساتھ ساتھ بڑی بہن کا احترام بھی تھا اور خفیف سی ممنونیت کا بھی احساس۔

ایک روز برونیا ایک کاغذ پر حساب لگا رہی تھی کہ اب اس نے کتنی رقم جمع کر لی ہے۔ .... یا شاید یوں کہنا چاہئے کہ وہ حساب لگا رہی تھی کہ اب کتنی رقم کی کسر باقی

ھے . . . . مانیا نے نہایت صاف سپاٹ لہجے میں کہا :

” میں نے بہت سوچ بچار کیا ، ابا جان سے بھی بات چیت کی اور اب میں سوچتی ہوں کہ میں نے ایک حل تلاش کر لیا ھے ،،

” حل . . . . ؟ ،،

مانیا کھسک کر بہن کے نزدیک آ گئی ، وہ جو کچھ کہنے کو تھی اور جو کچھ منظور کرانے کو تھی وہ بڑی نازک بات تھی اور اسے بولنے سے پہلے تولنا چاھئے تھا ۔

” ہمیں دیکھنا یہ ھے کہ جتنی رقم آپ نے بچا لی ھے اس سے آپ پیرس میں کے مہینے رہ سکتی ہیں ؟ ،،

” بس اتنی رقم ھو گئی ھے کہ سفر کا کرایہ اور سال بھر کے اخراجات پورے ھو سکتے ہیں ،،

برونیا نے تیزی سے جواب دیا ” لیکن تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میڈیکل کورس پانچ سال میں مکمل ھونا ھے ،،

” ہاں . . . . لیکن آپ جانتی ہیں کہ آدھا روبل فی گھنٹا ٹیوشن پڑھا کر ھمارے ارمان کبھی پورے نہ ھوں گے ،،

” ٹھیک ،،

” تو آئیے ھم ایک معاھدہ کرلیں ۔ دیکھئے اگر ھم علحدہ علیحدہ کوشش کرتے رھے اور اپنی اپنی رقم سے ولایت جانے کے خواب دیکھتے رھے تو ھم میں سے کوئی نہ جا سکے گا ۔ لیکن میرے معلوم کئے ھوئے حل کے بموجب آپ چند مہینوں کے بعد پیرس جانے والی ٹرین میں سفر کر سکتی ہیں . . . . سمجھ لیجئے کہ آئندہ موسم خزاں میں ،،

" مانیا تم پاگل ہو ! "

" نہیں آپ روانہ ہو جائیے ، شروع شروع میں آپ اپنی جمع کی ہوئی رقم خرچ کیجئے ، اس کے بعد میں خرچ بھیجا کروں گی ، کچھ نہ کچھ ابا جان بھی بھیجا کریں گے ، اور اسی اثناء میں میں اپنی تعلیم کے لئے بھی کچھ رقم بچاؤں گی ۔ جب آپ ڈاکٹر بن جائیں گی ، تب میری باری آئے گی ، اور میں جاؤں گی ، اور آپ میری مدد کریں گی "

برونیا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس نے پیش کش کی عظمت کو محسوس کیا ، لیکن مانیا کے منصوبے کا ایک نکتہ مبہم تھا ۔

" میری سمجھ میں نہیں آیا ۔ حالت تو یہ ہے کہ تم اتنا نہیں کما سکیں کہ آسودہ حالی سے زندگی بسر کر سکو چہ جائیکہ مجھے خرچ بھیجوگی اور طرفہ تماشا یہ ہے کہ اپنے مستقبل کے لئے بھی بچاؤگی "

" بات ہی یہی ہے " مانیا نے کہا ، میرا منصوبہ ہی کچھ ایسا ہے ۔ میں ایک امیر گھرانے میں اتالیق کے طور پر نوکری کرنے جا رہی ہوں ، طعام و قیام اور دھوبی کے اخراجات مفت ، مجھے چار سو روبل سالانہ تنخواہ ملے گی یا شاید اس سے بھی زیادہ ۔ اب آپ خود ہی سمجھ لیجئے کہ اس طرح تمام مسائل کس خوبی سے حل ہو جائیں گے "

" مانیا . . . . میری ننھی مانوسا . . . . "

یہ حبشیت کا انتخاب نہ تھا ، جس نے برونبا کو متاثر کیا تھا : ایک اچھی مثالی لڑکی کی طرح اس نے اپنی بہن کی معاشرتی پستی کو ختم کرنے میں ہاتھ بٹادیا تھا ۔ نہیں ، یہ گمان تھا کہ مانیا اپنے جان لیوا انتظار اور غیر دلچسپ پیشے کو چند سال بعد ازخود ختم کرسکے گی ۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا ، برونیا ، اب فی‌الفور تعلیم حاصل کر سکتی تھی ، لیکن اسے تکلف تھا ۔

”میں پہلے کیوں جاؤں ؟ کوئی اور طریقہ کیوں نہ اختیار کیا جائے ؟ تم زیادہ ہونہار ہو ..... شاید مجھ سے زیادہ ہونہار ہو ، تم بہت جلد کامیاب ہو جاؤگی ، میں کیوں جاؤں ؟“

آپ احمق نہ بنئے ! آپ کی عمر بیس سال ہے اور میں ابھی سترہ برس کی ہوں ، آپ کو انتظار کرتے ہوئے سینکڑوں برس ہو چکے ہیں اور مجھے پڑھنے پڑھانے کو عمر پڑی ہے ۔ ابا جان کا بھی یہی خیال ہے اور یہ بات بھی قدرتی ہے ، کہ جو بڑا ہے وہ پہلے جائے ۔ جب آپ ڈاکٹر بن جائیں گی تو اتنی دولت کما لیں گی کہ مجھے سونے کے انبار سے چھپا دیں گی ۔ میں اس دن کا انتظار کر رہی ہوں ۔ آخر ہم لوگ کچھ عقل مندی ہی کا کام کرنے جا رہے ہیں ، ایسا کام جو کچھ مفید ثابت ہوگا ....“

ستمبر ۱۸۸۵ء کی ایک صبح کو ایک خاموش لڑکی دفتر روزگار کے ایک کمرے میں اپنی باری کا انتظار کر رہی تھی، اس کے بدن پر دو کپڑے تھے اور اس کے گھونگھر والے بال

جنہیں اس نے مہینوں سے پریشان رہنے کی اجازت دے دی تھی ، آج خاص طور پر سلیقے سے درست تھے اور اس کے سیاہ ہیٹ کے نیچے اس کے بال ہیر پنوں سے جمے ہوئے تھے ۔ فلسفۂ نبوتیت کی ماننے والی اور اتالیقی کا پیشہ ! . . . . اتالیق کے بال اتنے چھوٹے نہ ہونے چاہئیں ، اتالیق کو ٹھیک ٹھاک ہونا چاہئیے ، اس کی وضع میں کوئی عجب نہ ہونا چاہئیے اور اسے عام لوگوں جیسا ہونا چاہئیے . . . . . .

دروازہ کھلا ۔ ایک بھربھرے بدن کی عورت ملول چہرہ لئے ہوئے نکلی اور مانیا پر الوداعی نظریں ڈالتی ہوئی چلی گئی ۔ ایک ساتھی ۔ کچھ عرصہ پہلے ان دونوں کو گفتگو کا اتفاق ہوا تھا ۔ بید کی کرسیوں پر بیٹھ کر پہلو بہ پہلو گفتگو ہوئی تھی ، کیونکہ اس کی جگہ یہی فرنیچر تھا اور ان دونوں نے ایک دوسرے سے خیراندیشی کا اظہار کیا تھا ۔

مانیا اٹھ کھڑی ہوئی ، اسے اچانک بزدلی کا احساس ہوا ۔ کاغذوں اور خطوں کے پیلے سے بنڈل کو اس نے میکانکی طور پر ہاتھ سے دبا لیا ۔ دوسرے کمرے میں ایک چھوٹی سی ڈسک کے ساتھ ایک موٹی عورت بیٹھی ہوئی تھی ۔

" کہئیے مس صاحبہ کیا کام ہے ؟ "

" میں اتالیق کے طور پر نوکری کرنا چاہتی ہوں "

" کوئی سند . . . . . . کوئی تجربہ ؟ "

" ھاں ، ھاں میں اب تک استانی کے طور پر پڑھاتی رھی ھوں ، یہ دیکھئیے جن بچوں کو میں نے پڑھایا ھے ، ان کے والدین کے سرٹیفکیٹ ھیں اور یہ دیکھئیے یہ میرا ڈپلوما ھے "

دفتر روزگار کی منتظمۂ اعلیٰ نے مانیا کے سندات کو پیشہ ورانہ نظر سے دیکھا ۔ اس کی توجہ اچانک ایک جگہ پر مرکوز ھو گئی ، اس نے اپنا سر اٹھایا اور لڑکی کو کچھ زیادہ دل چسپی سے دیکھا ۔

" آپ کو پانچ زبانوں پر پوری قدرت حاصل ھے ۔ آپ جرمن ، روسی ، فرنچ ، پولش اور انگریزی جانتی ھیں ؟ "

" جی ھاں ، محترمہ ! انگریزی نسبتاً کم جانتی ھوں . . . . . لیکن اسکولوں کے نصاب میں جتنی انگریزی شامل ھے اتنی بخوبی پڑھا سکتی ھوں ۔ جب میں نے ھائی اسکول پاس کیا تھا تو مجھے طلائی تمغا ملا تھا "

" خوب ! اور آپ تنخواہ کیا لیں گی ؟ "

" چار سو روبل سالانہ اور رھنے کی جگہ "

" چار سو " عورت نے بغیر کسی تاثر کے الفاظ کو دھرایا ،

" آپ کے والدین کیا کرتے ھیں ؟ "

" میرے والد سکنڈری اسکول میں ماسٹر ھیں "

" بہت خوب ۔ میں معمول کے مطابق تحقیق کروں گی ۔ ھو سکتا ھے کہ میں آپ کے لئے کچھ کر سکوں ، ویسے اس وقت آپ کی عمر کیا ھے ؟ "

"سترہ سال،" مانیا نے کہا اور وہ شرما گئی اور اس نے جلدی سے کہا "لیکن عنقریب میری عمر اٹھارہ سال ہو جائے گی"

عورت نے دراز کھول کر ایک فارم نکالا اور نہایت صحیح انگریزی میں لکھا :

ماریا اسکولڈووسکا ، اچھی سندس ، ہونہار ، مستحق ، اتالیق بننا چاہتی ہیں ۔ تنخواہ : چار سو روبل سالانہ ۔

اس نے مانیا کے سندات واپس کر دیئے ۔

"شکریہ مس صاحبہ ۔ اگر کوئی قابل ذکر بات ہوئی تو میں آپ کو اطلاع دوں گی ،"



پانچواں باب

اتالیق بی بی

''ڈیر هن ریٹا'' مانیا نے اپنی چچیری بہن مائیکاووسکا کو ۱۰ دسمبر ۱۸۸۵ء کو لکھا ''جب سے هم دونوں جدا هوئے، میری حیثیت ایک قیدی کی سی هو گئی هے۔ جیسا کہ تم جانتی هو، میں آج کل ''ب صاحبان'' کے ساتھ رہ رهی هوں، یہ وکلاء حضرات کا خاندان هے، یہ خاندان ایسا جہنم هے کہ اس سے خدا دشمن کو بھی بچائے۔ بالآخر ب صاحبہ کے ساتھ میرے تعلقات اتنے ناخوش گوار هو گئے کہ میرا پیمانہ صبر چھلک پڑا اور میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا چونکہ وہ صحیح معنوں میں میرے سلسلے میں پر جوش واقع هوئی نہیں، لہذا هم ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سمجھ گئے۔

'' یہ ایک متمول گھرانا تھا، جس کے افراد شان بگھارنے کے لئے آپس میں فرنچ بولتے هیں...... جیسے کوئی بھنگی الٹی سیدھی فرنچ بولتا هے...... چھ چھ مہینے تک بل نہیں ادا کرتے، اور کبھی یہ حالت هوتی هے کہ سکے کھڑکی کے باهر پھینک دیتے هیں، حالانکہ حالت یہ هے کہ لالٹینوں میں مٹی کا تیل تک نہایت کنجوسی سے خرچ کرتے هیں۔ ان کے پانچ نوکر هیں، بظاهر خود کو بڑا روشن خیال اور ترقی پسند ظاهر کرتے هیں، لیکن حقیقت یہ هے کہ یہ سب لوگ حماقت کے گڑھے میں گرے

پڑے ہیں اور سب سے آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ یہ لوگ اپنے تئیں بڑی میٹھی گفتگو کرتے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کی گفتگو میں تلخی، غصہ اور ناشائستگی ہوتی ہے اور گفتگو کرتے وقت ایک دوسرے کو بھنبھوڑ کھاتے ہیں . . . . اس کنبے میں رہ کر مجھے آدم کی اولاد کو سمجھنے کا بہتر موقع ملا ہے ۔ اب مجھے یقین آ گیا ہے کہ ناولوں میں جو برے کردار پیش کئے جاتے ہیں، وہ فرضی نہیں حقیقی ہوتے ہیں، اور دوسرا سبق مجھے یہ حاصل ہوا ہے کہ ایسے افراد سے کبھی رابطہ نہ رکھو جو دولت کی وجہ سے اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو چکے ہوں،،

یہ کیسی بے لاگ تصویر ہے، یہ اس لڑکی کے الفاظ ہیں جس کا دل بغض و عناد اور سوء ظنی سے پاک ہے، اس سے پتا چلتا ہے کہ مانیا کتنی بھولی بھالی اور بے تصنع لڑکی تھی ۔ لیکن جذبات سے کتنی پر تھی، اس نے ایک خوش حال اور پر جوش پولش کنبے کو جوکھوں میں پڑ کر اپنے بسنے کے مظاہرے کے لئے چنا تھا ۔ اسے امید تھی کہ وہ سعادت مند بچوں کی تعلیم و تربیت کرے گی اور بچوں کے والدین بھلے مانس لوگ ہوں گے ۔ اس نے اس کنبے سے محبت کرنا چاہی اور خود کو اس خاندان سے وابستہ کرنا چاہا، لیکن اس کے جذبات شدید طور پر مجروح ہوئے اور اس کا دل ٹوٹ گیا ۔

نوجوان اتالیق استانی کے خطوط سے بالواسطہ طور پر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ وہ کیسا عجیب و غریب ماحول تھا جسے وہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئی ۔ مانیا کو ایسے دانشوروں

کے حلقے میں بعض اوقات معمولی قابلیت کے لوگوں سے ملنا پڑتا تھا ، لیکن اس نے ان لوگوں کو کبھی بہ نظر حقارت نہ دیکھا اور نہ ان کی تعظیم میں کوئی کسر اٹھا رکھی ۔ اس نے جس کنبے میں پرورش پائی تھی وہ اتنا مہذب اور شائستہ تھا کہ گالی تو درکنار اس نے معمار سے گرا ہوا کوئی لفظ بھی نہ سنا تھا ، اس کے خاندان میں نہ کبھی لڑائی جھگڑے ہوئے اور نہ کبھی گھر والوں نے اونچی آواز سے گفتگو کی ۔ اب اس خاندان میں جہاں اسکولڈووسکی گھرانے کی لڑکی ملازم تھی ، دن رات دانتا کل کل رہا کرتی تھی اور یہ شائستہ لڑکی سخت پریشان تھی ۔ ہر وقت لڑکی کو حماقتوں سے واسطہ تھا ، ہر وقت گھٹیا پن اور عامیانہ حرکات کا مظاہرہ ہوتا تھا ۔ ہم لڑکی کے تحیر اور تنفر کا بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں ۔

کتنی حیرت کی بات تھی ۔ مانیا کی زندگی کا یہ زمانہ اتنا عجیب و غریب گزرا کہ اس کی سہیلیاں اور اس کے دوست اس زمانے کا تجزیہ کرنے سے قاصر ہیں ، ذہین لڑکی کی زندگی کا یہ وقفہ کتنا عجیب تھا کہ کوئی شخص اس کے بارے میں کوئی رائے نہ قائم کرسکا ۔ اسے اتالیق کا پیشہ اختیار کرانے کے بجائے اعلیٰ تعلیم کے لئے ''پیرس'' کیوں نہ بھیج دیا گیا ۔

تین غیر معمولی ہستیاں ، تین ذہین نوجوان لڑکیاں ، جنھوں نے سند کے ساتھ طلائی تمغے بھی پائے ، جو اعلیٰ دماغ رکھتی تھیں اور اس کی طرح زندگی میں آگے بڑھنا چاہتی تھیں ، ترقی کرنا چاہتی تھیں لیکن نہ کر سکتی تھیں ۔ 'مادام کیوری' کے بارے

مس کون کہہ سکتا نھا کہ اس کا مستقبل کیا ھوگا ۔ مستقبل کی "مادام کیوری"، کو کوئی بھی نہ جانتا تھا ۔ کیوں کہ بظاھر وہ معمولی مستقبل کی لڑکی نظر آتی تھی۔ بڑھے لکھوں کے جھوٹے سے حلقے مس غیر معمولی ذھن کے بچے فوراً ظاھر ھو جاتے ھیں ، وہ بزرگوں کو حیرت میں ڈال دیتے ھیں اور ان کی واہ واہ شروع ھو جاتی ھے ، لیکن یہاں ایک چھت کے نیچے جوزف ، برونیا ، ھیلا اور مانیا پرورش پا رھے تھے ۔ ایک دوسرے سے رقابت رکھنے اور ایک دوسرے کو پسند کرنے تھے ، بزرگوں اور جوانوں کو ان بچوں کے عظیم الشان دماغوں کا کوئی علم نہ تھا ، کوئی بھی ان کی ذھانتوں سے چکاچوند نہ ھوا تھا ، کسی نے بھی شک نہ کیا کہ مانیا کے رنگ ڈھنگ باقی بھائی بہنوں سے الگ ھیں اور مانیا کو بھی اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی علم نہ تھا ۔

جب وہ اپنا موازنہ اپنے رشتہ داروں سے کرتی تو اس کی شرافت حقارت بدوش نظر آتی ، لیکن جن متوسط گھرانوں میں وہ اپنے نئے پیشے کو رواج دے رھی تھی ، وھاں اس کی برتری کوئی ڈھکی چھپی چیز نہ تھی ۔ مانیا پر یہ بات خود آشکارا تھی اور بڑے لطف کے ساتھ وہ اس بات سے آگاہ تھی ۔ یہ سچ ھے کہ وہ بونڑوں کی رئیس نہ تھی ، نہ کسی دولت مند گھرانے میں پیدا ھوئی تھی ' نہ خود دولت مند بن سکی ، لیکن اس سلسلے میں کسی قسم کا رشک اسے چھو تک نہ سکا تھا ' اسے اپنی اصلیت اور تربیت پر ناز تھا ' وہ تربیت جو اسے اپنے گھر سے ملی ۔ اپنے مالکان کے بارے میں جو تبصرے

اس نے کئے ، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انہیں کتنا حقیر جانتی تھی ، اس کے تبصروں میں ایک معصوم غرور کی جھلک نظر آتی ہے ۔

مانیا کو اپنے پہلے تجربے سے صرف یہ موضوع ملا ۔

"لوگ . . . جو دولت سے اخلاقی طور پر دیوالیہ ہو گئے "

اسے یہ بھی خیال آیا کہ برونیا نے جو منصوبہ بنایا ہے ، شدید طور پر نظر ثانی کا محتاج ہے ۔

مانیا نے آس لگا رکھی تھی کہ وہ وارسا میں کوئی نوکری کر لے گی، باعزت طور پر روٹی کمائے گی اور در بہ در کی خاک چھاننے اور پردیس کے دکھ جھیلنے سے بچ جائے گی ۔ اپنے شہر میں رہنے کے خیال میں گھر سے قریب رہنے کا جذبہ کارفرما تھا ، جہاں وہ اپنے مشاغل سے فرصت پاکر روزانہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے باپ سے مل کر اس سے باتیں کر سکے گی ۔ اس میں یہ خواہش بھی شامل تھی کہ فلوٹنگ یونیورسٹی کے احباب سے ملاقات ہو سکے گی اور شاید . . . . کبھی کبھار شام کے وقت وہ کوئی لکچر بھی سن سکے گی ۔

وہ لوگ جن میں ایثار کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے ، وہ نصف ایثار پر نہیں ٹھہر سکتے ۔ وہ راستہ جس پر نوجوان لڑکی نے چلنے کی ٹھانی تھی اب تک اچھی طرح چلنے کے قابل نہ بن سکا تھا ، اس راستے میں اب بھی دلدل تھے ، وہ زیادہ کمائی نہ کر سکی ، جو کچھ کمایا ، زیادہ تر گنوایا ، جو تنخواہ ملی ، وہ روز مرہ کی سٹر پٹر

چیزیں خریدنے سے ختم ہو گئی ، مہینے کے آخر میں چند ٹکے بچ رہے ، اسے بڑی اپنے آپ کو اس بات پر آمادہ کرنا تھا کہ وہ برونیا کو خرچ بھیجے ، جو ماریا را کووسکا کے ہمراہ پیرس چلی گئی ہے اور جہاں وہ لیٹن کوارٹر میں افلاس کے دن گزار رہی ہے ۔ اب اس کا کیا فرض تھا ؟

مانیا زیادہ عرصے تک تذبذب کی حالت میں نہ رہ سکی ۔ دو تین ہفتے ہوئے اس نے کسی گاؤں میں '' اتالیق بی بی '' کی اچھی سی ملازمت کے بارے میں کچھ سنا تھا ۔ تڑ بڑ اس نے یہ نوکری کرنے کا فیصلہ کر لیا ، وہ دور دراز مقام کی یہ ملازمت قبول کر لے گی اور نامعلوم مستقبل میں گم ہو جائے گی ۔ سالہا سال کے لئے وہ ان سے جدا ہو جائے گی ، جن سے وہ محبت کرتی ہے ، مکمل جدائی ، لیکن پھر کیا کیا جائے ؟ تنخواہ اچھی تھی . . . اور اس دور افتادہ گاؤں میں اخراجات صفر کے برابر تھے ۔

''اور پھر مجھے کھلی فضا سے کتنا پیار ہے '' مانیا نے خود کو سمجھایا '' مجھے پہلے اس ملازمت کا خیال کیوں نہ آیا ؟ ''

اس نے اپنی خالہ زاد بہن کو مطلع کیا :

میں بہت جلد کام پر چلی جاؤں گی ، کیونکہ میں نے گاؤں کی ایک ملازمت قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے ، جنوری سے آغاز کروں گی ۔ یہ گاؤں بلاک کی حکومت کے زیر سایہ ہے ، مجھے پانچ سو روبل سالانہ تنخواہ ملے گی ، اس تنخواہ کا حساب یکم جنوری سے شروع ہوگا ، یہ وہی ملازمت ہے جو کچھ عرصہ ہوا پہلے بھی میرے لئے تجویز کی گئی تھی ، لیکن میں نے نہ کی تھی ،

وہ خاندان جس میں مجھے نوکری کرنا ہے ، اپنی موجودہ اتالیق سے مطمئن نہیں ہے ، اور اب وہ لوگ مجھے بلا رہے ہیں ، ہو سکتا ہے ، میں ان لوگوں کو مطمئن نہ کر سکوں ۔

یکم جنوری ۱۸۸٦ء . . . . اس کے رخصت ہونے کا دن تھا ، اس دن موسم خشک تھا اور کڑاکے کی سردی پڑ رہی تھی ، مانیا کی زندگی کی وہ بڑی ظالم تاریخ تھی ۔ اس نے دل پہ پتھر رکھ کے اپنے باپ کو الوداعی سلام کیا اور چلتے وقت اس نے ایک بار پھر باپ کو اپنا نیا پتا بتایا :

آنسہ ماریا اسکولڈووسکا

معرفت لیڈی زیڈ

سوزکی نزد پرازا سنائز

وہ ریل گاڑی کے ڈبے میں بیٹھ گئی ۔ اب کچھ دیر بعد اس کے باپ کا چہرہ اوجھل ہو جائے گا ، تھوڑی دیر بعد وہ جھریوں والا یہ چہرہ نہ دیکھ سکے گی ۔ وہ ایک لمحے کے لئے مسکرائی ۔ پھر جیسے ایکا ایکی وہ ڈبے کی ایک بنچ پر بیٹھ گئی ، اس نے اپنے اعصاب پر جدائی کا بوجھ محسوس کیا ، اب وہ تنہا تھی . . . بالکل تنہا . . . . زندگی میں پہلی بار تنہائی سے پالا پڑا تھا ۔

اٹھارہ سالہ لڑکی پر اچانک خوف و ہراس طاری ہو گیا ۔ یہ ٹرین اس دل گرفتہ لڑکی کو ایک ان جانے خاندان اور مکان کی طرف لئے جا رہی تھی ، مانیا شرم اور خوف سے کانپنے لگی ۔ فرض کیجئے اس کے نئے مالک بھی پرانے مالکوں جیسے ہوئے ، تو کیا ہوگا ؟

فرض کیجئے اس غیر حاضری میں اس کا باپ بیمار ہو گیا تو ؟ ہائے
کیا وہ اپنے باپ کی صورت دوبارہ دیکھ سکے گی ؟ کیا اس نے
ملازمت قبول کر کے صریحاً حماقت نہیں کی ہے ؟ وہ ریل کے ڈبے
میں کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی ، کھڑکی کے شیشوں سے جھانک کر
اس نے تا حد نظر میدان ہی میدان دیکھا جو برف سے ڈھکا ہوا تھا ،
اسے پریشان کن سوالوں نے گھیر لیا .... اس نے اپنے ہاتھ سے اپنے
آنسو پونچھ لئے .... لیکن آنسو کسی طرح تھمنے ہی نہ تھے -

تین گھنٹے ٹرین میں گزار کر وہ چار گھنٹے تک سلیج گاڑی میں
سفر کرتی رہی ... ایک دم سیدھی سڑک پر سلیج گاڑی چلتی رہی ..
جاڑوں کی رات کا باوقار سناٹا اور رواں دواں سلیج ... لیڈی زیڈ
کے میاں شہزادہ کراٹورسکی کے ناظم الامور تھے ، وہ وارسا کے شمال
میں ایک سو کلومیٹر زمین کی نگرانی کر رہے تھے - جب اس برفانی
رات میں نئے مکان میں داخل ہوئی تو تھکن سے چور چور تھی ، اسے
کچھ خواب کی سی کیفیت محسوس ہوئی - گھر کے تمام افراد کی
صورتیں دھندلی دھندلی سی نظر آئیں - مکان کا مالک قوی الجثہ اور
بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا ، اس کی بیوی کا دھندلا سا چہرہ اور
بچے نہایت غور اور بڑی جستجو سے اپنی نظریں اس نئی اتالیق پر
جمائے ہوئے تھے -

نئی اتالیق کو گرم گرم چائے پلائی گئی اور دوستانہ الفاظ
سے اس کا خیر مقدم کیا گیا - پھر جب لیڈی زیڈ بالائی منزل
کی طرف جانے لگیں تو انہوں نے مانیا کو اس کا کمرہ دکھا دیا ،
اور اسے کمرے تک اس کے غریبانہ سامان سمیت پہنچا آئیں -

مانیا اپنی خالہ زاد بہن ھنریٹا کو ۳ فروری ۱۸۸۶ء کو لکھتی ھے -

اب مجھے مسٹر زیڈ اور لیڈی زیڈ کے ساتھ رھتے ھوئے ایک مہینا ھو چکا ھے ، اب میں یہاں گھل مل چکی ھوں - اب تک فضل ھی فضل ھوا ھے - اس خاندان کے لوگ بے نظیر ھیں - بڑی لڑکی کو میں نے سہیلی بنا لیا ھے ، اس کا نام برونکا ھے - وہ میرے لئے باعث تسکین جاں ھے - اب رھی میری شاگرد اندیزہ ، تو وہ بڑی ھی فرماں بردار بچی ، بہت جلد دس برس کی ھوجائے گی ، لیکن بڑی ھی بے ڈھنگی لڑکی ھے اور سچ جو بوچھو تو برباد ھوچکی ھے - اب بھی کوئی شخص کاسلبت کی خواھش نہیں کرسکتا . . . . . ؟

ملک کے اس حصے میں کوئی شخص بھی کام کاج نہیں کرتا ، یہاں کے لوگ صرف تفریح کے منصوبے بنایا کرتے ھیں ، جس خاندان میں میں رھتی ھوں یہ خاندان کسی حد تک ناچ رنگ سے الگ تھلگ رھتا ھے ، اس لئے دیہات کے لوگ ھم پر چہ می گوئیاں کرتے ھیں - لو ایک واقعہ سنو ، ابھی اس گھر میں مجھے آئے ھوئے ھفتہ عشرہ بھی نہ ھوا تھا کہ ایک روز مجھ سے ناچ گھر چلنے کو کہا گیا ، ناچ گھر "کارواز" میں ھے ، کارواز اس علاقے کا تہذیبی مرکز ھے ، یہیں سب اکٹھے ھو کر گپ ھانکتے ھیں - بھئی میں نے تو وھاں جانے سے انکار کر دیا ، میں بھلا کیسے جاتی ، نہ کسی سے جان نہ پہچان - اجنبیوں کے جانے سے فائدہ ؟ یہ سب لوگ میری بات کا برا مان گئے -

مجھے بالکل افسوس نہ ہوا ، کیونکہ مسٹر اور لیڈی زیڈ شام کے گئے دوسرے روز دن کے ایک بجے واپس آئے ۔ میں خوش تھی کہ میں آزمائش سے بچ گئی ، خصوصاً ایسی حالت میں جب کہ میرا جی اچھا نہ تھا ، اب بھی میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔

اسی مہینے کی دس تاریخ کو یہاں ناچ کی محفل منعقد ہوئی تھی ۔ اکثر مہمانوں کی نظروں میں میں گویا ایک کارٹون تھی ، ان کی اس سمجھ سے مجھے بہت لطف آیا ۔ یہاں کے نوجوان بالعموم غیر دل چسپ ہیں ۔ بعض لڑکیاں ایسی "مٹھوسی" ہیں کہ منہ تھتھائے گم صم بیٹھی رہتی ہیں ، اور کچھ ایسی ہیں جو بے حد حساس ہیں ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ ذہین لڑکیاں بھی ہوں گی ، لیکن اب تک مجھے یہی افسوس ہے کہ میری برونکا (اس خاندان کی بڑی لڑکی) ایک گوہر بے بہا ہے ، اس لحاظ سے بھی کہ وہ زیرک ہے اور اس لحاظ سے بھی کہ زندگی کے بارے میں اس کا نقطۂ نظر بڑا صحت مندانہ ہے ۔

مجھے تعطیل کے دن کے علاوہ روزانہ سات گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے ۔ چار گھنٹے اندیزہ کے ساتھ اور تین گھنٹے برونکا کے ساتھ رہنا پڑتا ہے ۔ کام کے گھنٹے زیادہ ہیں ، لیکن خیر کچھ مضائقہ نہیں ۔ میرا کمرہ بالائی منزل پر ہے ۔ کمرہ وسیع و عریض ، پر سکون اور پسندیدہ ہے ۔ زیڈ خاندان میں بچوں کا اچھا خاصا اسٹاک ہے ۔ تین لڑکے وارسا میں ہیں ، ان میں ایک یونی ورسٹی میں اور دو بورڈنگ اسکول میں ہیں ۔ گھر میں برونکا ہے ،

جس کی عمر ۱۸ سال ھے ، اندنزہ (عمر ۱۰ سال) اسٹاس ، جس کی عمر ۳ سال ھے ، اور چھ مہینے کی شیر خوار بچی مریشنا ھے ۔ اسٹاس پرمذاق ھے ۔ اس کی نانئنا نے اسے بتایا ھے کہ خدا ھر جگہ ھے اور اس نے سادہ لوحی سے پوچھا "کیا وہ مجھے پکڑنے جا رھا ھے ؟ کیا وہ مجھے کاٹ کھائے گا ؟" وہ ھم سب کو بے حد ھنساتا ھے ۔

مانیا خط لکھتے لکھتے رک گئی ، اس نے میز پر قلم رکھ دیا اور بڑی کھڑکی کے پاس کھڑی ھو گئی ، سرد ھوا چل رھی تھی ، وہ اونی لباس پہنے تھی ، ھوا کا مقابلہ کرنے لگی ، پھر وہ بالکونی پر آ گئی ، اس منظر نے اسے ھنسنے پر مجبور کر دیا ، کیا یہ مذاق نہ تھا کہ بیٹھے بٹھائے کسی دیہات کے مکان میں رھنے کے لئے وہ چل پڑی ، راستے بھر پہلے ھی سے ھرے بھرے گھاس کے میدانوں اور جنگلوں کا تصور باندھتی ھوئی ، جب ایسے مکان تک پہنچی اور اسے رھنے کو جو کمرہ ملا اس کی کھڑکیاں کھولتے ھی اسے سب سے پہلے ایک نہایت لمبی چمنی نظر آئی ، یہ کسی کارخانے کی چمنی تھی اور حملہ آور کی طرح تنی کھڑی تھی ، یہ چمنی آسمان کی طرف منہ اٹھائے کالا کالا دھواں نکال کر فضا کو گندا کر رھی تھی ۔

کوسوں تک کسی میدان یا جھاڑی جنگل کا پتا نہ تھا ، بس چقندر اور چقندر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چقندر ۔ میدان چقندروں سے پٹے پڑے تھے ۔ موسم خزاں میں زرد رنگ کے چقندر بیل گاڑیوں میں بھرے جاتے اور بیل گاڑیاں ایک ھی منزل کی طرف

آهستہ آهستہ چل بڑتیں . . . . یہ کارخانے کو جاتیں ، جہاں ان چقندروں کی سکر بنائی جاتی ۔ کسان کارخانے کے لئے جوتنے، بوتے اور کاٹتے۔ انہی سرخ سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی عمارت تک کراسنبک گاؤں کے چھوٹے چھوٹے جھونپڑے ختم ہوتے تھے ۔ یہاں پاس سے گزرنے والا دریا بھی کارخانے کا غلام تھا ، کارخانے کے حدود سے پہلے یہ نہایت صاف شفاف تھا ، لیکن کارخانے کے حدود سے گزر کر اس کا پانی گدلا ہو جاتا تھا اور اس کی سطح پر گندا اور موٹا موٹا جھاگ جمع ہو جاتا تھا ۔

موسیو زیڈ اعلیٰ پائے کے کاشت کار تھے، زراعت کے جدید طریقوں سے آگاہ تھے ، انہوں نے دو سو ایکڑ زمین پر چقندر بوئے تھے اور کھیتی باڑی کا انتظام بڑی خوش اسلوبی سے چلا رہے تھے ۔ وہ دولت مند تھے، سکر کے کارخانے میں ان کا بڑا حصہ تھا ۔ جیسا کہ دوسرے گھروں میں ہوتا ہے ، اس گھر میں بھی اپنے کاروبار کے بارے میں گفتگو ہوا کرتی تھی ، چنانچہ اس گھر میں کارخانے کے بارے میں گفتگو ہوا کرتی تھی ۔

وسیع پیمانے پر کوئی بات نہ تھی ۔ اب کارخانہ ایک جانی پہچانی چیز تھا اور اوسط درجے کی اہمیت کا حامل تھا ، کیونکہ صوبے میں درجنوں کارخانے موجود تھے ۔ روس کی ایک چھوٹی سی ریاست تھی ، کل دو سو ایکڑ پر مشتمل تھی ، ملک میں بے شمار ریاستیں تھیں ۔ زیڈ خاندان کھاتا پیتا خاندان تھا ، لیکن اسے بہت زیادہ متمول نہیں کہا جا سکتا ۔ پڑوس کے مکانوں کے مقابلے میں ان کا گھر زیادہ دل کش تھا ، حسن ظن کے

باوجود اس مکان کو کسی رئیس کی حویلی نہیں کہا جا سکتا تھا ۔ یہ پرانی وضع کا ایک اچھا سا مکان تھا ، عمارت بڑی ، لیکن نیچی سی تھی ، اس پر بھدا سا پلستر تھا ، دریچوں اور برآمدوں پر ورجینیا کی بیلیں چڑھی تھیں اور دیواروں کے مسالے کو گھوٹ کر چمک دار بنایا گیا تھا ۔

مکان کا ایک حصہ واقعی خوب صورت تھا . . . . . بائیں باغ . . . . موسم گرما میں یہ بڑا ہی حسین نظر آتا ، اس کا لان ، اس کے درخت ، اس کے پودے اور اس کی جھاڑیاں اور اس میں " کراکے " کھیلنے کا میدان ۔ مکان کی دوسری طرف جو باغ تھا اس میں پھل‌دار درخت لگائے گئے تھے اور ذرا ہٹ کر غلے کے گودام تھے اور مویشی خانہ اور اصطبل تھا ، جن میں چالیس گھوڑے اور ساٹھ گائیں بندھتی تھیں ۔ ان سب سے دور ہٹ کر افق کے سوا کچھ نہ تھا یا پھر چقندروں کے کاٹنے کی چرخیاں تھیں ۔

" میں یہاں آ کر کچھ زیادہ خسارے میں نہیں رہی " مانیا نے کھڑکی کے پٹ بند کرتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھایا . . . . . یہ سچ ہے کہ کارخانہ خوب صورت نہیں ہے ، لیکن دیہات کا یہ گوشہ دوسری جگہوں کے مقابلے میں زیادہ با رونق ہے ۔ اکثر لوگ وارسا سے یہاں آتے اور یہاں سے وارسا جاتے ہیں ۔ یہ بات بھی خاصی خوش کن ہے کہ شکر کے کارخانے میں انجینئر اور ڈائریکٹر کام کرتے ہیں ۔ ان سے کتابیں اور رسالے مانگ کر پڑھے جا سکتے ہیں ۔ لیڈی زیڈ مزاج کی خراب ہیں ، لیکن وہ

دل کی بری نہیں ہیں " اگر وہ اپنی حرفت سے ہمیشہ سبرے سادھ اتالیق کا سا سلوک نہیں کرتی ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی وہ خود بھی اتالیق رہ چکی ہیں ۔ ان کا مقدر ذرا جلدی جاگ گیا ۔ ان کے شوہر دل کش ہیں ، ان کی بڑی لڑکی فرشتہ ہے ، گھر کے بچے گوارا ہیں اور میں بڑی خوش قسمت ہوں "

کمرے کے آتش دان کے سامنے اپنے ہاتھ سینک کر وہ پھر خط لکھنے میں مشغول ہو جاتی ، حتیٰ کہ ایک تحکمانہ آواز آتی " استانی ماریا " . . . . یہ ایسی آواز ہوتی کہ در و دیوار کو معلوم ہو جاتا کہ اس کے آقاؤں نے اسے طلب کیا ہے ۔

اتالیق کی زندگی تنہا ہوتی ہے ، لہذا یہ کوئی عجیب بات نہیں کہ وہ خالی وقت میں بس خط ہی لکھا کرتی ہے ، اگر شہر سے جواب آنے کی امید ہو اور خبر خیریت اور حال احوال معلوم ہونے کی آس ہو تو اسے خط لکھنا ہی چاہئے ۔ ہفتے اور مہینے گزرتے گئے اور مانیا باقاعدہ وقفوں سے اپنے اعزہ کو خطوط کے ذریعے اپنے حالات لکھتی رہی ، یہ خطوط مختلف کیفیات اور جذبات کے حامل تھے ۔ وہ اپنے والد کو ، جوزف کو اور ہیلا کو ، پیاری برونیا کو اور اپنے اسکول کی سہیلی کازیا پرائی بوروسکا کو خطوط لکھتی رہی ۔ وہ اپنی خالہ زاد بہن ہنریٹا کو بھی خطوط لکھتی تھی ، جو اب شادی شدہ تھی اور اب لوف میں رہتی تھی اور شدت کے ساتھ فلسفۂ ثبوتیت کی قائل تھی۔ مانیا آزادی سے اپنے خطوں میں اپنے رنج و غم اور مسرتوں کا اظہار کرتی تھی ۔

مانیا بنام ہنریٹا، ۵ اپریل ۱۸۸۶ء

میں ویسی ہی زندگی گزار رہی ہوں جیسی زندگی گزارنے کا رواج ہے اور جیسی زندگی میری حیثیت کی لڑکی گزار سکتی ہے۔ بچی کو پڑھاتی ہوں، خود بھی تھوڑا سا پڑھتی ہوں، لیکن یہ آسان نہیں ہے، کیونکہ آئے دن مہمانوں کی آمد سے میرے پڑھنے کے معمولات میں خلل پڑتا ہے۔ بعض اوقات میں بہت جلبلاتی ہوں، کیونکہ میری شاگرد اندیزہ ان بچیوں میں سے ہے جو کام چوری کی وجہ سے ایسے موقعوں کی تاک میں رہتی ہیں اور جب ایک دفعہ اس کی طبیعت اچٹ جاتی ہے تو دوبارہ دل لگنے کا سوال مشکل ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ آج دوسرا ہی منظر دیکھنے میں آیا، یعنی آج وہ مقررہ وقت پر اٹھنا نہ چاہتی تھی، آخر مجبور ہوکر میں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر بستر سے کھینچا۔ میں اندر ہی اندر کھول رہی تھی۔ تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے مجھ پر کیا گزرتی ہے، اس قسم کی لغو حرکتوں سے میں کئی گھنٹے بیمار رہ سکتی ہوں لیکن مجھے بہر حال اس بچی کا بہی خواہ بننا ہے.....

مجلسی زندگی میں گفتگو کا لطف؟ گپ اور..... اور گپ۔ گفتگو کے صرف تین موضوعات ہیں، ہمسائے، رقص اور دعوتیں... جہاں تک رقص کا تعلق ہے تو اس علاقے کی نوجوان لڑکیوں سے ہمارے یہاں کی عام لڑکیاں کہیں اچھا رقص کر لیتی ہیں۔ یہاں کی لڑکیاں رقص کا مکمل مظاہرہ کرتی ہیں، یہ لڑکیاں ناچنے کے کام کے لئے بری نہیں ہیں، بعض ذہین بھی

ھیں ، لیکن تعلیم نے ان کی ذھنی نشوونما نہیں کی ، آئے دن کی احمقانہ دعوتوں میں ان میں شئے لطیف باقی نہ رھی - رھے نوجوان لڑکے تو ان میں چند لڑکے نفیس ھیں ، جو قدرے ذھین بھی ھیں . . . . لڑکیاں ھوں خواہ لڑکے ، سبھی کو فلسفۂ نبوتیت اور مزدوروں کے مسائل سے نفرت ھے . . . . . یوں لگتا ھے جیسے ان کے لئے یہ الفاظ ھی اجنبی ھیں - زیڈ خاندان نسبتاً زیادہ شائستہ ھے - زیڈ صاحب پرانی وضع کے بزرگ ھیں ، لیکن ان میں شئے لطیف بدرجۂ اتم موجود ھے ، ان کا رویہ ھمدردانہ ھے اور معقول آدمی ھیں - ان کی بیوی سے نباہ کرنا مشکل ھے ، لیکن جب انہیں راضی رکھنے کا گر آ جائے تو وہ نہایت عمدہ خاتون ھیں - میرا خیال ھے کہ وہ مجھے کافی پسند کرتی ھیں -

کاش تم میرا مثالی کردار دیکھ سکتیں ! میں ھر اتوار اور تعطیل کے روز کلیسا جاتی ھوں ، سر کے درد اور زکام کا بہانہ بالکل نہیں کرتی - میں اعلیٰ تعلیم نسواں کے حق میں کبھی گفتگو نہیں کرتی ، مختصر یہ کہ میں بالکل ویسی ھی بننے کی کوشش کرتی ھوں ، جیسی شریف گھرانے کی بیٹیاں ھوتی ھیں -

ایسٹر کے موقع پر چند روز کے لئے میں وارسا جاؤں گی - گھر جانے کی خوشی سے میں دیوانی سی ھوئی جا رھی ھوں ، مجھے اس کوشش میں دقت محسوس ھو رھی ھے کہ میرے منہ سے مسرت بھری چیخیں نہ نکلنے پائیں . . . . .

آھنی مانیا کو ”مثالی کردار“ بیان کرنے میں لطف آتا تھا ، لیکن اس خول کے اندر ایک پر حوصلہ اور اصلی

کردار بھی تھا ، جو اس روایتی زندگی کو زیادہ عرصے تک برداشت نہ کرسکتا تھا ۔ اس خول کے اندر فلسفۂ ثبوتیت کی ماننے والی لڑکی بہر حال موجود تھی اور وہ اعلائے کلمۂ حق کے لئے ہمہ وقت تیار تھی ۔

ایک روز وہ کسانوں کے چند بچوں سے ملی ، کیچڑ سے لت پت سڑکوں پر ، لڑکیاں اور لڑکے پھٹے پرانے کپڑے پہنے تھے ، ان کے چہروں سے جرأت ظاہر ہوتی تھی ، ان کے سر کے بال سن جیسے تھے ، انہیں دیکھ کر مانیا کے ذہن میں ایک منصوبہ آیا ۔ سوزکی کی اس چھوٹی سی دنیا میں ، وہ ان ترقی پسندانہ خیالات کی تبلیغ کیوں نہ شروع کردے ، جو اسے اتنے عزیز تھے ۔ گزشتہ سال ، وہ عوام کے ذہنوں کو روشن کرنے کے خواب دیکھا کرتی تھی ۔ یہاں اس کا نادر موقع تھا ۔ دیہات کے بچے عام طور پر ان پڑھ تھے ۔ اگر ان میں سے کوئی کبھی اسکول گیا بھی تو وہاں اسے روسی حروف تہجی پڑھنا پڑے ۔ کیسا مزا آجائے اگر وہ پوشیدہ طور پر پولش زبان کا نصاب پڑھانا شروع کردے ، ان ناپختہ اور اثر پذیر ذہنوں کو جگانے کے لئے اور اپنی قومی زبان کی خوبیوں اور اپنی تاریخ سے آگاہ کرنے کا کتنا سنہرا موقع تھا ۔

اتالیق نے اپنا خیال مس زیڈ پر ظاہر کیا ، جو فوراً رضامند ہو گئیں اور انہوں نے اس سلسلے میں تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا ۔

" اس مسئلے پر اچھی طرح غور کر لو "، مانیا نے مس زیڈ کے جوش و خروش کو اعتدال پر لاتے ہوئے کہا "سوچ سمجھ لو، اگر حکومت کو معلوم ہوگیا تو ہمیں سائبیریا بھیج دیا جائے گا "

لیکن جرأت سے بڑھ کر کوئی چیز متعدی نہیں، مانیا نے برونکا زیڈ کی آنکھوں میں جوش و خروش اور تہیہ دیکھا - اب صرف خاندان کے سربراہ کی اجازت درکار تھی اور پھر وہ بڑی احتیاط سے کسانوں کے جھونپڑوں میں پولش زبان کی ترویج کرسکتی تھیں -

---

مانیا بنام ھنریٹا، ۳ ستمبر ۱۸۸۶ء

. . . . . اس دفعہ گرمیوں میں مجھے تعطیل منانے کا موقع ملا، لیکن میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں کہاں جاؤں، اس لئے میں سوزکی ھی میں ٹھہر گئی - کارپیتھئین کے کسی پرفضا پہاڑی مقام پر جا کر میں اپنی پونجی برباد کرنا نہیں چاھتی، میں ان دنوں ایک مزدور کے لڑکے کو روزانہ ایک گھنٹا تعلیم دیتی ھوں، میں اسے اسکول جانے کے قابل بنا رھی ھوں - اس کے علاوہ میں برونکا کے ساتھ روزانہ دو گھنٹے کسانوں کے بچوں کو پڑھاتی ھوں - تم بچوں کے اس گروہ کو کلاس کہہ سکتی ھو، کیونکہ ھمارے شاگردوں کی تعداد دس ھے، بچے پڑھائی کے بڑے شوقین ھیں لیکن اس کے باوجود ھماری راہ میں بعض رکاوٹیں بھی ھیں، جس چیز سے مجھے تسکین حاصل ھوتی ھے، وہ یہ ھے کہ رفتہ رفتہ بہتر نتائج برآمد ھو رھے

ہیں ، بلکہ یوں کہو کہ بہت جلد بہتر نتائج دیکھنے میں آ رہے ہیں ۔ اس طرح میرے دن بڑی خوب صورتی سے گزر رہے ہیں ..... تھوڑا بہت میں خود کو بھی پڑھاتی ہوں ، تنہا پڑھتی ہوں ۔

مانیا بنام ہنریٹا ، دسمبر ۱۸۸۶ء

اب میرے کسان شاگردوں کی تعداد اٹھارہ ہو چکی تھی ۔ یہ تو ظاہر ہے کہ سب کے سب روزانہ حاضر نہیں ہوتے ، اس کا علاج بھی مجھے نہیں معلوم ہے ، لیکن بہر حال میں روزانہ دو گھنٹے پڑھاتی ہوں ۔ بدھ اور ہفتے کو میں زیادہ دیر تک پڑھاتی ہوں ۔ ایک بڑی سہولت جو مجھے حاصل ہے وہ یہ ہے کہ میرا کمرہ پہلی منزل پر ہے اور کوٹھی کے بیرونی صحن سے میرے کمرے تک آنے جانے کے لئے علیحدہ زینہ ہے ، اس لئے درس و تدریس کے اس سلسلے سے گھر والوں کا کوئی حرج نہیں ہوتا ، نہ اس شغل سے میرے اصلی فرائض میں فرق آتا ہے ۔ ان ننھے بچوں کو پڑھا کر مجھے بڑی تسکین اور بے پناہ مسرت حاصل ہوتی ہے ....

اس طرح مانیا کے لئے محض یہ کافی نہ تھا کہ وہ اندیزہ کو سبق یاد کرنے میں مشغول رکھے ...... اس کے ذمہ یہ بھی تھا کہ وہ برونکا کے ساتھ کام کرے ، جولیک کی دیکھ بھال کرے ، جو وارسا سے واپس آ گیا تھا اور اسی کے ذمے آ پڑا تھا ، اب مانیا کا یہ کام تھا کہ وہ یہ دیکھتی رہے کہ وہ

پڑھتے پڑھتے اپنی کتابوں پر اونگھ کر سو نہ جائے۔ جب ان سب کاموں سے فرصت پاتی تو یہ دھن کی پکی لڑکی اپنے کمرے میں جوتوں اور ننگے پیروں کی چاپ سننے کے لئے گوش برآواز رهتی ، یہ چاپ اس کے شاگردوں کی آمد کا اعلان تھی ۔ اس نے صنوبر کی ایک میز اور چند کرسیاں عاریتاً لے لی تھیں ، تا کہ اس کے شاگرد آرام سے لکھنے کی مشق کر سکیں ۔ وہ اپنے بچائے ہوئے پیسوں میں سے اپنے شاگردوں کو قلم اور کاپیاں خرید کر دیتی ، ننھے منے ھاتھ بڑی دقت سے قلم پکڑتے ، جب سات یا آٹھ لڑکے سفید دیواروں والے بڑے کمرے میں جمع ہوتے تو مانیا اور برونکا زیڈ بمشکل ان بچوں پر کنٹرول کر پاتیں ، یہ پریشان حال بچے ! ..... کوئی ناک سڑکتا ، کوئی نتھنے پھلاتا اور مشکل الفاظ کے ھجے کرنے میں بڑی دقت ھوتی ۔

نوکروں ، کسانوں اور کارخانے کے مزدوروں کی بچیاں اور بچے مانیا کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ..... مانیا کے کپڑے اجلے اور بال سنورے ھوئے تھے اور میلے کچیلے بچوں سے اس کا دم الجھتا تھا ! ان کے کپڑوں سے بدبو آتی تھی ۔ بعض بچے غبی اور کند ذھن تھے اور توجہ سے نہ پڑھتے تھے ، لیکن زیادہ تر بچوں کی آنکھوں میں چمک تھی ، اور ان کے چہروں پر بھولاپن تھا ، ان آنکھوں میں ارادے کی تکمیل کی شدید خواھش تھی ، وہ سب عام طور پر پڑھنے لکھنے کے شوقین تھے ۔ ان کا مقصد بہت چھوٹا سا تھا ، یعنی حرف شناسی اور جب یہ چھوٹا سا مقصد حاصل ھو جاتا ، یعنی سفید کاغذوں پر چھپے ھوئے بڑے بڑے سیاہ حرفوں کے اچانک معنی سمجھ

میں آ جاتے نو نوجوان لڑکی خوشی سے بھولی نہ سماتی ، اسے اپنی فتح پر بڑی مسرت اور بڑا فخر ہوتا ، بچوں کے ان پڑھ والدین بے حد تعریفیں کرتے ، بعض دفعہ یہ والدین اسی کمرے کے ایک کونے میں بیٹھ کر اپنے بچوں کو پڑھتے ہوئے دیکھتے تھے ۔ وہ سوچتی کہ اس کی ساری محنت اکارت گئی کیونکہ ان کے جہالت کے اتھاہ سمندر کے آگے وہ خود کو بے ہتھیار اور کمزور تصور کرتی تھی ، ان محروم اور فریب خوردہ انسانوں کو حرف شناسی کا جو تحفہ اس نے دیا تھا وہ اس کے نزدیک بہت حقیر تھا ۔



چھٹا باب

طویل انتظار

ننھے کسانوں نے بھی ... شک کیا کہ "استانی ماریا،، اکثر بڑے سکوت کی حالت میں اپنی ... ات پر غور کرتی ہیں - انہیں معلوم نہ تھا کہ ان کی کمسن استانی دوبارہ کسی اسکول میں شاگرد بن کر داخل ہونا چاہتی ہیں، اور پڑھانے سے زیادہ پڑھنا چاہتی ہیں -

ماریا سڑک پر رواں رواں کی آواز نکالنے والی قطار اندر قطار بیل گاڑیوں کو تک رہی تھی اور چقندر سے لدی ہوئی گاڑیاں کارخانے کی طرف آہستہ آہستہ چلی جا رہی ہیں، وہ سوچ رہی تھی کہ "میں کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوئی ان بیل گاڑیوں کو تک رہی ہوں لیکن اسی لمحے برلن، وی اینا، پٹسبرگ اور لندن میں ہزارہا نوجوان لیکچر سن رہے ہوں گے، تجربہ گاہوں، عجائب خانوں اور شفا خانوں میں کام کر رہے ہوں گے! اس وقت مشہور زمانہ ساربون -۱ میں طالب علموں کو علم الحیوان، علم ریاضی، علوم عمرانیات، علم کیمیا اور علم طبعیات کا درس دیا جا رہا ہوگا -

ماریا اسکولڈووسکا کسی دوسرے ملک کے مقابلے میں فرانس میں تعلیم حاصل کرنے کو ترجیح دیتی تھی - فرانس کے علمی

۱- پیرس کی عالی شان یونی ورسٹی، جسے ڈی ساربون نے ۱۲۵۰ء میں قائم کیا -

وقار نے اس کی آنکھوں کو چکاچوند کر دیا تھا ۔ برلن اور پٹسبرگ میں پولینڈ کو غلام بنانے والوں کا راج تھا لیکن فرانس میں آزادی کو متاع عزیز سمجھا گیا تھا ، وھاں سب کے جذبات اور عقائد کے لئے احترام تھا ، وھاں مصیبت کے مارے ھوئے اور پریشان اور مظلوم انسانوں کا خیر مقدم کیا جاتا تھا اور یہ خیال نہ کیا جاتا تھا کہ کون کس ملک سے آیا ھے ۔ کیا یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ھوگا کہ وہ ایک روز پیرس جانے والی ٹرین میں سوار ھو جائے گی . . . . کیا یہ عظیم مسرت اسے حاصل ھوسکے گی ؟

وہ ایسی امید سے ھاتھ دھو بیٹھی تھی ۔ دیہات میں بارہ مہینے رہ کر یہ ذھین لڑکی اس وھم میں مبتلا ھو چکی تھی کہ یہ امید بر نہ آئے گی ۔

جب وہ سوچنے کے لئے ٹھٹکتی تو صورت حال واضح طور پر اسے نظر آتی ۔ وارسا میں اس کا باپ تھا ، جسے بہت جلد اس کی ضرورت ھوگی ۔ پیرس میں برونیا تھی ، جسے کئی برس تک اس کی مدد کی ضرورت تھی اور برونیا ابھی مدت تک اس قابل نہ ھوسکے گی کہ کچھ کما سکے . . . . . اور . . . . . ریاست سوزکی میں وہ خود تھی ، مانیا اسکولڈووسکی ، اتالیق . . . . سرمایہ جمع کرنے کا منصوبہ ، کسی زمانے میں قابل عمل نظر آتا تھا لیکن اب تو یہ منصوبہ اس پر طنزاً مسکرا رھا تھا ۔ یہ ایک بچکانہ منصوبہ تھا ۔ سوزکی جیسی جگہ سے مفر نہ تھا ۔

اس ذھین لڑکی کی مایوسی قابل دید تھی ، وہ کتنی زخم خوردہ تھی . . . . فوق البشر کا سا اعتماد پیدا کرنے کے

بجائے وہ کسی بھی انیس سال کی عام لڑکی کی طرح مایوس و مغموم تھی ۔ یہ بھی خاصے لطف کی بات تھی کہ وہ اپنے خیالات کی خود ھی تردید کرتی تھی اور تمام منصوبوں سے کنارہ کشی کا ارادہ کرتی تھی، اپنی تمناؤں کا جنازہ خود ھی تیار کرتی تھی اور اپنے ارادوں سے ایک خون آشام جنگ کرتی تھی ۔ بلا شبہ یہ ایک نہایت طاقتور جذبہ تھا کہ وہ ھر رات علم عمرانیات اور علم طبعیات کے بارے میں ضخیم کتابیں پڑھتی تھی ، یہ کتابیں ، وہ کارخانے کی لائبریری سے مانگ کر پڑھتی تھی اور علم ریاضی کی تکمیل کے لئے وہ اپنے والد سے خط و کتابت کرتی تھی ۔

یہ مہم اتنی مصیبت آزما تھی کہ مانیا کی ثابت قدمی پر حیرت ھوتی تھی ۔ دیہات کے اس مکان میں وہ یکہ و تنہا تھی ، نہ کسی رھنمائی ، نہ کسی کا مشورہ ، وہ محسوس کرتی تھی کہ کتابوں کے ذریعہ وہ علم میں اضافہ کرنا چاھتی تھی ، وہ بڑی دقیانوسی کتابیں تھیں ۔ مایوسی کے عالم میں وہ خود ننھے کسانوں سے مشابہ پاتی ، جب وہ ھمہ وقت پڑھنے سے بے زار ھو کر حروف تہجی کا قاعدہ اٹھا کر پٹخ دیتے ، لیکن اس کے باوجود ایک ضدی کسانوں کی طرح وہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھی ۔

ادب سے مجھے اتنی ھی دل چسپی ہے ، جتنی علم عمرانیات اور سائنس سے (چالیس سال کے بعد وہ لکھے گی) اب بھی کام کے اس سالہا سال کے عرصے میں ، جب میں اپنے صحیح ذھنی رجحانات دریافت کرنے کی کوشش کی تو بالاخر مجھے علم ریاضی اور علم طبعیات کی طرف متوجہ ھونا پڑا ۔

یکہ و تنہا رہ کر مطالعہ کرنے میں بڑی دقت تھی۔ سائنس کی جو تعلیم میں نے اسکول سے حاصل کی تھی وہ بہت نامکمل تھی .... فرانس جا کر سند فضیلت حاصل کرنے کا جو منصوبہ تھا اس کے پیش نظر یہ تعلیم بہت ناکافی تھی ..... میں نے اس تعلیم کو اپنے طور پر مکمل کرنا چاہا ، یعنی اتفاق طور پر جو ادھر ادھر سے کتابیں پڑھنے کو مل جاتیں انہی سے کام چلاتی تھی۔ یہ نسخہ مجرب ثابت ہوا ، اس سے مجھے یہ فائدہ ہوا کہ تن تنہا کام کرنے کی عادت پڑ گئی اور ایسی کئی باتیں میں نے سیکھ لیں جو آگے چل کر میرے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں ....

وہ اپنے ایک خط میں انہی دنوں میں سے ایک دن کی تفصیل لکھتی ہے۔

سانیا بنام ھنریٹا ، دسمبر ۱۸۸٦ء

.... ان دنوں میرا معمول یہ ہے کہ میں صبح آٹھ بجے سے دن کے ساڑھے گیارہ بجے تک اور دو بجے سے شام کے ساڑھے سات بجے ایک لمحے کے آرام کے بغیر مسلسل کام کرتی ہوں۔ دن کے ساڑھے گیارہ بجے سے دن کے دو بجے تک میں چہل قدمی کرتی ہوں اور دوپہر کا کھانا کھاتی ہوں۔ چائے کے بعد اگر اندزیہ کی طبیعت حاضر ہو تو میں اس کے ساتھ پڑھتی ہوں ، اگر اس کا جی اچاٹ ہوتا ہے تو میں اس سے باتیں کرتی ہوں یا پھر میں سلائی کا کام سنبھال لیتی ہوں ، کیونکہ جب میں اسے پڑھاتی ہوں تو تفریحاً سلائی کا کام بھی کرتی رہتی ہوں۔ رات کے نو بجے

میں اپنی کتابیں سنبھالتی ہوں اور مطالعہ میں مشغول ہو جاتی ہوں ، اگر کوئی غیر متوقع واقعہ جارج نہ ہو . . . . . . سب صبح چھ بجے اٹھنے کی عادی ہو چکی ہوں ۔ اس لئے میں زیادہ کام کرتی ہوں . . . . . لیکن ہمیشہ ایسا کرنے پر قادر نہیں ہوں ۔ اندزیہ کا منہ بولا باپ بڑا ہی نفیس بزرگ ہے ، ان دنوں یہاں ٹھہرا ہوا ہے اور مس زیڈ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس سے کہوں کہ وہ مجھے شطرنج کھیلنا سکھا دے . . . . . . محض اسے خوش کرنے کے لئے ۔ ان دنوں میں نے کچھ کچھ تاش کھیلنا بھی سیکھ لیا ہے . . . . . . لیکن یہ مشغلہ مجھے کتابوں سے گریز کرنے پر آمادہ کرتا ہے ۔

ان دنوں میں یہ کتابیں پڑھ رہی ہوں :

(۱) ڈینیل کی طبعیات . . . . پہلی جلد ختم کرچکی ہوں ۔

(۲) اسپنسر کی عمرانیات . . . . (فرانسیسی میں)

(۳) پال برکی کتاب ”ایناٹومی اور فزیالوجی پر چند اسباق“ . . . . (روسی میں)

میں بیک وقت کئی کتابیں پڑھتی ہوں ، میرا چھوٹا سا حقیر دماغ ایک ہی موضوع کے مسلسل مطالعہ کا متحمل نہیں ہے ۔ کیونکہ یہ دماغ کام کی زیادتی کا پہلے ہی سے شکار ہے ۔ جب میں پڑھتے پڑھتے تھک جاتی ہوں اور سمجھ جاتی ہوں کہ اب مطالعہ سودمند نہیں ثابت ہو رہا ہے تو الجبرا یا علم مثلث کی اشکال کے مسائل حل کرنے لگتی ہوں ، اس سے یہ ہوتا کہ توجہ مرکوز رہتی ہے اور اس طرح میں پھر صحیح راستے پر چل پڑتی ہوں ۔

میری دکھیاری بہن برونیا پیرس سے لکھتی ہے کہ اس کے امتحان میں بڑی اڑچنیں پیدا کی جا رہی ہیں ، وہ شدید محنت کر رہی ہے اور فکروں کی وجہ سے اس کی صحت خراب ہو گئی ہے -

. . . . میرے مستقبل کے منصوبے ؟ کوئی نہیں یا اگر ہیں بھی تو وہ ایسے معمولی اور سادہ ہیں کہ قابل ذکر نہیں - میں الجھنوں سے نکلنے کی حتی الامکان کوشش کر رہی ہوں اور جب میرا بس نہ چلے گا تو میں اس حقیر دنیا کو الوداع کہوں گی - نقصان بہت معمولی ہوگا ، اور میرے لئے بہت مختصر سا اظہار تعزیت ہوگا . . . . . اتنا مختصر جتنا بہت سے لوگوں کے مرنے پر ہوتا ہے -

بس اب میرے یہی منصوبے ہیں - بعض لوگ کہتے ہیں تمام باتوں کے باوجود میں کسی نہ کسی دن کسی کے عشق کے بخار میں مبتلا ہونے کی پابند ہوں ، یعنی ان حالات کے باوجود کسی سے عشق ہو کر رہے گا - بہرحال میرے منصوبے میں عشق کرنے کی قطعاً کوئی شق نہیں ہے - اس کے علاوہ اگر مستقبل کے بارے میں کبھی کوئی منصوبہ تھا تو اب کافور ہوچکا ہے ، میں نے اپنے منصوبوں کو دفن کر دیا ہے ، قفل لگا کر بند کر دیا ہے ، قفل پر مہر لگا دی ہے اور بالکل فراموش کر چکی ہوں . . . . . کیونکہ تم جانتی ہو کہ دیواریں کھوپڑیوں سے زیادہ مضبوط ہوتی ہیں ، کس کی مجال ہے کہ سر ٹکرا ٹکرا کر دیواروں کو گرا سکے . . . . . .

یہ خودکشی کے مبہم خیالات ، یہ عشق و محبت کے بارے میں مشکوک اور مایوسانہ جملے کتنے وضاحت طلب ہیں ۔

وضاحت بہت معمولی اور سادہ سی ہے ۔ اسے " ایک غریب اور نوخیز لڑکی کا رومان " کہا جا سکتا ہے ۔ بے شمار جذباتی ناولوں میں بالکل اسی قسم کی کہانیاں ملتی ہیں ۔

اس کہانی کا آغاز یوں ہوتا ہے کہ مانیا اسکولڈووسکا جب نام خدا جوان ہوئی تو صورت شکل کی اچھی تھی ، ابھی اس پر وہ ناقابل یقین رعنائی تو نہ آئی تھی جو چند سال بعد کی تصویروں پر آنے والی تھی لیکن اٹھتی ہوئی جوانی کے پھولے پھولے گالوں کے گلاب اب بہت شاداب ہو چکے تھے اور اب وہ ایک خوش گل دوشیزہ نظر آتی تھی ، ملائم جلد ، ریشمی بال ، نازک نازک کلائیاں اور بھری بھری پنڈلیاں ، البتہ اس کے چہرے میں نہ تو ابھی باقاعدگی تھی اور نہ کاملیت ، ہاں . . . . . یہ غنچہ دھن نازنیں ، جب بات کرتی اور ہونٹوں کے مختلف دائرے بنتے تو چہرہ دل کش نظر آتا تھا . . . . . . اور اس کی آنکھیں ، جو راکھ کے رنگ کی طرح بھوری تھیں ، اس کے ابروؤں کے نیچے عام طور پر ڈوبی رہتی تھیں ، لیکن جب وہ کسی بات پر حیرت کرتی تو یہی آنکھیں بڑی بڑی اور نہایت حسین نظر آتیں ۔

جب لیڈی اور مسٹر زیڈ کا سب سے بڑا لڑکا کازیمیر گرمیوں کی چھٹیوں میں وارسا سے سوزکی آیا تو اس نے دیکھا گھر کی اتالیق لڑکی نہایت عمدہ رقص جانتی ہے ، کشتی چلانا

جانتی ہے ، اسکیٹنگ جانتی ہے ، ظرف اور حاضر جواب ہے ، اور اس کے انداز و اطوار میں نفاست ہے ، وہ جس آسانی سے گھوڑ سواری کرنا اور گاڑی چلانا جانتی ہے اتنی ہی سہولت سے شعر کہہ لیتی ہے . . . . . لڑکے نے سوچا یہ اتالیق لڑکی ، ان تمام جوان لڑکیوں سے کتنی مختلف ہے جن سے اس کی شناسائی ہے . . . . . یکسر مختلف . . . . . حیرت ناک حد تک مختلف ! وہ اس پر عاشق ہو گیا . . . . . اور مانیا . . . . . اپنے انقلابی نظریات کے باوجود اس لڑکے کی نگاہ محبت سے گھائل ہو گئی ، وہ اس خوب صورت اور دل کش طالب علم پر فریفتہ ہو گئی ۔

ابھی مانیا کی عمر پورے ایس سال کی بھی نہ ہوئی تھی اور اس سے شادی کرنے کے منصوبے بننے لگے . . . . .

اس اتحاد کا بظاہر کوئی مخالف نہ تھا ۔ یہ سچ ہے کہ سوزکی میں مانیا محض ”استانی جی“ تھی ، بچوں کی اتالیق تھی لیکن ہر شخص محبت کے ساتھ اس کا احترام کرتا تھا ۔ موسیو زیڈ اسے اپنے ہمراہ لے کر کھلے میدان میں لمبی لمبی سیریں کرتے ۔ لیڈی زیڈ ماں کی طرح سلوک کرتیں اور برونکا اس کا احترام کرتی ۔ زیڈ گھرانے نے ہمیشہ اس کے ساتھ خصوصیت برتی ۔ کئی تقریبوں میں انھوں نے اس کے والد ، بھائی اور بہنوں کو مدعو کیا ، مانیا کی سال گرہ کے موقع پر انھوں نے اسے ہار ، پھول اور تحفے تحائف پیش کئے ۔

کنبے میں اتنی مقبولیت دیکھ کر کازیمیر زیڈ نے بڑے اعتماد کے ساتھ اپنے والدین سے کہا کہ وہ مانیا سے شادی کرنا چاہتا ہے ۔

جواب ملنے میں کوئی تاخیر نہ ہوئی ۔ باپ کا غصے سے برا حال ہو گیا ، ماں تقریباً بے ہوش ہوگئی ۔ وہ . . . . یعنی کازیمیر . . . . ان کا چہیتا بچہ ، اس لڑکی سے شادی کرے گا جس کے پاس پھوٹی کوڑی بھی نہیں ، جو دوسروں کے گھروں میں نوکری کرنے پر مجبور ہے ! وہ ، جو کسی امیر ترین اور بوتڑوں کی رئیس زادی سے سادی کر سکتا ہے . . . . جو چاہے تو کل ہی کر سکتا ہے ۔ کیا یہ لڑکا پاگل تو نہیں ہو گیا ہے ؟

آن واحد میں اس گھرانے کی معاشرتی دیواریں بہت بلند ہوگئیں ، جہاں اب تک مانیا کے ساتھ دوستانہ سلوک کرنے کو باعث صد افتخار سمجھا جاتا تھا . . . . لیکن اب معاشرتی دیواریں ناقابل تسخیر ہو چکی تھیں ۔ یہ سچ ہے کہ لڑکی اچھے گھرانے کی تھی ، یہ بھی درست ہے کہ وہ بڑی شائستہ تھی ، ذہین تھی اور اس کا شباب بھی بے داغ تھا ، یہ بھی صحیح تھا کہ اس کے باپ کی وارسا بھر میں شہرت اور عزت تھی . . . . لیکن ان سب باتوں کی اس ظالمانہ جملے کے آگے کوئی حقیقت نہ تھی کہ

” اتالیق لڑکی سے سادی نہ کرنا چاہیے “

لڑکے کو سمجھایا بجھایا گیا ، اس پر تقریریں جھاڑی گئیں ، اسے بٹھا کر وعظ کیا گیا اور اسے ہر ہر طرح سے جھنجھوڑا گیا . . . . آخرکار طالب علم کا تہیہ اندر ہی اندر ختم ہو گیا . . . وہ کم ظرف تھا ۔ خاندان کے غصے سے ڈر گیا ، اور مانیا . . . . مانیا کا دل ٹوٹ گیا . . . . پاش پاش ہوگیا . . . . ان لوگوں نے اسے حقیر جانا ، جنہیں وہ اپنے سے بہت کم تر سمجھتی تھی ۔

مانیا سرد پڑ گئی ، ایسی سرد کہ بری لگتی تھی ، اس پر سکوت طاری ہوگیا ، اس سکوت میں اعصابی تناؤ بھی شامل تھا ۔ مانیا نے اپنے عشق کو ایک بھولا ہوا رومانی نغمہ سمجھ لیا اور مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ اس نغمہ کو کبھی یاد کرنے یا گنگنانے کی کوشش نہ کرے گی ۔

لیکن محبت کہیں بھلائی جا سکتی ہے ، یہ وہ جذبہ ہے جسے موت کا فرمان بھی کچل نہیں سکتا ۔

مانیا وہ قدم نہ اٹھا سکی . . . . ظالمانہ لیکن واضح . . . . سوزکی چھوڑنے کا ۔ وہ اپنے والد کو پریشان کرنا نہ چاہتی تھی ، پھر سو باتوں کی ایک بات یہ کہ اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اتنی اچھی ملازمت چھوڑ دیتی ۔ اب برونیا کی بچی ہوئی پونجی خواب وخیال بن چکی تھی ، اب مانیا ہی کو اپنے والد کی مدد کرنا ہوگی ، اور اپنی بہن کا خرچ اٹھانا ہوگا ، جو ڈاکٹری پڑھ رہی تھی ۔ وہ ہر مہینے اپنی بہن کو پندرہ روبل بھیج رہی تھی ، کسی مہینے میں وہ بیس روبل بھی بھیج دیتی تھی . . . . یعنی اپنی تنخواہ کا تقریباً نصف حصہ اپنی بہن کو بھیج دیتی تھی ۔ اتنی تنخواہ کی نوکری اسے اور کہاں مل سکتی تھی ؟ عشق و عاشقی کے سلسلے میں زیڈ خاندان نے براہ راست اس سے کوئی جواب نہ طلب کیا ، نہ کوئی تلخ گفتگو ہوئی ، نہ بحث و تکرار کی نوبت آئی . . . . اس کی عافیت اسی میں تھی کہ وہ اپنے غرور کو پی جائے اور سوزکی میں بدستور نوکری کرتی رہے ، جیسے کوئی بات ہی نہیں ہوئی ۔

زندگی اپنے معمول پر آ گئی ، جیسے پہلے تھی ۔ مانیا پہلے کی طرح درس و تدریس میں مشغول ہوگئی ، اندزیہ کو ڈانٹنے اور جھڑکنے لگی ، جیولک کو جھنجھوڑنے لگی ، جو ذرا سا دماغی کام کرنے سے سونے پر مائل ہو جاتا تھا . . . . اور وہ بدستور ننھے کسانوں کو پڑھانے لگی ۔ ہمیشہ کی طرح وہ علم کیمیا کا مطالعہ کرنے لگی ، خود اپنا مذاق اڑانے لگی ، بات کرتے وقت بے سبب شانوں کو جھٹکنے لگی ۔ وہ بیت بازی اور سربگھی کھیلتی ، رقص کی محفلوں میں جاتی اور کھلی ھوا میں سیر کرتی . . . .

سردیوں میں (وہ کچھ عرصے بعد لکھنے کو تھی) برف سے ڈھکے ہوئے وسیع میدان دل کشی سے خالی نہ تھے !اور ہم نے سلیج میں بیٹھ کر لمبی لمبی سیریں کیں ۔ بعض دفعہ تو سڑک ڈھونڈنا مشکل ہوگیا ۔

" پگ‌ڈنڈی نہ چھوڑنا "، میں چیخ کر ڈرائیور سے کہتی ۔ وہ جواب دیتا " ہم پگ‌ڈنڈی کے بیچو بیچ میں ھیں "، یا " ڈرو مت ! " . . . . اور پھر گاڑی لوٹ جاتی ۔ اس قسم کے انجام پر ہم سب بہت خوش ہوتے ۔

مجھے وہ برف کا عالی شان مکان بھی یاد ہے ، جسے ہم نے اس سال بنایا تھا ، جس سال میدان میں بہت اونچی برف جم گئی تھی ۔ وہ برف کا مکان کتنا بڑا تھا ۔ جس کے اندر ہم بیٹھ بھی سکتے تھے ۔ اور اس کے اندر بیٹھ کر ہم دور تک پھیلی ہوئی برف کا نظارہ کرسکتے تھے جس میں گلاب کے پھولوں کا ھلکا سا رنگ بھی شامل تھا . . . . .

محبت میں ناکام ، علمی ترقیوں کے منصوبوں کی تکمیل میں ناکام اور اقتصادی طور پر کنگال . . . . اس قسم کے مشاغل سے اپنا دل بہلا رہی تھی ، وہ اپنے ماضی اور مستقبل کو بھول جانے کی کوشش کر رہی تھی ، حالات کے جس چکر میں وہ پڑھ چکی تھی اس سے نجات ملنا مشکل معلوم ہوتا تھا ۔ وہ اپنے خاندان کی طرف متوجہ ہوئی ، ان سے مدد مانگنے کے لئے نہیں ، نہ اپنی زندگی کی تلخیوں کے اظہار کے لئے . . . . بلکہ ہر خط میں وہ گھر والوں کو مشورے لکھ کر بھیجتی اور گھر والوں کی ہر ممکن مدد کے لئے خود کو پیش کرتی تھی ۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کے گھر والے بھر پور زندگی بسر کریں ۔

مانیا بنام جوزف ، ۹ مارچ ۱۸۸۷ء

میرا خیال ہے اگر چند سو روبل کما کر تم وارسا میں رہ سکو تو دیہات میں سر کھپانے سے بدرجہا بہتر ہے ۔ میرے پیارے ننھے بھائی ، سب سے پہلے یہ سن لو کہ اگر میں کوئی احمقانہ بات لکھوں تو ناراض نہ ہونا ، یہ یاد رکھنا کہ میں جو کچھ تم سے کہہ رہی ہوں ، محض خلوص کی بنا پر کہہ رہی ہوں ، اور اس نکتے پر ہم دونوں پہلے سے متفق ہیں کہ ہم دونوں کو ایک دوسرے سے اخلاص ہے . . . . تو بھیا بات یہ ہے کہ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ اگر تم کسی چھوٹے سے قصبے میں کام کرو گے تو ثقافتی اور علمی ترقی سے محروم رہو گے ۔ تحقیقی کام بالکل نہ کر سکو گے ، کنوئیں کے مینڈک بن کر رہ جاؤ گے اور

کوئی اعلیٰ درجے کا کارنامہ نہ کر سکو گے ۔ مطب کے بغیر دوا خانے اور شفاخانے کے بغیر، کتابوں کے بغیر معالج بیبس ہو کر رہ جاتا ہے، خواہ امنگیں اور ارادے کتنے ہی بلند کیوں نہ ہوں، اور اگر یہ المیہ تم پر گزر گیا تو بھیا تم یہ سن کر تعجب نہ کرنا میرا بہت زیادہ نقصان ہو جائے گا، کیونکہ میں نے ترقی کرنے کے تمام جذبات تمہیں اور ثروتیا کو منتقل کر دیئے ہیں، کیونکہ اب میں "کچھ" بننے کی تمام امیدوں سے ہاتھ دھو بیٹھی ہوں ۔ کم از کم تم دونوں کو چاہئے کہ اپنی صلاحیتوں کو کام میں لاؤ اور خاندان کا نام روشن کرو ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارے خاندان کو بلاشبہ بڑے جوہر قابل ملے ہیں، ہمیں اپنی خاندانی صلاحیتوں کو ضائع نہیں کرنا ہے ۔ ہم میں سے کسی نہ کسی شخص کے ذریعہ وہ صلاحیتیں ضرور ظاہر ہوں گی ۔ جتنا میں اپنے بارے میں نا امید ہوں اتنا ہی تمہارے بارے میں پر امید ہوں . . . .

شاید تم میرا مذاق اڑاؤ گے، اور ایسا لکھیر سن کر اپنے کاندھوں کو جھٹکا دو گے ۔ میں تمہیں اس طرح کا خط لکھنے یا تم سے ایسی گفتگو کرنے کی عادی نہیں ہوں، لیکن میں نے جو کچھ کہا ہے صمیم قلب سے کہا ہے، اور میں نے اس پر مدتوں غور کیا ہے . . . . اس وقت سے غور کر رہی ہوں جب تم نے پڑھنا شروع کیا تھا ۔

میں یہ بھی سوچتی ہوں کہ والد کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا خوشی ہوگی کہ تم ان کے پاس رہو گے ! وہ تمہیں کتنا

چاهتے هیں . . . . وه تمهیں هم سب بهنوں سے زیاده چاهتے هیں ۔ تصور تو کرو ، اگر هیلا نے ایم ۔ بی سے شادی کر لی اور هم وارسا سے چلے گئے ، تو همارے دکهیارے باپ کا کیا بنے گا ۔ وه تنها ره جائیں گے ! انہیں بہت دکھ هوگا ، جب که دوسری صورت یه بهی ممکن هے که تم ان کے پاس رهو اور یہی بات بہترین ہے ۔ محض کفایت شعاری کی ترنگ میں هم بہنوں کے لئے هر ایک کو نامحفوظ رکھنا نه بهول جانا ۔ کیونکه آخرکار هم سب وطن واپس آئیں گے ۔

مانیا بنام هنریٹا (جس کے ابهی ایک مرده بچه پیدا هوا تها) ۔ ۴ اپریل ۱۸۸۷ء . . . . ایک ماں کے لئے یه سانحه کتنا المناک هے که وه بے مقصد اتنی آزمائشوں سے گزری ! کوئی کٹر عیسائی اگر اس موقع پر فقط اتنا کہه دے که " الله تعالیٰ کا یہی منشاء تها اور اسی کا منشاء پورا هوتا هے ،، ! تو اس جملے سے نصف غم فوراً دور هو جاتا هے ، لیکن افسوس یه تسکین هر شخص کے نصیب میں نہیں هے ۔ میں جانتی هوں که وه لوگ کتنے مزے میں هیں جو ان توجیهات کو تسلیم کر لیتے هیں ، لیکن حیرت کی بات یه هے که جہاں میں یه غور کرتی هوں که یه لوگ کتنے مزے میں هیں ، وهاں یه بهی خوب جانتی هوں که ان لوگوں کو اپنے عقائد پر کتنا یقین هے ، یه لوگ صدق دل سے ان عقائد کو نہیں مانتے ، اسی لئے ان لوگوں کی مذهبی تسکین سے حاصل کی هوئی مسرت کا کوئی بهروسا نہیں ، اسی لئے میں ان کی اس مسرت میں شریک نہیں هو سکتی ۔

. . . . اس فلسفیانہ گفتگو کے لئے معذرت خواہ ہوں ۔ تم نے اپنے قصبے والوں کی دقیانوسیت کی جو شکایت تحریر کی ہے ، یہ فلسفیانہ گفتگو اسی کا نتیجہ ہے ۔ قصبے والوں کی دقیانوسیت کا سختی سے جائزہ نہ لو . . . معاشرتی اور سیاسی دقیانوسیت عام طور پر مذہبی دقیانوسیت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے ، اور موخرالذکر کو ''مسرت'' کا نام دیا جاتا ہے . . . . ہمارے لئے تو یہ مسرت ناقابل فہم بن چکی ہے ، جہاں تک میری ذات کا تعلق ہے میں نے کبھی کسی کو ارتداد کی طرف مائل نہیں کیا ہے ، ہر شخص کو اپنے عقائد پر اختیار ہے ، اسے انہی عقائد پر قائم رہنے دو ، کیونکہ وہ دیانت داری سے ان پر قائم رہنا چاہتے ۔ مجھے تو بس مذہبی ریا کاری سے چڑ ہے . . . . اور مذہبی ریا کاری اتنے وسیع پیمانے پر پھیلی ہوئی جتنے کہ سچے عقائد عنقا ہیں . . . . میں ریا کاری سے نفرت کرتی ہوں لیکن میں مخلصانہ مذہبی جذبات کا احترام کرتی ہوں ، جب میں مخلص مذہبی لوگوں سے ملتی ہوں تو خواہ وہ تنگ نظر ہی کیوں نہ ہوں ، میں ان کا احترام کرتی ہوں . . . .

مانیا بنام جوزف ، ۲۰ مئی ۱۸۸۷ء

مجھے اب تک نہیں معلوم ہے کہ میری شاگرد اندزیہ امتحانات میں شریک ہوگی یا نہیں ، لیکن میں اس سلسلے میں بڑی کوفت میں مبتلا ہوں ۔ اس کی توجہ اور حافظہ اتنا کمزور اور غیریقینی ہے . . . . . یہی حال جیولک کا ہے ۔ انہیں پڑھانا ریت پر عمارت بنانے کے مترادف ہے ، کیونکہ وہ جب نیا سبق پڑھتے ہیں تو ایک دن پہلے کا پڑھا ہوا سبق بھول چکے ہوتے ہیں ۔ بس کچھ نہ پوچھو مجھے کتنی کوفت ہوتی ہے ۔ پھر یہ بھی ہے کہ میں اپنے بارے میں بہت

خوف زدہ ہوں ۔ مجھے ہر وقت یہی محسوس ہوتا ہے کہ میں بہت زیادہ کند ذہن ، غبی ، اور بیوقوف ہوتی جا رہی ہوں ۔ دن تیزی سے گزرتے چلے جارہے ہیں اور میں کوئی قابل ذکر ترقی نہیں کررہی ہوں ۔ میں پڑھنے بیٹھتی ہوں تو دیہاتی لڑکوں کا ہجوم مجھ سے پڑھنے کے لئے آجاتا ہے ، اب بھی مجھے یہی محسوس ہوتا ہے کہ ایسے کوئی حالات نہیں ہیں کہ میں توکل کروں ۔ میں تو صرف اس قدر سمجھ لینا چاہتی ہوں کہ میں بس اسی مصرف کی تھی ۔ لیکن یہ احساس تصور بھی نہیں ہوتا . . . .

اس کے بعد وہ ایک خط میں ہیلا کا ذکر کرتی ہے جس کی ایک شخص کے ساتھ شادی کی نسبت ہو کر ٹوٹ چکی تھی ۔

میں اچھی طرح سمجھ سکتی ہوں کہ ہیلا کی عزت نفس کتنی مجروح ہوئی ہوگی ، حقیقت یہ ہے کہ اس سے مردوں کے بارے میں ایک اچھی رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے ! اگر وہ غریب لڑکیوں سے شادیاں کرنا نہیں چاہتے ، تو وہ انہیں جہنم میں جانے دیں ! ان سے کہتا کون ہے کہ وہ شادیاں کریں ، لیکن وہ معصوم دلوں کو مجروح کیوں کرتے ہیں ۔ اگر اسے کوئی تسکین دے سکتا ہے تو تم دے سکتے ہو ۔ میں اکثر سوچا کرتی ہوں کہ تمہارا کاروبار کیسے چل رہا ہوگا اور یہ کہ تم وارسا میں مطب قائم کرکے پشیمان یا رنجیدہ تو نہیں ہو ۔ سچ جو پوچھو تو مجھے اس سلسلے میں الجھن نہیں ہے ، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ تم اپنا کاروبار بخیر و خوبی چلا رہے ہوگے ۔ مجھے اس پر یقین کامل ہے ۔ رہ گئی بےچاری عورت ذات یعنی بےچاری "بابا" ۔ ۱ تو اس کے لئے

۱۔ "بابا" پولش زبان میں عورت کے لئے ایک مذاقیہ نام ۔

ہمیشہ ادنیٰ درجہ کے پریشان کن مسائل کھڑے رہتے ہیں ۔ لیکن حد یہ ہے کہ میں بھی تھوڑی سی پر امید ہوں اور سوچا کرتی ہوں کہ میں بالکل گوشۂ گمنامی میں غائب نہ ہوں گی اور شاید کوئی نہ کوئی کار نمایاں کر چلوں گی . . . .

مانیا بنام ہنریٹا ، ۱۰ دسمبر ۱۸۸۷ء

. . . . میری شادی کے بارے میں تم نے جو کچھ بھی سنا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے ۔ یہ من گڑھت کہانی دیہات میں پھیلی ہے اور حد یہ ہے کہ وارسا تک پہنچی ہے ۔ گو اس میں میری کوئی خطا نہیں ہے ، لیکن میرا جی لرزتا ہے کہ اس سے میں کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جاؤں ، کیونکہ مستقبل کے بارے میں میرے بڑے شریفانہ منصوبے ہیں ۔ ایک تو میں نے یہ خواب دیکھا ہے کہ میں ایک گوشے میں اپنے باپ کے ساتھ زندگی گزاروں گی ۔ میرا دکھیارا باپ میرے نہ ہونے سے بہت مغموم رہا کرتا ہے ، وہ چاہتا ہے کہ میں گھر پر رہوں ، اس کے پاس رہوں ۔ وہ میرے لئے جی رہا ہے ، میں دوبارہ خود مختار ہونا چاہتی ہوں ، اور زندگی گزارنے کے لئے مجھے ایک گوشے کی ضرورت ہے ، جہاں میں اپنی بقیہ نصف زندگی گزار سکوں ۔ اس لئے جب بھی میں شادی کے امکانات دیکھوں گی روس کی سکونت فوراً ترک کر دوں گی ، لیکن فی الحال میں چھوڑنا نہیں چاہتی ۔ کچھ روز تک اسی صورت میں چھوڑنا نہیں چاہتی ۔ میں وارسا میں قدم جماؤں گی اور وہاں کے مدرسۂ نسواں میں استانی کی جگہ حاصل کروں گی اور درس و تدریس میں اپنی باقی زندگی گزاروں گی ۔ بس تو میں تو یہی چاہتی ہوں ۔

زندگی کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کے بارے میں پریشان ہوا جائے . . . .

مانیا بنام جوزف ، ۱۸ مارچ ۱۸۸۸ء

میرے پیارے جوزیو بھیا ، اس خط پر جو ٹکٹ میں لگا رہی ہوں بس وہی میرے پاس آخری ٹکٹ تھا . . . . اور اب حقیقی معنوں میں میرے پاس ایک پھوٹی کوڑی بھی نہیں ہے ۔ ایک پیسا بھی نہیں ہے ۔ کوئی پیسا نہیں ہے ۔ تعطیلات تک شاید میں اب تم کو کوئی خط نہ لکھ سکوں گی ، تاوقتیکہ اتفاقاً کوئی ڈاک کا ٹکٹ میرے ہاتھوں پر گر پڑے ۔

اس خط کے لکھنے کا حقیقی منشا یہ تھا ، میں تمھیں سالگرہ پر مبارک باد کہہ سکوں اور تمہارے لئے دعائے خیر کر سکوں، لیکن اس سلسلے میں تاخیر ہو گئی ہے اور وجہ صرف پیسے کی کمی ہے ۔ اور میرے پاس ڈاک کے ٹکٹ نہیں ہیں ۔ ان ٹکٹوں نے غائب ہو کر مجھے بہت اذیت دے رکھی ہے ۔ اور مجھے اب تک کسی سے ٹکٹ مانگنے کا سلیقہ نہیں آ سکا ہے ۔

. . . . میرے پیارے جوزیو بھیا کاش تم یہ جان سکتے کہ میں آہ کیسے بھرتی ہوں اور صرف چند روز کے لئے اپنے وارسا آنے کے لئے کیسا تڑپتی ہوں ! میں اپنے کپڑوں کے بارے میں کچھ نہ کہوں گی، جو پھٹ چکے ہیں ، اور رفو کے محتاج ہیں ، لیکن میری روح کی بھی تو دھجیاں اڑ گئی ہیں ۔ آہ ۔ کاش میں اس برفانی ماحول کے تنقیدی حلقے سے چند روز کے لئے نکل سکتی ، کیونکہ

میرے الفاظ میری کڑی نگرانی کر رہے ہیں۔ میرے چہرے اور میرے حرکات و سکنات سے بہت کچھ ظاہر ہو رہا ہے ! . . . . میں جانتی ہوں کہ جس طرح شدید گرمیوں میں ٹھنڈے پانی کے غسل کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح مجھے فوری طور پر تبدیلئی آب وہوا کی ضرورت ہے۔

برونیا کو خط لکھے ہوئے بہت عرصہ ہو چکا ہے ، یقیناً اس کے پاس بھی ڈاک کے ٹکٹ نہ ہوں گے . . . . اگر تم ایک ٹکٹ کا ایثار کرسکو تو میں منت کرتی ہوں کہ مجھے خط لکھو ، مجھے خط لکھو ، خوب اچھا سا اور خوب طویل خط ، جس میں گھر کے تمام حالات ہوں ، کیونکہ والد اور ہیلا کے خطوط میں واویلا کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا ، میں خود سے پوچھا کرتی ہوں کہ واقعی حالات اتنے بدتر ہو چکے ہیں ۔ میں خود ہی بہت پریشان ہوں اور ان پریشانیوں سے میری پریشانیوں کی مقدار میں اور اضافہ ہو جاتا ہے ۔ میں یہاں کی پریشانیاں بیان کر سکتی ہوں ، لیکن بیان کرنا نہیں چاہتی ۔ اگر برونیا کا خیال نہ ہوتا تو میں زیڈ گھرانے سے اسی لمحہ استعفیٰ دے چکی ہوتی اور دوسری نوکری تلاش کرتی ، حالانکہ یہاں بڑی اچھی تنخواہ ملتی ہے ۔

مانیا کا خط اس کی سہیلی کازیا کے نام (جس نے اپنی شادی کی نسبت کا ابھی ابھی اعلان کیا ہے اور جس کے پاس مانیا چند روز کے قیام کے لئے بہت جلد جانے والی ہے)

---

۲۵ اکتوبر ۱۸۸۸ء

. . . . تم نے مجھ پر کبھی بھروسا نہ کیا اور مجھے ہمیشہ مسخرہ اور جذباتی سمجھا . . . . پھر میں جو تمھاری منہ بولی جھوٹی بہن ہوں ، تم سے تعلق رکھنے والی ، کسی بات کا اثر کیوں نہ لوں میں تو ایسا اثر لیتی ہوں جیسے میرا ہی معاملہ ہو۔ رہا میرا معاملہ میں بہت خوش ہوں اور بعض اوقات مجھے اپنی خوشی قہقہہ میں دبانا پڑتی ہے ۔ میں نے یہی سیکھا ہے کہ جب آدمی بہت زیادہ حساس ہو جیسی کہ میں ہوں کہ اپنی طبیعت نہیں بدل سکتی تو مجھ جیسوں کو یہ کرنا چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے اپنی کیفیات کو چھپاؤں ، لیکن کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ نسخہ کارگر ہے اور کسی صورت سے بھی مفید مطلب ہے ، ہزگر نہیں ! اکثر یہ ہوتا ہے کہ میری طبیعت کا جوشیلا پن بتدریج ختم ہو جاتا ہے اور پھر کوئی کچھ نہیں کہتا ، نہ کوئی اظہار افسوس کرتا ہے ، نہ غیر معمولی تعظیم ۔

میری گفتگو میں تلخی آگئی ہے کازیا لیکن تم جانتی ہو . . . تم نے مجھے لکھا ہے کہ تم نے ابھی اپنی زندگی کا سب سے زیادہ خوش کن ہفتہ گزارا ہے اور میں نے ان چھٹیوں میں ایسے ہفتے گزارے ہیں جن کا اندازہ تم کبھی نہ کر سکوگی ۔ بس یہ سمجھ لو بڑے مشکل دن گزرے ہیں ۔ لیکن جس چیز سے تسکین ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ میں مصائب اور آلام کے چکر سے دیانتداری اور سربلندی کے ساتھ گزر آئی ہوں (تم جانتی ہو میں نے زندگی میں ابھی شکست نہیں تسلیم کی ہے اور مجھے وہ گاڑی اب تک یاد ہے جس میں استانی میسر آتی نہیں . . . نفرت کی پوٹ)

. . . . . کازیا تم کہوگی کہ میں جذباتی ہوتی جا رہی ہوں لیکن ڈرو نہیں میں کسی ایسے گناہ کی مرتکب نہ ہوں گی جو میری طبیعت کے بالکل خلاف ہو۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ میں چند روز سے اعصابی گھبراہٹ کا شکار ہو گئی ہوں ، کچھ لوگ ہیں جو میری اس اعصابی گھبراہٹ کے ذمہ دار ہیں ، لیکن اس کے باوجود جب تمہارے پاس آؤں گی تو تم مجھے ہمیشہ کی طرح مسرور اور آزاد پاؤ گی ۔ کتنی بہت سی باتیں ہمیں ایک دوسرے سے کرنی ہیں ! میں اپنے همراه لگام لے کر آؤں گی تاکہ جب بہت زیادہ گفتگو ہو جائے تو ہم دونوں زبان کو لگام دے سکیں ، ورنہ ہوگا یہ کہ ساری ساری رات باتیں کرکے ہم دونوں گزار دیں گے اور صبح صادق تک بستر پر لیٹنے کی نوبت نہ آئے گی ۔ کیا تمہاری امی مجھے لیمن اور چاکلیٹ کی آئس کریم کھلائیں گی ، جیسا کہ وہ پہلے کھلاتی رہی ہیں ؟

مانیا بنام جوزف ، ۱۸۸۸ء

میں معموم ہو کر اپنے کیلنڈر کی طرف دیکھتی ہوں ، آج کے دن مجھے ڈاک کے پانچ ٹکٹ مل گئے اور خط لکھنے کے کاغذ کا کوئی حساب نہیں ، اس لئے میں بہت جلد تم سے کچھ نہ کچھ کہنے کے موڈ میں ہو جاؤں گی ۔

ذرا سوچو تو سہی میں ایک کتاب علم کیمیا پڑھ رہی ہوں ، تم خود ہی تصور کرسکتے ہو کہ کتاب پڑھ کر کیا پلے پڑے گا ، لیکن میں کیا کر سکتی ہوں میرے پاس کوئی جگہ نہیں جہاں میں کیمسٹری کے تجربات کر سکوں ۔

برونیا نے پیرس سے مجھے ایک چھوٹا سا البم بھیجا ہے ، بڑا ہی دیدہ زیب ہے ۔

مانیا بنام ہنریٹا ، ۲۵ نومبر ۱۸۸۸ء

میں بہت زیادہ مغموم رہتی ہوں ۔ ان دنوں بڑی خوفناک پچھمی ہوا چلتی ہے اور بارش مستزاد ہے ، پھر ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہو جاتی ہے ۔ آج آسمان کسی قدر رحم دلی کا ثبوت دے رہا ہے ، لیکن ہوا اب بھی چمنی میں غرا رہی ہے ، برف کا دور دور تک پتا نہیں ہے اور اسکیٹس مایوسی سے لٹک رہے ہیں ۔ میرے خیال میں تم بھی اپنے گاؤں میں پریشان ہوگی ۔ ہمیں کہرے سے کچھ فائدہ پونچتا ہے ؟ اس طوفان بادوباراں میں جب کہرا شامل ہو جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ قدامت پسندوں اور ترقی پسندوں میں بحث چھڑ گئی ہے . . . . . . یہ خیال نہ کرو کہ تمہاری کہانیوں سے میں بور ہوتی ہوں بلکہ میں تو انہیں پڑھ کر حقیقی طمانیت حاصل کرتی ہوں اور یہ سوچ کر خوشی ہوتی ہے کہ کچھ ایسے جغرافیائی علاقے بھی ہیں جہاں لوگ متاثر ہونا اور سوچنا بھی جانتے ہیں ۔ تم تو ایک تحریک کے مرکز میں زندگی بسر کر رہی ہو ، لیکن میری حالت اس کیڑے کی سی ہے جو دریا کے پانی کو گندا کرتا ہے لیکن میں اس غنودگی کی حالت سے بہت جلد نکلنے والی ہوں ۔

میں حیران ہوں کہ اگر تم مجھے دیکھوگی تو تم فیصلہ کرسکوگی کہ چند سال جو میں نے انسانوں میں رہ کر گزارے ہیں

انھوں نے مجھے کچھ فائدہ پہونچایا یا نقصان ۔ ہر شخص کہتا ہے کہ میں زوسکی میں رہ کر بہت بدل چکی ہوں ۔ جسمانی طور پر بھی اور ذہنی طور پر بھی ۔ یہ تعجب کی بات نہیں ہے ، میں جب یہاں آئی تھی تو صرف اٹھارہ برس کی تھی اور نہ جانے کن کن حالات سے گزری ہوں ۔ یہاں کچھ ایسے لمحے گزرے ہیں ، جنہیں میں زندگی کے نہایت کرب انگیز لمحے سمجھتی ہوں ، میں تمام باتوں کو بڑی شدت کے ساتھ سوچتی ہوں اور اعصابی دباؤ محسوس کرتی ہوں ، پھر مجھ پر ایک لرزہ طاری ہوتا ہے ، میری طبیعت کی مضبوطی فتح پاتی ہے اور پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں کوئی بھیانک خواب دیکھ کر اٹھی ہوں . . . . . پہلا اصول :

افراد اور واقعات سے شکست نہ کھاؤ ۔ میں ان گھنٹوں اور دنوں کو گنتی ہوں جو مجھے یہاں سے رخصت کریں گے ، میں اس لمحہ کو بھی بھول نہ سکوں گی جب میں اپنے لوگوں کی طرف روانہ ہوں گی ۔ اب نئے تاثرات کی ضرورت ہے ۔ زندگی میں تبدیلی کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت اتنی شدید ہے کہ بعض اوقات محض تبدیلی کی خاطر احمقانہ حرکتیں کرنے کو جی چاہتا ہے ۔ اگر میری زندگی کا جائزہ لیا جائے تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ۔ قسمت دیکھو کہ مجھ پر کام کا اتنا بوجھ پڑا کہ ان حملوں نے مجھے آ دبوچا ، یہاں میرا آخری سال ہے ، اس لئے میں بڑی محنت سے کام کروں گی تا کہ بچوں کا امتحان بخیر ہو جائے ۔

ساتواں باب

گریز

تین سال گزر گئے - تین سال سے " اسنانی ماریا "، اتالیق کے فرائض انجام دے رہی تھیں - یہ بڑے ہی عجیب و غریب سال گزرے ہیں - کام زیادہ اور آمدنی صفر، چند چھوٹی چھوٹی خوشیاں اور ایک بڑا غم - لیکن اب یہ چھوٹی چھوٹی منزلیں ختم ہوئیں اور نوجوان لڑکی کے المناک جمود ختم ہونا شروع ہوا، برس میں، وارسا میں اور زوسکی میں کئی ایسے واقعات ہوئے جو بظاہر چھوٹے چھوٹے تھے لیکن مانیا کے لئے پراسرار ڈرامے تھے، اور ان ہی سے مانیا کے مقدر کا فیصلہ ہوگیا -

مسٹر اسکولڈووسکی کو پنشن مل گئی اور اب وہ روزگار تلاش کرنے لگے، وہ اپنی لڑکیوں کی مدد کرنا چاہتے تھے - اپریل ۱۸۸۸ء میں انہوں نے ایک بڑی واہیات سی نوکری قبول کر لی " اسٹوڈی ناک "، جو وارسا سے زیادہ دور نہ تھا، وہاں کے ایک فارم اسکول کے ڈائریکٹر کا عہدہ قبول کر لیا، اسکول کا ماحول وہاں کی فضا اور وہاں کا گرد و پیش نہایت ناخوشگوار تھا، یہ سب باتیں ٹھیک تھیں لیکن تنخواہ بہت کافی تھی - بوڑھا آدمی اس رقم کا کافی حصہ ہر مہینے اپنی بیٹی برونیا کو بھیج دیا کرتا تھا -

برونیا نے پہلا کام یہ کیا کہ مانیا کو خط لکھ دیا کہ وہ اب کوئی رقم نہ بھیجے، دوسرا کام یہ کیا کہ اس نے اپنے باپ کو لکھا کہ وہ جو ہر ماہ اسے چالیس روبل بھیجتا ہے اس میں سے

ہر ماہ آٹھ روبل کاٹ لیا کرے ، ان آٹھ روبلوں سے وہ اپنی چھوٹی بہن کا قرض ادا کرنا چاہتی تھی - اسی وقت سے مانیا کے بھاگ جاگنے لگے -

پیرس میں میڈیکل کالج میں پڑھنے والی طالبہ کے خط میں دوسری خبریں بھی تھیں - وہ محنت کر رہی تھی ، وہ اپنے امتحانات کامیابی سے پاس کر رہی تھی اور اس نے عشق بھی کر رکھا تھا ، پول کازیمبرڈولوسکی سے اس کا معاشقہ چل رہا تھا ، وہ اس کا کلاس فیلو تھا - ذہین اور حسین تھا اور بڑی خوبیوں کا نوجوان تھا ، اس میں ایک ہی خامی تھی کہ وہ روسی پولینڈ سے بھگا دیا گیا تھا اور حکومت نے اسے دھمکی دے رکھی تھی کہ اگر وہ کبھی روسی پولینڈ میں داخل ہوا تو اسے جلاوطن کر کے سائبیریا بھیج دیا جائے گا -

زوسکی میں مانیا کا کام ختم کے قریب تھا - ۱۸۸۹ء میں ''سینٹ جان ڈے'' منانے کے بعد ''زیڈ'' خاندان کو اس کی خدمات کی مزید ضرورت نہ رہے گی - قدرتاً وہ کوئی دوسری ملازمت تلاش کر لے گی - نوجوان اتالیق کی نظر میں پہلے ہی سے ایک ملازمت تھی ، وہ وارسا کے دولت مند صنعت کار ایف - ایس کے گھر نوکری کرنے کو تھی - یہ بہرحال ایک خوشگوار تبدیلی ہوگی ، ایسی تبدیلی جس کے لئے مانیا عرصہ سے مشتاق تھی -

---

مانیا بنام کازیا ، ۱۳ مارچ ۱۸۸۹ء

پانچ ہفتوں کے بعد ایسٹر آ جائے گا . . . . . میرے لئے یہ ایک بڑی اہم تاریخ ہوگی ، کیونکہ اس وقت میرے مستقبل کا فیصلہ ہوگا ۔ ایف ۔ ایس کی نوکری کے علاوہ مجھے ایک اور ملازمت کی پیش کش کی گئی ، ان دونوں کے درمیان تذبذب کی حالت میں ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں ۔

. . . . مجھے تو بس ایسٹر کا بار بار خیال آتا ہے ۔ میرا دماغ منصوبوں سے بھرپور اور شعلہ فشاں ہے ۔ مجھے نہیں معلوم کہ میرا کیا حشر ہوگا ، تم جانتی ہو کہ "مانیا" ان دنوں بہت مراقی اور وہمی ہو رہی ہے ۔

الوداع اے سرزمین زوسکی ۔ چقندر کے کھیتو! تمہیں آخری سلام ۔ دوستانہ تبسم کے ساتھ . . . دونوں طرف سے فضا دوستانہ تھی ۔ "مانیا" زیڈ گھرانے سے رخصت ہوئی ۔ اسے نجات مل گئی ، وہ وارسا پہنچ گئی اور اس نے وطن کی ہوا میں خوشی کے ساتھ سانس لی ۔ پھر وہ دوبارہ وہاں سے رخصت ہوئی ، زوپاٹ جانے والی ٹرین پر سوار ہوئی ، یہ خلیج بالٹک کے کنارے ایک ویران سا مقام تھا جہاں اسے نئی نوکری ملی تھی ۔

مانیا بنام کازیا ، ۱۴ جولائی ۱۸۸۹ء

. . . . میرا سفر بخیریت تمام ہوا ، حالانکہ میں بہت مغموم تھی . . . کسی نے مجھے لوٹا نہیں نہ کسی نے ایسی

کوشش کی ، میں غلط ٹرین پر بھی نہیں بیٹھی ، حالانکہ اس سفر میں پانچ مرتبہ ٹرین بدلنا پڑی ، جو کچھ ناشتا تھا میں نے سب کھا لیا اور ناشتا مقدار میں بہت زیادہ تھا ۔ راستے بھر مجھے مشفق نگراں ملے جنھوں نے مجھے ہر طرح کی سہولت پہنچائی ، اس ڈر سے کہ کہیں وہ میرا ناشتا نہ کھالیں میں نے انہیں دکھایا ہی نہیں ۔

مسٹر اور لیڈی ایف اسٹیشن پر میرے استقبال کو آئے ، وہ دونوں بہت نفیس ہیں ۔ ان کے بچے میرے ساتھ نتھی کردئے گئے ہیں ۔ آئندہ سب خیریت رہے گی اور رہنا بھی چاہئے ۔

شولز ہوٹل کی زندگی موسم گرما میں کچھ زیادہ خوش کن نہ تھی ، وہاں سے مانیا لکھتی ہے "ایک ہی طرح کے آدمیوں کو ہمہ وقت دیکھنا پڑتا ہے اور یہ لوگ کر ہاؤس کے ارد گرد نظر آتے ہیں ۔ جہاں یہ لوگ صرف لباسوں اور دوسری دلچسپیوں کا ذکر کرتے ہیں ۔ آج کل سردی ہے ، ہر شخص گھر میں پڑا رہتا ہے ۔ مسٹر اور لیڈی ایف ، ان کی والدہ . . . ان سب کا مزاج ان دنوں ایسا ہے کہ میرا جی چاہتا ہے کہ کسی چوہے کے بل میں چھپ جاؤں ، کاش میں ایسا کرسکتی ۔

لیکن بہت جلد مالکان ، ان کے بچے ، اور اتالیق وارسا واپس آگئے ، اور موسم سرما گزارنے کے لئے رم جم گئے ۔

آنے والا سال نوجوان لڑکی کے لئے نسبتاً ایک خوشگوار واقعہ تھا ۔ لیڈی ایف بڑی حسین اور دولت مند تھیں ، ان

کے پاس سمور کے لباس اور جواہرات تھے ۔ ان کے کچھ لباس بہت قیمتی تھے اور ان کی ایک تصویر کمرے میں آویزاں تھی جس میں وہ شام کا لباس پہنے تھیں ۔ اس اثناء میں مانیا ایک تماشائی کی حیثیت سے ایک دلکش خاتون سے مانوس ہوئی ۔ دولت مند خاتون کے پاس ایسی ایسی قیمتی چیزیں تھیں جو اسے کبھی نصیب نہ ہوں گی ۔ اول تعیش ، آخر تعیش ! اور ایسی خاتون کے ساتھ مانیا منسلک تھی ۔ لیڈی صاحبہ ہر وقت مانیا کے گن گاتی تھیں اور چاہتی تھیں کہ تمام چائے کی دعوتوں اور رقص کی محفلوں میں مانیا ان کے ساتھ رہے ۔

ایک دن اچانک دروازے پر زور سے دستک ہوئی ۔ ڈاکیے نے ایک خط دیا ، یہ پیرس سے آیا تھا ۔ یہ بہت عجلت میں لکھا گیا تھا ۔ چوکور کاغذ پر لکھا تھا اور برونیا نے یہ خط آپریشن تھیٹر میں دو قسطوں میں لکھا تھا ۔ اس خط میں نیک لڑکی نے مانیا کو اپنے نئے گھر میں آنے کی دعوت دی تھی اور از راہ مہمان نوازی لکھا تھا کہ وہ آنے والے سال میں پیرس آئے ۔

برونیا بنام مانیا ، مارچ ۱۸۹۰ء

. . . . اگر حالات ویسے ہی رہے جیسے کہ مجھے توقع ہو، تو میں یقیناً تعطیلات کے آغاز ہی میں شادی کر لوں گی ۔ اس وقت تک میرے ہونے والے شوہر ڈاکٹر بن چکے ہوں گے اور میرے لئے صرف آخری امتحان پاس کرنا باقی رہ جائے گا ۔ آئیندہ سال بھی ہم دونوں پیرس میں رہیں گے ، اس سال میں اپنا امتحان

دوں گی ، اور اس کے بعد ہم لوگ پولینڈ واپس آجائیں گے - مجھے اپنے منصوبے میں کوئی بات غیرمعقول نظر نہیں آتی - اگر تم مجھے غلطی پر دیکھو تو ٹوک دو - یاد رہے کہ میں اب چوبیس سال کی ہوں . . . . یہ کوئی خاص عمر نہیں ہے . . . . لیکن اس کی عمر چونتیس سال ہے، اس لئے وہ زیادہ سنجیدہ ہے ، زیادہ انتظار کرنا حماقت ہے -

. . . . اور اب ، تم میری ننھی مانیا ، اب تم اپنی زندگی سنوار لو - اگر تم کہیں سے چند سو روبل حاصل کر سکو تو تم آئندہ سال پیرس چلی آؤ اور ہمارے ساتھ رہو ، اس طرح سمجھ لو کہ تمہارے طعام اور قیام کا بندوبست تو ہوگیا لیکن ساربون (یونیورسٹی) میں فیس کے لئے قطعی طور پر چند سو روبلوں کی ضرورت ہوگی - پہلا سال تو تم ہمارے ساتھ گذاروگی ، رہا دوسرے اور تیسرے سال کا معاملہ تو میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ باوجود نا خوشگوار حالات کے والد قطعی تمہاری مدد کریں گے - تم یہ فیصلہ ضرور کرلو ، کیونکہ تم کو انتظار کرتے کافی عرصہ ہوگیا ہے - میں ضمانت کرتی ہوں کہ دو برس میں تم ماسٹر کی ''ڈگری'' حاصل کر لوگی اس بارے میں سوچو ، روپیہ جمع کرو ، کسی محفوظ جگہ پر رکھو، اور کسی کو ادھار نہ دو، ہو سکتا ہے کہ روبل کا فرانک میں اچھے پیمانے پر تبادلہ ہو جائے ، کیونکہ آج کل ہماری کرنسی چڑھی ہوئی ہے ، ممکن ہے بعد میں گر جائے . . . .

شاید کوئی سوچے کہ جوشیلی مانیا نے فوراً اپنی بہن کو جواب دیا ہوگا کہ وہ خط پا کر خوشی سے پاگل ہوگئی ہے اور

وہ فوراً آ رہی ہے ، لیکن ایسی کوئی بات نہیں ہوئی ۔ سالہا سال کی جلا وطنی اور تنہائی نے اس غیر معمولی لڑکی کو عجیب ہی طبیعت کا بنا دیا تھا ۔ اس کے زخم مندمل ہونے کے بجائے اور بڑھ گئے ، اس کی مسلسل بدقسمتی نے اسے اس قابل بنا دیا تھا کہ وہ دانستہ طور پر نادر موقع کھو بیٹھے ، اس نے اپنے باپ کے ساتھ رہنے کا وعدہ کیا تھا ، وہ اپنی بہن ہیلا اور بھائی جوزف کی مدد کرنا چاہتی تھی ، اس لئے وہ باہر نہ جانا چاہتی تھی ، چنانچہ اس نے برونیا کے دعوت نامے کا یہ جواب دیا ۔

مانیا بنام برونیا ، ۱۲ مارچ ۱۸۹۰ء (از وارسا)

پیاری برونیا میں بھی احمق تھی ، اب بھی احمق ہوں اور آئندہ تمام زندگی احمق رہوں گی ، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لو کہ میں کبھی نہیں تھی ، میں اب بھی نہیں ہوں اور میں آئندہ کبھی خوش قسمت نہ بن سکوں گی ۔ میں نے پیرس کو ہمیشہ اپنا مقام نجات تصور کیا ہے ، لیکن وہاں جانے کی امید بہت عرصہ سے رخصت ہو چکی ہے اور اب جو مجھے دعوت دی گئی ہے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں . . . . مجھے اس سلسلے میں والد سے بات کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ ہم دونوں کے ساتھ ساتھ رہنے کے منصوبے سے انہیں خوشی ہوگی اور وہ اسے پسند کرتے ہیں ۔ میں انہیں اس بڑھاپے میں تھوڑا سا آرام پہنچا نا چاہتی ہوں ۔ دوسری طرف میرا دل ٹوٹ جاتا ہے جب میں سوچتی ہوں کہ میری صلاحیتیں برباد ہوتی جا رہی ہیں ، میری صلاحیتیں یقیناً بہت قیمتی ہیں ۔ بہر حال

کچھ نہ کچھ ہو کر رہے گا ۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں نے هیلا سے وعدہ کیا ہے کہ میں اسے سال بھر کے اندر اندر گھر واپس بلا لوں گی اور وارسا میں اس کے لئے ملازمت تلاش کروں گی ۔ تمہیں کوئی اندازہ نہیں ہے کہ میں اس کے لئے کتنا مغموم رہتی ہوں ! وہ ہمیشہ ہمارے خاندان کی حقیر بچی بن کر رہے گی ، اور میں اسے اپنا فرض سمجھتی ہوں کہ اس کی مدد کروں ۔ اس غریب کو میری مدد کی ضرورت ہے . . . .

. . . . . لیکن برونیا تم ، میں تم سے سخت کرتی ہوں کہ تم تن من دھن سے جوزف کی بھلائی پر کمر بستہ ہو جاؤ ، اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ تمہارا کام نہیں ہے تو اس کی مدد پھر اور کون کرے گا ۔ بہرحال انجیل میں لکھا ہے کہ (میں لفظی ترجمہ کرتی ہوں) "دستک دو دروازہ کھل جائے گا"، اگر تم تھوڑا سا ایثار کرنے پر مجبور ہو جاؤ تو کیا مضائقہ ہے ؟ مخلصانہ درخواست سے کسی کو غصہ نہیں آتا ۔ اب میں کیسے جانوں کہ یہ خط مجھ کو کیسے لکھنا چاہئے تھا ۔ تم لبڈی صاحبہ سے کہو کہ کسی بڑی رقم کا سوال نہیں ہے صرف چند روبلوں کا سوال ہے ، تاکہ جوزف وارسا میں رہ سکے اور مطالعہ اور پریکٹیس کر سکے ، اسی پر اس کے مستقبل کا انحصار ہے ، اور اگر یہ مدد نہ کی گئی تو اس کی بہترین صلاحیتیں تباہ ہوجائیں گی . . . . مختصر یہ کہ تم سب کچھ لکھو اور آخر میں میری پیاری برونیکا تم سادگی سے روپیہ قرض مانگ لو ۔ وہ برا نہ مانیں گی ۔ کیا یہ کامیابی کا طریقہ نہیں ہے اور اگر تمہیں شرم

کا اندیشہ ہے تو پھر کیا ہوا ؟ اگر مقصد حاصل ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے ، کیا یہ کوئی بڑی التجا ہے ؟ کیا لوگ اس سے بڑی بڑی باتیں نہیں کرتے ۔ تمہاری اس درخواست سے جوزف سوسائٹی کے لئے مفید کام کر سکے گا ، اور اگر اس نے دیہات کی طرف رخ کیا تو وہ برباد ہو جائے گا ۔

میں نے ہیلا ، جوزف ، والد اور خود اپنے ناخوش گوار مستقبل کا ذکر کر کے تمہیں بور کیا ہے ، لیکن میرا دل زخم خوردہ ہے ، اتنا مغموم ہے کہ میں محسوس کرتی ہوں کہ میں نے تم سے اتنی بہت سی باتیں کرکے کتنا غلط کیا ہے ۔ میں نے تمہاری مسرتوں کی مٹھاس میں زہر گھول دیا ہے ، مگر میں کیا کروں ، تمہیں تو ایک ہو جو ہم سب میں سب سے زیادہ خوش نصیب ہو ۔ مجھے معاف کر دو ، لیکن دیکھ تو سہی کہ کتنی بہت سی چیزوں نے میرے دل کو چھلنی کر دیا ہے ۔ اس لئے میرے لئے مشکل ہے کہ اس خط کو مسرت افزا الفاظ کے ساتھ ختم کروں ۔

خدا حافظ برونیا آئندہ میں مسرور کن خط لکھوں گی ، وہ خط زیادہ طویل ہوگا ، لیکن آج میں اس دنیا میں غیر معمولی طور پر رنجیدہ ہوں، میرے بارے میں نرمی سے غور کرو ، میں تمہاری شفقتوں کو یہیں سے محسوس کر رہی ہوں ۔

برونیا نے اصرار کیا ، بحث کی ، لیکن بد قسمتی سے اس کا طریق استدلال فیصلہ کن نہ تھا، اس کے پاس اتنے بھی دام نہ

تھے کہ وہ اپنی چھوٹی بہن کو کرایہ بھیج دیتی اور تحکم کے ساتھ اسے ٹرین میں بٹھا دیتی -

آخرکار یہ طے پایا کہ مانیا لیڈی کی ملازمت ختم کرے گی تو آئیندہ سال بھی وارسا میں رہے گی - وہ اپنے باپ کے ساتھ رہے گی - جب وہ اپنا کام ختم کر چکے گی تو بوڑھے باپ کی خدمت کرے گی - وہ استانی گیری کرکے پیسے بچائے گی ، دیہاتی زندگی کا جمود ختم ہوا - ایف خاندان سے نجات ملی اور مانیا اس آب و ہوا میں واپس آ گئی جو اسے بہت عزیز تھی - وہ اپنے خاص الخاص مکان میں واپس آ گئی ، بوڑھے پروفیسر اسکولڈووسکی کی موجودگی اور گفتگو سے اسے بہت دل چسپی تھی - اس طرح اس کے ذہن میں تحریک ہوئی - فلوٹنگ یونیورسٹی کے پراسرار دروازے اس کے لئے پھر کھل گئے - بے انتہا مسرتیں حاصل ہوئیں اور مانیا پہلی بار زندگی میں ایک تجربہ گاہ کے اندر خوشی سے کانپنے لگی -

یہ تجربہ گاہ ٦٦ کراکووسکی بولپوارزڈ پر واقع تھی، یہ ایک کوٹھی کے احاطے کے اختتام پر واقع تھی ، باہر سفیدے کے درخت لگے تھے - چھوٹی سی بلڈنگ تھی ، چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں جیسے گلیورلیلی پٹ میں پہنچ گیا ہو - مانیا کے رشتہ کا ایک بھائی جوزف بوگسکی اس تجربہ گاہ کو صنعتی اور زراعتی عجائب خانہ کہا کرتا تھا - ایک مبہم سا نام تھا اور محض روسی حکومت کے ڈر سے رکھا گیا تھا - عجائب خانہ پر حکومت کو شک نہ ہوگا - عجائب خانہ کی کھڑکیوں کے پیچھے پولینڈ کے نوجوانوں کو پوشیدہ طور پر سائنس کی تعلیم دی جا رہی تھی -

اس تجربہ گاہ میں مجھے بہت تھوڑا وقت ملتا ہے (یہ عبارت چند روز بعد ماد ام کیوری لکھنے والی تھیں) عام طور پر ڈنر کے بعد شام کے وقت مجھے کام کرنے کا موقع ملتا تھا یا پھر اتوار کو وقت ملتا تھا، اور مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جاتا تھا۔ میں علم طبعیات اور علم کیمیا کی کتابوں میں لکھے ہوئے تجربات پر عمل کرتی تھی، بعض اوقات غیر متوقع نتائج نکلتے تھے، کبھی کبھی ناکامی اپنا خوفناک چہرہ دکھاتی تھی، کبھی امید کی ٹمٹماتی کرن نظر آتی تھی۔ جب ناکامی کا غلبہ ہوتا تو دل بیٹھ جاتا تھا، کیونکہ تجربات میں ناکامی میرے اناڑی پن کی وجہ سے ہوتی تھی۔ میں مقدور بھر محنت کرتی تھی لیکن مجموعی طور پر ترقی نہیں ہوتی تھی اور نہ اتنی آسان تھی، میں نے تجرباتی تحقیق کے ذوق کی نشونما کی، بس یہی ان ابتدائی تجربات کا حاصل تھا۔

مانیا رات گئے گھر آتی تھی، افسوس کے ساتھ الیکٹرومیٹر، ٹیسٹ ٹیوب اور میزان رکھ دیتی تھی، کپڑے تبدیل کر کے تنگ سے بستر پر لیٹ جاتی تھی، لیکن سو نہ سکتی تھی، ایک خلش جو گذشتہ تمام خلشوں سے مختلف تھی، اسے سونے نہ دیتی تھی۔ ایک طویل اور غیر یقینی وقفہ نے اس کی زندگی کو مشتعل کردیا تھا۔ وہ ایک پوشیدہ حکم کے تعمیل کرنے پر مجبور ہوگئی۔ وہ بہت جلدی میں تھی۔ جب مانیا نے صنعتی اور زراعتی عجائب خانہ کے ٹیسٹ ٹیوبوں کو اپنے ہوشیار ہاتھوں میں پکڑا تو اس نے جادو کا اثر محسوس کیا اور اسے یوں محسوس ہوا کہ بچپن کے دن واپس آ گئے ہیں۔ اسے اپنے والد کے آلات طبعیات یاد

آ گئے ۔ بچپن میں ہمیشہ وہ ان آلات سے کھیلنا چاہتی تھی ، اسے جیسے اپنی گم گشتہ زندگی کے دھاگے کا سرا مل گیا تھا ۔

راتیں بے چینی سے گزرتیں اور دن کر وہ بظاہر پرسکون نظر آتی ، وہ اپنے اضطراب اور بے چینی کو چھپاتی تھی ، وہ اپنے باپ کی زندگی کے آخری دنوں میں اس سے اس طرح مانوس ہوئی تھی کہ وہ اسے ہمیشہ خوش رکھنا چاہتی تھی ، وہ اپنے بھائی کی شادی میں مصروف ہو گئی ، اس نے ہیلا کے لئے نوکری تلاش کی اور پھر شاید خود غرض بن کر اس نے اپنی رخصتی کی تاریخ مقرر کی ۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ اب بھی کازیمیر زیڈ سے محبت کرتی ہے ۔ اگرچہ وہ پیرس کی طرف کشش محسوس کر رہی تھی ، ایک مقناطیسی طاقت اسے کھینچ رہی تھی ، لیکن وہ سال کی جلا وطنی نہ چاہتی تھی ۔

ستمبر ۱۸۹۱ء میں جب مانیا کوہ کار پیتھین میں زیکوپین میں چھٹیاں منا رہی تھی تو وہ وہاں کازیمیر زیڈ سے ملنے گئی تھی ، پروفیسر اسکولڈووسکی برونیا کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

مانیا کو زیکوپین میں ٹھہرنا ہی پڑے گا اور پندرہ تاریخ سے پہلے واپس نہ آسکے گی ، کیونکہ اسے بری طرح سے کھانسی اور زکام ہو گیا ہے ۔ مقامی ڈاکٹر کہتا ہے کہ اگر اس نے وہیں رہ کر صحت نہ حاصل کی تو سردیوں بھر نجات نہ حاصل کر سکے گی ، یہ اس کی غلطی ہے کیونکہ وہ ہمیشہ پرہیز اور احتیاط کا مذاق اڑاتی ہے اور کسی مقام کی آب و ہوا کی شرائط کہ پورا نہیں

کرتی ، اس نے مجھے لکھا ہے کہ وہ بہت مغموم ہے ۔ میں اس کے رنج و الم سے بہت خائف ہوں ، بے یقینی کی یہ کیفیت خدا جانے کیا کرنے والی ہے ۔ اس کے علاوہ وہ اپنے مستقبل کا ایک راز چھپائے ہوئے ہے ، جس کے بارے میں وہ بہر حال مجھ سے گفتگو کرے گی ، لیکن یہ گفتگو بھی اس کی واپسی پر منحصر ہے ۔ سچی بات یہ ہے کہ میں بخوبی تصور کر سکتا ہوں کہ کرنا کیا چاہئے ۔

لیکن میں خود نہیں جانتا کہ میں اس معاملہ میں خوش ہوں گا یا رنجیدہ ، اگر میری پیش بینی درست ہے تو وہی لوگ اس کا پھر دل دکھائیں گے جو پہلے دکھا چکے ہیں ۔ بہرحال یہ اس کے مستقبل کے تعمیر کا سوال ہے اور مستقبل اس کی مرضی کا ہونا چاہئے ۔ دونوں کو خوش رہنا ہے ، لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا . . . .

تم نے اسے پیرس آنے کی دعوت دی لیکن یہ دعوت نامہ غیر متوقع طور پر اس پر پھٹ پڑا ، اس سے اسے بخار رہنے لگا اور وہ پریشان رہنے لگی ۔ میں جانتا ہوں کہ اس میں ایک قوت ہے ، وہ سائنسی صلاحیتوں کو کام میں لانا چاہتی ہے اور سائنس کی طرف اس کا بہت رجحان ہے، لیکن موجودہ حالات بہت نا سازگار ہیں ، سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ اگر وہ مکمل طور پر صحتیاب ہوکر یہاں نہ آئی تو میں اس کے جانے کی مخالفت کروں گا، اگر وہ بیماری کی حالت میں پیرس گئی تو سردیوں میں اور بیمار ہو جائےگی . . . ، اس سے بحث نہیں کہ اس کی جدائی میرے لئے

کتنی تکلیف دہ ہوگی ، اس کے پیرس جانے کا مسئلہ ثانوی حیثیت رکھتا ہے ۔ کل میں نے اسے خط لکھا ہے اور اس کا حوصلہ بڑھانے کی کوشش کی ہے ۔ اگر وہ وارسا میں رہی اور اسے کوئی نوکری نہ ملی تو کم از کم سال بھر تو اسے یقیناً روٹی دے سکتا ہوں ۔

مجھے یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی کہ کازیمیر ترقی کر رہا ہے ۔ یہ کتنے لطف کی بات ہوگی اگر تم دونوں کے شوہر کازیمیر ہوئے !

پیارے پروفیسر اسکولڈووسکی ! مانیا کو دیکھنے کی اسے کوئی آرزو نہیں ۔ مانیا جو اسے بہت عزیز تھی وہ اب عظیم دنیا کی طرف مہم جوئی کے لئے چل پڑا ہے ۔ اس نے کوئی مبہم سی چیز کو ترجیح دی ہے ۔ مثال کے طور پر کازیمیر زیلڈ سے شادی ۔

لیکن زیکوپین میں جب وہ دونوں پہاڑ کی سیر کر رہے تھے تو ایک مسئلہ کی وضاحت ہو گئی ۔ نوجوان طالب علم سینکڑوں مرتبہ اپنے خوف اور تذبذب کو مانیا سے چھپانا چاہتا تھا ، لیکن آخرکار اس نے وہ جملہ کہہ دیا جس سے مانیا کی امیدوں کے محل مسمار ہوگئے ۔

” اگر راستے کی رکاوٹیں دور کرنے کا تمہیں کوئی طریقہ نہیں معلوم تو یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں تمہیں سکھاؤں کہ رکاوٹیں یوں دور کی جاتی ہیں “

اب کیا باقی رہ گیا تھا ۔ اس ملاقات کے چند روز بعد پروفیسر اسکولڈووسکی صرف اس قدر کہنے کو رہ گئے تھے ” مغرور “

لڑکی کا دل ٹوٹ گیا ۔ اس نے وہ دھاگا توڑ ڈالا جس نے اب تک اسے بہت سے کاموں سے روک رکھا تھا ۔ اب اس نے اپنی جلد بازی پر کنٹرول کرنا چھوڑ دیا ۔ پیمانۂ صبر چھلک اٹھا ۔ آٹھ سال تک اس نے انتظار کیا ۔ ھائی اسکول چھوڑے ھوئے آٹھ سال ھوچکے تھے ۔ اتالیق کی نوکری کا آغاز کئے ھوئے چھ برس ھوچکے تھے ۔ اب وہ کوئی نوخیز لڑکی تو تھی نہیں ، جس کے سامنے تمام زندگی پڑی ھو ۔ چند ھفتوں بعد وہ چوبیس سال کی ھو جائے گی ۔

وہ اچانک چیخ اٹھی ، اس نے برونیا کو مدد کے لئے پکارا ۔

مانیا بنام برونیا، ۲۳ ستمبر ۱۸۹۰ء

. . . برونیا اب مجھے واضح جواب دو ، اب فیصلہ کرو کہ کیا تم واقعی اب مجھے اپنے گھر میں ٹھہراؤگی ، کیونکہ اب میں آسکتی ھوں ۔ اب میرے پاس اخراجات برداشت کرنے کے لئے کافی پیسے بھی ھیں ۔ اس لئے اگر بلا تکلف تم مجھے اپنے گھر ٹھہرا سکو اور کھلا سکو تو فوراً تحریر کرو ۔ یہ بڑی خوشی کی بات ھوگی ، کیونکہ ان تکلیفوں کے بعد یہ میرے لئے باعث تسکین ھوگا ۔ گرمیوں کی چھٹیوں میں مجھے بہت اذیتیں پہنچی ھیں ، اور ان اذیتوں کا عکس تمام زندگی مجھ پر طاری رھے گا ، لیکن دوسری طرف صاف بات یہ ھے کہ میں تم پر بوجھ بننا نہیں چاھتی ۔

اب ان دنوں تم امید سے ہو اور تمہارے بچہ ہونے والا ہے ، شاید میں تمہارے لئے مفید ثابت ہو سکوں گی۔ بہر صورت ، مجھے فوراً جواب دے کر آگاہ کرو ۔ اگر میرے آنے کا امکان ہو تو مجھے بتاؤ ، اور مجھے یہ بھی بتاؤ کہ مجھے کون سے امتحانات لازماً پاس کرنے ہوں گے ، اور مجھے قریب ترین تاریخ سے مطلع کرو ، جس کے بعد میں بطور طالبہ رجسٹر ہو سکوں گی ۔ میں یہاں سے روانگی کے احساس سے اعصابی طور پر اتنا گھبرائی ہوئی ہوں کہ جب تک تمہارا جواب نہ آجائے گا ، میرے منہ سے کوئی دوسری بات ہی نہ نکلے گی ۔ میں تمہاری منت کرتی ہوں کہ جواب فوراً دینا ، میرے بہنوئی کو میرا سلام کہنا ۔ تم مجھے اپنے گھر میں چاہے جہاں جگہ دینا ، میں تمہیں پریشان نہ کروں گی ، میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں نہ تمہیں بور کروں گی نہ کسی الجھن میں ڈالوں گی ۔ میں تم سے التجا کرتی ہوں کہ مجھے جواب دینا ، لیکن بہت صافگوئی سے کام لینا ۔

اگر برونیا نے تار سے جواب نہ دیا تو وجہ یہ تھی کہ تار ان دنوں تباہ کن تعیش سمجھے جاتے تھے ۔ اگر سانیا نے خود کو پہلی ٹرین میں نہیں جھونک دیا تو وجہ یہ تھی کہ پہلے اسے اس بڑی روانگی کے لئے کافی تیاری کرنی تھی ، اور بے حد کفایت شعاری سے یہ سفر کرنا تھا ۔ اس کے پاس جتنے روبل تھے وہ سب اس نے میز پر بکھیر دئے ، اور ان میں اس کے باپ نے آخری لمحے

میں تھوڑی سی رقم اور شامل کر دی ، جو اس کے لئے بڑی اہم تھی۔

اتنے روبل پاسپورٹ کے لئے ، اتنے ریل کے لئے۔ وارسا سے پیرس تک تیسرے درجے کا ٹکٹ لینا بھی محض جلد بازی تھی . . . . کہ روس اور فرانس تک یہ ارزاں ترین ٹکٹ تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ جرمنی کی ریل گاڑیوں میں چوتھا درجہ بھی ہوتا ہے! . . . یہ درجے کمپارٹمنٹ کے بغیر ہوتے ہیں ، زیادہ تر مال گاڑیوں کی طرح ، بغیر نشستوں کے ہوتے ہیں ، ان میں ایک چو طرفہ بنچ ہوتی ہے اور درمیان کی جگہ خالی ہوتی ہے ، جس میں تہ‌وان کرسی ڈال کر بیٹھا جاسکتا ہے ، اس میں کیا مضائقہ ہے۔

باعمل برونیا کی نصیحت کو بھی بھلایا نہ گیا تھا ، اس نے تمام ضروریات زندگی همراہ لانے کو کہا تھا ، تا کہ پیرس میں غیر متوقع اخراجات نہ نکل آئیں۔ مانیا کا کرمچ کا گدا ، اس کے بستری کپڑے ، اس کی چادریں اور تولئے پہلے ہی پارسل گاڑی سے روانہ ہو جائیں گے۔ مضبوط کپڑے کی سوتی قمیض اور چادریں وغیرہ ، اس کے تمام کپڑے ، اس کے جوتے اور اس کے دو ہیٹ ایک کوچ پر جمع کئے گئے . . . . لاثانی اور زرق برق ! . . . . لکڑی کے بڑے صندوق میں بھر دئے گئے ، بھورے رنگ کا ناہموار ، بہت ہی گنوارہ ، لیکن بہت ٹھوس صندوق ، جس پر لڑکی نے

بڑے پیار سے بخط جلی اپنے نام کے دو حرف پینٹ کر دئے تھے :

"ایم - ایس"

کرمچ کے گدے کے ساتھ ہی لکڑی کا صندوق بھی پارسل کر دیا گیا ، اب سفر کرنے والی کے پاس ہر قسم کے بھدے پیکٹ رہ گئے ، یہ مسافر کے شریک سفر بنیں گے ، تین دن کے سفر کے لئے کھانے پینے کا سامان ، ٹٹوان کرسی (فولڈنگ چئر) جو جرمن ریل گاڑی میں کام آئے گی ، کتابیں ، کارمیل-۱ کا ایک چھوٹا سا تھیلا ، ایک لحاف . . . .

جب اس نے کمپارٹمنٹ میں پتلی اور سخت نشست پر اپنا سامان رکھ کر اپنی سیٹ گھیر لی تو دوبارہ پلیٹ فارم پر اتری - وہ اپنے بوسیدہ بھاری بھرکم کوٹ میں کتنی کم سن نظر آ رہی تھی ، اس کے رخساروں پر تازگی تھی اور بھوری آنکھوں میں آج خلاف معمول تمازت اور چمک تھی !

اچانک وہ جذبات سے بے قابو ہو گئی ، اس کے منہ سے چیخ نکل گئی ، اس نے اپنے باپ کے بوسہ لیا ، اور اس سے بغلگیر ہوگئی اور بزدلانہ الفاظ میں کچھ بولی ، لہجے میں تقریباً معذرت تھی -

"میں زیادہ دنوں تک آپ سے علیحدہ نہیں رہوں گی . . . . دو برس یا زیادہ سے زیادہ تین برس - میں جوں ہی اپنی تعلیم ختم کرلوں گی اور چند امتحانات پاس کرلوں گی ، واپس آجاؤں گی

---

۱ - ایک قسم کی مٹھائی -

اور پھر ہم دونوں ساتھ رہیں گے اور کبھی ایک دوسرے سے الگ نہ ہوں گے . . . ٹھیک ہے نا؟ ،،

” ہاں ، میری ننھی مانوسه ،، پروفیسر نے بھرائی ہوئی آواز سے کہا ، اس نے لڑکی کو گلے سے لگا لیا ”جلدی واپس آجاؤ ، خوب محنت کرو ، خدا تمہیں کامیاب کرے ! ،،

رات کے وقت ٹرین سیٹی بجا رہی تھی اور لوہے کی پرانی پٹریوں پر پہئیے گھڑ گھڑا رہے تھے ۔ ٹرین جرمنی کی سر زمین سے گزر رہی تھی ، اور وہ فورتھ کلاس میں چپ چاپ بیٹھی تھی ۔ ٹڈوان کرسی پر گٹھری بنی بیٹھی تھی ، دونوں ٹانگوں کو آپس میں لپیٹے ہوئے تھی ، پاس ہی اس کا سامان رکھا تھا ، جسے وہ بار بار ہوشیاری سے گنتی تھی ، مانیا کو فورتھ کلاس میں جنت کا سا لطف آ رہا تھا ۔ وہ اپنے ماضی کو یاد کر رہی تھی ، اور اس طلسمی روانگی پر غور کر رہی تھی ، جس کے لئے اس نے طویل انتظار کیا ۔ اس نے مستقبل کا تصور باندھنے کی کوشش کی ۔ اس نے نہایت عجز و انکسار سے سوچا کہ وہ بہت جلد وطن واپس ہوگی ، اور استانی کا چھوٹا سا منصب قبول کر لے گی . . . .

اس کے فرشتوں کو بھی خبر نہ تھی کہ جس وقت وہ ریل گاڑی میں داخل ہوئی تھی ، اس وقت اس نے آخری مرتبہ نور و ظلمت میں سے ایک کا انتخاب کر لیا تھا ، اس نے حقیر اور سپاٹ زندگی اور عظیم زندگی میں سے ایک کو اپنے لئے چن لیا تھا ۔

حصه دوسرا

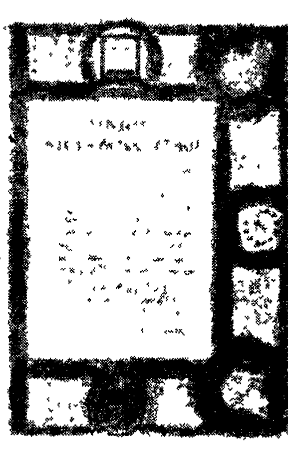


دو بہنیں

مانیا اور برونیا

۱۸۸۶ء





نوبل پرائز کا ڈپلوما



آٹھواں باب

پیرس

سفر نہ تیزی سے طے ہو رہا تھا اور نہ اتنا آرام دہ تھا۔ لاولیٹے اورساربون کے درمیان کا حصہ پیرس کا بہترین حصہ نہ تھا۔ ریوڈی المیگ۔[1] جہاں برونیا اپنے شوہر کے ساتھ رہتی تھی، وہاں تین گھوڑوں والی دو منزلہ اومنی بس چلتی تھی۔ بس میں سیڑھیاں لگی نہیں، جو اوپر کی منزل کو جاتی تھیں۔ گیرڈی ایسٹ سے ریوڈی اکلوز جانے کے لئے دوسری اومنی بس میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ امپریل نامی بس سے کفایت رہتی تھی۔ . . . مانیا بس میں سوار ہوگئی، اس کے ہاتھ میں پرانے چمڑے کا پورٹ فولیو تھا، اس کو لے کر وہ فلوٹنگ یونیورسٹی بھی جایا کرتی تھی۔ نوجوان لڑکی نے اپنی نشست پر بیٹھ کر گردن نکال کر جھانکا، متجسس نگاہوں سے گھورا۔ سرد ہوا نے اس کے کانوں کو سرد کر دیا تھا۔ اسے ان عام جگہوں کی کیا پروا تھی۔ یہ چھوٹی چھوٹی دکانیں، یہ درخت، یہ ہجوم، یہ گرد و غبار سے پیدا ہونے والی بو، کیا ان ہی سب چیزوں کا نام پیرس ہے۔ بالاخر پیرس آ گیا۔

پیرس میں آدمی اپنے آپ کو کتنا نوجوان محسوس کرتا ہے، کتنا طاقتور، امید سے بھر پور! اور ایک ننھی پولش لڑکی کے لئے آزادی کا کتنا حیرت انگیز تصور تھا!

---

[1] - اب یہ ایونیو جین جارز کہلاتا ہے۔

اس لمحہ جب مانیا تھکا دینے والے سفر سے چور چور ہوچکی تھی تو وہ دھواں دھار پلیٹ فارم پر اتری ، غلامی کی مانوس گرفت اچانک ڈھیلی پڑگئی ، اس کے کندھے سیدھے ہوگئے۔ اس کے دل اور پھیپھڑوں نے سکون محسوس کیا ، زندگی میں پہلی مرتبہ وہ آزاد ملک کی فضا میں سانس لے رہی تھی - خوش فہمی کے جوش میں اسے ہر چیز میں ایک معجزہ نظر آ رہا تھا - اس کے نزدیک یہ بھی معجزہ تھا کہ فٹ پاتھ پر جو راہ گیر چل رہے تھے وہ اسی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جس میں وہ کرنا چاہتے تھے ، وہ اسے بھی معجزہ سمجھ رہی تھی کہ کتب فروش ساری دنیا کی کتابیں بغیر کسی پابندی کے بیچ رہے تھے . . . .

اور سب سے بڑھ کر اسے یہ معجزہ نظر آ رہا تھا کہ پیرس کے کنجوں اور خیابانوں اور ڈھلوان سڑکیں جو وسط شہر کو جا رہی تھیں ، یہ سڑکیں اسے یعنی مانیا اسکولڈووسکا کو ایک یونیورسٹی کی طرف لئے جا رہی تھیں جس کے بڑے بڑے دروازے اس کے لئے وسیع طور پر کھلے ہوئے تھے اور یونیورسٹی بھی کیسی عالی شان ! نہایت مشہور ، جس کے بارے میں صدیوں پہلے کہا گیا تھا ”یہ یونیورسٹی خلاصۂ کائنات ہے ،، جس کے بارے میں لوتھر نے کہا تھا ”پیرس کی یہ یونیورسٹی جس کا نام ساربون ہے نہایت مستند مسلم‌الثبوت اور عالی شان ہے،، یہ مہم جوئی پریوں کی کہانیوں کے لئے موزوں تھی ، وہ اپنے آپ کو پریوں کے دیس میں تصور کرنے لگی ، اور سست رفتار برف جیسی سرد اور بے ڈھنگی اومنی بس اسے پریوں کا اڑن کھٹولا محسوس ہوئی ، جو

خوب صورت اور دکھیا شہزادی کو اس کے محل سے خوابوں کے محل میں لئے جا رہی تھی - جب اومنی بس دریائے سینے کے پل پر سے گزری تو مانیا بہت خوش ہوئی ، دریا کے دونوں کنارے کہر آلود تھے اور اس کے چھوٹے چھوٹے جزیرے بے حد دل کش نظر آ رہے تھے - پیرس کے کبیے ، چوراھے اور پل کے نیچے بائیں طرف ناٹرے ڈیم کے منارے . . . . گھوڑوں کی رفتار سست ہوگئی . . . . یہ پیرس تھا ، ارے وہ سچ مچ پیرس پہونچ چکی تھی !

لڑکی نے اپنا پورٹ فولیو اٹھایا اور اپنے بھاری بھر کم اونی اسکرٹ کو سنبھالنے لگی ، گڑ بڑا کر وہ بے خیالی میں پاس بیٹھے ہوئے مسافر پر گر پڑی ، اس نے بزدلانہ لہجہ میں معافی مانگی ، یہ معافی فرنچ میں تھی ، اس میں گفتگو کرتے ہوئے ابھی تامل ہوتا تھا ، پھر وہ اس سے اتری - اب وہ گلی میں تھی اور اب وہ متجسس چہرہ لئے ہوئے محل کے آہنی پھاٹک کی طرف بھاگ رہی تھی -

۱۸۹۱ء میں علم و دانش کے اس محل کی تصویر شاید غیر متوقع تھی - ساربون چھ سال سے زیر مرمت تھا ، یہ اپنی کینچل بدل رہا تھا ، ابھی تک اس کی دیواریں سفید تھیں ، عام طور پر جو شوروغل ہوتا تھا اس سے یہاں کے ماحول کی ایک خوشگوار فضا بنتی تھی ، جب گھنٹہ بجتا تھا تو طلباء ایک کلاس سے دوسری کلاس میں جاتے تھے ، مرمت کی وجہ سے کچھ عارضی تجربہ گاہیں بھی بن گئی تھیں ، لیکن ان باتوں سے فرق ہی کیا پڑتا تھا - آپ

گزشتہ برسوں کی طرح اس سال بھی پڑھ سکتے تھے ۔ سفید کاغذ کے پوسٹر پر اب بھی یہ لکھا تھا ۔

جمہوریۂ فرانس

ایف ۔ ایس ۔ سی ۔ پہلی سہ ماہی

۳ نومبر ۱۸۹۱ء سے ساربون میں نصاب تعلیم کا آغاز ہو جائے گا ۔

ان لفظوں میں کتنا جادو تھا ۔ کتنی چمک تھی !

لڑکی نے روبل روبل جمع کر کے اتنی پونجی اکٹھی کر لی تھی کہ وہ ایسے اچھے لکچر سن سکتی تھی ، اور جن مضامین کی طویل فہرست پوسٹر پر چھپی تھی ان میں سے اپنی مرضی کے مضامین چن سکتی تھی ۔ تجربہ گاہوں میں اسے جگہ ملے گی ، وہاں اس کی رہنمائی کی جائے گی اور وہاں اس کو ہدایات دی جائیں گی ، وہ بلا جھجک سائنس کے آلات کو اٹھا سکے گی ، اور سادہ تجربات میں کامیاب بھی ہوگی ۔ اخاہ کتنی خوشی کی بات تھی کہ اب مانیا ایف ۔ ایس ۔ سی کی طالبہ تھی ۔

اب یہ بھی ایک حقیقت تھی کہ آئندہ اسے کوئی مانیا یا ماریا نہ کہے گا ، کیونکہ اس نے اپنے رجسٹریشن کارڈ پر فرانسیسی انداز سے اپنا نام لکھا تھا " میری اسکلوڈووسکا " لیکن چونکہ اس کے کلاس فیلو اسکلوڈووسکا کا صحیح تلفظ ادا کرنے سے قاصر تھے اور مانیا بہ حق کسی کو نہ دیتی تھی کہ کوئی اس کو میری کہے ، وہ پر اسرار طور پر چپ ہوگئی ۔ گیلری میں بیٹھنے والے نوجوان طلباء بھی اس شرمیلی اور ضدی لڑکی کو عجیب

نگاہوں سے دیکھتے تھے، لڑکی کا لباس غریبانہ تھا، لڑکے ایک دوسرے کو تعجب سے دیکھتے تھے اور پوچھتے تھے " یہ کون ہے ؟ " لیکن ہمیشہ مبہم سا جواب ملتا تھا " یہ کوئی غیر ملکی لڑکی ہے اور اس کے نام کا صحیح تلفظ ادا کرنا ناممکن ہے - فزکس کی کلاس میں یہ لڑکی سب کے آگے بیٹھتی ہے اور زیادہ باتیں نہیں کرتی ہے "، جب یہ لڑکی کاریڈار میں سے گزرتی تو لڑکوں کی نگاہیں اس کا تعاقب کرتیں اور وہ سب آخر میں یہ فیصلہ کرتے " اس لڑکی کے بال بہت خوب صورت ہیں ! "، اس کے بال راکھ کے رنگ کے تھے، یہ لڑکی مدتوں یہاں آیا کرے گی -

یہ لڑکی کلی طور پر بعض سنجیدہ حضرات سے متاثر تھی اور چاہتی تھی کہ ان کے راز حاصل کرے - یہ حضرات جو اعلیٰ تعلیمات کے پروفیسر تھے - اپنے زمانے کی شریفانہ وضع کے مطابق یہ لوگ اپنے لباس کے ساتھ سفید ٹائیاں لگاتے تھے اور شام کا لباس پہنتے تھے، جس پر چاک کے دھبے پڑے ہوتے تھے - یہ دھبے مستقل طور پر پائے جاتے تھے - میری (مانیا) دانشوروں کے لباس اور ان کی بھوری داڑھیوں سے بے حد متاثر تھی -

پرسوں مسٹر لپ مین کا لکچر تھا ، ان کا اسلوب بیان کتنا وقیع اور منطقی تھا - کل اس نے مسٹر باوٹی کا لکچر سنا تھا، جن کے غیر معمولی گنجے سر میں سائنس کے خزانے چھپے ہوئے تھے - میری چاہتی تھی کہ وہ ان سب کے لکچر سنے اور ان تمام نفیس پروفیسروں سے شناسائی حاصل کرے جن کے نام سفید پوسٹر پر لکھے ہوئے تھے - ایسے ایسا

محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنے اندر علم کی پیاس کو کبھی بجھا نہ سکے گی ۔

پہلے ہی ہفتے میں بعض ان دیکھی رکاوٹوں نے سر اٹھایا ، اس کا خیال تھا کہ وہ مکمل طور پر فرنچ جانتی ہے لیکن وہ غلطی پر تھی ، بعض پورے جملے جب جلدی سے ادا کرنا ہوتے ، تو ادا نہ ہو سکتے تھے ۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے سائنس کی تعلیم میں کافی تیاری کی ہے اور وہ یونیورسٹی کے نصاب کا بہ آسانی ساتھ دے سکے گی ، لیکن دیہات میں جن تنہا اس نے جو کچھ پڑھا تھا یا زوسکی میں اتالیق کی حیثیت سے فارغ اوقات میں اپنے کمرے میں مطالعہ کیا تھا یا پروفیسر اسکولڈووسکی سے مراسلت کر کے جو علم حاصل کیا تھا یا صنعتی اور زراعتی عجائب خانہ میں چالاکی اور عیاری سے جو تجربات کئے تھے وہ پیرس کی عظیم المرتبت درس گاہ کے لئے ناکافی تھے ۔ جب اس نے اپنے علم ریاضی پر غور کیا تو اسے بہت "جھول" نظر آئے ، پھر وہ ماسٹر آف سائنس (ایم ۔ ایس سی) کی ڈگری کیوں کر حاصل کر سکے گی ۔

آج پال ۔ اپیل لکچر دے رہے تھے ۔ وضاحت اور دل کشی ان کے لکچر کی نمایاں خوبی تھی ، میری کلاس روم میں سب سے پہلے آ گئی تھی ، دسمبر کا مہینہ تھا ، کمرے کو اچھی طرح روشن کیا گیا تھا ، میری نے پروفیسر کی کرسی کے بالکل پاس والی سیٹ گھیر لی تھی ۔

اس نے بڑی باقاعدگی سے اپنا قلم اور نوٹس کی کاپی سنبھال لی تھی، اس کاپی میں وہ نوٹس تیار کرتی جاتی اس کا خط بہت اچھا تھا۔ ابھی لکچر شروع نہیں ہوا تھا، لیکن اس پر پوری طرح محویت طاری ہوچکی تھی، وہ گوش برآواز تھی، اس کی توجہ مرکوز ہوچکی تھی۔ جب پروفیسر کمرے میں داخل ہو تو اس کے بھاری قدموں کی کریہہ آواز بھی وہ نہ سن سکی۔

وہ گہرا سناٹا کتنا حیرت انگیز ہوتا ہے جو بعض پروفیسر ایک لفظ بھی کہے بغیر طاری کر دیتے ہیں! اب پروفیسر صاحب تقریر کر رہے تھے۔ جھکے ہوئے شانوں والے نوجوان طلباء جن کے خوبصورت چہرے دماغی کام سے مسخ ہو چکے تھے۔ وہ تمام باتیں نوٹ کرتے جا رہے تھے جو پروفیسر تختۂ سیاہ پر لکھتا جا رہا تھا۔ بظاہر کوئی نہیں لیکن بہ باطن زیادہ تر طلباء شدت کے ساتھ لکچر سن رہے تھے۔ علم ریاضی کو اپنے لئے آسان بنا رہے تھے۔

پروفیسر اے۔ پل کا کوٹ لمبوترا اور سخت سا نظر آتا تھا، اس کی داڑھی چوکور تھی لیکن وہ اس وضع میں بہت پر شکوہ نظر آ رہا تھا، اس نے اپنی آواز سے کمرے کی فضا کے وقار کو بڑھادیا، اس کے الفاظ میں وزن تھا اور لب و لہجہ نہایت صحیح اور شستہ تھا۔ اس کا انداز اظہار، اس کے اشارے اور اس کے مظاہرے اس طرح نظر آتے تھے کہ وہ ساری دنیا کے نایاب موتیوں کو چن کر اکٹھا کر رہا ہے، اور دنیا اس کے رحم و کرم کی محتاج ہے۔ وہ پروقار اور قوی نظر آتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ وہ علم کی سلطنت کا بادشاہ ہے۔ وہ ہندسوں سے کھیلا، ستاروں سے کھیلا

اس کا لہجہ بہت ہی قدرتی تھا ، اور الفاظ پر اسے اتنی قدرت تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ بہت بڑی جائداد کا مالک ہے ۔

”میں سورج کو پکڑ کر پھینک دیتا ہوں . . . .“

پولش لڑکی اپنی بنچ پر بیٹھی مسکرا رہی تھی ، اس کے کشادہ ابھرے ہوئے ماتھے کے نیچے اس کی بھوری آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں ۔ سائنس کو خشک مضمون کون کہتا ہے ؟ کیا دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی اور دل چسپ چیز ہے کہ کائنات کے نہ بدلنے والے قوانین کا علم حاصل کیا جائے، کیا انسانی ذہانت سے بڑھ کر کوئی چیز ہو سکتی ہے جو ان قوانین کو دریافت کرتی ہے ؟ ناول کتنے کھوکھلے ہیں ، اور پریوں کی کہانیوں میں ان غیر معمولی قوانین قدرت کے مقابلے میں تخیل کا کتنا فقدان ہے ۔

لڑکی کی روح محبت سے معمور ہو گئی ۔

”میں سورج کو پکڑ کر پھینک دیتا ہوں . . . .“

اس جملے نے لڑکی کے ماضی کی تمام کلفتوں کو دور کر دیا ۔

میری مکمل طور خوش تھی ۔

کازیمیر ڈولوسکی (برونیا کا شوہر) بنام اسکولڈووسکی ، ۹۲ ریوڈی المیگ
مشورے کے اوقات ایک سے تین بجے تک
پیر اور جمعرات کو سات سے آٹھ تک مفت مشورے ۔

جناب محترم :

. . . . هم سب لوگ بخریت هیں ۔ مانیا بہت محنت سے پڑھ رهی هے ۔ وہ اپنا تمام وقت یونیورسٹی میں گزارتی هے ۔ شام کے کھانے پر هماری اس سے ملاقات هوتی هے ۔ وہ بڑی هی خود کفیل لڑکی هے ، آپ نے اسے میرے سپرد کیا هے اور جملہ اختیارات مجھے دے رکھے هیں ، لیکن وہ بڑی خود پسند لڑکی هے ، نہ میرا احترام کرتی هے اور نہ میرا کہنا مانتی هے ۔ میں نے چاها کہ وہ کتاب کی کیڑا نہ بنے لیکن اب تک مجھے اس میں کامیابی نہ هو سکی، ان تمام باتوں کے باوجود هم دونوں ایک دوسرے کو خوب سمجھتے هیں اور مکمل سمجھوتے کے ساتھ رهتے هیں ۔

میں برونیا کی آمد کا بے چینی سے انتظار کر رها هوں ، ایسا معلوم هوتا هے کہ میری کم عمر بیوی جلدی گھر آنے کے موڈ میں نہیں هے ، حالانکہ ان کی موجودگی گھر کے لئے بہت مفید اور ان کی یہاں اشد ضرورت هے ۔

آخر میں یہ عرض هے کہ مانیا بالکل خیریت سے هے اور اس کی صحت ٹھیک ٹھاک هے ۔

زیادہ حد ادب

یہ ابتدائی بندشیں تھیں جو ڈاکٹر ڈولوسکی اپنی چھوٹی سالی پر لگانا چاهتے تھے ۔ برونیا چند هفتوں سے پولینڈ میں تھی ، یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ بہن کی غیر موجودگی میں بہنوئی نے سالی کو هاتھوں هاتھ لیا ، تمام پولش جلا وطن جو پیرس میں

زندگی بسر کر رہے تھے ، ان میں سے برونیا نے سب سے خوب صورت ، سب سے زیادہ ذہین اور نہایت زندہ دل نوجوان کو منتخب کیا تھا اور کیسے لطف کی بات ہے ! کازیمیر ڈولوسکی ، پٹس برگ ، آڈی سا اور وارسا میں طالب علم رہ چکا تھا ۔ روسی حکومت کا معتوب اور مغضوب تھا ، کیونکہ اس پر الگزنیڈر ثانی کے قتل کی سازش کے سلسلے میں شک کیا جا سکتا تھا ۔ جنیوا میں بڑا انقلابی کارکن تھا ، اور پیرس میں پولٹیکل سائنس کا طالب علم ، لیکن بعد میں رجحان بدل گیا اور وہ میڈیکل کالج کا طالب علم بن گیا ، اور آخرکار ڈاکٹر . . . پولینڈ میں اس کا گھر تھا اور وہ دولت مند خاندان کا چشم و چراغ تھا ۔ وزارت خارجہ کی فائیلوں میں زار روس کی پولیس کی کچھ ایسی رپورٹیں تھیں جن کی رو سے وہ پیرس میں بھی مستقل طور پر سکونت نہیں اختیار کر سکتا تھا ۔

مانیا اپنی بہن برونیا کی عدم موجودگی میں پیرس آئی تھی، جب برونیا پیرس واپس آئی تو بہن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی ، جیسا کہ کازیمیر نے اپنے خط میں اشارتاً لکھا تھا کہ گھر کا کام چلانے کے لئے فوری طور پر آدمی کی ضرورت ہے ، اب جیسے کہ معجزہ ہوگیا ۔ کھانا بہت لذیذ پکنے لگا ، کوڑا کرکٹ اور گرد و غبار غائب ہو گیا ، پھول دار پودے گملوں میں لگا دئے گئے ۔ برونیا سگھڑ لڑکی تھی ، یہ سب اسی کا انتظام تھا ۔

اسی کے مشورے سے پیرس کے مرکزی حصے کی سکونت چھوڑی گئی تھی اور لاولیٹے میں سکونت اختیار کی گئی تھی ، تھوڑے سے روپے لے کر وہ نیلام گھروں کے چکر لگانے لگی ، اور ایک

خوب صورت صبح کو گھر کی کایا پلٹ چکی تھی ۔ کمرے سجے سجائے تھے ، فرنیچر باقاعدگی سے رکھا ہوا تھا ۔ ایک طرف پیانو رکھا تھا ، اور ہر کمرے میں باقاعدگی سے پردے لٹک رہے تھے اور فلیٹ کی خوب صورت فضا تیار ہو چکی تھی ۔ ہر چیز سلیقے سے تھی ۔ ڈاکٹر کازیمر کو جو پہلا گاھک مریض علاج کے لئے ملا وہ مذبح کا بڑ قصاب تھا اور برونیا عورتوں کا علاج کرنے لگی ۔ دونوں میاں بیوی محنت سے کام کرنے لگے اور مریضوں کو ان کے گھروں پر دیکھنے جاتے تھے ۔ جب شام آتی اور چراغ جلتے تو دونوں اپنے دکھ درد بھول جاتے تھے ۔ کازیمیر تفریحات کا دلدادہ تھا ۔ جب بہت دشوار گزار دن تھے اور جب بہت زیادہ مفلسی تھی اس وقت بھی وہ ہنسی مذاق اور دل لگی سے باز نہ آتا تھا ، دن بھر کی محنت اور تھکن کے بعد وہ کسی تھیٹر کا نہایت سستا ٹکٹ خرید کر تفریح کرتا تھا اور اگر اتنے پیسے بھی نہ ہوتے تو وہ گھر میں بیٹھ کر پیانو بجاتا تھا ، وہ پیانو بہت اچھا بجاتا تھا ۔ دوست اس کے دروازے پر دستک دیتے ۔ پولش کالونی کے نوجوان جوڑے جو جانتے تھے کہ انہیں ہمیشہ ڈولوسکی کے پاس جانا چاھئے ۔ اس کے گھر آتے ۔ برونیا بار بار کمرے میں آتی اور جاتی، چائے جوش کھاتی اور پھر میز پر آ جاتی ۔ ڈاکٹرنی نے اپنے ھاتھ سے کیک بنائے تھے ، یہ کیک اس نے دو مریضوں کے معائنے کے درمیانی وقفے میں تیار کئے تھے ۔ یہ بھی مہمانوں کی ضیافت کے لئے پیش کر دیئے گئے ۔

ایک روز شام کے وقت جب مانیا اپنے چھوٹے سے کمرے میں جھکی ہوئی ایک کتاب پڑھ رہی تھی اور اس تنہائی کے عالم

میں رات کے مطالعہ کی تیاری کر رہی تھی تو اس کا بہنوئی کمرے میں داخل ہوا اور اس نے مداخلت کرتے ہوئے کہا ۔

" جلدی سے کوٹ پہنو اور ہیٹ پکڑو ، ہمیں مفت کے تین ٹکٹ مل گئے ہیں اور ہم بزم موسیقی میں شرکت کریں گے "

" لیکن . . . . "

" لیکن ویکن کچھ نہیں ۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ پولینڈ سے پیانو بجانے والا آیا ہے ۔ چند نشستیں مخصوص کرائی گئی ہیں اور ہم لوگ چاہتے ہیں کہ اس غریب لڑکے کی مدد کریں اور سب پہنچ کر ہال کو بھر دیں ۔ میں نے بہت سے تماشائی رنگروٹ بھرتی کئے ہیں اور ہم اتنی تالیاں بجائیں گے کہ ہمارے ہاتھ ٹوٹ جائیں گے، تاکہ ظاہر ہو کہ شو بہت کامیاب رہا . . . اور اگر تمہیں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ کتنا اچھا پیانو بجاتا ہے تو . . . . "

ڈولوسکی کے اصرار کو رد کرنا ناممکن تھا ، بڑی سی سیاہ داڑھی والا یہ شیطان جس کی کالی کالی آنکھیں مسرت سے بجلی کی طرح چمک رہی تھیں ، بڑا ڈھیٹ تھا ۔ میری نے اپنی کتاب بند کر دی ، کمرے کا دروازہ بھیڑ دیا گیا ۔ تینوں مکان کی سیڑیوں سے اترے اور بہت تیزی سے بھاگے تاکہ اومنی بس میں سوار ہو سکیں ۔

تھوڑی دیر بعد وہ سب سیل ارارڈ میں بیٹھے ہوئے تھے ۔ تین چوتھائی ہال خالی تھا ۔ میری نے دیکھا کہ ایک لمبا اور دبلا نوجوان ڈائیس پر نمودار ہوا ، اس کے بال تانبے کی طرح سرخ

اور گھونگر والے تھے، چہرہ غیر معمولی تھا ؛ وہ سیاہ رنگ کے پیانو کے پاس بیٹھ گیا ۔ جب اس نے اپنی انگلیوں کو حرکت دی تو یوں محسوس ہوا کہ ”شو مین“ اور ”شو بن“ زندہ ہو گئے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ اس کے چہرے پر شرافت تھی اور وہ اپنی مخمور آنکھوں سے دور خلاو کی طرف دیکھ رہا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لڑکی نے مدھوش ہو کر اس کا پیانو سنا ۔ اجنبی پیانو بجانے والا بوسیدہ سا کوٹ پہنے تھا ۔ ھال کی زیادہ تر کرسیاں خالی پڑی تھیں ۔ لیکن وہ نوجوان اس شان سے پیانو بجا رہا تھا کہ معلوم ھی نہ ھوتا تھا کہ کوئی غریب فن‌کار اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا ھے ۔ معلوم ھوتا تھا کہ کوئی شہنشاہ یا دیوتا اتر آیا ھے ۔

یہ موسیقار آئندہ اکثر شاموں کو نوجوان عورت گورسکا کے همراہ المیگ آنے والا تھا ۔ گورسکا سے وہ محبت کرتا تھا اور بعد میں اس سے شادی کرے گا ۔ وہ جب گفتگو کرتا تھا تو اس میں زندگی کے آلام و مصائب کی تلخی کا کوئی شائبہ نہ ھوتا تھا ۔ برونیا اور میری نے گورسکا کو کئی برس پہلے کا ایک واقعہ یاد دلایا کہ جب اس کی عمر سولہ سال تھی ، تو ایک بار ان دونوں لڑکیوں کی ماں کی هم سفر بنی تھی ۔ ”جب وہ وارسا واپس آئی تھی، برونیا یاد کر کے ھنسنے لگی، “ ”امی کہتی تھیں کہ اس کی کبھی همت نہ پڑے گی کہ وہ تم دونوں کو کبھی بلائے، کیونکہ تم دونوں بہت خوب صورت ھو “

ابھی یہ گفتگو ھو ھی رھی تھی کہ نوجوان پیانو نواز نے ساز چھیڑ دیا ۔ ڈولوسکی کے گھر پڑا ھوا ادنیٰ درجے کا

دبانو اس عظیم فن‌کار کی معجز نما انگلیوں سے آسمانی ساز معلوم ہونے لگا ۔

بیانو نواز فاقہ کشی کے باوجود دل کش نظر آتا تھا ۔ وہ عاشق تھا ، وہ اعصابی طور پر پریشان تھا ، وہ خوش تھا اور وہ ناخوش تھا . . . . وہ بہت ذہین تھا ، اس کا نام اگنیس پیڈروسکی تھا ۔

نئے حالات میں رہ کر جتنی محنت ممکن تھی میری نے کی ۔ وہ اس طرح محنت کرتی تھی جیسے وہ بخار کی حالت میں ہے ۔ اس نے رفاقت کی مسرتیں بھی تلاش کر لیں جو یونیورسٹی میں مل جل کر کام کرنے سے حاصل ہوتی ہیں ۔ لیکن نئے دوست بناتے ہوئے وہ شرماتی تھی اور زیادہ تر وہ ریاضی دانوں سے ملتی تھی ، ایک تو مس کراسکووسکا اور ڈائڈانسکا تھیں اور ایک ڈاکٹر موز تھے ، علم‌الحیات کے ماہر ڈبنے سیلے تھے جو آگے چل کر ہیلا سے شادی کریں گے ، ایک نوجوان لڑکا ووجو شووسکی تھا جو آگے جل کر جمہوریہ پولینڈ کا صدر بننے والا تھا ۔ یہ سب اس کے دوست تھے ، یہ سب لیٹن کواٹرز میں رہتے تھے جو ایک چھوٹا سا جزیرہ معلوم ہوتا تھا، اور یہ چھوٹا موٹا آزاد اور خود مختار پولینڈ تھا ۔

جب کرسمس کے دن قریب آئے تو غریب طالب علموں نے دعوتوں کا انتظام کیا اور کوشش کی کہ وارسا کے خاص خاص کھانے پکائے جائیں ، مثلاً ”بارزاز“ ، ”ارمانا“ ، ”پاٹک“ ، ”اوپی سیذ“ ، ”ووڈکا“ اور چائے وغیرہ ۔ تھیٹر کا بھی انتظام کیا گیا ، جس میں پولینڈ کے شوقیہ اداکاروں نے حصہ لیا ہے ، اور کامیڈی اور ڈرامے پیش

کئے گئے ۔ ان پروگراموں کا اشتہار پولش زبان میں شائع کیا گیا ۔ جس پر علامتی تصویریں بنائی گئیں، اوپر برف سے ڈھکا ہوا ایک میدان دکھایا گیا ، ایک جھونپڑے کی تصویر بنائی گئی ، نیچے ایک مکان بنایا گیا جس میں ایک اونگھتا ہوا لڑکا اپنی کتاب پر جھکا تھا ۔ پاس ہی سائنسی رسالے رکھے ہوئے تھے اور زمین پر ایک خالی پرس پڑا ہوا تھا ، جسے چوہوں نے کتر ڈالا تھا . . . .

میری نے ان تمام پروگراموں میں شرکت کی ، اس نے ڈراموں میں کام نہ کیا، کیونکہ اس کے لئے پارٹ یاد کرنا مشکل تھا، لیکن ایک

قومی جلسے میں جہاں زندہ لوگوں کی تصویریں پیش کی گئی تھیں وہاں اسی کو منتخب کیا تھا ۔ جلی حروف میں لکھا گیا تھا ”پولینڈ اپنے بندھن توڑ رہا ہے “

چھوٹی سی طالبہ اس رات کو ایک اجنبی عورت نظر آ رہی تھی ، وہ قدیم زمانے کا لباس پہنے تھی ، چہرہ پر ایک لمبا نقاب تھا اور اس کے بدن پر قومی رنگ لپیٹ دئے گئے ، تھے اور اس کے شانوں پر اس کے بال بکھرے ہوئے تھے ۔ جلا وطنوں کے اس مجمع میں اس نے یہ قومی تصویر پیش کی ۔

یوں محسوس ہوتا ہے کہ اتنا فاصلہ طے کرنے کے باوجود دونوں بہنوں نے وارسا نہیں چھوڑا ہے ، انہوں نے اپنی طبیعت کے عین مطابق المبگ میں رہنا پسند کیا تھا ۔ یہ شہر کے ایک کنارے پر واقع تھا ، یہاں نہ خوف تھا نہ ہراس اور یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ان کا وطن ان کے ساتھ ہے اور وہ دونوں جو اپنے

والد کو خطوط لکھتی تھیں وہ صیغہ غائب میں ہوا کرتے تھے -

اور آخر میں وہ لکھتی نہیں " میں اپنے باپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتی ہوں "، یہ خط بڑے مفصل ہوتے تھے اور ان سب زندگی کی بوقلمونی قلمبند ہوتی تھی -

---

برونیا بنام پروفیسر اسکولڈووسکی

. . . . میں اپنے پیارے باپ کی بہت ممنون ہوں گی اگر وہ مجھے معمولی قسم کی دو پونڈ چائے بھیج دیں اور مجھے یا مانیا کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے - ہم سب بخریت ہیں ، مانیا بہت دلکش نظر آتی ہے اور مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ محنت اور جفا کشی سے وہ بالکل نہیں تھکتی -

---

پروفیسر اسکولڈووسکی بنام برونیا

پیاری برونیا میں بہت خوش ہوں ، استری بالکل ٹھیک ہے - میں خود ہی خریدوں گا ، مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم اسے پسند نہ کرو - بہر حال میں خود خریدوں گا -

---

پروفیسر اسکولڈووسکی بنام میری ، ۳۱ جنوری ۱۸۹۲ء

پیاری مانیا تمہارا گزشتہ خط پڑھ کر افسوس ہوا ، تھیٹر میں تمہاری شرکت مجھے پسند نہیں ، خواہ یہ سب کچھ بہت

۱- پولش زبان میں مہذب لوگ اسی طرح خط لکھتے ہیں -



کیوری خاندان

کھڑے ہوئے: جیکوئس اور پیئر کیوری
بیٹھے ہوئے: مادام کیوری اور ڈاکٹر اگیوین کیوری



پیئر کیوری

١٩٠٦ء

معصومانہ طور پر ہوا ہے ۔ اس طرح تھیٹر کے منتظمین کی طرف توجہ ہوتی ہے اور تمہیں یقیناً معلوم ہے کہ پیرس میں کچھ ایسے لوگ ہیں جو تمہارے حرکات و سکنات کی کڑی نگرانی کرتے ہیں ۔ جو لوگ پیش پیش ہوتے ہیں ان کے نام نوٹ کئے جاتے ہیں ، اور ان کے بارے میں یہاں رپورٹیں بھیجی جاتی ہیں ۔ اس طرح بہت زیادہ نقصان پہنچ سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض لوگوں کو بعض پیشوں سے محروم کر دیا جائے ۔ اس طرح جو لوگ وارسا میں رہ کر روزی کمانا چاہتے ہیں تو انہیں ان کے پیشوں سے محروم کیا جا سکتا ہے اور وہ ساری زندگی گوشۂ گمنامی میں گزارنے پر مجبور ہو جائیں گے ۔ جشن موسیقی ، جشن رقص وغیرہ کی تقریبات کا آنکھوں دیکھا حال اخباروں میں چھپ جاتا ہے اور نمایاں حصہ لینے والوں کے نام بھی چھپ جاتے ہیں ۔ اگر کہیں کسی روز تمہارا نام اخبار میں چھپ گیا تو مجھے بہت افسوس ہوگا ۔ میں نے پچھلے خط میں بھی اسی قسم کی باتیں لکھیں تھیں اور اس خط میں بھی تم سے منت کرتا ہوں کہ جہاں تک ہو سکے ان جھملوں سے الگ رہو ۔

لڑکی کو بہت جلد ہوش آ گیا اور وہ سمجھ گئی کہ اس قسم کی بے ضرر سرگرمیوں سے اس کا سکون ختم ہو جائےگا ، وہ ان سے کنارہ کش ہو گئی ، وہ ان جھمیلوں میں پڑنے کے لئے فرانس نہیں آئی تھی ، اس کا ایک ایک منٹ قیمتی تھا اور جو منٹ بھی اس نے اپنی تعلیم کے علاوہ کہیں صرف کیا وہ ضائع گیا ۔

دوسرا مسئلہ خود بہ خود پیش ہو گیا ۔ الممگ میں زندگی دلکش اور نشاط انگیز تھی لیکن میری مکمل یکسوئی کے ساتھ کام نہ

کر سکتی تھی ، وہ کازیمیر کو پیانو بجانے سے منع نہ کر سکتی تھی - وہ یہ بھی نہ کہہ سکتی تھی کہ آئے دن اپنے دوستوں کی دعوتیں نہ کیا کرو ، وہ یہ بھی نہ کہہ سکتی تھی کہ جب وہ اپنے کمرے میں مکمل انہماک کے ساتھ کوئی مشکل سوال حل کر رہی ہو تو اس وقت وہ نہ آیا کرے - وہ نوجوان ڈاکٹر کے مریضوں کو بھی نہ روک سکتی تھی جو مکان میں بے جھجھک گھس آتے تھے - وہ سوتے سوتے راتوں کو ایک دم جاگ پڑتی تھی ، کیونکہ نیچے کوئی گھنٹی بجا رہا ہوتا تھا ، کسی بز قصاب کے بیوی کے بچہ پیدا ہو رہا ہوتا تھا اور لبڈی ڈاکٹر برونیا کو کوئی آدھی رات کو بلانے آتا تھا -

اور سو باتوں کی ایک بات یہ تھی کہ لاولیٹے میں رہنے کی کوئی سہولت نہ تھی ، یہاں سے ساربون پہنچنے میں ایک گھنٹا صرف ہوتا تھا ، اومنی بس کا آمدورفت کا کرایہ بہت تھا - گھر والوں کی ایک دن کونسل بیٹھی ، بڑی بحث و تکرار کے بعد طے پایا کہ میری لیٹن کواٹرز میں رہا کرے گی - لیٹن کواٹرز یونیورسٹی کی تجربہ گاہ اور لائبریریوں سے نزدیک تھے - دونوں میاں بیوی نے اصرار کیا کہ وہ لڑکی کو کچھ قرض دے دیں ، دوسری صبح کو میری اپنی مہم پر روانہ ہو گئی -

وہ چھوٹا سا فلیٹ جہاں وہ رہتی تھی ایک مذبح کے پاس تھا ، اسے وہ جگہ چھوڑنے کا افسوس بھی تھا ، کیونکہ ہمسائے اچھی طبیعت کے لوگ تھے - میری کی بہن اور بہنوئی کا برتاؤ بڑا اچھا تھا ، اور دونوں بہنوں کا تو مدت سے آپس میں رومان چل رہا تھا - اس

رومان کی بنیاد یہ تھی کہ دونوں بہنیں ایک دوسرے کے لئے ایثار کریں اور ایک دوسرے کے کام آئیں ۔

برونیا کا پاؤں بھاری تھا ، لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی غریب بہن کا اسباب باندھا اور پھر وہ اسی اومنی بس پر بیٹھی ۔ کازیمیر اور اس کی نوجوان بیوی نے ننھی لڑکی " ساتیا " کو اس کی نئی قیام گاہ تک پہنچا آئے ۔



نواں باب

چالیس روبل-۱ ماهوار

لیٹن کوارٹرز میں رهنے کا موقع ملا تو میری آهسته تنهائیوں میں ڈوب گئی ، اب کمرے کی دیواروں کے سوا کوئی نه تها ، وه گهنٹوں تنهائی میں مطالعه کیا کرتی اور کوئی مخل نه هوتا ، آئنده تین برس تک وه اسی گهرے سکوت میں مطالعه کرتی رهے گی - یه زندگی اس کے نزدیک مکمل ترین زندگی تهی ، اسی زندگی کے اس نے خواب دیکھ رکھے تھے ، جیسے کسی سادهو یا سنت نے اپنی زندگی عبادت کے لئے وقف کر دی هو -

اس کی زندگی فقیرانه حد تک ساده تهی ، اس نے رضاکارانه طور پر ڈولووسکی کے گهر کا طعام و قیام ترک کیا تها ، اب اسے اپنے خود اخراجات برداشت کرنا تھے ، اور اس کی آمدنی . . . وهی جو کچھ اس نے بچایا تها ، اس نے اپنی کل پونجی کو چهوٹے چهوٹے ٹکڑوں میں بانٹ دیا تها ، اس کا باپ اپنی کچھ رقم بهیجتا تها ، اس طرح چالیس روبل ماهوار خرچ کا اوسط تها -

ایک عورت، ایک غیر ملکی ۱۸۹۲ء کے پیرس میں چالیس روبل ماهوار پر کیوں کر عمدگی سے گزر بسر کر سکتی تهی - چالیس روبل ماهوار کا مطلب یه هوا که اس کا خرچ تین فرانک یومیه تها - اس میں کمرے کا کرایه ، کهانا ، لباس ، کاغذ اور کتابیں اور پهر

۱- جنگ عظیم سے پهلے ایک روبل تقریباً ڈیڑھ روپے کے برابر هوتا تها -

یونیورسٹی کی فیس ؟ یہ تھا وہ مسئلہ جسے نوجوان طالبہ کو فوری طور پر حل کرنا تھا ، لیکن میری کسی مسئلے کا حل تلاش کرنے میں کبھی ناکام نہ ہوئی ۔

ماںیا بنام جوزف ، ۱۷ مارچ ۱۸۹۲ء

کوئی شک نہیں کہ والد نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ میں یونیورسٹی کے پاس رہا کروں گی ۔ کئی وجوہ کی بنا پر یہ ضروری ہو گیا ہے ، موجودہ قیام گاہ میرے لئے موزوں ہے ، مجھے اپنے اقدام کی عمدگی کا اب احساس ہوتا ہے ، میں یہ خط تمہیں اپنی نئی قیام گاہ سے لکھ رہی ہوں ، ۳ ریو فلاٹرز ، یہ ایک چھوٹا سا کمرہ ہے ، بہت ہی موزوں ہے اور بہت سستا بھی ، یہاں سے میں پندرہ منٹ میں کیمسٹری کی تجربہ گاہ پہنچ جاتی ہوں اور دس منٹ میں ساربون پہنچ جاتی ہوں ، اگر برونیا اور اس کا شوہر مدد نہ کرتے تو ظاہر ہے مجھے اتنی اچھی جگہ نہ ملتی ۔

سابقہ قیام گاہ کے مقابلے میں یہاں ہزار گنا زیادہ کام کر رہی ہوں ۔ برونیا کے گھر میں میرے بہنوئی کی عادت تھی کہ وہ مسلسل میری پڑھائی میں مخل ہوا کرتے تھے ، وہ چاہتے تھے کہ جتنی دیر وہ گھر میں رہیں میں ان سے برابر باتیں کروں ۔ اس مسئلے پر مجھے اعلان جنگ کرنا پڑا ۔ چند روز بعد بہنوئی اور برونیا کو بری طرح میری کمی محسوس ہونے لگی ، وہ دونوں مجھے دیکھنے آئے ۔ ہم سب نے چائے پی ، جیسے کنوارے طالب علم

چائے بلا سکتے ھیں ، بس اسی فیشن سے میں نے بھی چائے پلا دی ، اس کے بعد ھم سب زینے طے کر کے نیچے اترے اور ایس وغیرہ سے ملے ، وہ سب یہیں تو رھتے ھیں -

کیا بھابھی جان والد صاحب کی اچھی طرح خدمت کرتی ھیں ، انھوں نے مجھ سے اس کا وعدہ کیا تھا - انہیں والد کی خدمت کا موقع دیجئے اور ھاں بھیا ، شادی کے بعد مجھے اپنے گھر سے دودھ کی مکھی کی طرح نہ نکال دیجئے گا - اب تو والد صاحب بھی اپنے خطوط کے اندر بھابھی جان کا مشفقانہ انداز سے ذکر کرتے ھیں - مجھے ڈر لگتا ھے کہ بھابھی جان کے آگے والد صاحب مجھے کہیں بہت جلد نہ بھول جائیں -

میری صرف تنہا طالبہ نہ تھی جو سو فرانک ماھوار پر لیٹن کوارٹرز میں گزر بسر کر رھی تھی ، اس جیسے بہت سے پولستانی طلباء افلاس اور تنگ دستی کے عالم میں پڑھ رھے تھے ، بعض طلباء تین تین چار چار کی تعداد میں ساجھا کر کے گزر بسر کر رھے تھے ، وہ مل کر کھانا کھاتے تھے - دوسرے طلباء تھے جو تنہا رہ رھے تھے ، لیکن انہیں دن میں کئی گھنٹے گھرداری پر صرف کرنا پڑتے تھے - طالبات کو کھانا پکانا اور سینا پرونا پڑتا تھا اور اتفاقاً کبھی پیٹ بھر کر کھانا نصیب ھونا تھا - برا بھلا کپڑا بھی پہننے کو مل جاتا تھا - اسی طرح برونیا نے بھی تعلیم حاصل کی تھی ، لیکن برونیا کو کھانا پکانے کی خدا داد نعمت حاصل تھی اور وہ اپنے ساتھیوں میں اس فن میں مسلم‌الثبوت مانی جاتی تھی -

میری اپنی بہن کے نقش قدم پر نہ چل سکی ، وہ کسی کے ساتھ ساجھا کرنا پسند نہ کرتی تھی ، وہ تو تنہائی کی قائل تھی ، اور اپنی خلوت میں خلل پسند نہ کرتی تھی ۔

اگر وہ ایسا کرنا بھی چاھتی تو نہ کر سکتی تھی ، جو لڑکی سترہ برس کی عمر میں اجنبی خاندانوں میں اتالیق کی نوکری کر چکی تھی اور سات آٹھ گھنٹے روزانہ پڑھایا کرتی تھی ، اسے گھرداری کا فن سیکھنے کا موقع ھی کہاں ملا ۔ جب اس کی ماں کا انتقال ھوا تو بڑی بہن برونیا نے گھر سنبھال لیا ۔ گھر گرھستی کے جتنے ھنر برونیا کو آتے تھے ان میں میری بالکل نا آشنا تھی ۔ پولش کالونی میں یہ افواہ گشت کرنے لگی ”مس اسکولڈووسکا کو سالن پکانا تک نہیں آتا ،،

ھاں ، وہ نہیں جانتی تھی اور وہ جاننا بھی نہ چاھتی تھی ، وہ جھاڑو ، برتن اور پکانے ریندھنے میں صبح کا قیمتی وقت کیوں ضائع کرتی ، اتنی دیر میں تو وہ کتاب کے کئی صفحے پڑھ سکتی تھی یا اتنی دیر میں وہ تجربہ گاہ میں کوئی دل چسپ تجربہ کر سکتی تھی ۔

ارادی طور پر وہ اپنے پروگرام میں سے ان چیزوں کو نکال دیتی تھی ، اب وہ انسانوں سے ملنا بھی پسند نہ کرتی تھی ، وہ اس نتیجے پر پہنچ گئی تھی کہ مادی زندگی کی کوئی اھمیت نہیں ھے ، کیونکہ یہ دیر تک باقی نہیں رھتی اور اس نظریئے کے تحت وہ لوگوں کے لئے اجنبی اور غیر انسانی شے بن چکی تھی ۔

ریوفلائرز ، یورٹ رائل ، رسوڈس . . . . مری کے نزدیک تمام کمرے یکساں تھے ، چونکہ سب کمرے سستے تھے اور آرام دہ کوئی بھی نہ تھا ۔ پہلا کمرہ ایک غریبانہ مکان میں واقع تھا جہاں طلباء ، ڈاکٹر اور افسر قسم کے لوگ رہتے تھے ۔ اس کے بعد اس لڑکی نے کامل سکون حاصل کرنے کے لئے ایک دولت مند گھرانے کے ساگرد پیشہ کے کمرے میں رہنا پسند کیا ۔ پندرہ بیس فرانک ماہوار کرائے پر اسے ایک گوشۂ عافیت مل گیا ۔ اس کمرے میں نہ گرمی تھی ، نہ روشنی ، نہ پانی ۔

میری کے پاس جو کچھ سامان تھا وہ اس نے اس کمرے میں سجا دیا ۔ لوہے کا ایک پلنگ ، کرمچ کا گدا جو پولینڈ سے لائی تھی ، ایک لوہے کا چولھا ، سفید لکڑی کی ایک میز ، باورچی خانے کی ایک کرسی ، ایک آفتابہ ، مٹی کے تیل کا ایک لیمپ جس پر ایک شیڈ بھی تھا ، ایک الکوحل ہیٹر جس پر اسے تین برس تک کھانا پکانا تھا ، دو پلیٹیں ، ایک چاقو ، ایک کانٹا ، ایک چمچہ ، ایک پیالہ ، ایک کیتلی اور تین گلاس ۔ پولنتی فیننن کے مطابق وہ گلاس میں چائے پیتی تھی ۔ تین گلاس اس لئے تھے کہ اس کی بہن اور بہنوئی کبھی کبھار آتے تھے ۔ شاذ و نادر کوئی اور ملاقاتی بھی آ جاتا تھا ۔ اس وقت اسے بہر حال مہمان نوازی کا ثبوت دینا پڑتا تھا ۔ وہ اپنا اسٹوو جلاتی ، خمدار دھواں نکلتا ۔ ایک کونے میں اس کا بھدا بھورا ٹرنک رکھا تھا ، اسی میں اس کے کپڑے تھے ۔

ہفتے میں ایک دفعہ وہ صفائی کرتی تھی ۔ بس میں سفر نہ کرتی تھی ، ہر موسم میں یونیورسٹی تک پیدل جاتی تھی ، تھوڑے

سے کوئلوں کی ذخیرہ اندوزی کرتی تھی ، جاڑوں میں کام آتے تھے - روشنی کا خرچ بھی کم سے کم رکھتی تھی ، جیسے ہی رات ہوتی یہ لڑکی لائبریری چلی جاتی، وہاں گیس جلتی تھی ، اور وہ جگہ گرم تھی ، وہ ایک مستطیل میز کے پاس بیٹھ جاتی اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیتی ، اور یہ غریب پولش لڑکی اس وقت تک بیٹھی لائبریری میں مطالعہ کرتی رہتی جب رات کے دس بجے لائبریری کے منتظمین دروازے بند کرتے ، اس وقت سے لے کر صبح کے دو بجے تک اسے اپنے کمرے میں روشنی کی ضرورت پڑتی تھی - تھکن سے اس کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں اور بے حال ہو کر بستر پر گر پڑتی تھی -

امور خانہ‌داری کے سلسلے میں اگر اسے کچھ آتا تھا تو بس سینا پرونا ، بچپن میں جب وہ اسکول پڑھنے جاتی تھی اس وقت اسے بہت سی دست کاریاں سکھائی گئی تھیں لیکن یہی سینا پرونا اسے یاد رہ گیا تھا ، جب وہ زوسکی میں اتالیق کی حیثیت سے بچوں کو پڑھاتی تھی تو پڑھانے کے ساتھ ساتھ سینے پرونے کا شغل بھی جاری رکھتی تھی . . . . یہ صدا کی جلا وطن لڑکی سستا سا کپڑا خرید کر لاتی اور اپنے لئے نیا بلاؤز تیار کر لیتی تھی - اس نے جیسے قسم کھا لی تھی کہ وہ اپنے وارسا کے کپڑے پہننا نہ چھوڑے گی - پرانی وضع کے پرانے کپڑے اطمینان سے پہنے رہتی، لیکن وہ اپنے ان کپڑوں کی بڑی دیکھ بھال کرتی تھی - انہیں صاف رکھتی تھی ، اور ان میں رفو کرتی تھی - ایک تسلے میں وہ اپنے کپڑے دھوتی تھی، لیکن کپڑے دھونے کی نوبت جب ہی آتی تھی جب وہ اپنے

کام سے بہت تھک جاتی تھی ، گویا کپڑے دھو کر وہ تفریح حاصل کرتی تھی ۔

میری نے کبھی سردی اور بھوک کی شکایت نہ کی ، وہ کوئلے نہ خریدتی تھی اور محض اپنی بے پروائی سے اکثر چولھا جلانا بھول جاتی تھی ، سوال حل کرتی چلی جاتی تھی، اور یہ غور نہ کرتی تھی کہ اس کی انگلیاں ٹھٹھری جا رہی ھیں اور اس کے شانے کانپ رہے ھیں ۔ اگر وہ گرم گرم شوربہ پی لیتی یا تھوڑا سا گوشت کھا لیتی تو اسے سکون مل جاتا ، لیکن میری کو شوربہ پکانا ھی نہ آتا تھا ، وہ ایک فرانک کا گوشت خرید کر اسے آدھ گھنٹے پکا کر اتنا وقت برباد کرنا نہ چاہتی تھی ، وہ شاذ و نادر ھی کسی بزقصاب کی دکان میں گئی ہوگی ۔ رہ گئے ھوٹل تو وہ بہت مہنگے تھے ، کئی کئی ھفتے تک وہ روٹی میں مکھن لگا کر کھا جاتی اور چائے پی لیتی تھی ۔ جب اسے بہت بھوک لگتی تو وہ کسی دوکان سے ابلے ھوئے انڈے لا کر کھا لیتی ، کبھی چاکلیٹ کھا کر گزارہ کرتی اور کبھی کوئی پھل کھا لیتی ۔

اس خوراک کی وجہ سے وہ گلاب کی طرح تروتازہ لڑکی جو وارسا سے چلتے وقت بالکل صحت مند تھی چند ھی مہینوں میں مرجھا گئی ، اسے خون کی کمی یعنی فقرالدم کا مرض ھو گیا ۔ اکثر جب وہ اپنی سیٹ سے اٹھتی تو اس کا سر چکرانے لگتا ۔ جب وہ بے ھوش ھونے کے قریب ھوتی تو وہ بستر پر لیٹ جاتی ۔ جب وہ ھوش میں آتی تو وہ اپنے آپ سے سوال کرتی کہ وہ بے ھوش کیوں ھو گئی

تھی ، وہ اپنے آپ کو بیمار سا محسوس کرتی ، لیکن اسے کوئی بیماری نہ تھی، فاقہ کشی اس کا واحد مرض تھا ۔

وہ بہن اور بہنوئی سے کچھ نہ کہنا چاہتی تھی ، جب وہ ان کے گھر جاتی اور وہ اس سے پوچھتے کہ اس کو کھانا پکانا آیا کہ نہیں اور وہ روزانہ کیا کھاتی ہے تو وہ گول مول جواب دیتی تھی ۔ جب اس کا بہنوئی کہتا کہ وہ پہلے سے بہت جھٹک گئی ہے تو وہ اس کی تائید کرتی اور کام کی زیادتی کا ذکر کرتی جو حقیقت میں اس کی آنکھوں سے ظاہر تھی ، کام کی زیادتی ہی کو وہ اپنی کمزوری کا سبب بتاتی اور پھر وہ ٹال مٹول کرکے اپنی ننھی منی بھانجی یعنی برونیا کی بچی سے کھیلنے لگتی ، وہ اس بچی کو بہت چاہتی تھی ۔

لیکن ایک روز ایک کلاس فیلو کے سامنے اس کو غش آ گیا ۔ اس نے فوراً سری کے بہنوئی اور بہن کو اطلاع کی ، دو گھنٹے کے بعد کازیمیر پہنچا ، اس نے دیکھا کہ وہ زرد روضدی لڑکی بدستور اپنا سبق یاد کر رہی تھی، اس نے اپنی سالی کا طبی معائنہ کیا اور طبی معائنے سے بڑھ کر اس نے نہایت ہوشیاری سے کمرے میں رکھی ہوئی صاف پلیٹوں کو بغور دیکھا ۔ کھانے کے برتنوں کا معائنہ کیا ، جن میں کئی دنوں سے کچھ نہ پکا تھا ۔ تمام کمرے کو اس نے اچھی طرح دیکھا ، غذا کا کوئی سراغ نہ ملا، البتہ چائے کا ایک پیکٹ رکھا تھا ، اچانک اس کی سمجھ میں سب کچھ آ گیا ، اس نے سوالات کرنا شروع کئے ۔

” آج تم نے کیا کھایا تھا ؟ “

” آج ؟ مجھے نہیں معلوم ، تھوڑی دیر ہوئی جب لنچ نو کیا تھا “

” تو تم نے کھایا کیا تھا ؟ “ کازیمیر کی آواز نے جیسے اسے گرفتار کر لیا تھا ۔

” تھوڑے سے بیر کھائے تھے . . . اور سب ہی چیزیں کھائی تھیں “

آخر میں میری کو اقرار کرنا پڑا کہ اس نے کل شام کو تھوڑی سی گاجریں کھائی تھیں اور قریب پاؤ بھر بیر کھائے تھے ۔ وہ رات کے تین بجے تک پڑھتی رہی تھی اور صبح چار بجے سو سکی تھی ، پھر وہ یونیورسٹی چلی گئی تھی ، واپسی میں اس نے باقی گاجریں کھا لیں ، اور پھر اسے غش آ گیا تھا ۔

ڈاکٹر نے کوئی طول طویل تقریر نہ کی ، وہ غصے سے مشتعل ہوچکا تھا ، اسے میری پر بہت غصہ آ رہا تھا اور میری اپنی بھوری اور تھکی تھکی آنکھوں سے اس کی طرف معصومیت سے دیکھ رہی تھی ۔ ڈاکٹر کو اپنے آپ پر بھی غصہ آ رہا تھا ، وہ اپنے آپ کو اس لئے مطعون کر رہا تھا کہ اس نے اس ننھی سی جان کی خبر گیری کیوں نہ کی ، کیا اسی لئے پروفیسر اسکولڈووسکی نے اس لڑکی کو اسے سونپ دیا تھا ۔ اپنی سالی کے احتجاجی الفاظ سنے بغیر اس نے لڑکی کے سر پر ہیٹ منڈھ دیا اور زبردستی کوٹ پنہا دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ جلدی سے اپنی کتابیں اور کاغذ سمیٹے اور اس کے ساتھ چل دے ۔ خاموشی ، بے اطمینانی اور افسوس کے ساتھ وہ اسے اپنے گھر لایا ، اسے افسوس یہ تھا کہ اس نے

پہلے اس کی خبر کیوں نہ لی۔ دروازے کی دھلیز پر برونیا سے ٹکر ہوئی جو باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی۔

بیس منٹ گزر گئے ، گھونٹ گھونٹ کر کے میری نے دوائیں بس۔ کازیمیر نے یہ دوائیں بننے کا حکم دیا تھا۔ ایک پلیٹ بھر کر گائے کے گوشت کا شوربہ اور آلو کھلائے گئے ، جیسے معجزہ ہو جائے ، اس کے گالوں پر رنگ واپس آ گیا۔ اس رات برونیا گیارہ بجے اس کے کمرے میں بتی گل کرنے آئی۔ برونیا نے ایک تنگ سے کمرے میں اس کا بستر بچھا دیا تھا ، کئی روز تک میری کو خوب کھلایا پلایا گیا اور اچھی طرح خبر گیری کی گئی ، اور جب وہ سفاساب ہوئی اور اس کی طاقت بحال ہوئی تو اس نے امتحانات نزدیک آنے کا عذر کیا اور پھر اسی کمرے میں پہنچ گئی ، اس نے وعدہ کیا تھا کہ آئندہ وہ معقول انسان بن کر رہے گی۔

دوسرے ہی روز سے وہ کھانے کے بجائے وہ ہوا کھانے لگی۔

کام ! . . . . کام ! وہ غرق مطالعہ تھی ، اپنی علمی ترقی سے سرشار تھی ، وہ چاہتی تھی کہ تمام علم گھول کر پی جائے ، اس نے ریاضی ، طبعیات اور کیمیا کے نصاب مکمل کئے ، سائنس کے تجربات سے وہ مانوس ہو گئی ، تھوڑے ہی دنوں کے بعد اسے یہاں تک معلوم ہو گیا کہ پروفیسر لپ مین نے سائنس کی دنیا میں تحقیق کا کوئی خاص کام نہ کیا تھا۔

پروفیسر اب اس کا دوست ہو گیا تھا اور اس کی ہر ممکن مدد کے لئے تیار تھا۔ ساربون کی طبعیاتی تجربہ گاہ میں وہ اپنی طاقتیں آزمایا کرتی تھی۔

اسے اس یک سوئی کی فضا اور اس گہرے سناٹے سے شدید محبت تھی۔ تجربہ گاہ کی آب و ہوا کو مرتے دم تک وہ دنیا کی ہر چیز پر ترجیح دیتی رہی۔ شاہ بلوط کی ایک میز پر طبعیات کے آلات رکھے ہوتے تھے اور وہ انہماک سے کام کرتی تھی۔ جب اس پر محویت طاری ہوتی تو وہ پہچانی نہ جاتی تھی۔ تجربہ گاہ کے دوسرے نوجوان لڑکے اس کے آس پاس کھڑے ہوتے یا گزر جاتے لیکن اسے مطلق احساس نہ ہوتا۔ یک سوئی کا وہ بے حد احترام کرتی تھی۔ کام کرتے وقت وہ کسی قسم کی آواز نہ پیدا کرتی تھی اور زبان سے مہمل الفاظ ادا کرتی تھی۔

ایم۔ایس۔سی کی ایک ڈگری اس کے لئے کافی نہ تھی۔ میری نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ دو ڈگریاں حاصل کرے گی۔ ایک فزکس میں اور ایک میتھیمیٹکس میں۔ شروع میں اس کا منصوبہ بہت معمولی سا تھا، لیکن اب وہ بڑی تیزی سے ترقی کر کے اتنا بڑا بن گیا تھا۔

بس جو کچھ مشکل تھی وہ پروفیسر اسکلوڈووسکی کو مطمئن کرنا تھا، وہ بے چینی سے پولینڈ میں اس کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے۔ حسب معمول اس عمدہ آدمی نے مدد کرنے کی پیش کش کی لیکن یہ محسوس کیا جا سکتا تھا کہ وہ اس خود مختار لڑکی کے بارے میں کس قدر پریشان تھا جو سالہا سال

کی فرماں برداری اور قربانی کے بعد اب اپنے پروں پر اڑنے لگی تھی ۔

پروفیسر اسکولڈووسکی بنام برونیا ، ۵ مارچ ۱۸۹۳ء

. . . . . . تمہارے پچھلے خط میں پہلی مرتبہ اس بات کا ذکر تھا کہ مانیا ایم ۔ ایس ۔ سی کے امتحانات کی تیاری کر رہی ہے ، اس نے اپنے خطوں میں کبھی اس کا ذکر نہیں کیا ، حالاں کہ میں نے خود اس سے اس مسئلے پر سوالات کئے ہیں ۔ مجھے صحیح صحیح لکھو کہ اس کا امتحان کب شروع ہوگا اور مانیا کس تاریخ تک امتحان پاس کر لے گی ، اس کی فیس کیا ہے اور اس کے ڈپلومے کی کیا قیمت ادا کرنا ہوگی ۔ میں پہلے ہی سے اس بارے میں سوچ رہا ہوں ، تاکہ میں مانیا کو کچھ رقم بھیج سکوں ، اس پر میرے ذاتی منصوبوں کا انحصار ہے ۔

. . . . . . جس مکان میں میں رہ رہا ہوں ، آئندہ سال بھی اس میں رہنا چاہتا ہوں ، اگر مانیا وطن واپس آئی تو ہم اسی مکان میں رہا کریں گے ۔ یہ مکان ہم دونوں کے لئے نہایت موزوں رہے گا . . . . . . تھوڑا تھوڑا کر کے مانیا اپنے شاگردوں کی تعداد بڑھائے گی اور میں بہر حال اس کی مدد کو تیار ہوں ۔

ہم دونوں کسی تکلیف کے بغیر اس کا انتظام کریں گے . . . . میری خواہ کتنی ہی، شرمیلی سہی لیکن وہ ہر روز انسانوں سے ملنے جلنے سے بچ نہ سکتی تھی ، بعض طلباء مخلص دوست تھے ، غیر ملکی طالبات کا سوربون میں بے حد احترام کیا جاتا تھا اور عریب لڑکیاں جو عام طور پر ذہین ہوتی تھیں ، دور و دراز ملکوں

سے یونیورسٹی میں پڑھنے آئی تھیں ، جن کو یہاں کے بعض لوگ "امہات التعلیم"، کہا کرتے تھے - فرانسیسیوں کے دل میں ان لڑکیوں کے لئے بڑی ہمدردی تھی ، پولش لڑکی بھی مانوس ہو گئی تھی ، اس نے معلوم کر لیا تھا کہ اس کے ساتھی مخلص اور مہربان ہیں ، بعض اوقات ایسے سلوک کرتے ہیں کہ مہربانی سے بڑھ کر کوئی لفظ کہنے کو جی چاہتا ہے - میری ان دنوں خوب صورت تھی ، اس کی سہیلی ڈائی ڈنسکا دل کش شکل و صورت والی لڑکی تھی، اس نے کیوری کو اپنے ساتھ باڈی گارڈ کے طور پر رکھا تھا - ایک روز اس نے اپنے حسن کے بعض مداحوں کو اپنی چھتری سے پیٹنے کی دھمکی دی تھی - ڈائی ڈنسکا ان مردوں سے بے تکلفانہ ملتی جلتی تھی جو اس کی بہت زیادہ تعظیم نہ کرتے تھے اور جو اس سے اس کی صرف تعلیم کے بارے میں باتیں کرتے تھے ، تجربہ گاہ کے اوقات اور فزکس کے لکچر کے درمیان وہ پروفیسر پال سے گفتگو کرتی تھی یا پھر ماربن یا جین سے باتیں کرتی تھی ، یہ فرانس میں آگے چل کر بہت بڑے سائنسدان بننے والے تھے- بس فاصلے کے ساتھ یہی لوگ اس کے دوست تھے -

میری کے پاس دوستی اور محبت کے لئے وقت ھی نہ تھا ، اسے تو صرف علم ریاضی اور طبعیات سے محبت تھی -

اس کا ذہن فضول چیزوں کو جمع کرنے کا قائل نہ تھا ، اس کا ذہن اتنا واضح تھا کہ غیر متعلق باتیں رسائی حاصل ھی نہ کر سکتی تھیں - اس کا ارادہ آھنی ارادہ تھا اور اس مذاق کے کاملیت میں جنون کی آمیزش تھی ، اور اس میں ضدی پن بھی شامل تھا ،

باقاعدگی سے اور صبر کے ساتھ وہ اپنی منزل کی طرف بڑھ رہی تھی - ۱۸۹۳ء میں اس نے علم طبعیات میں ماسٹر آف سائنس کی ڈگری حاصل کی ، دوسری مرتبہ ۱۸۹۴ء میں علم ریاضی میں ماسٹر آف سائنس کی ڈگری حاصل کی -

وہ فیصلہ کر چکی تھی کہ وہ فرانسیسی زبان مکمل طور پر سیکھے گی - یہ زبان اس کے لئے ناگزیر تھی - وہ غلط سلط بولنے اور برسوں کے رٹے ہوئے جملے ادا کرنے کی قائل نہ تھی ، جیسا کہ بہت سے پولستانی باشندے کر رہے تھے ۔ وہ صحیح صحیح املا سیکھ رہی تھی اور پورے یقین کے ساتھ اس زبان کو بولنا چاہتی تھی اور نہایت صحیح تلفظ کے ساتھ فرنچ بولنا چاہتی تھی - تمام زندگی صرف "آر" کی صحیح ادائیگی کے سوا وہ سحر انگیز اور دل کش انداز سے فرنچ بولتی رہی -

صرف چالیس روبل ماہوار میں وہ کامیاب زندگی بسر کر رہی تھی ، کبھی کبھی تفریح کے لئے بھی وقت نکال لیتی تھی ، کسی شام کو تھیٹر جاتی تھی ، کبھی کبھی سبزے کے لئے نکل جاتی تھی اور سیاہ پھول چن کر لاتی تھی ، جو کئی روز تک اس کی سبز کی زینت بنے رہتے تھے ، وہ بچپن میں ایک کسان لڑکی ہی تو تھی اور مانیا کے اندر کی کسان لڑکی ابھی مری نہیں تھی ، اتنے بڑے شہر میں گم ہو کر بھی وہ درختوں کی کونپلیں پھوٹنے کا انتظار کرتی تھی اور جب بھی اسے وقت ملتا اور اس کے پاس دام ہوتے وہ تیزی سے جنگلوں کا رخ کرتی تھی -

---

میری بنام پروفیسر اسکولڈووسکی ، ۱٦ اپریل ۱۸۹۳ء

گذشتہ اتوار میں پیرس کے نواح میں لی رینے گئی تھی ، بڑا بر فضا مقام ھے ، سفیدے کے درخت دور دور تک نظر آ رھے تھے ، بہار اپنے شباب پر تھی ، پھل دار درختوں کی قطاریں تا حد نظر پھیلی ھوئی تھیں ، سیب کے درخت تک موجود تھے - پھولوں کی خوشبو سے ھوا بوجھل ھو رھی تھی - پیرس میں اپریل کے آغاز ھی سے درختوں کی کونپلیں پھوٹنے لگتی ھیں اور ھرے بھرے نظر آتے ھیں ، اب کونپلیں پھوٹ چکی ھیں اور شاہ بلوط کے درختوں میں پھل آ رھے ھیں ، اور گرمی ایسی ھے جیسے موسم گرما میں ھوتی ھے ، ھر طرف سرسبزی اور شادابی ھے - میرا کمرہ کافی گرم ھے ، خوش قسمتی سے جولائی میں جب میرے امتحانات ھوں گے تو میں یہاں نہیں ھوں گی ، کیوں کہ یہ کمرہ میں نے صرف آٹھ جولائی تک کرایہ پر لیا ھے -

جوں جوں امتحانات قریب آ رہے ھیں ، میں خوف زدہ ھوتی جاتی ھوں ، کیوں کہ تیاری حسب دل خواہ نہیں ھو سکی ھے - زیادہ سے زیادہ مجھے نومبر تک انتظار کرنا ھوگا ، لیکن اس وقت تک موسم گرما ختم ھو چکا ھوگا اور نومبر کا مہینہ مجھے پسند نہیں ، بہر حال ھمیں انتظار کرنا ھے اور دیکھنا ھے -

. . . . . جولائی . . . . حبس اور گرمی ، صبح کا وقت ، تیس طالب علم امتحان دینے کے لئے ایک ھال میں بند ھیں - میری کے ھاتھ میں امتحان کا پرچہ آیا تو اتنا بوکھلا گئی کہ حروف اس کی آنکھوں کے سامنے ناچنے لگے ، اور وہ کئی منٹ تک پرچہ پڑھ نہ سکی -

حالاں کہ سب کورس کے اندر کے سوالات تھے۔ امتحان ختم ہو گیا اور اب نتیجے کا انتظار تھا۔ اس اثناء میں میری اپنے کنبے میں گھل مل گئی۔ جس روز نتیجے کا اعلان ہونے والا تھا، یونیورسٹی میں لوگوں کا اژدھام تھا، یہاں باآواز بلند پاس ہونے والوں کے نام لئے جا رہے تھے۔ وہ ممتحن کے آنے کا انتظار کرنے لگی، اچانک سکوت کے بعد اس نے سب سے پہلے اپنا نام سنا "میری اسکلوڈووسکا"

اس کے جذبات کا کوئی اندازہ نہ کرسکتا تھا، وہ اول نمبر پاس ہوئی تھی، اس کے کلاس فیلو اسے مبارک باد کہنے لگے لیکن وہ وہاں سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ وہ ھجوم سے نکل آئی۔ اب تعطیلات گرما شروع ہو چکی تھیں، اب وہ اپنے وطن پولینڈ جائے گی۔ اب کمرے سے رخصتی کا وقت آ گیا۔ اس نے اپنا فرنیچر، پلنگ، بستر، اسٹوو اور دوسرا سامان سمیٹنا شروع کیا۔ وہ موسم گرما میں خالی خولی پیرس میں رہ کر کیا کرے گی، اس کے پاس اتنے پیسے ھی کہاں تھے، وہ اپنے کمرے سے رخصت ہوئی لیکن رخصت ہونے سے پہلے اس نے اچھی طرح جھاڑو دی اور اطمینان بخش حد تک صفائی کی، پھر وہ مالک مکان سے ملی اور اسے آخری بار سلام کیا۔ اب وہ اس سے کبھی نہ مل سکے گی۔ اس نے سفر کی تیاری شروع کی، بندھے ہوئے بنڈلوں کے عدد گنے اور پھر وہ اچانک ایک بڑی سی دوکان میں داخل ہوئی اور اس نے وہ کام کیا جو سال بھر تک نہ کر سکی تھی، وہ بنیائن اور موزوں پر نظر دوڑا رہی تھی . . .

یہ بات باعث شرم ہے کہ کوئی شخص اپنے وطن جائے تو اس کی جیب میں محض سکے ہوں ۔ رسم یہ ہے کہ جتنے بھی دام بچ رہے ہوں ان سے گھر والوں کے لئے تحائف خریدے جائیں ۔ تحائف خرید کر وہ ٹرین میں بیٹھ گئی ۔ یہاں سے دو ہزار کلومیٹر کے فاصلے پر ریل کی پٹریوں کے دوسرے سرے پر اس کا بوڑھا باپ اسکلوڈووسکی ، اس کا بھائی جوزف اور اس کی بہن ہیلا ایک جانے پہچانے کمرے کی چھت کے نیچے سو رہے ہوں گے ۔ سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا ہوگا اور اونی لباس پہنے سو رہے ہوں گے ، یہ لباس آئندہ جب وہ ساربون واپس آئے گی تب وہ پہنے گی ، اب جب وہ دوبارہ یونی ورسٹی آئے گی تو پہلے سے زیادہ بشاش اور موٹی ہو کر آئے گی ۔ تین ماہ تک وہ پولینڈ کے تمام اسکلوڈووسکی گھرانوں میں کھانی پھرے گی ، گویا سب لوگ اس کے منتظر ہیں اور پھر جب وہ یونی ورسٹی میں دوسرا سال شروع کرے گی تو امتحان کے لئے سخت محنت کرے گی اور پھر دبلی ہو جائے گی ۔

لیکن ہر مرتبہ جب موسم خزاں آتا تو مبری کو وہی پریشانی شروع ہو جاتی ، اب وہ پیرس واپس کیسے جائے گی ، وہ روپیہ کا کہاں سے انتظام کرے ، فی‌الوقت اسے چالیس روبلوں کی ضرورت تھی ، بچت کی رقم ختم ہو چکی تھی اور باپ سے مانگتے ہوئے اسے شرم آ رہی تھی ۔ ۱۸۹۳ء میں صورت حال اتنی بگڑ چکی تھی کہ سفر کا ارادہ ترک کر دیا تھا لیکن اچانک ایک معجزہ رونما ہوا ، وہی اس کی سہیلی ڈائی ڈنسکا جس نے ایک سال پہلے اپنی چھتری سے اس کا دفاع کیا تھا ،

اب بھی دفاع کرنے کو تیار تھی ، وہ کسی طرح وارسا میں آ گئی اور اس نے اسے الیگزینڈر اسکالر سپ دے دیا ۔ یہ ان لائق طالب علموں کو ملنا تھا جو غیر ممالک میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہتے تھے ۔

چھ سو روبل ! بندرہ مہینے کے لئے بہت کافی تھے ۔ میری جو لوگوں کا تعاون حاصل کرنے کا طریقہ جانتی تھی ، اس نے اس رقم کو قبول کر لیا ، مسرور اور مسحور ہو کر وہ فرانس روانہ ہو گئی ۔

اپنے بھائی جوزف کے نام، ۱۵ ستمبر ۱۸۹۳ء

. . . میں نے چھٹی منزل پر ایک کمرہ کرایہ پر لیا ہے ، یہ مکان ایک نفیس اور صاف ستھری گلی میں واقع ہے ۔ والد سے بتا دو کہ میں اس کمرے سے بہت مطمئن ہوں اور جب میں اس کی کھڑکی مضبوطی سے بند کر دیتی ہوں تو کمرے میں ٹھنڈک باقی نہیں رہتی ۔ کمرے کا فرش لکڑی کا ہے ، اینٹوں کا نہیں ہے اور میرے گذشتہ سال کے کمرے کے مقابلے میں یہ کمرہ بہت اچھا ہے ، اس کا سالانہ کرایہ ایک سو اسی فرانک ہے ، اور اس طرح یہ اس کمرے سے ساٹھ فرانک سستا ہے ، جس کا ذکر والد نے کیا تھا ۔

شاید یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ میں پیرس واپس آ کر بہت خوش ہوں ، والد سے جدا ہونا میرے لئے بہت صبر آزما تھا ، لیکن میں نے دیکھا کہ وہ ھشاش بشاش ھیں اور میرے بغیر

رہ سکتے ہیں . . . خصوصاً جب تم وارسا میں موجود ہو۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو میری تمام زندگی داؤں پر لگی ہوئی ہے ۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ میں یہاں اپنے ضمیر کی ملامت کے بغیر رہ رہی ہوں ۔

ابھی کچھ دیر پہلے میں بے تھکان ریاضی پڑھ رہی تھی ، تاکہ جب نصاب شروع ہو تو میں اس کا ساتھ دے سکوں ۔ جو امتحان میں پاس کر چکی ہوں وہی امتحان میری ایک سہیلی دینے والی ہیں ، ہفتے میں تین بار صبح کے وقت میں انہیں پڑھاتی ہوں ۔ والد سے کہو کہ اس کام سے مجھے فائدہ پہنچے گا اور اس سے میں اکتاتی نہیں ہوں ، آئندہ اس کام کو ترک کرنے کا ارادہ بھی نہیں ہے ۔ آج سے میں نے اپنا کمرہ سجانا شروع کر دیا ہے ، لیکن بہت غریبانہ انداز سے ، پھر میں کر بھی کیا سکتی ہوں ؟ ہر کام مجھی کو کرنا ہے ، ورنہ بہت مہنگا پڑے ، مجھے خود ہی فرنیچر ٹھیک کرنا ہے (یعنی وہ چیزیں جنہیں میں فرنیچر کہہ سکتی ہوں) کیوں کہ تمام سامان کی قیمت صرف بیس فرانک ہے ۔

میں جوزف بوگسکی کو خط لکھوں گی اور اس سے اس کی تجربہ گاہ کے بارے میں دریافت کروں گی ۔ میرے مستقبل کے پیشے کا اس پر انحصار ہے ۔

میری بنام جوزف ، ۱۸ مارچ ۱۸۹۴ء

. . . . اپنی زندگی کے بارے میں مفصل لکھنا مشکل ہے ، در حقیقت میری زندگی بڑی دلچسپ ہے ، مجھے یکسانیت کا کوئی

احساس نہیں اور مجھے اس بات کا افسوس ہے کہ دن بڑے مختصر ہوتے ہیں اور بڑی تیزی سے گزر رہے ہیں - کوئی یہ نہیں دیکھ سکتا ہے کہ کتنا کام ہو چکا ہے ، صرف یہ دیکھ سکتا ہے کہ کتنا کام باقی ہے اور اگر کوئی شخص کام سے گریز کرتا ہے تو یہ بہت حوصلہ شکن ہے -

میں چاہتی ہوں کہ تم علم طب پر ایک مقالہ لکھو اور ڈاکٹر کی ڈگری حاصل کر لو . . . . ایسا نظر آتا ہے کہ ہم میں سے کسی کے لئے زندگی آسان نہیں لیکن کیا کیا جائے ؟ ہم سب کو اعتماد کے ساتھ کوشش کرنا ہے ، ہم سب کو اس بات پر ایمان رکھنا چاہئے کہ ہمارے خاندان کے تمام افراد کو خداداد نعمتیں ملی ہیں اور ہر قیمت پر ہمیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانا ہے ، ہو سکتا ہے کہ اچانک ہماری کایا پلٹ جائے اور اس طرح پلٹے جس کی ہمیں امید بھی نہ ہو - الیگزینڈر اسکالرشپ امدادی تھا - میری نے کوشش کی کہ وہ چھ سو روبلوں سے فائدہ اٹھائے تاکہ کچھ دنوں اور لکچر ہال اور تجربہ گاہوں کی فردوس میں رہ سکے ، چند سال بعد وہ اپنی ابتدائی کمائی میں سے چھ سو روبل بچایا کرے گی اور اس کے حکم سے ایک انجمن قائم ہوگی ، جس کا نام ہوگا "سوسائٹی فار دی انکرجمنٹ آو نیشنل انڈسٹری" ، میری نے بڑے اعتماد کے ساتھ یہ وظیفہ قبول کر لیا تھا لیکن دل میں اسے قرض سمجھتی تھی ، وہ اپنے آپ کو بددیانت سمجھتی اگر وہ اس کا اجر نہ دیتی - میری والدہ نے بولش زبان میں ایک چھوٹی سی نظم کہی تھی وہ زمانۂ طالب علمی کی یادگار ہے ، مجھے

یاد ہے کہ انہوں نے مجھے اس نظم کا مطلب بھی سمجھایا تھا ، بڑی ظرافت کے ساتھ مسکرا مسکرا کر ۔ زمانے طالب علمی کی ایک تصویر تھی ، جو انہیں بہت عزیز تھی ، ایک چھوٹا سا فوٹوگراف تھا ، ایک طالب علم لڑکی کا ، جس کی آنکھوں میں جرات تھی اور جس کی ٹھوڑی سے قوت ارادی ظاہر ہوتی تھی ، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ جیسی کٹھن زندگی انہوں نے گزاری وہ نہیں چاہتی تھیں کہ دوسرے طالب علم بھی ویسی کٹھن زندگی گزاریں ۔ وہ نظم یہ تھی :

آہ ! طالب علم کی جوانی کیسے کھردرے پن سے گزرتی ہے ، جب کہ اس کے گرد و پیش میں جذبات سے بھرپور شاداب جوانیاں ہوتی ہیں ۔ اس کے ہم سن نوجوان تعیش اور تن آسانی کی تلاش کرتے ہیں اور طالبہ تنہائی میں کتاب پڑھتی ہے ۔

وہ اپنی جگہ پر مگن ہوتی ہے ، کیونکہ اسے اپنی کوٹھری میں اپنے لئے احترام کی فضا ملتی ہے ، اور اسی سے اس کا دل مسرور رہتا ہے ۔

لیکن یہ وقت بڑا کٹھن ہوتا ہے ۔
وہ سائنس کی دنیا ضرور چھوڑ دے گی ۔
اس دنیا سے نکل کر وہ روٹی کمانے کے لئے جدوجہد کرے گی ۔
زندگی کی بھوری سڑکوں پر ۔
پھر اس کی تھکی ہوئی روح کسی چھت کے نیچے سستائے گی ۔
اسی کمرے کے اسی گوشے میں جو اسے جان سے زیادہ عزیز ہے ،

جہاں خاموش محنت کی سکونت ہے اور حافظے کی ایک دنیا بسی ہوئی ہے -

اس میں کوئی شک نہیں کہ میری زندگی کی دوسری مسرتوں سے بعد میں روشناس ہوئی تھی ، لیکن اپنے بے پایاں جذبات محبت میں بھی لمحات فتح و شہرت میں بھی اس ابدی طالبہ نے کبھی غرور نہ محسوس کیا - اسے اپنی شہرت اور اپنی کامرانی سے کبھی طمانیت قلب نہ حاصل ہو سکی ، البتہ اسے اپنی مفلسی پر گھمنڈ تھا - اسے غیر ملک کے انجان شہر میں تنہا اور خودمختارانہ طور پر رہنے پر ناز تھا - اپنے غریبانہ کمرے میں شام کے وقت لیمپ کی روشنی میں کام کرتے ہوئے اسے اپنے مقدر کا احساس ہوا ، وہ اب بھی ایک ادنیٰ لڑکی تھی اور پراسرار طور پر بلند شخصیتوں سے تعلق رکھتی تھی یعنی وہ دنیا کے مشہور سائنسدانوں کی رشتہ‌دار اذلی تھی اور وہ غائبانہ طور پر ان سے متعارف تھی ، وہ بڑے سائنس دان جو ماضی میں اسی کی طرح اپنی کوٹھریوں کے دروازے بند کر کے لیمپ کی چندھی چندھی روشنی میں کام کرتے تھے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر تھے ، اور اسی کی طرح ان کے ذہنوں میں بھی یہ تحریک اٹھی تھی کہ جو کچھ علم حاصل کیا ہے ، اس سے بہت زیادہ علم حاصل کریں -

ہاں ، یہ چار سال جنہیں وہ شجاعت کے چار سال کہا کرتی تھی ، یہ سادام کیوری کی زندگی کے نہ صرف یہ کہ سب سے زیادہ مسرور کن سال تھے بلکہ اس کی نظر میں یہ چار سال مکمل ترین تھے اور انسانی مقصد کی بلند چوٹی سے سب سے زیادہ نزدیک

تھے ۔ انسانی مقصد کی وہ جوئی جس پر اس کی نظر نے تربیت پائی تھی ۔ جب کوئی جوان ہو اور تنہا ہو اور فنا فی‌المطالعہ ہو تو وہ بھرپور زندگی نہیں گزار سکتا ۔ ایک شدید جوش و خروش نے اس چھبیس سال کی لڑکی کو ایک ایسی طاقت بخشی جس سے وہ اپنے گرد و پیش کو بالکل بھول گئی ، اور اس طرح اس لڑکی نے اپنے ادنیٰ وجود میں طلسمی مقناطیسیت پیدا کی ، بعد میں عشق ، زچگی ، بیاہتا عورت کی پریشانیاں ، ماتا کی بپتائیں اور گھرداری کی الجھنیں شروع ہونے والی تھیں ، لیکن ان طلسماتی لمحات میں وہ ایک منچلے بچے کی طرح تھی ۔ اس وقت وہ اتنی غریب تھی کہ باقی زندگی میں کبھی اتنی غریب نہ ہو سکے گی ۔ وہ آہستہ آہستہ کسی اور ہی دنیا میں بہہ رہی تھی ، جس کے بارے میں اس کا خیال صاف ستھرا اور سچا تھا ۔

زندگی کا ہر روز اتنی مہم جوئی میں نہیں گزر سکتا ، کچھ ان دیکھے حادثات تھے ، جو تمام چیزوں کو تلپٹ کر دیں گے اور جن کا کوئی حل نہ نظر آئے گا ، ایسی تھکن محسوس ہوگی ، جس کا دور ہونا ناممکن نظر آئے گا ، مختصر سی بیماری ہوگی جو علاج اور دیکھ بھال کا مطالبہ کرے گی اور اسی قسم کے دوسرے خوفناک المیے ہوں گے ۔ جوتوں کا ایک ہی جوڑا رہ گیا تھا ، تلے میں چھید ہوگئے تھے ، اب نئے جوتے خریدنے کی بے حد ضرورت تھی ، اس کا مطلب یہ تھا کہ اگر جوتے خریدے گئے تو کئی ہفتوں کا بجٹ اوپر نیچے ہو جائے گا اور بعض بنیادی خرچے بہر حال پورے کرنے تھے ، مثلاً کھانا اور لیمپ جلانے کے لئے تیل ، اس دفعہ سردی کا موسم معمول سے زیادہ طول پکڑ گیا تھا ۔ وہ چھٹی منزل پر رہتی

تھی جو برف سے منجمد ہو جاتی تھی۔ اتنی زیادہ سردی تھی کہ مارے ٹھنڈک کے میری سو نہ سکتی تھی، وہ تھر تھر کانپ رہی تھی، اس کے دانت بج رہے تھے، کوئلوں کا اسٹاک ختم ہو چکا تھا.... لیکن پھر کیا کیا جائے؟ کیا ایک پولش لڑکی پیرس کی سردی سے مات کھا جائے گی؟ میری نے دوبارہ لیمپ جلایا اور چاروں طرف دیکھا۔ اس نے بڑا صندوق کھولا اور جتنے بھی کپڑے اس کے پاس تھے، اس نے سب نکال لئے۔ جتنے کپڑے اس سے پہنے گئے اس نے سب پہن لئے، پھر وہ بستر پر لڑھک گئی اور اس نے اوپر سے کپڑے اوڑھ لئے اور اکہری چادر اوڑھ کر اس کے اوپر بھی کپڑوں کا انبار لگا لیا، لیکن سردی اب بھی بہت زیادہ تھی میری نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور کرسی اٹھا کر اپنے اوپر رکھ لی، اب کپڑوں کے انبار کے اوپر کرسی کھڑی ہوئی تھی۔ اس طرح سے وہ کچھ وزن اور گرمی کا تصور باندھ رہی تھی۔

اب ایک ہی کام باقی رہ گیا تھا یعنی کروٹ بدلے بغیر نیند کا انتظار، تاکہ وہ مجان باقی رہے جس میں وہ خود زندہ بنیاد بنی لیٹی تھی، اسی اثناء میں کمرے میں رکھی ہوئی صراحی کا پانی آہستہ آہستہ برف کی شکل میں تبدیل ہونے لگا۔



دسواں باب

پیئر کیوری

میری نے اپنے زندگی کے منصوبوں سے شادی کا پروگرام بالکل نکال دیا تھا ۔ شادی کرنا کوئی نئی بات تو ہے نہیں ۔ اس سلسلے میں غریب لڑکی کی پہلے ہی سے حوصلہ شکنی اور بے عزتی ہو چکی تھی ، اس کا پہلا رومان بری طرح ناکام رہا تھا ۔ اس نے قسم کھا لی تھی کہ اب وہ کسی سے عشق نہ کرے گی ، اس سے بڑھ کر یہ کہ اس طالبہ نے جو اپنی ذہنی اڑان سے رفعت اور سربلندی حاصل کی تھی اس کے پیش نظر اس نے بہ آسانی فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مرد کی لونڈی گیری سے کنارہ کش رہے گی ۔ ہر زمانے میں وہ عورتیں جو عظیم مصور، عظیم موسیقار بننا چاہتی تھیں انہوں نے شوہر پرستی اور ماں کی مامتا کو بہ نظر حقارت دیکھا اور زیادہ تر انہوں نے گھریلو زندگی اس وقت اختیار کی جب ان کے خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوئے یا جب انہیں شادی کے وسیلے سے ترقی کرنا مقصود ہوئی ، یہ حقیقت ہے کہ انہیں اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹنا ہی پڑا ۔

میری نے اپنے لئے ایک الگ دنیا آباد کی تھی جس میں سنگ دلی اور سختی تھی ، جس میں صرف سائنس کے لئے محبت تھی ، اس دنیا میں گھر والوں اور مظلوم وطن کا بھی ایک مقام تھا ، لیکن اس کے سوا اور کوئی گنجائش نہ تھی ۔ کسی اور چیز کا

شمار ھی نہ تھا ، کسی اور شے کا وجود ھی نہ تھا ، اس طرح گویا اس نے حکم لگا رکھا تھا ۔ چھبیس سال کی جوان جہان خوب صورت لڑکی جو پیرس میں تن تنہا رھتی تھی اور یونیورسٹی اور تجربہ گاہ میں روزانہ جوان لڑکوں سے ملتی تھی ، کسی سے التفات نہ کرتی تھی ۔

میری اپنے خوابوں کی ستائی ہوئی تھی ، اپنی غریبی سے پریشان تھی اور شدید کام اور محنت کے بوجھ کے نیچے دبی ہوئی تھی ۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ تعیش کسے کہتے ھیں اور تعیش سے کیا نقصانات ھوتے ھیں ۔ اس کے غرور اور اس کی بزدلی نے اسے بچائے رکھا ۔ زیڈ کے ساتھ جو معاملہ ھوا اس سے وہ بے یقینی میں مبتلا ھو گئی، ان لوگوں نے اسے بہو بنانے سے انکار کر دیا تھا ۔ اس سے یہ ھوا کہ اس کے دل میں یہ وھم سما گیا کہ غریب لڑکیوں کو کوئی نہیں پوچھتا ۔ اپنے نظریات سے وہ اینٹھ کر رہ گئی اور واقعات سے اس میں کڑوا پن پیدا ھوگیا اور اس نے اپنی آزادی اور خود مختاری کو بھینچ کر کلیجے سے لگا لیا ۔

” یہ حیرت انگیز بات نہیں ھے کہ پولینڈ کی ایک ذھین لڑکی جو تنہائی سے اپنے وجود کو خشک بنا چکی تھی ، اس نے اپنے مقصد کی خاطر اپنے آپ کو محفوظ کر لیا تھا ۔ لیکن یہ بات حیرت انگیز تھی ، بلکہ نہایت عجیب تھی کہ ایک ذھین سائنسداں ایک فرنچ جوان، ایک پولش لڑکی کے لئے رکا رھے اور غیر شعوری طور پر اس کا انتظار کرے ۔ یہ بات بھی باعث حیرت ھے کہ جب میری ابھی بچی ھی تھی اور نووولپکی اسٹریٹ میں اپنے

تنگ کمرے میں بیٹھی ہوئی ساربون میں پڑھنے کے خواب دیکھ رہی تھی ، اس وقت پیئر کیوری ساربون سے پڑھ کر واپس آ چکا تھا اور وہ علم طبعیات میں بعض چیزیں دریافت کرچکا تھا اور اپنی ڈائری میں یہ مایوس کن الفاظ لکھ چکا تھا ۔

..... مردوں کے مقابلے میں عورتیں زندگی سے زیادہ محبت کرتی ہیں ۔ ذہین عورتیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں ، جب ہم کسی پراسرار محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں تو ہم ایک غیر قدرتی راستہ اختیار کر لیتے ہیں ، جب ہم اپنے تمام خیالات ایک مقصد کی طرف لگا دیتے ہیں تو ہم انسانیت سے بیگانہ ہو جاتے ہیں ۔ ہمیں عورتوں کے خلاف جد و جہد کرنا ہوگی ۔ مائیں ہر چیز سے بڑھ کر اپنے بچوں سے پیار کرتی ہیں اور انہیں لاڈ دلار سے بیوقوف بنا دیتی ہیں ، عورتیں چاہتی ہیں کہ اپنے چاہنے والوں پر ملکیت حاصل کر لیں اور چاہتی ہیں کہ اگر کسی مرد میں دنیا کی کیسی ہی نادر خوبی کیوں نہ ہو ، اپنی محبت پر اسے قربان کر دیں ۔ عورتیں مزے میں رہتی ہیں ....

دن گزرتے گئے ۔ پیئر کیوری سائنسی تحقیق کے لئے جسم اور روح کی تپسیا کرتا رہا ، اس نے کسی ادنیٰ یا اعلیٰ لڑکی سے شادی نہ کی ، بہت سی لڑکیاں اس کی زندگی میں آئیں ، اس کی عمر پینتیس سال تھی ، اسے کسی سے محبت نہ تھی ۔

جب وہ تن آسانی کے ساتھ اپنی ڈائری لکھ رہا تھا اور اپنی لکھی ہوئی عبارت کو دوبارہ پڑھ رہا تھا تو ان مایوس کن الفاظ کی روشنائی کو خشک ہوئے عرصہ ہو چکا تھا ۔

". . . ذہین عورتیں ساذ و نادر ہی ملتی ہیں . . ."

"جب میں اندر آئی تو پیئر کسوری بالکونی کو جانے والے دروازے کے پاس لگی ہوئی کھڑکی کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ مجھے بہت ہی نوعمر نظر آیا، حالاں کہ اس وقت اس کی عمر پینتیس سال تھی۔ میں اس کی نگاہ کے واضح انداز سے بہت متاثر ہوئی، اس کے ڈیل ڈول سے ہلکی سی بے پرائی بھی نمایاں تھی۔ اس کے اطمینان، اس کے تفکر، اس کے تبسم، اس کی سادگی، اس کی متانت اور اس کی جوانی میں اعتماد تھا، ہم دونوں میں گفتگو شروع ہوئی اور ہم دونوں ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ سائنس کے کسی مسئلے پر سوالات شروع ہوئے جس کے بارے میں اس کی رائے معلوم کر کے مجھے خوشی ہوئی"

پہلی ملاقات جو ۱۸۹۴ء کے آغاز میں ہوئی تھی، اس کا میری نے ان الفاظ میں ذکر کیا تھا۔

پولینڈ کا ایک باشندہ، یونیورسٹی آف فرائی برگ میں طبعیات کا پروفیسر مسٹر کووالسکی اپنی نوجوان بیوی کے ہمراہ پیرس آ رہا تھا، جس سے میری زوسکی میں مل چکی تھی۔ دونوں میاں بیوی ہنی مون منانے آ رہے تھے لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک سائنسی مہم بھی سر کرنا چاہتے تھے۔ کووالسکی نے پیرس میں چند تقریریں کیں اور فزکس سوسائٹی کے چند جلسوں میں شرکت کی۔ اپنی آمد پر اس نے میری کو پوچھا اور اس کی خیریت دریافت کی۔ میری نے اپنی بعض پریشانیوں کا ذکر کیا۔ نیشنل انڈسٹری کی ترقیاتی سوسائٹی نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ مختلف فولادوں میں

مقناطیسی اجزاء کا مطالعہ کرے ۔ اس نے پروفیسر لپ مین کی تجربہ گاہ میں تحقیق شروع کر دی تھی لیکن اسے مختلف دھاتوں کا تجزیہ کرنا تھا اور نمونے کے طور پر کچھ دھاتوں کے گروہ اور ان کے اقسام جمع کرنے تھے ۔ پروفیسر لپ مین کی تجربہ گاہ میں جو سامان موجود تھا وہ بہت بھدا تھا ۔ تجربہ گاہ میں تجربہ کرنے والوں کا کافی ھجوم تھا ، اس لئے آلات سے استفادہ کرنے کا پورا موقع نہ ملتا تھا ۔ میری کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ کیا کرے اور کہاں جا کر تجربے کرے ۔

" مجھے ایک تدبیر سوجھ گئی ھے "، جوزف کراولسکی نے چند لمحے غور کرنے کے بعد کہا " میں ایک سائنسداں کو جانتا ھوں ، وہ بڑی خوبیوں کا مالک ھے اور ریولومنڈ میں اسکول آف فزکس اینڈ کیمسٹری میں کام کرتا ھے ۔ شاید اس کے پاس تجربہ کرنے کے لئے ایک کمرہ خالی مل جائے گا اور اگر کمرہ نہ مل سکا تب بھی وہ تمہیں کوئی مفید مشورہ دے گا ۔ کل شام میرے اور میری بیوی کے ساتھ چائے پینے آؤ، میں اس نوجوان کو بھی چائے پر بلا لوں گا ، شاید تم اسے جانتی ھو ، اس کا نام پیئر کیوری ھے "

ایک پرسکون بورڈنگ ھاؤس کے کمرے میں نوجوان جوڑے کے سر سے ایک پرسکون شام گزر گئی ، دفعتاً فرنچ ماھر طبعیات اور پولش طالبہ کو ایک دوسرے سے لگاؤ پیدا ھو گیا ۔

پیئر کیوری کی دلکشی میں بڑی انفرادیت تھی، یہ دلکشی اس کی متانت اور بے پروائی سے مرکب تھی ۔ اس کا قد لمبا تھا ، اس کے کپڑے ڈھیلے ڈھالے تھے ، پرانی وضع کے تھے ، لیکن سانچے

کے نہ لگیے تھے ، اس کا انداز قدرتی تھا ، اس کے ہاتھ لمبے لمبے اور حساس تھے ، اس کا چہرہ باقاعدہ اور تقریباً جذبات سے معرا تھا ، اس کی داڑھی خشک اور لمبوتری تھی ، اس کی آنکھیں خوب صورت اور پر سکون تھیں اور اس کی نظر بے مثال تھی ، اس کی نظر میں گہرائی اور متانت تھی اور یہ نظر ہر قسم کی آلائشوں سے پاک تھی ۔

اگرچہ یہ شخص برابر لئے دئیے رہا اور کبھی بلند آواز سے نہ بولا ، لیکن یہ معلوم کرنا ناممکن نہ تھا کہ اس کی ذہانت اور اس کی انفرادیت نادر اور بے مثل ہے ۔ وہ تمدن جس میں غیرمعمولی طور پر ذہین لوگ شاذ و نادر ہی اخلاقی طور پر بلند ہوتے ہیں ، پیئر کیوری انسانیت کا ایک نادر نمونہ تھا ۔ وہ ذہین بھی تھا اور صالح بھی تھی ۔

اس غیر ملکی لڑکی سے جو تاثر پہلی مرتبہ اس نے قبول کیا وہ ناقابل بیان ہے ، لڑکی کی کم سخنی نے جستجو کی آگ اور بھڑکا دی۔ یہ مس اسکلوڈووسکا شاید واقعی ایک عجیب و غریب لڑکی تھی . . . . وہ پولش تھی اور وارسا سے پیرس تعلیم کے لئے آئی تھی۔ گذشتہ سال فزکس کا امتحان پاس کرچکی تھی اور اب چند مہینے بعد ریاضی کا امتحان پاس کرے گی اور اگر اس کی بھوری آنکھوں کے پپوٹوں میں قبل از وقت جھریاں پڑ گئی ہیں تو اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ یہ نہیں جانتی کہ فولاد کی مقناطیسیت کا مشاہدہ کرنے کے لئے کس کا کمرہ تلاش کرے بلکہ اس کی کچھ اور ہی وجہ تھی ۔

ابتدائی رسمی گفتگو بہت جلد سائنسی مکالمے میں تبدیل ہوگئی ، میری نے کچھ بزدلی اور کچھ پاس ادب کے ساتھ سوالات کئے اور پیئر کی تجاویز کو بغور سننے لگی - پیئر نے اپنے منصوبوں کی وضاحت کی اور اس نے اسے " کرسٹلو گرافی " کے بارے میں بتایا ، جس پر وہ ان دنوں تحقیق کر رہا تھا - کتنی حیرت کی بات تھی کہ وہ ماہر طبعیات جو ہمیشہ اصطلاحی زبان میں گفتگو کا عادی تھا ایک عورت سے باتیں کرنا پسند کر رہا تھا - ایک نہایت پیچیدہ فارمولا بیان کر رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ دل کش اور کم سن خاتون بڑے انس کے ساتھ سن رہی تھی ، جو کچھ سن رہی تھی سمجھ بھی رہی تھی اور بعض جزئیات پر بحث بھی کر رہی تھی ، اس کی بحث اغلاط سے مبرا تھی . . . . یہ کتنی اچھی بات تھی ! کتنی پر لطف بات تھی !

میری کے بال کیسے نظر آ رہے تھے ، اس کی پیشانی کتنی بلند تھی اور اس وقت بھی اس کے ہاتھوں میں تجربہ گاہوں کے تیزابوں کے دھبے لگے تھے ، گھر کے کام کاج سے اس کے ہاتھ کھردرے ہوگئے تھے - وہ اپنی دلربائی سے غافل تھی اور اس کی دلربائی میں ناز و ادا کے نہ ہونے سے اور بھی حیرت پیدا ہو گئی تھی - پیئر نے اپنے ذہن کو کریدا ، اس میں عورت کے خلاف بڑی نفرتیں تھیں اور اس نے یہ بات اس لڑکی سے بھی بتا دی - لڑکی نے اسے بتایا کہ وہ پیرس آنے سے پہلے بھی سائنسی کام کرتی رہی ہے ، اس کے پاس پیسے نہیں ہیں اور وہ ایک عمارت کی سب سے اوپری منزل میں تن تنہا رہتی ہے -

" کیا تم ہمیشہ فرانس میں رہوگی ؟ " اس نے نہ جانے کیوں مس اسکلوڈووسکا سے یہ سوال کر لیا ۔

مری کے چہرے پر ایک رنگ آیا اور ایک رنگ گیا اور اس نے مترنم لہجے میں جواب دیا ، قطعی نہیں ، ان گرمیوں میں اگر میں امتحان میں کامیاب ہو گئی تو میں وارسا واپس چلی جاؤں گی ۔ میں کوشش کروں گی کہ موسم خزاں میں پھر پیرس آ جاؤں ، لیکن میں نہیں جانتی کہ میں اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو سکوں گی یا نہیں ۔ تعلیم کے بعد میں پولینڈ میں استانی بن کر رہوں گی ، میں پولینڈ کے لئے مفید بننا چاہتی ہوں ، پولینڈ والوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنا ملک چھوڑ دیں ۔

اس بات چیت میں کووالسکی بھی شریک ہو گئے اور روسی مظالم کا درد ناک موضوع چھڑ گیا ، تینوں جلا وطنوں کے حافظوں میں ان کے وطن کی یادیں ابھر آئیں اور پھر وہ اپنے دوستوں اور گھر والوں کی باتیں کرنے لگے ۔ غیر مبہم طور پر متعجب اور نا مطمئن ، پیئر کیوری نے میری کی باتیں سنیں جو حب الوطنی اور معاشرتی فرائض پر گفتگو کر رہی تھی ۔

ایک ماہر طبعیات جو اپنی طبعیات کے بوجھ تلے دبا ہوا تھا ، تصور نہ کر سکتا تھا کہ یہ لڑکی سائنس میں کس طرح ریاض کر رہی ہے اور آئندہ کے لئے یہ لڑکی سائنس کے بجائے زار روس کے خلاف منصوبے بنا رہی ہے ۔

وہ اس سے دوبارہ ملنا چاہتا تھا ۔

پیئر کیوری کون تھا ؟

وہ فرانس کا ایک ذہین سائنسداں تھا ، جو اپنے وطن میں تقریباً گم نام تھا لیکن غیر ملکی سائنسدانوں سے اس کے گہرے روابط تھے ۔

وہ ربو کیویر پیرس میں ، پندرہ مئی ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوا تھا ، وہ ایک ماہر طب کا منجھلا لڑکا تھا ، اس کے باپ کا نام ڈاکٹر ایوگن کیوری تھا ، جو خود بھی ایک معالج کا لڑکا تھا ، یہ خاندان السیشئن نسل کا تھا اور مذہباً پروٹسٹنٹ تھا ، کیوری خاندان کسی زمانے میں نچلے متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا اور یہ خاندان پشتہا پشت سے دانشوروں اور سائنسدانوں پر مشتمل تھا ۔ پیئر کا باپ علاج معالجہ کر کے اپنی روزی کماتا تھا لیکن اس نے اپنی زندگی تحقیق کے لئے وقف کر دی تھی ، وہ کسی زمانے میں پیرس میں نیچرل ہسٹری کے عجائب خانے کی تجربہ گاہ میں کام کرچکا تھا ۔ اور وہ دق کے مرض کے بارے میں کئی کتابیں لکھ چکا تھا ۔

اس کے دو بیٹے تھے ، ایک کا نام جیکوس تھا ، دوسرے کا نام پیئر تھا ، دونوں کو بچپن ہی سے سائنس کی تعلیم میں منہمک کر دیا گیا تھا ۔ پیئر کے دماغ میں خود مختاری کا جذبہ تھا ، اور وہ خوابوں کی دنیا میں رہتا تھا ، وہ اسکول کے قاعدے قانون اور وہاں کے نظم و ضبط کے مطابق چل ہی نہ سکتا تھا ، اسی لئے وہ کبھی اسکول گیا ہی نہیں ۔ اس کا باپ "ڈاکٹر کیوری" اس کے انوکھے پن سے واقف تھا ۔ وہ جانتا تھا کہ لڑکا بڑا ذہین

ھے ۔ اسکول بھیجنے کے بجائے خود ھی گھر پر پڑھانے لگا ، اس کے بعد اس نے بچے کو ایک معتبر استاد کو سونپ دیا ۔ ماسٹر کا نام بارلے تھا ، اس آزادانہ تعلیم کا پھل ملنے لگا ۔ پیٹر کیوری نے سولہ برس کی عمر میں بی ۔ ایس ۔ سی پاس کر لیا اور اٹھارہ برس کی عمر میں فزکس میں ایم ۔ ایس ۔ سی پاس کر لیا ، انیس برس کی عمر میں فیکلٹی آف سائنس میں وہ پروفیسر ڈی زین کا اسسٹنٹ مقرر ھو گیا ، گویا پانچ برس میں اس نے یہ پوزیشن حاصل کر لی ، وہ اپنے بھائی جیکوس کے ساتھ تحقیقی کام میں مصروف ھو گیا ، اس کا بھائی بھی ڈگری حاصل کر چکا تھا اور ساربون کی تجربہ گاہ میں کام کر رھا تھا ۔ دونوں نوجوان ماھرین نے طبعیات میں بہت جلد ایک دریافت کا انکشاف کیا ، اس اھم دریافت کا نام بائی زور الکٹرسٹی تھا اور دونوں بھائیوں کے تجربات نے ایک نئے آلے کی ایجاد کی بنا ڈالی ، یہ آلہ بڑے کام کا تھا ۔ اسے ”پائی زور الکٹرک کوارز“ کہتے ھیں ، اس سے بجلی کی چھوٹی سے چھوٹی مقدار کو نہایت صحت کے ساتھ ناپا جا سکتا ھے ۔

۱۸۸۳ء میں دونوں بھائی ایک دوسرے سے بصد افسوس جدا ھو گئے ۔ جیکوس سونٹ پلر میں پروفیسر کے طور پر مقرر کر دیا گیا اور پیٹر پیرس کے اسکول آف فزکس اینڈ کیمسٹری کی تجربہ گاہ میں سربراہ مقرر ھوا ، اگرچہ طالب علموں کے سامنے عملی تجربے کا کافی وقت ملتا تھا اور اس میں اس کا بہت وقت صرف ھوتا تھا لیکن اس نے وقت نکال کر کرسٹا لائن فزکس پر تحریری کام شروع کیا ، اس کام سے اصول تناسب وضع کرنے کا موقع ملا ۔ اصول تناسب موجودہ سائنس میں بنیادی حیثیت رکھتا ھے ۔

پیئر کیوری پھر تجربے کرنے لگا ، اس نے ایک نہایت نازک سائنسی پیمانہ ایجاد کیا ، جو ”کیوری پیمانہ،، کہلاتا ھے ، پھر وہ مقناطیس کے بارے میں تحقیق کرنے لگا اور ایک اھم نتیجے پر پہونچا ، اس نے بنیادی قانون دریافت کر لیا ، اب اسے ”کیوری کا قانون،، کہا جاتا ھے ۔

اس نے اپنی کوششوں سے کامیابی کے جگمگاتے ھوئے کئی تاج پہنے ، لیکن مسلسل محنتوں کا صلہ یہ ملا کہ اسے تیس لڑکے پڑھانے کے لئے سونپ دیئے گئے ۔ پندرہ سال کی محنت کے بعد فرانس کی حکومت اسے ۱۸۹۴ء میں تین سو فرانک ماھانہ تنخواہ دیتی تھی ۔ اتنی تنخواہ تو کسی کارخانے کے قابل مستری کو بھی مل جاتی ھے ۔

جب انگریز سائنسدان لارڈ کاوین پیرس آیا تو اس کے باوجود کہ وہ عمر اور مرتبہ میں بہت بڑا تھا ، اس نے نوجوان ماھر طبعیات کو خط لکھا اور ملاقات کا اشتیاق ظاھر کیا ۔

لارڈ کاوین کا خط پیئر کیوری کے نام :

اگست ۱۸۹۳ء

ڈیر موسیو کیوری

آپ کا بہت شکر گزار ھوں کہ آپ نے زحمت کر کے میرے لئے ایک ایسا آلہ مہیا کر دیا ھے جس سے میں نہایت سہولت کے ساتھ تحقیقی تجربے کرتا ھوں ، آپ دونوں بھائیوں نے مل کر جو آلہ ایجاد کیا ھے وہ بہت مفید ھے ۔

میں نے فلاسوفیکل میگزین کے لئے ایک مضمون لکھا ہے کہ آپ کا آلہ سرے کام کا نہیں خیمہ ہے ، یہ مضمون یا نو اکتوبر کے پرچے میں چھپ جائے گا ، ورنہ نومبر میں ضرور شائع ہوگا . . . . .

۳ اکتوبر ۱۸۹۳ء

ڈیر موسیو کیوری

امید ہے کل شام تک میں پیرس پہونچ جاؤں گا ۔

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں گا اگر آپ مجھے یہ بتا سکیں کہ اب سے لے کر اس ہفتہ کے خاتمہ تک آپ کس دن سہولت کے ساتھ مجھے اپنی تجربہ گاہ دکھا سکیں گے ۔

ان ملاقاتوں کے دوران میں جب دو ماہرین طبعیات نے گھنٹوں سائنس کے مختلف مسائل پر بحث کی تو انگریز سائنسدان کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ پیئر کیوری ایک معمولی سی جگہ پر بغیر کسی مددگار کے کام کرتا ہے اور کئی گھنٹے تک لڑکوں کے پڑھانے کا اسے نہایت حقیر معاوضہ ملتا ہے ، پھر یہ کہ پیرس میں بہت کم لوگ اسے جانتے ہیں ، حالاں کہ لارڈ کلوین اسے بہت بڑا آدمی سمجھتا تھا ۔

پیئر کیوری ایک غیر معمولی ماہر طبعیات ہونے کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا ، جب ایک اچھی نوکری کی جگہ نکلی اور اس سے کہا گیا کہ وہ اپنی مالی حالت کو بہتر بنانے کے لئے نوکری کی درخواست دے دے ، تو پیئر کیوری نے جواب دیا :

سنا ہے کوئی پروفیسر سابد استعفیٰ دینے کو ہے . . . . اور لوگ مجھ سے کہتے ہیں کہ میں اس کی جانشینی کے لئے بطور امیدوار پیش ہو جاؤں ، کسی بھی نوکری کے لئے امیدوار بن کر پیش ہونا بڑی ذلت و رسوائی کی بات ہے ، اور میں اس قسم کی لعنت سے مانوس نہیں ہوں ، یہ اونچی اونچی ڈگریوں کی بڑی توھین ہے ، میں اپنی تلخ کلامی کے لئے معافی چاھتا ھوں ، لیکن مجھے یقین ہے کہ دماغی کام کرنے والوں کی اس سے بڑھ کر اور کوئی توھین نہیں ھو سکتی ہے کہ وہ کسی نوکری کے لئے بھیک مانگیں ۔

جب فزکس اسکول کے ڈائرکٹر نے اسے تمغا دینے کی تجویز پیش کی تو اس نے انکار کر دیا اور یہ خط لکھا ۔

مسٹر ڈائرکٹر :

سیوزٹ صاحب نے مجھے بتایا ہے کہ آپ پھر مجھے کوئی تمغا دینے والے ہیں ۔

میں آپ سے استدعا کرتا ہوں کہ ایسی کوئی بات نہ کیجئے ، اگر آپ نے مجھے تمغا دیا یا مجبور ہو کر مجھے انکار کرنا پڑے گا ، میں قطعی فیصلہ کر چکا ہوں کہ میں کبھی کسی قسم کا تمغا قبول نہ کروں گا ، مجھے امید ہے آپ مجھے موقع دیں گے کہ میں لوگوں کی نظروں میں ذلیل ہونے سے بچ جاؤں ۔

اگر عزت افزائی کی نیت ہے تو وہ آپ پہلے ہی بہت کر چکے ہیں ۔

میں ته دل سے سکر گزار هوں ، اب مجھے موقع دیجئے که میں سکون سے ایسا کام کرسکوں ۔

وہ تھوڑا بہت مصنف بھی تھا ، یه شخص جس کی عجیب و غریب طرح سے تعلیم هوئی تھی ، اس کا انداز نگارش بڑا منفرد اور موثر تھا ۔

"ایسی آرزوئیں که جن کی گونج سے دماغ سن هوجائے"۔۱

کمزور تو میں هوں هی لیکن میں هر هوا کے ساتھ اڑنا نہیں چاهتا ، اگر میرے ارد گرد کی تمام چیزیں ساکت هو جائیں یا سب متحرک هو جائیں تب بھی مجھے کیا میں اپنی توجه مذکور رکھنا چاهتا هوں ۔

هم لوگ مجبور هیں ، کھانے کے لئے ، پینے کے لئے ، سونے کے لئے ، سستانے کے لئے ، محبت کرنے کے لئے ، ہاں یوں کہئے که زندگی کی نفیس ترین چیزوں کو مس کرنے کے لئے اور پھر هم کسی میدان میں شکست نہیں کھانا چاهتے ۔ هر شخص کو زندگی کا ایک خواب دیکھنا چاهئے اور پھر اس خواب کو حقیقت میں بدلنا چاهئے ۔

اس میں شاعر اور فن کار کا احساس اور کرب موجود تھا ۔

میں بعد میں کیا بنوں گا ؟ (وہ اٹھارہ سو اکیاسی میں اپنی ڈائری لکھتا ہے) میں سراپا کسی حکم کے ماتحت هوں ،

---

۱ - وکٹر هیوگو

میرے وجود کا ایک حصہ سو رہا ہے ۔ روز بروز مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میرا دماغ بے ڈھنگا ہوتا جا رہا ہے ۔

دماغی کاموں میں میرا جی نہیں لگتا ہے اور مجھے ابھی دنیا میں کتنے کام کرنے ہیں ، کیا میرا دماغ بہت کمزور ہو گیا ہے ؟ کیا میرے غریب دماغ میں اب کوئی خیال نہ آئے گا ، پھر یہ دماغ کس کام کا ، میں زندگی کے اس ڈھرے سے اکتا گیا ہوں ۔

اور یہ شاعرانہ دماغ رکھنے والا شخص مس اسکلوڈووسکا (جو ماہر طبعیات تھی) کا شکار ہو گیا ، وہ سمجھتا تھا کہ یہ لڑکی بے مثل ہے ، وہ شرافت اور مستقل مزاجی کے ساتھ لڑکی سے دوستانہ مراسم بڑھانے کی کوشش کرتا رہا ۔ اس نے اسے دو تین مرتبہ اور بھی دیکھا تھا ۔ کئی بار فزکس سوسائٹی میں دیکھا ، جہاں وہ بیٹھی ہوئی سائنس دانوں کی نئی ایجادوں کا حال سن رہی تھی ۔ پیئر کیوری نے اس لڑکی کو اپنی ایک کتاب بھیجی جو ابھی حال ہی میں دوبارہ چھپی تھی ، یہ کتاب اصول تناسب کے بارے میں تھی ، اس نے کتاب کے پہلے صفحہ پر اپنے بھدے خط سے لکھا "مس اسکلوڈووسکا کی خدمت میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ اس دوستی کی بنیاد پر جو مصنف اور ان کے درمیان ۔ پی۔ کیوری"، اس نے اس لڑکی کو لپ مین کی تجربہ گاہ میں دیکھا ، وہ بھاری بھر کم لبادہ پہنے تھی ، اور خاموشی کے ساتھ کام میں مصروف تھی ۔

اس نے لڑکی سے پوچھا کیا میں آپ سے ملنے کے لئے آپ کے مکان پر آ سکتا ہوں ۔ میری نے اپنے گھر کا پتا پتا دیا ۔ جب

وہ اس کے گھر آیا تو اس نے اپنے گھر کے چھوٹے سے کمرے میں اس کا دوستانہ طور پر استقبال کیا ، لیکن بہت لے دے رہی - لڑکی کی مفلسی دیکھ کر سٹر کا دل بھر آیا - وہ اس بلڈنگ کے سب سے اوپری کمرے میں رہتی تھی - ایسے کمروں کا کرایہ بہت معمولی ہوتا ہے اور ان میں غریب لوگ رہا کرتے ہیں اور یہ کمرہ قریب قریب خالی پڑا تھا - نہ کوئی خاص اثاثہ تھا نہ سامان -

لڑکی اس کے سامنے پرانے کپڑے پہنے بیٹھی تھی لیکن اس کا چہرہ پرجوش اور سرگرم نظر آتا تھا ، اس کے چہرے مہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ دھن کی پکی اور ضدی لڑکی ہے - آج یہ لڑکی اسے جتنی خوب صورت نظر آ رہی تھی پہلے کبھی نظر نہ آئی تھی ، اس کے چہرے پر کمسنی تھی اور تپسیا کرنے والے سادھوؤں کی سی کیفیت تھی ، وہ اسے ویران کمرے میں اطمنان سے بیٹھی تھی -

چند مہینے گزر گئے ، دونوں کی دوستی پختہ ہو گئی - دونوں کی انسیت بڑھ گئی ، دونوں کو ایک دوسرے پر بھروسا تھا ، دونوں ایک دوسرے کے مداح تھے - پیئر کیوری اس ذہین لڑکی کا پہلے ہی سے شکار ہوچکا تھا - پولینڈ کی یہ لڑکی جس نے اتنا روشن دماغ پایا تھا ! وہ اس لڑکی کا کہنا ماننا تھا اور اس کے مشوروں پر عمل کرتا تھا ، حالاں کہ وہ بڑا سرکش نوجوان تھا ، اس نے لڑکی کے کہنے سے مقناطیس کے تجربوں کو قلمبند کرنا شروع کیا ، اور ایک شاندار مقالہ ڈاکٹر کی ڈگری کے لئے تیار ہو گیا -

یہ لڑکی اب بھی یہی چاہتی تھی کہ وہ زندگی بھر آزاد رہے ، اور شادی کے چکر میں نہ پڑے ، یہ نوجوان سائنس‌دان کے وہ آخری الفاظ نہ سننا چاہتی تھی جنہیں ادا کرنے کی بشر میں جرأت نہ تھی ۔

آج شام کو شاید وہ دسویں مرتبہ اس کمرے میں مل کر بیٹھے ، جو سب سے اوپری منزل میں تھا ۔ جون کا مہینا تھا ، سہ پہر کا وقت تھا اور کمرے میں تمازت تھی ، میز پر ریاضیات کی کتابیں رکھی تھیں ، لڑکی اپنے امتحانات کی تیاری کر رہی تھی ، ایک گل‌دان میں سفید ڈیزی کے پھول سجے ہوئے تھے ، یہ دونوں کہیں سیر کرنے گئے تھے اور واپسی پر یہ پھول توڑ کر لائے تھے ۔ لڑکی نے چائے انڈیلی ، یہ چائے اس نے اپنے اسمرٹ لیمپ پر تیار کی تھی ، یہ لیمپ اس کا بڑا وفادار تھا ۔

بشر کیوری اپنے ایک سائنسی مشغلے کا ذکر کر رہا تھا ، اور اس ذکر کے ساتھ ہی اس نے رکے بغیر کہا :
” میں چاہتا ہوں، تم میرے والدین سے ملو ، میں سیاکس کے ایک چھوٹے سے مکان میں ان کے ساتھ رہتا ہوں ، میرے والدین طبیعت کے بہت اچھے ہیں “

اس نے اپنے باپ کے بارے میں بتایا ، وہ ایک بے ہنگم سے بزرگ ہیں ۔ لمبا قد اور چمکدار نیلی آنکھیں ، بہت ذہین ہیں ، طبیعت کے تیز اور جلد باز ہیں ۔ بہت جلدی خفا ہو جاتے ہیں ، لیکن ان کا غصہ ہانڈی کا ابال ہوتا ہے ، دل کے بہت اچھے ہیں ۔ پھر اس نے اپنی ماں کے بارے میں بتایا ۔ وہ آئے دن کی بیماریوں

سے کمزور ہو گئی ہیں ، لیکن بہت سلیقہ شعار اور گھر گرہست ہیں ، طبیعت میں بہادری ، زندہ دلی اور حوصلہ مندی ہے - پھر وہ اپنے لڑکپن کا ذکر کرنے لگا ، جب وہ اپنے بھائی کے ساتھ جنگلوں کی سیر کرنے جاتا تھا -

لڑکی بڑی حیرت سے اس کی باتیں سن رہی تھی ، یہ کتنا عجیب اتفاق تھا کہ اگر معمولی تبدیلیاں کر دی جائیں تو سیاکس کے چھوٹے سے مکان کو وارسا کی گلی میں منتقل کیا جا سکتا ہے ، اور کیوری خاندان کو اسکلوڈووسکی خاندان میں تبدیل کیا جا سکتا ہے - مذہب سے قطع نظر ڈاکٹر کیوری آزاد خیال انسان تھے ، اور انہوں نے اپنے بچوں کی بپ تسمے کی رسم نہ ادا کی تھی - یہ اسی قسم کا حلقہ تھا ، دانشور اور معزز ، ویسا ہی تہذیب یافتہ تھا ، اور اس خاندان کو بھی سائنس سے ویسی ہی محبت تھی ، اور اس خاندان میں بھی والدین اور بچوں کے درمیان پرخلوص تعلقات تھے ، دونوں خاندانوں کی طبیعتیں بہت ملتی ہوئی تھیں -

میری مسکرانے لگی اور وہ پولینڈ کے دیہات کا ذکر کرنے لگی ، جہاں اس نے گرمیوں کی چھٹیوں میں بڑے سیر سپاٹے کئے تھے ، اس نے بتایا کہ چند ہفتے بعد پھر وطن جا رہی ہے -

لیکن تم اکتوبر میں واپس آ جاؤگی نا ، مجھ سے وعدہ کرو کہ تم ضرور واپس آ جاؤگی - دیکھو ! اگر تم پولینڈ میں رہیں تو تعلیم مکمل نہ کر سکوگی ، اب سائنس کی تعلیم چھوڑنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے . . . "

یہ الفاظ بظاہر معمولی تھے لیکن ان میں جو فکرمندی اور جستجو تھی وہ قابل غور تھی ، جب اس نے یہ کہا کہ اب تمہیں سائنس چھوڑنے کا کوئی حق نہیں ہے تو دراصل اس کے کہنے کا یہ مطلب تھا کہ اب مجھے چھوڑنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ۔

وہ تھوڑی دیر تک خاموش رہے ، پھر میری نے اپنی بھوری آنکھیں اوپر اٹھا کر پیئر کو نہایت نرم آواز سے جواب دیا ، اس کے لہجے میں تذبذب تھا ۔

میرے خیال میں تم ٹھیک کہتے ہو ۔ مجھے وطن جا کر واپس آنا چاہئے ۔

پیئر نے کئی بار مستقبل کا ذکر کیا ، اس نے میری سے کہا کہ وہ اس کی بیوی بن جائے ، لیکن اسے خوش کن جواب نہ ملا ۔ فرانس کے آدمی سے شادی کرنا ، اپنے وطن اور خاندان کو چھوڑنا ، سیاست سے کنارہ کش ہونا ، اسے پسند نہ تھا ، یہ اس کے نزدیک خاندان اور وطن سے سرکشی تھی ، وہ خاندان اور وطن سے غداری نہ کرسکتی تھی ۔ اس نے کامیابی کے ساتھ اپنا امتحان پاس کر لیا اور اب وہ گرمیوں کی چھٹیاں گذارنے ضرور بضرور اپنے وطن وارسا واپس جائے گی ۔ شاید وہ ہمیشہ کے لئے وطن چلی جائے گی ۔ نوجوان سائنسداں مایوس ہو گیا ۔ لڑکی نے کہا کہ میں ہمیشہ تمہاری دوستی کا دم بھروں‌گی اور وہ ٹرین میں بیٹھ گئی اور آئندہ کے لئے کوئی وعدہ کئے بغیر رخصت ہوگئی ۔

وہ اس کے خیال میں چل پڑا . . . . وہ سوئیزرلینڈ پہنچ کر اس سے ملنا چاہتا تھا ، جہاں وہ چند ہفتوں کے لئے اپنے باپ

کے ساتھ آئے گی تا پھر وہ اس سے پولینڈ میں مل لے گا۔ پولینڈ پر اسے بہت رشک آتا تھا، کیوں کہ پولینڈ ہی کی خاطر تو اس نے شادی سے انکار کیا تھا، لیکن وہ اس سے نہ مل سکا۔

وہ برابر اسے حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ میری گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کرنٹاز، لمبرگ، مراکو اور وارسا بھی گئی، ان تمام مقامات پر اسے اس کے خط ملتے رہے، بچکانہ سے خط اور ردی کاغذ جس پر نام اور پتا چھپا ہوتا تھا؛ وہ اپنے خطوں میں اسے فائل کرنے کی کوشش کرتا تھا اور اسے واپس بلانا چاہتا تھا اور ہر خط میں اسے یاد دلاتا تھا کہ پیئر کیوری اس کی راہ تک رہا ہے۔

پیئر کیوری کا خط میری اسکلوڈووسکا کے نام،
۱۰ اگست ۱۸۹۴ء

تمہارے خط سے بڑھ کر مجھے کسی چیز میں لطف نہیں آتا، میں تو سمجھا تھا کہ دو مہینے تک تمہاری کوئی خیر خبر نہ ملے گی لیکن تمہارے مختصر سے خط نے میرے تن مردہ میں جان ڈال دی۔

مجھے امید ہے کہ تم اکتوبر میں ضرور واپس آ جاؤگی، جہاں تک میرا تعلق ہے، میں کہیں نہ جاوں گا، میں اپنے دیہاتی مکان میں اپنے کمرے کی کھڑکی کھولے بیٹھا رہوں گا یا باغ کی سیر کروں گا۔

ہم نے ایک دوسرے سے عہد و پیمان کئے ہیں۔ کیا نہیں کئے ہیں؟ کسی اور بات کا عہد نہ سہی لیکن دوستی قائم رکھنے

کا عہد نو ضرور کیا ہے ۔ خدا کے لئے اپنا ارادہ بدلو ، ہولینڈ میں کیا رکھا ہے ، وہاں ترقی کے کیا امکانات ہیں ، بس اب بھی یہی چاہتا ہوں کہ ہم دونوں مل جل کر زندگی گزاریں، تم حب الوطنی کے خواب دیکھتی ہو، میں سائنس کی ترقی کے خواب دیکھتا ہوں ۔

میرا خواب زیادہ معقول ہے ، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ نظام معاشرت نہیں بدل سکتا ، اس لئے ہمیں وہ کام کرنا چاہیئے جس کا کوئی نتیجہ نکلے ۔ ہم دونوں کا سائنس کی طرف رجحان ہے، پیرس میں رہ کر ہم دونوں بڑا کام کر سکتے ہیں ، ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں مل کر کوئی چیز ایجاد کر سکیں ۔

دیکھو میں پھر یاد دلاتا ہوں کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے پکے دوست بن کر رہیں گے ، لیکن اگر تم فرانس میں نہ رہیں تو یہ افلاطونی قسم کی دوستی رہے گی ، یعنی ہم دونوں کبھی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکیں گے اور ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے ۔ کیا یہ تمہارے لئے بہتر نہ ہوگا کہ تم میرے ساتھ رہو، میں جانتا ہوں کہ تم میری اس بات پر خفا ہو جاتی ہو اور تم ایسی بات آئندہ کبھی نہیں سننا چاہتی ہو لیکن میں اپنے دل سے مجبور ہوں ۔

میں نے سوچا تھا کہ میں تم سے اجازت لے کر فرائی برگ میں تم سے ملوں لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے تم وہاں صرف ایک دن کے لئے آئیں تھیں ۔

یقین جانو تمہارا بے حد مخلص

پیئر کیوری

میرے لئے مکرر بہت باعث مسرت ہو اگر تم یہ لکھ دو کہ تم اکتوبر میں آ رہی ہو۔ تم گھر کے بتہ پر خط لکھا کرو۔ وہاں ڈاک جلدی پہونچتی ہے۔

پیئر کیوری کا خط میری اسکلوڈووسکا کے نام

۱۴ اگست ۱۸۹۴ء

میں فیصلہ نہ کر سکا کہ تم سے آ کر ملوں، میں ایک روز دن بھر اسی الجھن میں پڑا رہا اور آخرکار میں نے فیصلہ کیا کہ میں تم سے نہیں ملوں گا، کیوں کہ تمہارے خطوں سے میں نے اندازہ کیا ہے کہ تم میرے نہ آنے کو بہتر سمجھتی ہو، پھر یہ کہ تم اگر بہت مہربان ہوئیں تو اپنے ہمراہ زیادہ سے زیادہ تین روز تک ٹھہرنے کی اجازت دوگی اور آخرکار پھر تم سے جدا ہونا پڑے گا، تم کہیں اور روانہ ہو جاؤگی اور میں تمہارا پیچھا کرتے ہوئے شرماؤں گا، کیوں کہ یہ تمہاری مرضی کے خلاف ہوگا، پھر ہو سکتا ہے کہ میری آمد تمہارے والد کو ناگوار گزرے اور سیر و تفریح کا سارا لطف غارت ہو جائے۔

اور اب تو خیر بہت تاخیر ہو گئی ہے لیکن پھر بھی مجھے بہت افسوس ہے کہ میں تم سے نہ مل سکا۔ کاش تین ہی دن تمہارے ساتھ گزار سکتا، اس سے شاید ہماری دوستی دوگنا ہوجاتی۔ کیا تم تقدیر کو مانتی ہو؟ وہ نمائش تمہیں یاد ہے، جو ہم دونوں دیکھنے گئے تھے۔ تم اچانک بھیڑ میں گم ہو گئیں تھیں اور میرا دل دھڑکنے لگا تھا، مجھے یہ وہم ہونے لگا تھا کہ کہیں اسی

طرح کوئی حادثہ رونما نہ ہو جائے کہ اسی طرح ہماری دوستی میں خلل پڑ جائے ، میں تقدیر کو نہیں مانتا ہوں لیکن پھر ہم دونوں ایک دوسرے سے جدا کیوں ہوئے ؟

شاید اس لئے کہ ہم دونوں کے کردار ہی ایسے تھے ۔ دنیاداری شاید مجھے کبھی نہ آسکے گی ۔

مجھے خود نہیں معلوم ہے کہ میں تمہیں فرانس بلانے پر کیوں بضد ہوں ، تمہیں تمہارے وطن اور خاندان سے جدا کرنے پر کیوں تلا ہوا ہوں ، حالانکہ میں ان چیزوں کا کوئی نعم البدل بھی نہیں دے سکتا ۔

کیا تمہارے بعض دعوے جھوٹے نہیں ہیں ، مثلاً تم جب یہ کہتی ہو کہ تم مکمل طور پر خودمختار ہو ، کیا یہ سچ نہیں ہے کہ کوئی مکمل طور پر خودمختار نہیں ہوتا ۔ ہم اپنے جذبات کے غلام ہیں ، اپنے تعصبات کے غلام ہیں، اپنی محبت کے غلام ہیں ، اگر غلام نہ ہوتے تو روزی کیوں کماتے ، کیا ہم دونوں روزی کمانے پر مجبور نہیں ہیں اور کیا ہم اس طرح ایک مشین کا پرزہ نہیں بن جاتے ، پھر ہماری خودمختاری کہاں گئی ۔

سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہم سوسائٹی کے تعصبات کے ساتھ رعایت کرنے پر مجبور ہیں، اگر ہم ایسا نہ کریں تو کچل دئے جائیں ، اور اگر ہم بہت زیادہ رعایت کریں تو اپنی ہی نظروں میں ذلیل ہو جائیں ۔ دس برس پہلے جو میں نے اصول بنائے تھے اب میں ان سے بہت دور نکل چکا ، اس وقت میرا یہ عقیدہ تھا

کہ انسان کو انتہا پسند ہونا چاہئیے اور کسی کے ساتھ روورعادت نہ کرنا چاہئیے - میرا خیال تھا کہ خوبیوں کے ساتھ خرابیوں کو بھی شدت کے ساتھ محسوس کرنا چاہئیے ، ان دنوں میں قلیوں کی طرح نیلی قمیض پہنا کرتا تھا -

اسی لئے تم دیکھتی ہو میں بہت جلد بوڑھا ہو گیا ہوں اور بہت کمزوری محسوس کرتا ہوں - امید ہے تم بخیر ہوگی -

تمہارا مخلص دوست پیئر کیوری

پیئر کیوری بنام میری اسکلوڈووسکا ، ۷ ستمبر ۱۸۹۴ء

جیسا کہ تم خود سوچ سکتی ہو تمہارے خط سے مجھے پریشانی ہوئی ، میں پر زور طور پر تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ تم اکتوبر تک پیرس واپس آجاؤ - اگر تم اس سال واپس نہ آئیں تو مجھے بے حد افسوس ہوگا ، میں اگر تمہیں واپس بلاتا ہوں تو یہ میری دوستانہ خودغرضی نہیں ہے ، محض اس خیال سے تمہیں لکھ رہا ہوں کہ یہاں رہ کر تم بہتر طور پر زیادہ ٹھوس اور مفید کام کر سکوگی -

تم اس شخص کے بارے میں کیا خیال کروگی جو پتھر کی دیوار سے سر ٹکرا رہا ہو اور یہ امید کرتا ہو کہ وہ ٹکریں مار کر دیوار گرا دے گا - سوچنے کے لئے تو یہ اچھا خیال ہے لیکن یہ درحقیقت ایک مضحکہ خیز اور احمقانہ حرکت ہوگی - میرے خیال میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جو عمومی حل کے محتاج ہیں ، لیکن آج کل کے زمانے میں مقامی طور پر حل نہیں کئے جاسکتے ،

اور جب کوئی شخص ایسے کام میں مشغول ہو جو بے بنیاد ہو تو اس سے بہت نقصان ہوسکتا ہے ، میرے خیال میں انصاف اس دنیا کی چیز نہیں ہے اور آہنی نظام یا اقتصادی نظام وہی ہے جو پروان چڑھ سکے ، انسان کام کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے ، اس کی زندگی دکھوں سے بھری ہوئی ہے ، ہمیشہ ہی تھی اور آج بھی ہے - اس چیز کو دیکھ کر بغاوت پیدا ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ چیز دور ہو جائے گی ، لیکن یہ شاید اس لئے دور ہو سکے گی کہ انسان ایک قسم کی مشین ہے اور اقتصادی طور پر یہ فائدہ ہے کہ جبراً کوئی سنہن مسلط نہیں کی جاسکتی -

خودغرضی کا مطلب تم سمجھ گئی ہوگی، جب میں دس برس کا تھا تو بہت بدقسمت تھا ، نہایت برے حالات میں مجھے بچپن کے ایک دوست کو کھونا پڑا ، جس سے مجھے محبت تھی ، تفصیل بتانے کی مجھ میں ہمت نہیں ، رات اور دن گزرتے چلے گئے ، اور ذہن میں ایک ہی خیال قائم رہا ، میں نے اپنی جان کو طرح طرح سے اذیتیں دیں اور خود کو ایذا پہنچا کر مجھے بہت سکون ملتا تھا ، پھر میں نے قسم کھائی کہ میں سادھو بن جاؤں گا ، اور آئندہ کبھی کسی نوع بشر سے دلچسپی نہ لوں گا ، صرف اشیاء سے دلچسپی لوں گا ، نہ اپنی ذات سے محبت کروں گا ، اس روز سے میں اکثر اور آج تک اپنے آپ سے یہ سوال کیا کرتا ہوں کہ ترک علائق کی یہ زندگی کیا معنی رکھتی تھی -

کیا یہ محض ایک ناخوش‌گوار یاد کو بھلانے کی سادہ سی چال نہ تھی -

تمہارے ملک میں خطوں در سنسر نو نہیں ہے ، میرے خیال میں ضرور ہوگا ۔ آئندہ میں اپنے خطوں میں اس قسم کے مقالے نہ لکھوں گا ، ہوسکتا ہے کہ ان خالی خولی فلسفیانہ تحریروں سے بات کا بتنگڑ بن جائے اور تم کسی مصیبت اور الجھن میں بڑ جاؤ ۔

تم مجھے خط لکھ سکتی ہو لیکن فقط اسی وقت جب تمہارا دل چاہے ۔

تمہارا مخلص دوست پی کیوری

پیئر کیوری بنام اسکلوڈووسکا ، ۱۷ ستمبر ۱۸۹۴ء

تمہارے خط سے میں بہت پریشان ہوا ، میرا خیال تھا کہ تم متفکر ہو اور کوئی فیصلہ نہیں کر سکی ہو ، اب جو تمہارا خط وارسا سے آیا ہے تو اس سے کچھ ڈھارس بندھی ہے ، میرے خیال میں تمہیں اپنا کھویا ہوا سکون واپس مل چکا ہے ، تمہاری تصویر دیکھ کر بے حد خوش ہوا ، تم کتنی مہربان ہو کہ تم نے مجھے اپنی تصویر بھیجی ، میں تہ دل سے تمہارا شکر گزار ہوں ۔

اور آخرکار تم پیرس آ رہی ہو ، میری خوشی کا تم کوئی اندازہ نہیں کر سکتیں ، کچھ اور نہ سہی تو اتنا ہی سہی کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست ہی بن کر رہیں ، کیا تمہیں اس سے اتفاق نہیں ہے ۔

کاش دم فرانس کی رہنے والی ہوتیں تو تمہیں فوراً یہاں لڑکیوں کے نارمل اسکول میں استانی کی جگہ مل جاتی، کیا استانی کا پیشہ تمہیں پسند ہے؟

تمہارا بے حد مخلص دوست پی کیوری

میں نے تمہارا فوٹو اپنے بھائی کو دکھا دیا، کیا ایسا نہ کرنا چاہئیے تھا؟ بھائی نے تمہاری تصویر بہت پسند کی، انہوں نے کہا کہ اس لڑکی کی نظر بڑی فیصلہ کن ہے! دیکھو انہوں نے ضدی کا لفظ نہیں استعمال کیا۔

اکتوبر کا مہینا آیا تو پیئر کیوری کا دل خوشی سے پھولا نہ سمایا، میری اپنے وعدے کے مطابق پیرس واپس آ گئی، اب وہ پھر ساربون میں لکچر سنتے ہوئے دیکھی جائے گی اور اب میں کی درس گاہ میں بھی نظر آئے گی، لیکن فرانس میں یہ اس کا آخری سال تھا، یہ اس کا اپنا خیال تھا، اب وہ لیٹن کواٹر میں نہیں رہتی تھی، اس کی بہن برونیا نے جو مطب کھولا تھا اس میں ابردشن کے کمرہ کے برابر والا کمرہ میری کو دے دیا تھا۔ برونیا اپنے شوہر کے ساتھ اب بھی پرانی قیام گاہ میں رہتی تھی۔ وہ صرف دن میں مطب کرنے آتی تھی، اس طرح میری سکون کے ساتھ کام کرسکتی تھی۔

میری کے ویران کمرے میں پیئر کیوری آنے لگا، اسے اب بھی یقین تھا کہ مستقبل میں اس کی بیوی بنے گی، یہ بات وہ تہ دل سے سوچتا تھا۔ سائنس پیئر کا واحد مقصد حیات تھا، لیکن میری کی طرف اس کا دل جھکتا اور میری اس کی محبت کا شدید تقاضا تھی۔

وہ اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کے لئے تیار تھا اور اپنی اسی مسرت کو بھی نچھاور کر سکتا تھا ، جس کا حال صرف اسی کو معلوم تھا ۔ اس نے میری کو شادی کا پیغام دیا ، جو شروع میں خیالِ خام معلوم ہوتا تھا ۔ اگر میری کے دل میں اس کی محبت نہ ہوتی تو وہ میری سے خالص دوستانہ مراسم رکھتا اور اس کے ساتھ سائنس کا تحقیقی کام کرتا اور ایسی تجربہ گاہ میں کام کرتا جو درمیان میں دو حصوں میں منقسم ہوتی اور جس کی کھڑکیاں باغ کی طرف کھلتیں ۔

ضرورت اپنی قیمت خود مقرر کر لیتی ، وہ سوچا کرتا اگر میں پولینڈ جا کر رہ پڑوں تو کیا وہ مجھ سے بیاہ کر لے گی ۔ وہ وہاں طالب علموں کو فرنچ پڑھایا کرے گا اور اس کے ساتھ سائنس کے تحقیقی کام کرے گا ۔

وہ لڑکی جو پولینڈ کے ایک رئیس گھرانے میں بچوں کو پڑھانے کی نوکری کرتی تھی اور جس گھرانے نے اسے کافی ذلیل کیا تھا اور اپنی بہو بنانے سے انکار کر دیا تھا ، اسی لڑکی کے سامنے ایک نہایت ذہین سائنسداں ایک کمترین امیدوار بن کر آیا تھا ۔

میری نے اپنی ان پریشانیوں اور الجھنوں کا ذکر اپنی بڑی بہن برونیا سے کیا ، اس نے بہن کو بتایا کہ پیئر اس کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر پولینڈ میں رہنے پر تیار ہے ، وہ اس بات کو مناسب نہیں سمجھتی کہ وہ ایسی قربانی قبول کر لے ، لیکن وہ اس بات سے کافی پریشان اور متاثر تھی کہ پیئر اس سے شدید محبت کرتا ہے ۔

جب پیئر کو یہ معلوم ہوا کہ لڑکی نے اپنی بہن اور بہن نے اپنے سوہر کو اس کے بارے میں آگاہ کر دیا ہے دو پیئر نے اس طرف بھی دھاوا بول دیا ، وہ برونیا سے بھی ملنے گیا ، جس سے وہ پہلے بھی بارہا مل چکا نھا ، برونیا اس نوجوان کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوئی ، پیئر نے کہا کہ وہ میری کے ہمراہ کسی دن اس کے والدین سے ملنے آئے اور ایک روز جب برونیا اپنی بہن کو لے کر ڈاکٹر کیوری کے گھر گئی تو ڈاکٹر صاحب کی بیوی برونیا کو علیحدگی میں لے گئیں اور نرم اور پر اثر لہجے میں انہوں نے کہا بیٹی اپنی چھوٹی بہن کو سمجھاؤ ۔

"اس زمین پر میرے بیٹے کے لائق کوئی لڑکی نہیں ہے ، اپنی بہن سے کہو نامل نہ کرے ، وہ بہت سکھ سے رہے گی "

دس مہینے اور گذر گئے ، آخرکار پولینڈ کی لڑکی شادی کرنے پر رضامند ہوگئی ، ذہین لوگوں کی طرح میری نے بھی زندگی کے کچھ اصول مقرر کر لئے تھے ۔ بعض اصول بلا شبہ اچھے تھے اور بعض محض بچکانہ تھے ۔ بعد میں پیئر کو معلوم ہو گیا کہ اس کے بنائے ہوئے اصولوں نے اسے بلندی نہیں بخشی تھی بلکہ وہ اپنے کام سے بلند ہوگئی تھی ، اس کی ذہانت کو پیئر نے بارہا محسوس کیا اور اس کی حوصلہ مندی سے بھی وہ متاثر تھا ۔ اس لڑکی میں بڑے آدمیوں کے تمام اوصاف موجود تھے۔ اصول ؟

وہ بھی عرصے تک اصولوں پر زندگی گذارتا رہا تھا اور بعد میں اسے اصولوں کی لغویت معلوم ہو گئی تھی ، اس نے بھی تو

قسم کھائی تھی کہ وہ زندگی بھر شادی نہ کرے گا ۔ دفاع کے لئے اس کے پاس کوئی پولینڈ نہ تھا، وہ تو سائنس کے لئے زندگی وقف کر چکا تھا ، لڑکپن کے ایک المناک واقعہ سے اس کے دل کا ورق کچھ ایسا لوٹ گیا تھا . . . . کہ وہ عورتوں سے گریز کرتا تھا ، وہ کسی سے محبت نہ کرے گا ، اسی اصول کے تحت اس نے اب تک شادی نہ کی تھی اور اچھا ہی ہوا کہ اس نے کسی معمولی لڑکی سے شادی نہ کی، اس نے ایک غیر معمولی لڑکی کے لئے اب تک انتظار کیا تھا ، ایسی عورت جو صرف اسی کے لئے بنی تھی اور جب ایسی لڑکی اسے مل گئی تو محض اپنے اصول کی خاطر اسے کھونا نہ چاہتا تھا، وہ اپنا اصول توڑ دے گا ، کہ اسے شادی نہ کرنا چاہئے ، وہ اس لڑکی کو ضرور حاصل کرے گا۔

اس نے بڑی شرافت کے ساتھ مس اسکاوڈووسکا کو قائل کر لیا ، ملائم الفاظ سے اس نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ۔ پیئر کیوری سادھو سے انسان بن گیا ۔

---

۱۴ جولائی ۱۸۹۵ء کو میری کے بھائی جوزف نے اسے خط لکھا ۔

مسٹر کیوری سے تمہاری نسبت طے ہو چکی ہے ۔ سب سے پہلے میری دلی دعائیں اور مبارک باد قبول کرو ۔ خدا کرے اس کے ساتھ رہ کر تمہیں وہ تمام مسرتیں حاصل ہوں جن کی تم میرے نزدیک اور دنیا والوں کے نزدیک مستحق ہو ۔

میرے خیال میں تم نے دل کا کہا مان کر اچھا کیا اور کوئی بھی انصاف پسند آدمی اس سلسلہ میں تمہیں مطعون نہیں کر سکتا ، چونکہ میں تمہیں جانتا ہوں ، اس لئے میں اپنی جگہ پر مطمئن ہوں کہ تم شادی کے بعد بھی اپنے وطن پولینڈ سے محبت کروگی اور اپنے آپ کو ہمارے ہی خاندان کا فرد سمجھوگی، ہم لوگ بھی ہمیشہ تم سے محبت کریں گے اور تمہیں اپنا ہی سمجھیں گے ۔ اگر تم پیرس میں رہ کر خوش اور مطمئن رہو تو میں خوش ہوں ، بجائے اس کے کہ تم وطن آؤ اور زندگی بھر تکلیفیں اٹھاؤ ، اب ہمارا فرض یہ ہے کہ تمام دقتوں کے باوجود ہم دونوں ایک دوسرے کو جلد جلد دیکھ سکیں ، پیاری بہن مانیا ! میری طرف سے ہزاروں مرتبہ پیار قبول کرو ، خدا کرے تم پھولو پھلو ، زندگی میں کامیاب رہو، اور سدا سکھ میں رہو، اپنے منگیتر کو میری طرف سے دعا کہنا ، اس سے کہنا کہ ہم نے اسے اپنے خاندان کا نیا ممبر بنا لیا ہے اور ہم لوگ اسے خوش آمدید کہتے ہیں ۔ میں اس کی طرف دوستی اور محبت کا ہاتھ بڑھاتا ہوں ، مجھے امید ہے کہ وہ بھی گرم جوشی سے ہاتھ بڑھائے گا ۔

چند روز بعد میری نے اپنی بچپن کی سہیلی کازیا کو خط لکھا اور اپنے فیصلے سے مطلع کیا ۔

جب تمہیں یہ خط ملے گا تو تمہاری مانیا کا نام بدل چکا ہوگا ، میں اس شخص سے شادی کرنے والی ہوں جس کا ذکر میں نے گذشتہ سال تم سے وارسا میں کیا تھا . . . . یہ میرے

لئیے افسوس کی بات ہے کہ مس ہمیشہ پیرس میں رہوں گی ، لیکن میں کر بھی کیا سکتی ہوں ، قسمت نے ہم دونوں کے کھونٹے مضبوطی سے باندھ دیئے ہیں اور ہم کوشش بھی کریں تب بھی نہیں الگ ہو سکتے ۔

میں نے تمہیں پہلے اس لئے نہیں لکھا کہ یہ فیصلہ اچانک اور تر بڑ ہوا ہے ، میں ایک برس تک تذبذب میں مبتلا رہی ہوں اور کسی نتیجہ پر نہ پہونچ سکی ، اب آخرکار میں نے یہیں رہنے بسنے کا فیصلہ کر لیا ہے ، اب جو تم مجھے خط لکھنا تو یوں لکھنا :

میڈم کیوری

اسکول آف فزکس اینڈ کیمسٹری

۴۲ — ریولومنڈ

اب یہی میرا نیا نام ہے ، میرے شوہر اسکول ماسٹر ہیں ، آئندہ سال میں انہیں پولینڈ لاؤں گی تاکہ وہ میرے پیارے وطن سے آشنا ہو سکیں اور میں ان کا تعارف اپنی منہ بولی بہن کازیا سے بھی کراؤں گی اور میں ان سے کہوں گی کہ وہ اسے بھی چاہا کریں ۔

۲۶ جولائی کو میری آخری مرتبہ اپنی قیام گاہ میں بیدار ہوئی ، وہ دن بڑا خوب صورت تھا ۔ لڑکی کا چہرہ حسین تھا اور اس کی سہیلیوں نے اس کے چہرے پر ایسی دمک دیکھی تھی جو پہلے کبھی نہ دیکھی تھی ۔ آج میں میری مسز کیوری بننے والی تھی ۔

اس نے اپنے خوب صورت بالوں کو سنوارا اور دلہنوں والا جوڑا پہنا اور یہ جوڑا اس کی بہن کی بوڑھی ساس نے تحفہ کے طور پر دیا تھا، میری کہہ چکی تھی میرے پاس کوئی کپڑا نہیں ہے ، بس ایک ہی جوڑا ہے جو میں روز پہننی ہوں ، اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے ایک جوڑا دینا چاہیں تو ایسا جوڑا دیجئے گا جو روز مرہ کے کام میں آ سکے اور کالے رنگ کا ہو تاکہ بعد میں میں اسے پہن کر تجربہ گاہ میں کام کرسکوں ۔

برونیا نے دلہن کو سہارا دے کر چلایا ، پڑوس کی ایک درزن بھی ساتھ تھی ، اسی نے یہ جوڑا سیا تھا لیکن کالے رنگ کا نہیں ، نیلے رنگ کا اونی سوٹ اور نیلے ہی رنگ کا بلاؤز تھا ، میری اس لباس میں حسین ، کمسن اور سگفتہ نظر آتی تھی ۔

میری چاہتی تھی کہ اس کی شادی عام شادیوں سے بالکل مختلف طرح سے ہو ، نہ عروسی جوڑا ہو ، نہ سونے کی انگوٹھی ہو اور نہ دعوت ولیمہ کا انتظام کیا جائے ، کوئی مذہبی رسم بھی نہ ادا کی جائے۔ پیئر آزاد خیال تھا اور میری عرصہ سے مذہبی مشاغل سے کنارہ کش ہو چکی تھی ۔ شادی کے وقت وکیلوں کو بھی نہیں بلایا گیا ، کیوں کہ دولہا دلہن کی کوئی جائداد نہ تھی ۔ بس دو چماچم کرتی ہوئی بائیسکلیں تھیں ، کسی رشتہ دار نے شادی کے موقع پر کچھ رقم بھیجی تھی ، اسی سے یہ دو بائیسکلیں خریدی گئی تھیں ، ان سائیکلوں پر دونوں بیٹھ کر گرمیوں کی چھٹیوں میں دیہات کی سیر کرنے جائیں گے ۔

سچ مچ یہ بڑی نرالی شادی تھی ، کیوں کہ بیاہ کے موقع در طرفین میں کوئی جھگڑا نہ ہوا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بیئر کے چھوٹے سے باغ میں بارات آئی تھی ، برونیا ، اس کا شوہر اور گنتی کے چند دوست ، یونی ورسٹی کے بعض اصحاب اور میری کا باپ پروفیسر اسکلوڈووسکی جو ہیلا کے ہمراہ آیا تھا ۔ میری کے باپ نے اپنے سمدھی ڈاکٹر کیوری سے نہایت صحیح فرانسیسی زبان میں گفتگو کی ، کیوں کہ یہ ان کی عزت کا سوال تھا ، لیکن سب سے پہلے انھوں نے بھرائی ہوئی آواز میں دھیمے لہجے سے اس طرح کہا جیسے آواز ان کے دل کی آخری تہ سے نکلی ہے ، بہو کی شکل میں آپ کو بہترین بیٹی مل گئی ، پیدائش کے وقت سے لے کر آج تک مجھے اس لڑکی سے کوئی دکھ نہیں پہونچا ۔

پھر دولہا دلہن کو لینے آیا ، اب دونوں کو لگزم برگ کے اسٹیشن پر پہونچنا تھا جہاں انہیں سیاکس کے لئے ٹرین ملے گی ، وہ اومنی بس میں سوار ہو گئے ، سورج کی کرنیں ان کے چہروں پر پڑ رہی تھیں ، دو منزلی بس پر وہ دونوں اس طرح بیٹھے تھے جیسے راجا رانی رتھ پر سوار ہوں ۔

جب ساربون کی عمارت نظر آئی تو میری نے اپنے رفیق زندگی کا ہاتھ پکڑ لیا ، دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا ، اب دونوں کو سکون قلب حاصل ہو چکا تھا ۔

گیارھواں باب

میاں بیوی

میری ہر مہم میں ہمیشہ کامیاب رہی، اس کی شادی کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا۔ پیئر کیوری سے شادی کرنے میں وہ ایک سال سے زیادہ عرصے تک تامل کرتی رہی۔ اب وہ اس کی بیوی بن چکی تھی، اب جب وہ اس کی بیوی بن چکی تھی تو اس نے ازدواجی زندگی کو سنوارنا شروع کیا اور اس میں ایسی دور اندیشی سے کام لیا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک مثال قائم کر دے گی۔

ان کی ازدواجی زندگی کے ابتدائی دن بڑے رنگین تھے۔ پیئر اور میری اپنی مشہور بائیسکلوں پر بیٹھ کر نکلے اور فرانس کی سیاحت کرنے لگے۔ سائیکل کے پیچھے تھیلے بندھے ہوئے تھے جن میں ان کے چند کپڑے لمبے لبادے تھے جو گرمیوں کی بارش کے پیش نظر خریدنے پڑے تھے۔ وہ روٹی اور پنیر سے دوپہر کا کھانا کھاتے، گھنے درختوں کے سائے میں بیٹھتے، شام کے وقت کسی انجان سرائے میں قیام کرتے جہاں معمولی کھانا کھاتے، کرائے پر کمرہ ملتا جس میں لرزتی ہوئی موم بتی کا دیوار پر عکس پڑتا اور پرچھائیوں کا ناچ ہوتا، وہ دونوں تنہائی میں سفر کرتے، دور کہیں کتوں کے بھونکنے کی آواز آتی، کہیں چڑیاں چہکتی تھیں اور کہیں بلیاں آپس میں لڑتیں تھیں۔

جب وہ کسی گھنے جنگل یا چٹانوں کو عبور کرنا چاہتے وہ پیدل سفر کرتے - بیٹر کو دیہات سے شدید محبت تھی اور کوئی شک نہیں کہ اس جیسے دماغی کام کرنے والے کے لئے یہ طویل اور خاموش سیر و تفریح نہایت ضروری تھی - اور سائنسداں کے انہماک کو اس کی بیوی نے اور تقویت پہنچائی تھی، اب جب وہ کسی باغ سے گزرتا تو خاموش نہ رہ سکتا تھا - وہ آرام کرنا نہ جانتا تھا، نہ وہ کام سے تھکتا تھا - وہ اصول اور ضابطوں کا ایسا زیادہ قائل نہ تھا - اگر کسی کو سیر کرنا ہے تو دن اور رات کی کیا قید، اور کھانے کے اوقات کیوں مقرر کئے جائیں - بچپن ہی سے یہ اس کی عادت تھی کہ جب کہیں وہ باہر جانا چاہتا تو چلا جاتا تھا کبھی صبح صادق کے وقت کبھی شام کے دھندلکے میں اور جاتے وقت اسے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک گھنٹے کے بعد واپس آئے گا یا دو تین دن کے بعد - اپنے بھائی کے ساتھ جو اس نے صحرا نوردی کی تھی وہ اسے بڑھاپے تک یاد رہی -

آہ ! وہ دن وقت کتنے اچھے تھے ، آج پیرس میں مجھے ہزاروں دکھ ہیں لیکن اس وقت تمام کلفتوں سے دور تھا - میں اپنی راتوں کا افسوس کروں یا دنوں کا افسوس کروں ، کیوں کہ رات اور دن مل جل کر رخصت ہوا کرتے تھے - میں اپنی پر فضا وادی کا بھی ذکر کرنا چاہتا ہوں اور وہ جنگل کتنا پیارا ، کتنا خنک اور کتنا نم ناک تھا جس میں بیورے بہتا تھا - پودوں کے جھنڈ سے پریوں کا محل سا بن گیا تھا اور پتھریلی چٹانیں جن پر بیٹھ کر ہم بہت لطف اندوز ہوتے

تھے اور ہاں میں لاسینیرے کے جنگلوں کو ہمیشہ یاد رکھوں گا ، جنسے مقامات مجھے یاد ہیں ان میں یہی ایک جگہ تھی جو مجھے بہت پسند تھی ، جہاں پہنچ کر میں سب سے زیادہ خوش ہوا تھا اور وہاں اکثر شام کے وقت چلا جاتا تھا ، میں وادی کے بالائی حصے تک چلا جاتا تھا اور جب میں واپس آتا تھا تو میرے دماغ میں درجنوں خیالات ہوتے تھے ۔ اب جو گرمیاں آئیں تو پہلے سے زیادہ خوش‌گوار تھیں ، کیوں‌کہ اس دفعہ ایک نئی نویلی دلہن بھی ساتھ تھی ، اس کی وجہ سے سفر بہت خوب صورت ہو گیا تھا ، وہ سائیکل کے پیڈل کو ہزاروں بار جنبش دیتے تھے اور کسی گاؤں میں ٹھہرنے کے لئے چند فرانک خرچ کرتے تھے اور دونوں میاں بیوی زندگی سے لطف اندوز ہوتے تھے ۔

ایک روز جب وہ اپنی سائیکلیں ایک کسان کے گھر چھوڑ گئے تھے اور آزمائش کے لئے بڑی سڑک کو چھوڑ کر یونہی چل پڑے ۔ ان کے پاس کچھ بھی نہ تھا ، بس ایک چھوٹا سا پرکار تھا اور کچھ پھل تھے ، پیئر آگے آگے چل دیا اور میری اس کے پیچھے پیچھے بلا تکان چل دی ۔ اپنی چیزوں کی قربانی کر کے اس نے اپنی اسکرٹ کو چھوٹا کر لیا ، اس کا سر برہنہ تھا ، وہ سفید لباس پہنے تھی اور اس کے پاؤں میں نئے خوب صورت اور بھاری جوتے تھے اور کمر میں ایک چمڑے کی پیٹی تھی جو خوب صورت تو نہ تھی لیکن کارآمد تھی ، جس میں ایک چاقو بندھا تھا ۔ اس کے پاس تھوڑے

سے روپے اور ایک گھڑی تھی ، ان دونوں چیزوں کو وہ جیبوں میں رکھی تھی -

بیئر مسلسل زراعت کے بارے میں سوچتا گیا اور اس نے بیوی پر نگاہ تک نہ کی ، وہ جانتا تھا کہ میری سمجھتی ھے کہ اس کا جواب کارآمد اور نیا ھوگا ، وہ یونیورسٹی کے آئندہ سال کے لئے بڑے بڑے منصوبے بنائے ہوئے تھی - وہ فیلو شپ کے مقابلے کی تیاری کرنے جا رہی تھی ، یہ تو ظاھر تھا کہ فزکس اسکول کے ڈائرکٹر اسے اسکول کی تجربہ گاہ میں بیئر کے ساتھ تحقیقی کام کی اجازت دے دیں گے ، اس طرح وہ مسلسل ایک دوسرے کے پاس رہیں گے اور کبھی ایک دوسرے سے جدا نہ رہیں گے -

وہ نرکلوں سے گھرے ہوئے ایک تالاب کے پاس آئے ، اس سوئے ہوئے تالاب کے کنارے بیئر نے ایک خاص نباتات فلورا کو دریافت کر لیا، وہ بہت خوش ھوا - اسے ھوا ، پانی اور حیوانات کے بارے میں بہت زیادہ معلومات تھیں ، وہ اپنی نوجوان بیوی کے ساتھ ایک گرے ھوئے درخت کے تنے پر بیٹھ گیا اور ھاتھ بڑھا کر تالاب میں تیرنے والے زرد زرد پھولوں کو چننے لگا -

میری بڑے سکون قلب کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی ،جہاں بادلوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تیر رہے تھے ، وہ اچانک چیخی، اسے یوں محسوس ھوا کہ اس کے کھلے ھوئے ھاتھ پر کوئی ٹھنڈی اور گیلی چیز آ گئی ھے - یہ سبز رنگ کا ایک مینڈک تھا ، جو ھانپ رہا تھا - یہ مینڈک اس کے شوھر کے ھاتھ

سے گر کر اس کی ھتھیلی میں آ گیا تھا ۔ اس کی نیت میں کوئی شرارت نہ تھی ، وہ مینڈکوں سے اچھی طرح مانوس تھا اور انہیں قطعی طور پر قدرتی اشیاء تصور کرتا تھا ۔

" پیٹر . . . . واقعی پیٹر " ! اس نے احتجاج کیا ، اس کے چہرے پر بچوں کا سا خوف تھا ۔

نوجوان ماہر طبعیات ھکا بکا رہ گیا ۔

" تمہیں مینڈک پسند نہیں ہیں ؟ "

" ھاں پسند تو ہیں لیکن ھتھیلی پر نہیں "

" تم بالکل غلطی پر ہو "، وہ متاثر ہوئے بغیر بولا " مینڈک کا مشاہدہ کرنا تو بڑی دلچسپ چیز ہے ، لو اب آہستہ سے اپنی ہتھیلی کھولو اور دیکھو یہ کتنا عمدہ مینڈک ہے "

اس نے اپنے ھاتھ پر دوبارہ اس جاندار کو رکھ لیا ، اب وہ مسکرا رہی تھی اور اسے کوئی الجھن نہ تھی ۔ اب اس کے شوہر نے مینڈک کو آزاد کر دیا اور تالاب کے کنارے چھوڑ دیا، اب وہ اس وقفے سے تھک چکا تھا، وہ آگے بڑھا اور اس کی بیوی پیچھے پیچھے روانہ ہوئی ، وہ اس وقت جنگلی پھولوں کے گہنے پہنے ہوئی تھی ۔

اب سیاحت ختم ہوچکی تھی ، وہ پھر اپنے جھمیلوں میں پڑچکا تھا، پئیر کیوری ان جنگلوں ، آسمانوں اور تالابوں کو بھول چکا تھا ، اور اپنے تحقیقی کام میں مصروف ہوچکا تھا ، وہ زراعت پر تحقیق کر رہا تھا ، اس نے ایک نئے آلے کی وضاحت کی جو وہ اپنے آئندہ

تجربے کے لئے بنانے جا رہا تھا اور پھر اس نے میری کی مخلصانہ آواز سنی ۔ میری نے اس مسئلے پر اس سے مفصل گفتگو کی ۔

ان مسرور دنوں کے دوران میں ایک نہایت عمدہ معاہدہ تیار ہوا جس سے مرد اور عورت ہمیشہ آپس میں متفق اور متحد رہے ہیں۔ اب دو دل ساتھ ساتھ دھڑکتے تھے ، دو جسم یکجا تھے اور دو اعلیٰ دماغ ایک ساتھ سوچتے تھے ۔ میری کسی اور سے شادی کر ہی نہ سکتی تھی، یہ عظیم سائنسدان ، یہ دانا اور شریف الطبع شخص اس کے موزوں ترین تھا ، پئیر کو بھی اس پولش سے بہتر کوئی لڑکی نہ مل سکتی تھی ، جو کبھی بچہ محسوس ہوتی تھی کبھی ایک بیوی کا کردار ادا کرتی تھی اور کبھی ایک سائنسدان نظر آتی تھی۔

اگست کے وسط میں یہ جوڑا جو گرمیوں کی سیاحت سے مسرور و شادماں تھا اور اب تھک چکا تھا، تھکن دور کرنے شانٹلے کے قریب ایک ڈیرے پر ٹھہر گیا ، جسے ہنڈ کہتے تھے ۔ یہ جگہ پہلے برونیا نے دریافت کی تھی ۔ یہاں وہ کئی مہینے سکون کے ساتھ رہ چکی تھی ۔ اب بھی یہاں وہ ٹھہری ہوئی تھی، یہاں میری اور پیئر اس سے آ ملے ۔ برونیا کا شوہر اور اس کی بیٹی ہیلن اور بوڑھا باپ اسکلوڈووسکی اور ہیلا سب یہاں موجود تھے ۔ ان لوگوں نے فرانس کے قیام کو طول دے دیا تھا ۔ برونیا کی بچی کو سب لوگ پیار سے لوؤ کہتے تھے ۔

گرمیوں کی چھٹیوں کی یہ سیاحت ہمیشہ یادگار رہے گی۔ بہت سے اعزاء ایک جگہ جمع ہو گئے تھے ، جو شاید اب پھر نہ مل سکیں گے ۔ وہ سب لوگ اس پرانے مکان کی شعریت اور دلکشی کو محسوس

کر رہے تھے جو گھنے جنگل میں تنہا کھڑا تھا ۔ جنگل خرگوشوں سے بھرا ہوا تھا ، اور زمین جنگلی پھولوں سے اٹی پڑی تھی ، یہاں انسانوں کا جو گروہ جمع تھا ، اس کی دو نسلیں تھیں اور تین پشتیں تھیں ۔

پیئر کیوری نے اپنے نئے خاندان کو مستقل طور پر فتح کر لیا ۔ وہ اپنے سسر اسکاوڈووسکی سے سائنس کے موضوع پر گفتگو کرتا اور ننھی بچی لوؤ سے نہایت سنجیدہ گفتگو کرتا، اب اس کی عمر تین سال کی ہو چکی تھی۔ وہ بہت ہی زندہ دل اور خوش مزاج بچی تھی۔ پھر ڈاکٹر کیوری اپنی بیوی کے ہمراہ یہاں پہنچ گئے ۔ اس سے اور بھی دلچسپی بڑھ گئی۔ اب علم الکیمیا سے لے کر علم الادویہ تک بحث ہوتی ۔ بچوں کی تعلیم ، نئے معاشرتی مسائل اور فرانس اور پولینڈ کی سیاست پر گفتگو ہوتی ۔ پیئر اس گروہ میں کسی طرح بھی اجنبی نظر نہ آتا تھا ۔ وہ اپنے سسرالی رشتے داروں سے بالکل مانوس ہوچکا تھا ۔ اس نے اپنے سسرال میں زیادہ مقبول بننے کے لئے اور اپنی محبت کا زیادہ ثبوت دینے کے لئے پولش زبان سیکھنے کی کوشش شروع کر دی ، حالانکہ میری نے اسے منع کیا، یہ زبان بے حد مشکل ہے اور چونکہ بول چال کی زبان میں اور رسم الخط اور قاعدہ نہیں ہے ، اس لئے اس کا سیکھنا بہت مشکل ہے ۔

میری اپنے ساس سسر کو بہت چاہتی تھی ۔ ہیلا اور اس کا باپ جب واپس چلے گئے تو وہ اپنے ساس سسر کی محبت میں اپنے والدین کی محبت تلاش کرنے لگی ۔

بشر نے ایک غیر ملکی اور غریب لڑکی سے شادی کی تھی جو لٹش کوارٹر کی ایک بلڈنگ کی سب سے بالائی منزل پر رہتی تھی۔ لیکن دونوں کی شادی پر لوگوں کو کوئی حیرت نہ ہوئی، کیونکہ دونوں کے دماغ ایسے ہی تھے جنہیں یکجا ہونا چاہئے تھا۔ سری کی سب نے تعریف کی، صورت شکل بھی اچھی تھی اور بڑے بھائی جیکوس کو اس لڑکی سے بڑی انسیت ہو گئی۔ سسرال کے سب لوگ سری کی مردانہ ذہانت سے بہت متاثر تھے اور اس کے کردار سے بھی متاثر تھے۔

سی آکس کے حلقے میں سری کو بعض نئے تجربات سے حیرت ہوئی۔ اسے اپنے سسر اور ان کے دوستوں کے سیاسی جذبات کا بہرحال احترام کرنا تھا۔ ڈاکٹر کیوری اب بھی ۱۸۴۸ء کے نظریات سے محبت کرتے تھے اور ان کے دل میں اب بھی ہنری بیری سن کا احترام تھا۔ ان کی طبیعت میں جنگجوئی کا مادہ تھا۔ سری جو غیر ملکی استبداد کے خلاف جو جد و جہد کر رہی تھی اور جو زار روس کے خلاف شدید نفرت رکھتی تھی اب اس نے یہاں دیکھا کہ فرانس کے لوگوں کو پارٹی پالیٹکس کے جھگڑوں سے بڑی دلچسپی ہے۔ نظریات کے بارے میں وہ لمبی لمبی بحثیں اور تقریریں سنتی تھی۔ جب وہ ان بحثوں سے کچھ اکتا جاتی تو وہ اپنے شوہر کے پاس آ کر پناہ لیتی اور اس کا شوہر پرسکون اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والا شخص تھا، جب اتوار کو دوست احباب ملنے آتے اور مکان کے باغیچے میں جمع ہو کر دوستانہ بحثیں کرتے تو وہ اکثر ان بحثوں میں بشر سے شرکت کے لئے کہتے، لیکن پیئر جواب دیتا "مجھے تو معاف ہی رکھئے، بحث اور تو تکار اور گرما گرمی سے کچھ فائدہ نہیں ہے"

میری کہیں لکھتی ہے کہ پیئر کیوری سیاست میں سرگرمی سے حصہ لینے پر کسی قدر مائل ہو چلا تھا، لیکن جو تعلیم اس نے پائی تھی اور طبیعت اسے ملی تھی اس کے مطابق وہ کسی پارٹی کے نظریہ سے متفق نہ ہو سکتا تھا . . . . وہ سوشلسٹوں کے خیالات سے متفق تھا لیکن وہ جلوت اور خلوت میں ہمیشہ تشدد کا مخالف رہا ۔

وہ ہمیشہ بے گناہ اور معصوم کا حمایتی رہا اور جس پر جبر کیا گیا اسی کی اس نے طرف داری کی ۔ وہ ایک انصاف پسند انسان تھا ۔

اکتوبر میں نوجوان جوڑا ۲۴ ریوڈی لا گلشیر کے چھوٹے سے فلیٹ پر رہتا تھا ، اس فلیٹ کی کھڑکیاں ایک بڑے سے باغ کی طرف کھلتی تھیں - یہ قیام گاہ محض تکلیف دہ تھی اور اس میں کوئی دلکشی نہ تھی -

میری اور پیئر نے اپنے تین چھوٹے چھوٹے کمروں کو بالکل نہ سجایا ۔ ڈاکٹر کیوری نے فرنیچر دینا چاہا لیکن انہوں نے انکار کر دیا ۔ ہر صوفہ اور کرسی صبح سویرے ہی گرد سے اٹ جائے گا اور صفائی کی زحمتیں بڑھ جائیں گی ، میری صفائی نہ کر سکتی تھی ۔اس کے پاس وقت نہ تھا۔ صوفے اور کرسی کا فائدہ ہی کیا ہے ، اس گھر میں کوئی جلسے تو ہونے والے نہ تھے ۔ یہ دونوں لوگوں سے ملتے ہوئے ویسے ہی کتراتے تھے ۔ اب اگر کوئی ان سے ملنے آئے گا تو ایک تو اسے فلیٹ تک پہنچنے کے لئے کافی سیڑھیاں طے کرنا ہوں گی دوسرے یہ کہ جب وہ فلیٹ تک پہنچے گا اور کمروں کی سباٹ

دیواریں، الماریوں میں رکھی ہوئی کتابیں اور صرف ایک میز دیکھے گا تو آئندہ آنے کی ہمت نہ ہوگی ۔ میز کے ایک طرف میری کی کرسی تھی اور دوسری طرف پیئر کی میز پر فزکس کا سامان تھا ، پٹرولیم کا ایک لیمپ ، ایک گلدستہ ، بس یہی کل کائنات تھی ۔ ان دونوں کرسیوں میں سے کوئی بھی کرسی کسی کے لئے مخصوص نہ تھی ۔ جب کوئی باہمت ملاقاتی ملنے آتا تو تھوڑی ہی دیر میں فرار ہو جاتا ۔

پیئر اپنے وجود کا ایک ہی مقصد سمجھتا یعنی اپنی محبوب بیوی کو سامنے بٹھا کر سائنس کا تحقیقی کام کرے اور سائنسدان بیوی اس کا ہاتھ بٹائے ۔ میری کی زندگی زیادہ پر مشقت تھی ، کیوں کہ اسے دوہرا کام تھا ، ایک تو تحقیق کا اور دوسرے وہ تھکا دینے والے کام جو عورتوں کے کرنے کے ہوتے ہیں ۔ وہ اب زیادہ عرصے تک سادی زندگی کو نظر انداز نہ کرسکتی تھی جیسا کہ وہ ساربون میں اپنی تعلیم کے دوران میں کرتی رہی تھی اور گرمیوں کی چھٹیاں گزار کر جب وہ دونوں واپس ہوئے تو میری نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ حساب کی ایک کتاب خریدی ، جس کی جلد کالے رنگ کی تھی اور جس پر سنہرے حروف میں بخط جلی " اخراجات " لکھا ہوا تھا ۔

اب پیئر کیوری کو فزکس اسکول سے پانچ سو فرانک ماہوار مل رہے تھے ۔ بس یہی کل آمدنی تھی ۔ بعد میں میری کو فیلوشپ کی سند مل جائے گی اور یونی ورسٹی اسے فرانس میں پڑھانے کی اجازت دے دے گی ۔

اس سے اچھی طرح گزر بسر ہو سکے گی ، کیوں کہ ایک شریف جوڑا اتنی رقم میں شرافت کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے ، اور سری جانتی تھی کہ کفایت شعاری کس چیز کا نام ہے ۔ سب سے زیادہ مشکل بات یہ تھی کہ جس نئے کام کا بیڑا اٹھایا جائے اسے ایک ہی روز میں چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ختم کیا جائے ۔ میری صبح سے لے کر سہ پہر تک تجربہ گاہ میں کام کرتی تھی ۔ وہاں اس نے اپنی نشست مقرر کر لی تھی ۔ تجربہ گاہ اس کے نزدیک مسرت کا دوسرا نام تھا ، گھر میں ایک فرش تھا جس پر اسے جھاڑو دینا پڑتی تھی اور ایک بستر تھا جسے بچھانا پڑتا تھا ۔ پیئر کے کپڑوں کو اچھی حالت میں حفاظت سے رکھنا پڑتا تھا اور اس کے کھانے کا مناسب انتظام کرنا تھا ، اور گھر میں کوئی ملازمہ نہ تھی ۔

اس لئے میری کو صبح جلدی اٹھنا اور بازار جانا پڑتا تھا ، اور جب وہ شام کے وقت پیئر کا بازو پکڑ کر اسکول سے گھر لوٹتی تھی تو اسے بنیے کی دوکان جانا پڑتا تھا اور دودھ لینے کے لئے ڈیری فارم جانا ہوتا تھا ۔ اسے ترکاریاں کاٹنا پڑتی تھیں اور صبح کا ناشتا تیار کرنا پڑتا تھا ۔ ناشتا کر کے وہ دونوں تجربہ گاہ چلے جاتے تھے ۔ وہ دن کہاں چلے گئے جب لاپروا کنواری لڑکی شوربہ پکانا بھی نہ جانتی تھی ؟ لیکن اب تو اس نے یہ باتیں سیکھنا ضروری سمجھیں کہ یہاں اس کے وقار کا سوال تھا ۔ جیسے ہی اس کی نسبت طے ہوئی تھی وہ پوشیدہ طور پر اپنی بہن برونیا اور برونیا کی ساس سے ملی اور اس نے چپکے چپکے کھانا پکانا سیکھا ، اس نے مرغ پکانا سیکھ لیا ، آلو تلنا سیکھے ، اور اب وہ فرض شناس بیوی کی طرح شوہر کا تمام کھانا پکاتی تھی ، وہ لڑکی جو اسی غافل رہتی

تھی اور دماغی طور پر اتنا غیرحاضر رہتی تھی اب گھر کے کام دھندوں میں اس طرح منہمک تھی کہ اسے اتنی بھی سہلت نہ ملتی تھی کہ وہ اپنے کام کاج کو غور سے دیکھ سکے، بس وہ کام کرتی چلی جاتی تھی -

یہاں پر فرانس اور پولینڈ کے مقابلے کا سوال تھا، ایک روز اس نے اپنی فرانسیسی ساس کے سامنے پھوہڑ پن سے آملٹ تیار کیا، تو بڑھیا حیران ہوکر بلند آواز سے کہنے لگی کہ کیا سارے وارسا کی ایسی ہی لڑکیاں ہوتی ہیں! میری نے کھانے پکانے کی کتابیں بار بار پڑھیں اور کبھی وہ کامیاب ہوئی اور کبھی ناکام ہوتی، لیکن وہ اپنے تمام تجربات قلمبند کرتی جاتی، جیسا کہ سائنسدانوں کا طریقہ ہے کہ وہ ہر چیز کا تجربہ کر کے نہایت صحت کے ساتھ لکھے جاتے ہیں -

اور بعد میں اس نے کئی کھانے ایجاد کئے، اس نے ایسے کھانے ایجاد کئے جو مختصر عرصے میں تیار ہو جاتے تھے، اس نے بعض ادھ پکے کھانے ایجاد کئے جنہیں بعد میں کھاتے وقت پکایا جا سکتا تھا اور یہ ایجادیں وہ اپنی تجربہ‌گاہ میں فرصت کے وقت کرتی تھی، لیکن کھانا پکانا کیمسٹری کی طرح مشکل اور پر اسرار تھا، وہ ایسی کون سی ترکیب کرے کہ سویاں اکڑنے نہ پائیں، گائے کا ابلا ہوا گوشت ٹھنڈے پانی میں ڈالا جائے یا گرم پانی میں، دال کتنی دیر میں گل جاتی ہے؟ چولھے کے سامنے بیٹھ کر اس کے گال تمتمانے لگتے، اس کا جی چاہتا کہ ان جھمیلوں کو چھوڑ کر پرانے زمانے کی طرح سادہ زندگی گزارے - روٹی میں مکھن چپڑ کر

کھا لے اور اوپر سے چائے پی لے ، گاجریں اور دوسرے پھل کھا کر پیٹ بھر لے -

رفتہ رفتہ اسے گھر کے دھندے آنے لگے - گیس ہیٹر جو پہلے اکثر موقعوں پر بیجا طور پر جلتا رہتا تھا ، اب کفایت سے جلایا جانے لگا - جب وہ باہر جاتی تو چراغ کی لو دھیمی کر دیتی - اسے باہر جاتے وقت دروازہ بند کرنا بھی یاد رہتا تھا اور اس کے بعد ھی وہ سیڑھیوں سے اتر کر شوھر کے ھمراہ اسکول کی طرف روانہ ھو جاتی -

ان مصروفیات اور توجہات کے علاوہ اسے نہایت ھوشیاری سے یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ تجربہ گاہ میں کام آنے والا برنر لیمپ صحیح جل رہا ھے یا نہیں -

سائنسی تحقیقات کے لئے آٹھ گھنٹے اور امور خانہ داری کے لئے دو تین گھنٹے کافی نہ تھے - شام کے وقت وہ اپنے کھاتے میں خانے وار اخراجات لکھتی "صاحب کا خرچ" اتنا اور "میم کا خرچ" اتنا اور یہ کھاتا لکھ چکنے کے بعد وہ سفید لکڑی کی میز کے پاس بیٹھ جاتی اور فیلو شپ کے مقابلے کی تیاریوں میں غرق ھو جاتی - میز کے دوسرے کنارے پر پیئر کیوری بیٹھا ھوتا اور اپنے اسکول کے نئے نصاب کا دستورالعمل تیار کرتا - اکثر جب وہ اپنے شوھر کی نگاہ محبت اپنی جانب محسوس کرتی تو وہ خود بھی پلکوں کا حسین گھونٹ بھر کر اس کی طرف دیکھتی ، اس طرح گویا محبت کے پیغام کا محبت سے جواب دیا جاتا اور یہ مرد اور یہ عورت جو دونوں ایک دوسرے کو پیار کرتے تھے

آپس میں ہلکے سے تبسم کا تبادلہ کرتے تھے ۔ ان کے کمرے میں روشنی ہوتی رہتی اور باہر کے لوگ کھڑکیوں کے شیشوں سے کمرے کی روشنی دیکھ سکتے تھے ، یہ روشنی بجھتی ہی نہ تھی ، حتیٰ کہ صبح کے دو یا تین بج جاتے تھے ۔ کمرے میں یا تو ورق الٹنے کی آواز آتی تھی یا قلم کی سرسراہٹ سنائی دیتی تھی ، اس کے علاوہ مکمل سکوت طاری رہتا تھا ۔

میری بنام جوزف ، ۲۳ نومبر ۱۸۹۵ء

...... یہاں ہر طرح سے خیریت ہے ، ہم دونوں خوش و خرم ہیں اور زندگی بہت اچھی طرح گزر رہی ہے ۔ میں رفتہ رفتہ اپنے فلیٹ کو سجا رہی ہوں لیکن میرا ارادہ یہ ہے کہ ایسے اسٹائل پر سجاؤں کہ مجھے کمرے کی صفائی اور رکھ رکھاؤ پر بہت کم توجہ کرنا پڑے ، کیوں کہ میرا کوئی مددگار نہیں ہے ، وہ تھوڑی بہت مدد کر سکتے ہیں ، ایک عورت جو ایک گھنٹے کے لئے گھر آتی ہے اور برتن مانجھ جاتی ہے اور چھوٹے موٹے کام کرتی ہے اور کھانا پکانا اور دوسرے دھندے مجھ ہی کو کرنے پڑتے ہیں ۔

تیسرے چوتھے روز مجھے اپنے ساس سسر سے ملنے کے لئے جانا پڑتا ہے ، وہ بھی ساتھ میں ہوتے ہیں ، اس سے ہمارے کام میں کوئی حرج نہیں ہوتا ہے، ہمارے پاس دو کمرے ہیں، یہ پہلی ہی منزل پر ہیں اور ہمارے پاس آسائش کا تمام سامان ہے ، وہ تمام چیزیں بھی ہمارے پاس ہیں جن کی ہمیں ضرورت

رھا کرتی ہے، اس لئے جب ہم تجربہ گاہ کا کام گھر پر کرنا چاہتے ہیں تو کسی دقت کے بغیر کر لیتے ہیں۔

جب موسم اچھا ہوتا ہے اور ہمیں سی آکس جانا ہوتا ہے تو ہم بائسکلوں سے جاتے ہیں، ٹرین سے ہم جب ہی جاتے ہیں جب موسلا دھار بارش ہوتی ہے۔

میری نوکری ابھی تک طے نہیں ہو سکی ہے۔ امید ہے اس سال مجھے کچھ ایسا کام مل جائے گا جو میں تجربہ گاہ میں کر سکوں گی، کام کی نوعیت یہ ہوگی کہ یہ نیم سائنسی اور نیم صنعتی کام ہوگا، انسانی کے پیشے سے یہ پیشہ بہر حال اچھا ہوگا۔

میری بنام جوزف، ۱۸ مارچ ۱۸۹٦ء

...... ہماری زندگی اسی ڈھرے پر چل رہی ہے، ہم برونیا اور اس کے سسرالی رشتہ داروں اور اپنے ساس سسر کے سوا کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ ہم شاذ و نادر ہی تھیٹر دیکھنے جاتے ہیں۔ ہم اپنے کام سے اپنی توجہ ہٹانا نہیں چاہتے۔ جب ایسٹر کا تہوار آئے گا تو ہم اپنے آپ کو کئی دن کی چھٹیاں منانے کی اجازت دے دیں گے اور شاید ہم سیر سپاٹے کو بھی نکلیں گے۔

مجھے افسوس ہے کہ میں ہیلا کی شادی میں شرکت نہ کر سکی، اگر ہم میں سے کوئی بھی وارسا میں نہ تھا تو مجھے اپنی مشکلات کے باوجود روپیہ فراہم کر کے سفر کرنا چاہیے

تھا ، لیکن مقام مسرت ہے کہ ہیلا کو اس موقع پر یک سر تنہائی کا احساس نہ ہونے دیا گیا ، میں اس تقریب کی بے پایاں مسرتوں سے محروم رہ گئی ۔

چند ہفتوں سے یہاں بہت گرمی بڑھ رہی ہے ، ہر طرف سرسبزی اور شادابی نظر آتی ہے ۔ سی آکس میں فروری کے مہینے ہی میں بنفشہ پھولنے لگا تھا ۔ وہاں باغ میں مصنوعی ٹیلے پر بنفشہ بھرپور طور پر نکل آیا ہے ، پیرس کی گلیوں میں سستے داموں پر پھولوں کے گچھے بک رہے ہیں ۔ ہم ہمیشہ اپنے گھروں میں پھولوں کے گچھے خرید کر لاتے ہیں ۔

میری کا خط جوزف اور اس کی بیوی کے نام ،
۱۶ جولائی ۱۸۹۶ء

میرے پیارو ! میرا بہت جی چاہتا ہے کہ اس سال وطن آؤں اور تم دونوں کو گلے لگا سکوں ۔ لیکن افسوس ایسا کچھ بھی نہیں ہو سکتا ، نہ وقت ہے نہ پیسہ ہے ۔ فیلو شپ کے مقابلے کا امتحان جو میں پاس کرنے جا رہی ہوں وہ اگست کے وسط تک ختم ہو سکے گا ۔

ثانوی تعلیمات میں فیلو شپ کے امتحان میں مادام کیوری اول نمبر سے پاس ہوگئیں ۔ پیئر نے ایک لفظ کہے بغیر اسے زور سے بھینچ لیا ۔ وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنی قیام گاہ پر پہنچے اور انہوں نے اپنی سائیکلوں میں ہوا بھری ، اپنے تھیلوں میں ضروری سامان رکھا اور سیر کے لئے چل دیئے ۔

وہ ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کے اعتبار سے کتنے ہم آہنگ تھے ۔

میری ایک جگہ لکھتی ہے ، اس سفر کی یاد ابھی تک تازہ ہے ، دھوپ اچھی طرح نکلی ہوئی تھی ، ہم لوگ پر پیچ راستہ طے کر کے ہرے بھرے کھیتوں سے گزر کر بلیٹو کی کھلی ہوا میں آ گئے تھے ۔ دوسرا واقعہ اس سفر کا یہ یاد ہے کہ ایک شام کو جب دھندلکے میں ہم لوگ سفر کر رہے تھے تو ہم نے دور کسی کو گاتے سنا تھا ، وہ ''لوک'' گیت تھا اور کوئی کشتی پر بیٹھا ہوا گا رہا تھا ۔ ہم نے اس سفر کا منصوبہ بہت ناقص تیار کیا تھا ، اس لئے ہم صبح سے پہلے اپنی قیام گاہ نہ پہنچ سکے ، ایک گھوڑا گاڑی گزر رہی تھی ، گھوڑے ہمیں بائیسکلوں پر دیکھ کر بدکنے لگے اور ہم جوتے ہوئے کھیتوں میں جا پڑے ، پھر ہم سڑک پر آئے اور چاند کی مدھم روشنی میں چلنے لگے ، کچھ گائیں جو گزر رہی تھیں ، انہوں نے ہمیں حیرت سے دیکھا اور ہمارے ساتھ ہو لیں ۔

ان کی شادی کا دوسرا سال پہلے سال سے مختلف تھا ، کیونکہ میری کا پاؤں بھاری ہو گیا تھا ۔ میری یہ تو چاہتی تھی کہ اس کے ایک بچہ ہو ، لیکن وہ امید کے زمانے میں اتنی بیمار ہو گئی کہ تجربہ گاہ میں کام نہ کر سکتی تھی ، وہ شکایت کرتی ہے ۔

سری بنام کازیا ، ۲ مارچ ۱۸۹۷ء

پیاری کازیا ! اپنی سال گرہ کا خط بہت دیر سے بھیج رہی ہوں لیکن میں کچھ عرصے سے بہت بیمار ہوں اور جس سے میری آزادی میں بھی بہت فرق پڑا ہے اور لکھنے پڑھنے میں بھی قباحتیں پیدا ہو گئی ہیں ۔

میں ایک بچے کی ماں بننے والی ہوں اور یہی امید ظالمانہ شکل اختیار کر رہی ہے ۔ دو مہینے سے زیادہ ہوگئے میں طرح طرح سے پریشان ہوں اور صبح سے شام تک پریشان رہتی ہوں ، میں اپنے آپ کو خود ہی تھکا لیتی ہوں اور روز بروز کمزور ہوتی جا رہی ہوں ، گو بہ ظاہر میں بیمار نظر نہیں آتی لیکن میں کام کے قابل نہیں رہی اور میرا جی نڈھال رہتا ہے ۔

اور اس لئے اور بھی پریشانی ہے کہ میری ساس بھی بہت بیمار ہیں ۔

میری بنام جوزف ، ۳۱ مارچ ۱۸۹۷ء

لکھنے کے لئے کوئی قابل ذکر بات نہیں ہے ۔ میں ہر وقت بیمار رہتی ہوں ، حالانکہ میرے چہرے سے بیماری ظاہر نہیں ہوتی ہے ۔ میری ساس بھی اب تک بیمار ہیں اور چونکہ ان کا مرض ناقابل علاج ہے (چھاتی کا کینسر) اس لئے ہم لوگ بہت افسردہ ہیں ، میں خائف ہوں کہ میرے بچہ ہونے سے پہلے ہی وہ چل نہ بسیں ۔ اگر ایسا ہوا تو پیئر کو بے حد قلق ہوگا ۔

جولائی ۱۸۹۷ء میں پیئر اور میری جو شاید ایک گھنٹے کے لئے بھی ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ، پہلی مرتبہ ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ۔ پروفیسر اسکلوڈووسکی فرانس میں گرمیاں گزارنے آئے تھے اور پورٹ بلانک میں گرے راک کے ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ٹھہرے تھے ۔ وہ اپنی بیٹی کے ساتھ اس وقت تک رہے جب تک پیئر نہ پہنچ گیا ۔

پیئر بنام میری ، جولائی ۱۸۹۷ء

میری پیاری بہت پیاری اور بے حد پیاری ، تمہیں میں کہنا چاہتا ہوں ، آج تمہارا خط ملا ، پڑھ کر بہت خوشی ہوئی . . . . . یہاں قابل ذکر بات نہیں ہے ، بجز اس کے کہ تم بہت یاد آتی ہو ۔ تم اپنے والد کے پاس ہو اور میری روح تمہارے پاس ہے . . .

یہ خط اس نے پولش زبان میں لکھا تھا اور یہ زبان یورپ میں وحشیوں کی زبان کہلاتی ہے اور اسی زبان میں اس نوجوان سائنسدان نے محبت کے تمام الفاظ سیکھنا چاہے تھے ، اور میری نے بھی پولش زبان ہی میں جواب لکھا ، چھوٹے چھوٹے جملے اور سادہ زبان تا کہ وہ آسانی سے سمجھ لے ۔

میرے پیارے شوہر ، موسم خوش گوار ہے ، سورج چمک رہا ہے ، گرمی پڑ رہی ہے ۔ تمہارے بغیر میں بہت مغموم ہوں ، جلدی آؤ ، میں صبح سے شام تک راہ تکتی ہوں اور تم نہیں آتے . . . . میں خیریت سے ہوں ، جتنا کام ہو سکتا ہے اتنا کرتی ہوں ، لیکن پوائین کیر کی کتاب مشکل ہے ، میں اتنی مشکل نہ

سمجھتی تھی ، میں جب تم سے ملوں گی تو اس سلسلے میں بات کروں گی اور جو حصے مجھے اہم ناقابل فہم معلوم ہوتے ہیں ، انہیں دوبارہ تمہارے ساتھ مل کر پڑھوں گی ۔

فرنچ میں خط لکھتے ہوئے وہ یہ لکھنے لگا " میری پیاری منی بچی جسے میں بہت چاہتا ہوں " پھر وہ سی آکس کے مفصل حالات لکھتا ۔ وہ بچہ جسے پیدا ہونا تھا ، اس کے بارے میں وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ گفتگو کرتا تھا ۔ وہ اس کے کپڑوں ، اس کی صدری اور اس کی قمیضوں کے بارے میں بار بار لکھتا تھا ۔

آج میں نے تمہیں ڈاک سے ایک پارسل بھیجا ہے ، اس میں دو جیکٹ ہیں ، یہ میری ماں کی طرف سے ہیں ، یہ بہت چھوٹے سائیز کے ہیں ، جو سب سے چھوٹے سائیز کی ہے اس میں الاسٹک لگی ہوئی ہے ، ہمیں ایک سوتی صدری کی بھی ضرورت پڑے گی ، تمہیں دونوں طرح کی جیکٹیں بنانا پڑھیں گی ۔

اچانک اسے اظہار محبت کے لئے نادر الفاظ مل گئے ۔

مجھے اپنی عزیز ترین بیوی یاد آتی ہے ، جس نے میری زندگی کا خلاء پر کر دیا ہے ، اب میں اپنے اندر نئی قابلیتیں پیدا کرنا چاہتا ہوں ۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اگر میں پوری کوشش سے تمہارا تصور باندھوں ، جیسا کہ ابھی تھوڑی دیر پہلے میں کر رہا تھا تو میں تمہیں چشم تصور سے دیکھ سکوں گا ، اور یہ بھی معلوم کر سکوں گا کہ اس وقت تم کیا کر رہی ہو ، اور میں تمہیں یہ بھی محسوس کرا سکوں گا کہ ہر لمحہ میں تمہارے ساتھ ہوں . .

لیکن جب میں تمہارا تصور کرتا ہوں تو تمہاری صاف تصویر ابھرنے نہیں پاتی ۔

اگست کا آغاز ہوتے ہی بیئر دوڑ کر بوٹ بلانک جا پہنچا میری کا ان گنا مہینہ تھا، آٹھواں مہینہ۔ اس کی حالت دیکھ کر بیئر کا دل بگھل گیا ۔ وہ اس کے ساتھ پر سکون گرمیاں گزارنا چاہتا تھا لیکن ایسا ممکن نہ تھا ۔ ایک روز دونوں نے بڑی نادانی کی ، وہ بائسکلوں پر بیٹھ کر سیر کرنے نکل گئے ۔ میری نے اسے بتایا کہ اس نے تھکن محسوس نہیں کی ہے اور بیئر یہی بات یقین کرنا چاہتا تھا ۔ اسے مبہم طور پر یہ احساس تھا کہ اس کی بیوی فوق البشر ہے اور انسانی قوانین سے بالاتر ہے ۔ اس وقت جوان بیوی کا بدن قابل رحم تھا، اسے اپنی چھٹیاں مختصر کر کے پیرس جانا تھا، جب وہ پیرس گئی تو بارہ ستمبر کو اس کے بیٹی پیدا ہوئی ، اس بچی کا نام آئیرین رکھا گیا، یہ بڑی خوب‌صورت بچی تھی اور مستقبل میں اسے نوبل پرائز ملنے والا تھا ۔ ڈاکٹر کیوری نے بچی پیدا کرائی ۔ مادام کیوری نے اپنے دانت بھینچ لئے، اس کے منہ سے ہلکی سی بھی چیخ نہ نکلی اور ولادت بخیرو عافیت ہو گئی ۔

زچگی پر بہت کم خرچ ہوا اور توجہ بھی بہت کم کرنا پڑی ، بارہ ستمبر کا کھاتا دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ کھاتے میں جہاں برانفاقی اخراجات کا خانہ بنا ہوا ہے اس میں لکھا ہے " شیمپین تین فرانک ، تار برقی ایک فرانک دس سینٹ ،، " بیماری کے خانے میں جوان ماں نے لکھا تھا کیمسٹ اور نرس اکھتر فرانک پچاس سینٹ ،، ستمبر کے مہینے میں اس خاندان کا کل خرچ ۳۴۰ فرانک

ہم سینٹ تھا اور نہ خرچ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ میری نے ۳۴۰ فرانک کے نیچے دو موٹی موٹی لکیریں کھینچ دی تھیں ۔

گھریلو زندگی اور سائنسی سرگرمیوں کا میری کے ذہن میں کبھی ٹکراؤ نہ ہوا ۔ وہ تہیہ کرچکی تھی کہ وہ محبت، زچگی اور سائنس تینوں کو نباہے گی، اور ان میں سے کسی کو بھی دھوکا نہ دے گی ۔ اپنے جذبات اور قوت ارادی سے اسے کامیاب ہونا ہی تھا ۔

میری بنام پروفیسر اسکلوڈووسکی، ۱۰ نومبر ۱۸۹۷ء

. . . . میں اب تک اپنی ننھی منی رانی کی دیکھ بھال کررہی ہوں، لیکن اس اثناء میں ہم لوگ بہت زیادہ خائف ہو گئے تھے کہ شاید ہم لوگ اس کی دیکھ بھال کو جاری نہ رکھ سکیں گے، کیونکہ تین ہفتے ہوئے بچی کا وزن اچانک بہت زیادہ گھٹ گیا، وہ بیمار، مغموم اور مرجھلی نظر آنے لگی ۔ اب چند روز سے اس کی حالت بہتر ہو رہی ہے ۔ اب اگر اس کا وزن معمول پر آگیا تب بھی میں اس کی دیکھ بھال میں احتیاط کروں گی ۔ اگر اس کا وزن نہ بڑھا تو میں ایک نرس رکھ لوں گی، خواہ خرچ بڑھ جائے، میں نہیں چاہتی کہ بچی کے نشوونما میں کسی قسم کا خلل پڑے ۔

یہاں موسم اب تک خوشگوار ہے، سورج پوری آب و تاب سے نکلتا ہے اور بڑی خوشگوار گرمی پڑ رہی ہے، آئیرین کو میں روزانہ ٹہلانے لے جاتی ہوں، اگر مجھے فرصت نہیں ہوتی ہے تو

وہ ملازم کے ساتھ جاتی ہے ۔ میں جھوٹے سے تسلے مں اسے نہلاتی ہوں ۔

میری نے ڈاکٹر کی ھدایت کے بموجب بچی کی نرسنگ ترک کر دی لیکن صبح ، دوپہر ، شام اور رات کو وہ بچی کو نہلاتی اور لباس تبدیل کرتی تھی ۔ جب وہ تجربہ گاہ میں کام کرتی تو نرس بچی کی دیکھ بھال کرتی ۔ ان دنوں وہ قومی صنعت کی ترقیاتی انجمن کے لئے مقناطیسیت پر ایک کتابچہ مکمل کر رھی تھی ۔ اس نے کتابچے کی تدوین مکمل کر لی ۔

اس طرح ایک ھی سال میں ، تین مہینے کے وقفے کے اندر مادام کیوری نے اپنی پہلی بچی پیدا کی اور اپنی پہلی ریسرچ کے نتائج برآمد کئے ۔

بعض اوقات زندگی میں متضاد نظام چلانا بڑا ناممکن سا دکھائی دیتا ہے ۔ ایام حمل ھی سے اس کی صحت گرنے لگی تھی ۔

کازیمبرڈولسکی اور ڈاکٹر واتھائیر (یہ کیوری کا فیملی ڈاکٹر تھا) نے بتایا کہ اس کے بائیں پھیپھڑے میں دق کے اثرات ھیں ۔ اس کی ماں بھی اسی مرض میں مر چکی تھی ، وراثت کے خوف سے جو کتنا ھوکر ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ چند مہینے وہ کسی سینی ٹوریم میں رہے، لیکن ضدی سائنسدان عورت نے سنی ان سنی کر دی اور ان کا کہنا ماننے سے صاف انکار کر دیا ۔

پریشان ھونے کے لئے اس کے پاس اور بہت سی باتیں تھیں ، اس کے پاس تجربہ گاہ تھی ، شوھر تھا ، گھر تھا اور اس کی بچی

تھی، انہیں کے مسائل پر اسے سوچنا تھا ۔ ننھی آئیرین کے دانت نکل رہے تھے اور وہ اس تکلیف سے رو رو دیتی تھی ، کسی دن اسے نزلے کی شکایت ہو جاتی تھی یا اسے معمولی چوٹ چپیٹ لگ جاتی تھی تو ماں باپ کے دل کا سکون چھن جاتا تھا اور دونوں سائنسدان ساری ساری رات جاگ کر گزار دیتے تھے ۔ بعض دفعہ اسکول میں بیٹھے بیٹھے وہ اچانک ہراساں ہو جاتی اور جلدی سے گھر بھاگتی، کہیں نرس نے بچی کو گم تو نہیں کر دیا ؟ نہیں نہیں۔ . . دور بہت دور ایک چھوٹی سی بچہ گاڑی نظر آتی جسے ایک عورت دونوں ہاتھوں سے دھکیل کر آگے بڑھا رہی ہوتی ۔ گاڑی کے اندر کوئی سفید سی چیز نظر آتی ۔

اسے اپنے سسر کی مدد مل گئی ۔ یہ مدد بڑی گراں قدر تھی۔ آئیرین کے پیدا ہونے کے چند روز بعد اس کی ساس کا انتقال ہو گیا، لہذا اس کا سسر والہانہ طور پر بچی سے وابستہ ہو گیا ، جب بچی باغ میں پاؤں پاؤں چلنے کی کوشش کرتی تو دادا اپنی پوتی کو غور سے دیکھتا کہ کہیں گر نہ پڑے ۔ جب پیئر اور میری نے ریوڈی لاگلیشیر کی سکونت ترک کر دی اور بولی وارڈ کلرمین میں رہنے لگے تو بوڑھا ڈاکٹر بھی ان کے ساتھ رہنے لگا ۔ اسے آئیرین کا پہلا معلم اور بہترین دوست بننا تھا ۔

نومبر ۱۸۹۱ء میں صبح کے وقت یہ پولش لڑکی دور دیس سے سفر کر کے ریل گاڑی کے تیسرے کلاس کے ڈبے میں بیٹھ کر اس شہر میں پہنچی تھی ، اس کے ساتھ معمولی سامان تھا ۔ مانیا اسکلوڈووسکا نے علم طبعیات اور کیمیا میں نئی دریافتیں کیں اور

عورت کی حثیت سے بھربور زندگی گذاری ۔ اس نے اپنے راستے سے بڑے بڑے پہاڑوں کو ہٹایا اور ایک لمحہ کے لئے یہ نہ سوچا کہ ایسا کرنے میں اسے غیر معمولی حوصلے اور محنت سے دو چار ہونا پڑے گا ۔

ان کوششوں اور فتوحات کے بعد وہ جسمانی طور پر جھٹک گئی ، اس کا ذرا سا منہ نکل آیا ۔ تیرہ سال کی عمر کے بعد اگر مادام کیوری کا کوئی فوٹو دیکھا جائے تو یہ ناممکن ہے کہ دیکھنے والے کا دل نہ بھر آئے ۔ گل گھتنا ایسی لڑکی سوکھ کر کانٹا ہو گئی ۔ اب اسے دیکھ کر کوئی شخص یہ تو کہہ سکتا تھا کہ یہ عورت کتنی دل کش ، غیر معمولی اور حسین ہے ، لیکن کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ وہ اس کی نظر سے نظر ملا سکے ، وہ نظر جو دوسری دنیا کو گھور رہی تھی ۔ مادام کیوری نے اپنے آپ کو خود ہی خوبصورت بنا لیا تھا ۔



بارھواں باب

ریڈیم کی دریافت

ان دنوں جب کہ ایک جوان بیوی گھر چلاتی تھی ، اپنی بچی کو بہلاتی دھلاتی تھی اور کھانا پکاتی تھی تو ان ھی دنوں ایک گھٹیا سی تجربہ گاہ میں ایک خاتون ماھر طبعیات موجودہ سائنس کی نہایت اہم دریافت میں بھی مشغول تھی ۔

۱۸۹۷ ء کے اختتام میری کے پاس یونیورسٹی کی دو ڈگریاں تھیں ، ایک فیلو شپ اور ایک تمغا تھا جو اسے فولاد کی مقناطیسیت پر کام کرنے کے صلے میں ملا تھا ، جیسے ھی وہ زچگی سے فارغ ھوئی اس نے فوراً تجربہ گاہ کا رخ کیا ۔

اس کے منطقی ارتقاء کی دوسری منزل یہ تھی کہ وہ ڈاکٹر کی ڈگری لینا چاھتی تھی ۔ تذبذب میں کئی ھفتے گزر گئے ، اسے ریسرچ کے لئے ایک موضوع چننا تھا ، جسے بہت نیا ھونا چاھئے تھا ، جیسے کوئی ناول نگار اپنا آئندہ ناول لکھتے وقت موضوع کے تعین میں مذبذب ھو ، میری پیئر کیوری کے ساتھ طبعیات کے تازہ ترین کاموں کا جائزہ لے رھی تھی ، درحقیقت وہ اپنے مقالے کے لئے موضوع تلاش کر رھی تھی ۔

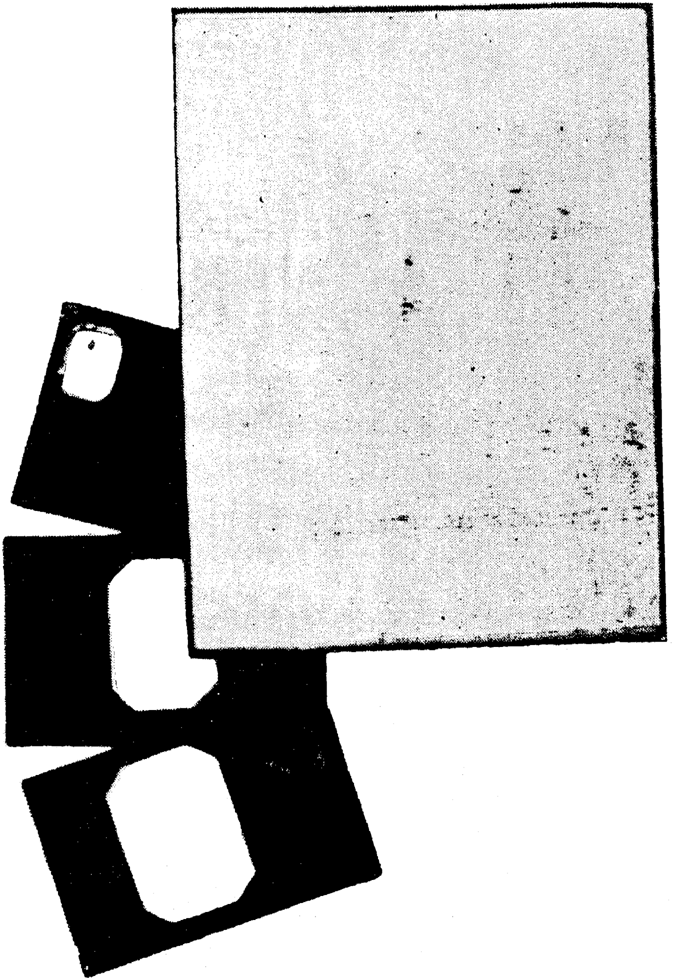
اس تذبذب کے لمحے میں پیئر کا مشورہ اتنا اھم تھا ، جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔ وہ اپنے شوھر کا اتنا احترام کرتی

تھی کہ اس کے سامنے خود کو آموزکار سمجھتی تھی ، وہ اس سے زیادہ پرانا ماہر طبعیات تھا ، اس کا تجربہ اس سے کہیں زیادہ تھا ۔ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ اسے " ہبڈ سائنسداں " سمجھ لیا جائے ۔

لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ میری کے کردار اور اس کی طبیعت کا اسے بھی موضوع کے انتخاب میں دخل تھا ۔ بچپن ہی سے اس پولش لڑکی میں جستجو کا بڑا مادہ تھا ، اور اسی جبلت نے اسے وارسا چھوڑنے پر مجبور کیا ، یہی جستجو اسے سار بون لے گئی اور اسی کے تحت اس نے اپنی بہن برونیا کے گھر کی سکونت پر لیٹن کوارٹر کے خاموش کمرے کو ترجیح دیا ۔ جب وہ جنگلوں میں سیر کرنے جاتی تو ہمیشہ دشوار گزار راستے اختیار کرتی تھی ۔

اس لمحے وہ ایک مہم جو سیاح کی طرح تھی جیسے طویل سفر کے لئے روانہ ہونا تھا ۔ سیاح ، جو گلوب پر جھکا ہوا کسی دور دراز اجنبی ملک کی طرف اشارہ کر رہا ہو ، جس کا اجنبی نام اس کے تخیل کو تحریک دیتا ہو ، پھر جیسے سیاح اچانک فیصلہ کر لے کہ وہ اسی ملک کا سفر کرے گا اور وہاں کے سوا کہیں نہ جائے گا ، اس طرح میری نے سائنس کے تجربات کی تازہ ترین رودادیں پڑھیں اور فرانس کے سائنسدان ہنری بکیورل کی روداد سے متاثر ہوئی ، اس نے گذشتہ سال ہی تجربے کئے تھے ۔ وہ اور پیئر پہلے ہی سے ہنری بکیورل کے کام سے آگاہ تھے ، میری نے دوبارہ اس کی روداد پڑھی اور اپنی عادت کے بموجب بڑے غور سے پڑھی ۔

اس شیڈ میں میاں بیوی نے ریڈیم دریافت کی تھی



مادام کیوری کے حساب کتاب کی نوٹ بک

جب رانگٹن نے عکسریز (اَ لسرے) دریافت کر لیا تو ھنری بوامٹن کبر نے یہ سوچا کہ کیا اکسرے حیسی سعاعیں وہ رنگین روسنی بیدا کر سکتی ھے، جو بعض سفاف اجسام مس روشنی کے براہ راست عمل سے پیدا ھو جاتی ھے ۔ اسی مسئلے سے متاثر ھو کر ھنری بکیورل نے ایک نادر دھات یوریبیم کے مرکب مس پائے جانے والے نمک کا معائنہ کیا ۔ اس مظہر فطرت کے باوجود وہ امید کر چکا تھا کہ اس نے دوسرا مشاھدہ کیا جو بالکل مختلف اور ناقابل فہم تھا ۔ اس نے دریافت کر لیا کہ یوریئیم مس نمک خود بہ خود پیدا ھوتا ھے، اور یہ نمک سردی، گرمی، ھوا اور روشنی یا بعض انجانی قدرتی شعاعوں کا مرھون منت نہیں ھے ۔ یورنیم کا مرکب ایک فوٹو گراف پلیٹ پر رکھا گیا، چاروں طرف سیاہ کاغذ لگا ھوا تھا، کاغذ کے ذریعہ سے پلیٹ پر یورینیم کا اثر پہنچ گیا اور اکسرے کی طرح حیرت انگیز یورینمی نمک سے الیکٹرو اسکوپ نکلا اور آس پاس کی ھوا میں لپکا پیدا ھوا ۔

ھنری بکیورل کو یقین ھو گیا کہ حیرت انگیز اجزاء سورج کی روشنی سے نہیں پیدا ھوتے، نہ سورج کی روشنی کے محتاج ھیں، یہ اجزاء کئی کئی مہینے تک اندھیرے میں رکھنے کے باوجود باقی رھتے ھیں ۔ پہلی مرتبہ ایک ماھر طبعیات نے فطرت کے اس مظہر کا مشاھدہ کیا تھا جس کا بعد میں مادام کیوری نے ریڈیو ''ایکٹیوٹی،، نام رکھا تھا، لیکن ریڈیائی فطرت اور اس کی اصلیت اس وقت تک معما ھی تھی ۔

بکیورل کی دریافت سے مادام کیوری اور اس کے شوہر کو تحریک ہوئی ۔ انہوں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ مانا کہ توانائی نہایت کم مقدار میں سہی لیکن یہ آئی کہاں سے . . . جو یورینیم کے مرکب سے مسلسل نکل نکل کر ضوریزیاں کرتی ہے اور اس ضوریزی کی کیا نوعیت ہے ؟ یہ تھا ایک ڈاکٹر کی ریسرچ کے مقالے کا موضوع جو بے حد محنت طلب تھا ۔ اس موضوع نے میری کا دل لبھایا ، کیونکہ یہ ایک ایسا موضوع تھا جس پر اب تک کسی نے ہاتھ نہ ڈالا تھا ۔ بکیورل نے جو کچھ کام کیا تھا وہ بالکل تازہ تھا اور جہاں تک اس کے علم و معلومات کا تعلق تھا اس وقت ملک یورپ کی تجربہ گاہوں میں کوئی شخص بھی یورینیم کی شعاعوں کا بنیادی تجربہ اور مشاہدہ نہ کر رہا تھا ۔ لے دے کر اگر کچھ کام کیا تھا تو ۱۸۹۶ء میں اکیڈمی آف سائنس میں ہنری بکیورل نے کیا تھا ۔ پراسرار اور انجان مملکت میں یہ ایک جست لگائی گئی تھی ۔

اب سوال یہ تھا کہ وہ اپنے تجربات کہاں کرے ۔ یہاں سے دقتوں کا آغاز ہوتا ہے . پیئر نے اس سلسلے میں فزکس اسکول کے ڈائرکٹر سے ملاقاتیں کیں لیکن بے سود ۔ اسکول کی نچلی منزل میں چھوٹا سا شیشے کا بنا ہوا ایک اسٹوڈیو تھا، یہ اسٹوڈیو میری کے حوالے کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ وہ اسے آزادی کے ساتھ برتے ، مگر یہ اسٹوڈیو کیا تھا ، یہ تو اسٹور روم تھا جس میں بے حد نمی اور سیلن تھی ، اور جس میں غیر استعمالی اور کاٹ کباڑ کا سامان بھرا ہوا تھا ۔ اس میں ٹکنیکل سامان نامکمل تھا اور سہولتیں صفر کے برابر ۔ وہ ایک نہایت مکمل بجلی والی تجربہ گاہ سے محروم



هنری بیکوئرل



پیئر اور میری کیوری

تھی ، جہاں صحیح صحیح ریسرچ کی جاسکتی ، لیکن اس نے صبر سے کام لیا اور اس کباڑ خانے میں کام کرتی رہی -

یہ آسان نہ تھا ، ایسے آلات نہ تھے جن سے صحیح صحیح کام ہوتا اور کباڑخانے کی نمی ، سیلن اور بدلتا ہوا درجہ حرارت اس کے ساتھ دشمنی پر آمادہ ہوگیا تھا - ستم بالائے ستم یہ کہ اس کباڑخانے کی آب و ہوا نہ صرف یہ کہ نازک ترین الیکٹرومیٹر کے لئے سم قاتل تھی بلکہ میری کی صحت کے لئے بھی مضر تھی ، لیکن اس کی کوئی اہمیت نہ تھی ، جب اسے سردی لگتی تھی تو وہ انتقامی طور پر اپنی نوٹ بک میں کمرے کا درجہ حرارت لکھ لیتی تھی - بس یہی گویا اس کا انتقام تھا - ٦ فروری ۱۸۹۸ء کو ہمیں اس کی نوٹ بک کے صفحے پر لکھا ہوا ملتا ہے " یہاں کا درجہ حرارت ٦ء۲۵ - چھ ڈگریاں-۱ . . . . ! میری نے موسم کے بارے میں ہلکی ہلکی شکایت لکھی ہے -

ڈاکٹر کی ڈگری کی امیدوار خاتون نے یورینیم کی شعاعوں کے ذروں کو برقانے والی قوت سے اپنے کام کا آغاز کیا ، یعنی یوں کہنا چاہئے کہ ان ذروں کی قوت سے ہوا میں جو برقی رو دوڑتی ہے ، اس پر تحقیق کرنا تھا - اس نے بہترین طریقۂ کار استعمال کیا ، جو اس کے تجربات میں کامیابی کی کنجی بن گیا - جس پر دو ماہرین طبعیات جنہیں وہ خوب جانتی تھی کام کر چکے تھے ، یعنی

---

۱ - تقریباً ۴۴ ڈگری فارن ہائیٹ -

پیئر اور جیکوس کیوری ۔ اس نے اپنے تجربے میں کیوری الیکٹرومیٹر اور پیازو الیکٹرک کوارز سے کام لیا ۔

کئی ہفتوں بعد پہلا نتیجہ برآمد ہوا ، میری کو یقین ہو گیا کہ ان حیرت انگیز شعاعوں کی شدت کا انحصار یورینیم کی مقدار پر ہوتا ہے ، اور اسے نہایت صحت کے ساتھ ناپا جا سکتا ہے ، اور کیمیائی حالت کا کوئی اثر نہیں پڑتا ، اور روشنی ، درجہ حرارت اور تمام خارجی اثرات سے بھی بے نیاز رہتا ہے ۔

غیر متعلق آدمی کو ان انکشافات سے کوئی خاص تحریک نہیں ہو سکتی ، لیکن خاتون سائنسداں کی دل چسپی میں بے حد اضافہ ہوا ، طبیعات میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص ایک نئی بات دریافت کرتا ہے اور بعد میں مزید تحقیق کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات تو پہلے ہی سے معلوم تھی ، اور اس طرح سے بیچارے ریسرچ اسکالر کی ساری محنت اکارت ہو جاتی ہے ۔ یوں سمجھئے جیسے کسی مصنف نے بھونڈے طریقے سے کوئی جاسوسی کہانی لکھی ہو اور وہ ناول کے تیسرے باب میں یہ بتا دے کہ وہ بظاہر بدمعاش عورت جس نے جرم کیا تھا ، درحقیقت ایک شریف بیاہتا عورت ہے ، اور سیدھی سادی بے داغ زندگی گزارتی ہے ، تو پڑھنے والے کا سارا لطف ختم ہو جاتا ہے ، اور وہ ناول اٹھا کر پھینک دیتا ہے ۔

لیکن یہاں ایسی کوئی بات نہ ہوئی ، میری جوں جوں یورینیم کی شعاعوں پر تحقیق کرتی گئی یہ معلوم ہوتا گیا

کہ بڑی ضروری باتیں بتائی جا رہی ہیں ، جو اب تک کسی کو معلوم نہ تھیں -

یہ پر اسرار کیفیت جوں جوں اس کے دماغ میں داخل ہوئی اور حقائق کی طرف اشارے ہوئے ، ویسے ہی ویسے میری ناقابل بیان شعاعوں کے بارے میں تشریح کرتی گئی اور اس نے بتایا کہ یہ شعاعیں ایٹمی ہیں - اس نے اپنے آپ سے سوال کیا اگرچہ یورینیم کی فطرت کا مظہر معلوم ہوگیا لیکن یہ ثابت نہ ہوا کہ "یورینیم ہی واحد کیمیائی جزو ہے جس سے ایسی ضوریزی ہوتی ہے - ہو سکتا ہے کہ دوسرے مادوں میں بھی یہی صفت موجود ہو - ہو سکتا ہے کہ یہ محض اتفاق ہو کہ یورینیم کی شعاعوں کا سب سے پہلے مشاہدہ کر لیا گیا اور ماہرین طبعیات کے ذہنوں میں صرف یورینیم ہی کا خیال سما گیا ہو - اب دیکھنا چاہئے کہ دوسرے مادوں سے یہ ضوریزی ہوتی ہے یا نہیں . . . . .

بس کہنے کی دیر تھی کہ وہ یہ سب کچھ کر گزری ، یورینیم کا مشاہدہ تو اس نے ایک طرف ہٹا دیا اور وہ تمام جانے پہچانے کیمیائی مادوں کا معائنہ کرنے لگی ، مفرد مادوں کا بھی اور مرکب مادوں کا بھی - نتائج بہت جلد معلوم ہو گئے - ایک چیز ہوتی ہے جسے "تھوریم" کہتے ہیں ، اس کے اندر سے بھی یورینیم کی طرح خود بخود شعاعیں نکلتی ہیں ، اور ویسی ہی تیز ہوتی ہیں - خاتون ماہر طبعیات سچ کہتی تھی ، محض یورینیم ہی سے روشنی نہیں نکلتی ، اور اب ضروری ہو گیا کہ

دونوں میں امتیاز کرنے کے لئے ان کے نام رکھے جائیں۔ مادام کیوری نے ریڈیو ایکٹیوٹی نام تجویز کیا۔ یورینیم اور تھوریم میں یہ صفت تھی کہ ان میں ریڈیائی عناصر تھے۔

ریڈیو ایکٹیوٹی سے خاتون سائنسداں کو ایسی تحریک ہوئی کہ وہ زندگی بھر اس مادے کی گوناگوں کیفیات کا مشاہدہ کرتی رہی اور اس سلسلے میں کبھی نہ تھکی۔ سائنسداں میں پہلا وصف یہ ہونا چاہئے کہ اس میں کھوج کا مادہ ہو، میری میں جستجو کا مادہ اپنی انتہا کو پہونچ چکا تھا۔ اس نے سادہ اور مرکب نمک اور آکسائیڈ کے مشاہدے پر اکتفا نہ کی، وہ چاہتی تھی کہ کئی نمونوں کی دھاتیں آپس میں ملا کر دیکھے کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ یہ صرف وہ اپنے اطمینان کے لئے کرنا چاہتی تھی۔ اس معائنہ کی کیفیت کسٹم کے معائنے کی سی تھی جیسے کسٹم کا عملہ مسافروں کے سامان میں غیر قانونی چیزوں کی کھوج لگاتا ہے۔ اس نے الیکٹرومیٹر کے ذریعہ معائنہ شروع کیا۔ اس کے شوہر نے برابر اس کا ساتھ دیا اور ذرے ذرے کے معائنے میں اس کا ہاتھ بٹایا۔

میری کا خیال سادہ سا تھا، ایک ذہین عورت کی اپج ..... اب وہ ترقی کے چوراہے پر کھڑی تھی، جہاں سائنسی تحقیق کرنے والے سینکڑوں لوگ پہلے سے موجود تھے۔ سب پر سالہا سال سے سکتے کی سی کیفیت طاری تھی۔ میری نے جب تمام کیمیائی مادوں کا معائنہ کر لیا اور تھوریم کی شعاعوں کا راز دریافت کر لیا تو سیکڑوں سائنسدانوں نے اس سے پوچھا کہ یہ

پر اسرار ریڈیو ایکٹیوٹی کہاں سے آئی - میری خود حیران تھی اور وہ خود یہی سوال کر رہی تھی - لیکن اس نے صرف حیران ہونے کو کافی نہ سمجھا ، اس نے محنت کی اور محنت کا پھل پایا - جتنے امکانات تھے اس نے سب کو آزمایا - اب وہ ناھموار اور انجان راستوں پر چل پڑی -

دھاتوں کے معائنہ سے وہ جس بات کو ثابت کرنا چاھتی تھی ، اسے وہ اپنے طور پر پہلے ھی جانتی تھی - دھاتوں کے وہ نمونے جن میں نہ یوریینیم تھی نہ تھوریم وہ تجربہ کرنے پر بالکل ثابت رہے - جن میں یورینیم اور تھوریم موجود تھی ان میں ریڈیائی گرمی موجود تھی -

تجربات نے اس کی پیش بینی کی توثیق کر دی - ساکت دھاتوں کو مسترد کر کے اس نے دوسری دھاتوں پر ریڈیم اور تھوریم کو آزمایا اور ریڈیائی سرگرمی پیدا ھو گئی - پھر ایک ڈرامائی انکشاف ھوا ، جن مصنوعات میں یوریینیم اور تھوریم موجود تھی ان میں ریڈیائی سرگرمی نارمل حالت سے بہت زیادہ بڑھ گئی -

سائنسداں عورت نے سوچا شاید تجربے میں کوئی غلطی رہ گئی - شک سائنسداں کی ترقی کا پہلا زینہ ھے - میری کو بھی شک ھو گیا -

وہ بار بار پیمائش کرنے لگی ، کسی نتیجہ پر نہ پہنچی ، ایک ھی طرح کی مصنوعات کو وہ بار بار استعمال کرتی رہی ،

دس مرتبہ بیس مرتبہ ، اور وہ اس نتیجہ پر پہونچی کہ ان دھاتوں کے اندر یورینیم اور تھوریم کی جو مقدار ہے وہ کافی اور مناسب ہے ۔

پھر یہ نارمل سے بڑھ کر شعاعیں کہاں سے آتی ہیں ، صرف ایک ہی وضاحت ممکن تھی کہ مقدار کم کی جائے یا برتن بڑا ہو ۔

لیکن کون سا مادہ ہو ؟ میری اپنے سابقہ تجربوں میں تمام کیمیائی مادوں کا معائنہ کر ہی چکی تھی ۔

سائنسداں نے اس سوال کا جواب یقینی منطق اور اعلیٰ دماغ کی شاندار جرأت سے دیا ۔ یہ دھاتیں ضرور اپنے اندر ریڈیائی سرگرمی والے مادے رکھتی ہیں ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نیا عنصر . . . .

ایک نیا عنصر ۔ یہ ایک دل لبھانے والا مفروضہ تھا ، لیکن تھا بہرحال مفروضہ ۔ فی‌الحال وہ طاقتور ریڈیائی مادہ میری اور اس کے شوہر کے تخیل میں تھا ، لیکن اس کا حقیقی وجود ہی تھا ۔ اس سلسلے میں وہ ایک روز اپنی بہن برونیا کے پاس گئی اور اس سے کہا :

برونیا تم جانتی ہو کہ ایک نئے مادے کے اندر سے شوربزی ہوتی ہے ۔ مادہ اپنی جگہ پر موجود ہے اور میں اس کا کھوج لگا کر رہوں گی ، میں اور پیئر دونوں کو یقین ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے ۔ ماہرین طبعیات سے ہم نے ذکر کیا

اور ہم نے ان سے پوچھا کہ کہیں ہمارے تجربے میں کوئی غلطی تو نہیں ہو گئی ، انہوں نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم آئندہ احتیاط سے کام لیں ، لیکن میں اپنی جگہ پر مطمئن ہوں کہ مجھ سے غلطی نہیں ہوئی ہے ۔

نہ اس کی قیمتی زندگی کے قیمتی لمحے تھے ۔ عام آدمی اس سلسلے میں نہتیٹر کا ایک چھوٹا ڈراما تیار کر سکتے ہیں کہ انکشاف کا لمحہ کس وقت آیا ۔ لیکن انکشاف کا کوئی لمحہ نہیں ہوا کرتا ، میری اپنے آلات کے سامنے پہروں کھڑی رہی اور اسے اچانک اپنی فتح کا کبھی احساس نہ ہو سکا ۔ فتح مندی اور سرشاری کئی ہفتوں کی فیصلہ کن محنت پر محیط تھی ، البتہ ایک شاندار کامیابی کی امید سے اس پر بخار کی سی کیفیت طاری رہتی تھی ۔ لیکن وہ لمحہ یقیناً قابل فخر ہوگا جب اسے شدید محنت کے بعد یہ احساس ہوا ہوگا کہ اب وہ کسی نتیجہ پر پہونچنے والی ہے ، اسی لئے تو اس نے اپنی بہن کو جا کر بتا دیا تھا ، وہی تو اس کی سب سے بڑی حمایتی تھی ․ ․ ․ ․ ․ دونوں بہنوں نے آپس میں محبت کے ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہ کیا اور دونوں بہنیں پھولی ہوئی سانس سے حافظہ پر زور دے کر اس وقت کو یاد کرنے لگیں جب وہ دونوں ترقی کا انتظار کر رہی تھیں ، اور دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ایثار کیا تھا ، ان کی طالب علمی کا زمانہ مصیبتوں اور امیدوں کے سہانے خوابوں سے بھرپور تھا :

آج سے چار سال پہلے میری کو برونیا نے خط میں لکھا تھا ۔

هم سب بھائی بہنوں کی زندگی آرام دہ نہیں ہے ، لیکن کیا کیا جائے ، ہمیں ثابت قدم رہنا ہے اور اپنی ذات پر بھروسا کرنا ہے ، ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ ہم میں کچھ ایسے وصف ہیں جو بڑے نادار ہیں اور ہمیں ہر قیمت پر اپنی صلاحیتوں سے کام لینا ہے ۔

" وہ کچھ ، وصف کیا تھے ، ایک وصف تو یہ ہی تھا کہ سائنس کو ایسے راستے پر ڈال دیا جائے جس میں شک کی گنجائش نہ ہو ۔

اکیڈمی کی طرف سے ۱۲ اپریل ۱۸۹۸ء میں پروفیسر لپ من نے جو چھپی ہوئی روداد پیش کی اس میں لکھا تھا ۔

مسری اسکوڈووسکا کیوری نے اعلان کیا ہے کہ وہ کچھ جسموں میں ایک نیا عنصر تلاش کر رہی ہیں ، اور ریڈیائی سرگرمی پر کام کر رہی ہیں ۔ ریڈیم کی دریافت کی یہ پہلی منزل تھی ۔

سائنسدان خاتون نے اپنی وجدانی قوت سے یہ بات پہلے ہی سے معلوم کر لی تھی کہ وہ حیرت انگیز مادہ بہر حال موجود ہے ، اس نے مادہ کے وجود پر حکم لگا دیا تھا ، لیکن اس سر بستہ راز کو بہرحال فاش کرنا تھا ، جو بات اس نے فرض کر لی تھی اب وہ اسے تجربہ سے ثابت کر دینا چاہتی تھی ، اور اس مادہ کو علیحدہ کر کے دیکھنا چاہتی تھی ، اور یقین کے ساتھ اس مادے کے بارے میں کہہ دینا چاہتی تھی کہ یہ رہا ۔۔۔۔

پیئر کیوری اپنی بیوی کے سست رفتار تجربات کی ترقی سے بے حد دلچسپی لے رہا تھا۔ براہ راست مدد کے بغیر وہ اکثر اپنے مشوروں سے اس کی مدد کرتا تھا، وہ بیوی کے ہوشربا کردار اور اس کے برآمد کئے ہوئے نتائج کے باوجود ذرات پر جو تحقیق کر رہا تھا اسے ترک کر کے بیوی کے کام میں شریک ہونا نہ چاہتا تھا۔

جب کوئی سدبد کام آ پڑتا تو شوہر کے روپ میں میری کو ایک بہت بڑا سائنسدان مدد کے لئے مل جاتا۔ تین سال پہلے محبت نے ان غیر معمولی انسانوں کو یکجا کر دیا تھا، محبت اور شاید ایک پر اسرار آگاہی اور ایک مخصوص جبلت ان دونوں میں مشترک تھی۔

اب طاقت دوگنا ہو گئی۔ دو دماغ اور چار ہاتھ مل کر اس نہ معلوم مادے کو تلاش کر رہے تھے، اور تلاش کے لئے اب تک وہی نمناک اور سیلا ہوا کباڑ خانہ تھا جس میں ریڈیم کے تجربات ہو رہے تھے، ہم جانتے ہیں کہ میری نے اپنے مقالے کے لئے یورینیم ہی کو موضوع بنایا تھا۔ میری نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ دوسرے مادوں میں بھی ریڈیائی سرگرمی ہو سکتی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ مختلف مادوں کے معائنے کے بعد وہ ایک نئے کیمیائی جز کا اعلان کر سکتی تھی، کہہ سکتی تھی کہ اس مادے سے شعاعیں نکلتی ہیں، اور یہ بہت طاقتور ہے، اور یہ بنیادی اہمیت رکھنے والا نتیجہ جسے پیئر کیوری نے اپنا کام چھوڑ کر بیوی کے ساتھ شرکت کر کے معلوم کیا تھا۔

اس وقت مئی یا جون ۱۸۹۸ء میں میاں بیوی نے مل کر ریڈیم پر کام شروع کیا اور آٹھ سال تک کرتے رہے ، حتیٰ کہ ان میں سے ایک حادثہ کا شکار ہو گیا ۔

نہ ہمیں کوشش کرنی چاہئیے اور نہ ہم کوشش کر کے یہ بات معلوم کر سکتے ہیں کہ آٹھ برس میں پیئر نے کتنا کام کیا اور میری نے کتنا کام کیا ۔ دونوں میاں بیوی یہ چاہتے بھی نہ تھے کہ دنیا والے ان کے علیحدہ علیحدہ کاموں کو جان سکیں ۔ پیئر کیوری کی ذاتی ذہانت کا حال ہم اس کے ان کاموں سے معلوم کر سکتے ہیں جو اس نے شادی سے پہلے کئے ۔ اس کی بیوی کی ذہانت کا اندازہ ہم اس کے کام کے آغاز سے کر سکتے ہیں ، اور دوبارہ اس وقت اس کے کام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے جب میری کیوری نے بیوہ عورت کی حیثیت سے مصمم عزم کے ساتھ اپنے کاندھوں پر نئے سائنس کا بوجھ برداشت کر لیا ۔ شوہر کی موت کے بعد بھی وہ تحقیق کا کام کرتی رہی ۔ اس لئے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ دونوں میاں بیوی تحقیق کی حد تک ہم مرتبہ تھے ۔

ہماری جستجو کے لئے اتنا کافی ہے ۔ ہمیں ان دو محنت کرنے والے انسانوں کو علیحدہ علیحدہ دیکھنے کی کوشش نہ کرنی چاہئیے ، وہ دونوں اپنے تجربات قلمبند کرتے وقت ''میں'' کے بجائے ''ہم'' لکھنے کے عادی تھے ۔ ہم نے معلوم کیا ۔ ہم نے

مشاهدہ وغیرہ وغیرہ اور جہاں وہ اسرار کے لئے مجبور ہوگئے وهاں انہوں نے اس طرح لکھا :

"کچھ دھاتیں جن میں یورینیم اور تھوریم موجود ہیں بہت تیز ہیں - کسی پچھلے تجربے میں ہم دونوں میں سے کسی ایک نے یہ بات ظاہر کی تھی کہ ان دھاتوں کی تیزی یورینیم اور تھوریم سے بڑھ کر ہے" (۱۸ جون ۱۸۹۸ء) -

میری اور پیئر نے اس نہایت متحرک مادہ کو کچی دھات میں دیکھا تھا ، اور یہ مادہ نا صاف حالت میں بھی صاف آکسائڈ سے بڑھ کر تیز تھا ، لیکن اس پر قابو پانے کے لئے بہت عرصہ لگ گیا ، لیکن دونوں سائنسداں برابر کیمیائی تجربے کرتے رہے -

دونوں سائنسدانوں نے بڑی احتیاط سے حساب لگا کر معلوم کیا تھا کہ یہ مادہ صرف ایک فی صد موجود ہونا چاہئے ، انہوں نے یہ بھی نتیجہ نکالا کہ یہ مقدار بہت کم ہے -

وہ بڑے صبر کے ساتھ تجربے کرتے رہے اور انہوں نے کیمیائی تحقیق کا خود ہی ایک نیا طریقہ بھی ایجاد کیا ، اس کی بنیاد ریڈیائی سرگرمی پر تھی ، انہوں نے تمام عناصر کا الگ الگ معائنہ کیا اور پھر ریڈیائی سرگرمی کی پیمائش کی ، مسلسل کئی تجربوں کے بعد انہوں نے دیکھا کہ نارمل سے بڑھی ہوئی ریڈیائی سرگرمی کچی دھات کے بعض حصوں میں پناہ گزیں ہو جاتی ہے ، وہ بڑھتے ہی گئے اور تحقیق کا

میدان تنگ ہوتا گیا ، ان کی کیفیت پولس والوں کی سی تھی جو مجرم کی تلاش کے سلسلے میں پڑوس کے مکانوں کی ایک ایک کر کے تلاشی لیتے ہیں اور سارے مکانوں کو اس طرح گھیرے میں لے لیتے ہیں کہ مجرم فرار نہیں ہو سکتا ۔

لیکن یہاں ایک مجرم نہ تھا ، ریڈیائی سرگرمی دو مختلف کیمیائی مادوں میں موجود تھی ، جولائی ۱۸۹۸ء میں وہ یقین کے ساتھ اپنی دریافت کا اعلان کر سکے ۔

پیئر نے اپنی نوجوان بیوی سے کہا تمہیں اس چیز کا نام رکھنا پڑے گا ۔ اس نے کچھ اس طرح سے کہا جیسے اپنی ننھی بچی آئیرین کا نام رکھنا ہو ۔

بیوی نے ایک لمحہ کے سکوت کے بعد سر اٹھایا ، پھر اس کے دل میں وطن کی یاد آئی ۔ اس کا وطن جسے دنیا کے نقشے سے کھرچ ڈالا گیا تھا ، اسے حیرت تھی ، ایک مبہم سا خیال آیا ، کیا اس سائنسی واقعہ کا حال ان ملکوں کے اخباروں میں بھی شائع ہوگا جنہوں نے اس کے وطن کو روند ڈالا ہے ، یعنی روس ، جرمنی اور آسٹریا ، اس نے بزدلانہ لہجہ میں کہا :

کیا ہم اس نئے مادے کا نام پولونیم-۱ رکھ سکتے ہیں ۔

جولائی ۱۸۹۸ء میں اکیڈمی کی روداد میں شائع ہوا تھا :

۱۔ اس کے وطن کا نام پولینڈ تھا اور پولینڈ سے اس نے پولونیم بنایا تھا ۔

ہمیں یقین ہے کہ کچی دھات میں سے جو مادہ ہم نے نکالا ہے اس میں ایک دھات موجود ہے، جو ابھی نظر نہیں آ سکی، اس دھات کے اجزا کانسی کے اجزا سے ملتے جلتے ہیں ۔ اگر نئی دھات کا وجود ثابت ہوگیا تو ہم اس کا نام پولونیم رکھیں گے، یہ نام ہمارے وطن پولینڈ کے نام پر رکھا گیا ۔ نام کے اس انتخاب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک فرانسیسی کی بیوی بننے کے بعد بھی میری اسے دل سے اپنے وطن کی یاد نہ بھلا سکی ۔ ایک اور چیز سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے، اس تحریر سے پہلے یہ عبارت ملتی ہے جو اکیڈمی کی روداد میں شائع ہوئی ہے ۔ میری نے روداد کا مسودہ اپنے وطن میں جوزف بوگسکی کو بھیج دیا، جو صنعتی اور زراعتی میوزیم کی تجربہ گاہ کا ناظم اعلیٰ تھا، اس تجربہ گاہ میں وہ اپنے ابتدائی تجربے کرتی رہی تھی، یہ روداد وارسا کے ایک ماہوار مصور رسالے میں شائع ہوئی تھی ۔

چھوٹے فلیٹ میں میری اور پیئر کی زندگی نا قابل تغیر تھی، وہ دونوں معمول سے زیادہ محنت کرتے تھے، اور یہی سب کچھ تھا ۔ جب موسم گرما آیا تو نوجوان عورت نے حسب معمول بازار سے پھل خریدنے شروع کئے، وہ سردیوں کے لئے پھلوں کے مربے تیار کر رہی تھی، کیوری خاندان میں مربے تیار کرنے کا جو نسخہ رائج تھا اسی کے بموجب وہ مربے تیار کر رہی تھی، پھر اس نے اپنی الماریوں کے پٹ بند کر کے قفل لگا دیا، ان الماریوں میں اس نے جلانے کے لئے ایندھن محفوظ کیا تھا، اب اس نے دو بائیسکلیں ریلوے پارسل سے

روانہ کیں ، اور پیرس کی ہزاروں نوجوان عورتوں کی طرح وہ اپنی بچی اور شوہر کے ساتھ گرمیوں کی چھٹیاں منانے چلی گئی ۔ اس دفعہ انہوں نے دیہات پہنچ کر ایک کسان کا مکان کرایہ پر لیا ۔ تجربہ گاہ اور شہر کی نقصان دہ ہوا سے نکل کر انہوں نے تازہ ہوا میں سانس لی ۔ وہ دونوں پہاڑوں پر چڑھے ، خوبصورت غاروں میں اترے ، اور دریاؤں میں نہائے ۔ اس دوران میں بھی وہ ہر روز پولونیم اور دوسری دھات کا برابر ذکر کرتے رہے ۔ ستمبر میں وہ اسی کباڑ خانے میں جا کر پھر اپنے کام میں مصروف ہو جائیں گے ، اور پھر بڑی گرمجوشی سے سائنسی تحقیق کا کام شروع کر دینگے ۔

میری کو ایک بات کا بہت رنج تھا ، اور یہ رنج کسی قدر اس کے کام میں حارج ہو رہا تھا ۔ رنج کی بات یہ تھی کہ اس کی بہن عنقریب پیرس سے چلی جائے گی ۔ میاں بیوی نے آسٹرین پولینڈ میں رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا ، اور انہوں نے وہاں کارپیتھن پہاڑوں پر زا کوپین میں دق کے مریضوں کے لئے ایک سینٹوریم تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا تھا ۔ بہن کے رخصت ہونے کا دن آ پہنچا ، دونوں بہنوں کے دل بھر آئے ، وہ ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئیں اور انہوں نے ایک دوسرے کو الوداع کہا ۔ برونیا بہن سے بڑھ کر سہیلی تھی ، وہ ہی تو اس کی مونس و غمخوار اور محافظ تھی ، میری کو زندگی میں پہلی مرتبہ بے وطن ہونے کا شدید احساس ہوا ، اب وہ خود کو جلاوطن سمجھنے لگی ۔

سبری کا خط برونیا کے نام ،

۲ دسمبر ۱۸۹۸ء

تم اندازہ نہیں کر سکتیں کہ تمہارے جانے سے مری زندگی میں کتنا خلاء پیدا ہوگیا ہے - تم دونوں یہاں سے چلے گئے اور اب اپنی بچی اور شوہر کے سوا میں پیرس میں اپنی ہر چیز کھو بیٹھی ہوں - میرے لئے جیسے پیرس کا اب کوئی وجود ہی نہیں ہے - بس ایک میرا گھر ہے اور ایک میرا اسکول اور اس کے علاوہ اب پیرس کہیں نہیں -

اپنی ساس سے پوچھو کہ وہ سر سبز پودے جو تم یہاں چھوڑ گئی ہو ان میں پانی دیا جائے یا نہ دیا جائے ، اور دن میں کتنی مرتبہ سینچا جائے - کیا ان پودوں کو دھوپ یا گرمی کی خاص طور پر ضرورت ہے ؟

موسم کی خرابی کے باوجود ہم لوگ بخیریت ہیں - ہر وقت بوندا باندی ہوتی رہتی ہے ، جس سے ہر طرف کیچڑ ہو جاتی ہے - آئیرین اچھی طرح پڑھ رہی ہے لیکن کھانا نہیں کھاتی ہے ، کھانے کے معاملے میں بڑی ضدی ہے ، دودھ کے سوا کوئی بھی چیز باقاعدہ نہیں کھاتی ، حد یہ ہے کہ انڈے تک نہیں کھاتی - تم مجھے لکھو کہ اس عمر کی بچیوں کو کیا کھانا چاہئے ، اس کی غذا کا چارٹ بنا کر بھیج دو -

ان دونوں میاں بیوی کی طبیعت بڑی غیر شاعرانہ تھی ، لیکن اس کے باوجود ۱۸۹۸ء کی ایک کاپی مل گئی ہے ، اس میں میڈم کیوری نے اپنے ہاتھ سے کچھ یاد داشتیں لکھی ہیں ،

جی چاھتا ہے کہ ان یاد داشتوں میں سے بعض باتیں یہاں لکھ دی جائیں ۔ مادام کیوری کے پاس ایک کتاب تھی ، جس میں قسم قسم کے کھانے پکانے کی ترکیبیں تھیں ۔ اس کتاب کے حاشیے پر انہوں نے اپنے قلم سے کچھ لکھا تھا ۔

میں نے آٹھ پاؤنڈ پھل لئے اور اتنے ھی وزن کی شکر ۔ دس منٹ تک انہیں ابالا ، پھر پھلوں اور شکر کے قوام کو ایک عمدہ چھلنی سے چھانا ، بڑی عمدہ جیلی تیار ھوگئی ۔

ایک اسکول کی نوٹ بک ملی ہے ، جس کی جلد پر بھورا استر چڑھا ہے ، اس میں مادام کیوری اپنی ننھی بچی آئیرین کا وزن نوٹ کیا کرتی تھیں ، اس کی غذا اور اس کے دانت نکلنے کی تفصیل لکھا کرتی تھیں ۔ جب پولونیم کے انکشاف کا حال اخباروں میں چھپ چکا تھا ، اس کے چند روز بعد بیس جولائی ۱۸۹۸ء کو اس نوٹ بک میں لکھا تھا :

آئیرین اب ھاتھ ھلا کر شکریہ کہہ لیتی ہے ، اب وہ گھٹنوں کے بل چل سکتی ہے "وہ گوگلی گوگلی گو" کہہ لیتی ہے ، وہ باغ میں ایک دری پر کھڑی ھو جاتی ہے ، گر پڑتی ہے ، پھر خود ھی اٹھ پڑتی ہے ، اور معتبر بن کر بیٹھ جاتی ہے ۔

۱۵ اگست ۱۸۹۸ء

آئیرین کا اب ساتواں دانت نکلا ہے ، نچلے جبڑے میں بائیں طرف ہے ۔ وہ آدھے منٹ تک تنہا کھڑی رہ سکتی ہے ۔

تین روز ھوئے ھم نے اسے دریا میں نہلایا تھا ، وہ خوب چیخی تھی ، لیکن آج نہیں چیخی ، اور دونوں ھاتھوں سے پانی میں کھیلتی رھی -

وہ بلی کے ساتھ کھیلتی ھے ، اس کا پیچھا کرتی ھے ، اور اس سے جنگ کرنے کے لئے چیختی ھے - اب وہ اجنبی لوگوں سے بالکل نہیں ڈرتی - گانا بہت گاتی ھے ، جب میز سے بھڑا کر اس کی کرسی بچھا دو تو وہ کرسی سے میز پر چڑھ جاتی ھے -

تین مہینے بعد ۱۷ اکتوبر کو میری بڑے فخر سے لکھتی ھے :

اب آئیرین گھٹنوں کے بل نہیں چلتی ، باقاعدہ چل سکتی ھے -

۵ جنوری ۱۸۹۹ء

آئیرین کا پندرھواں دانت نکلا ھے -

ان دو یاد داشتوں کے درمیان یعنی ۱۷ اکتوبر ۱۸۹۸ء والی یادداشت، جس میں لکھا ھے کہ آئیرین اب گھٹنوں کے بل نہیں چلتی اور ۵ جنوری والی یادداشت جس میں آئیرین کے پندرھویں دانت کا ذکر ھے ، اور وہ پہلی تحریر جس میں جیلی بنانے کا نسخہ لکھا ھے اس کے چند مہینے بعد ھمیں ایک اور قیمتی یادداشت ملتی ھے -

یہ مسری اور پیئر اور ایک مددگار جی بی ماؤنٹنڈ نے مل کر لکھی تھی ، یہ یاد داشت سائنس اکیڈمی کے لئے تیار کی گئی تھی اور روداد میں شائع ہوئی تھی - ۲۶ دسمبر ۱۸۹۸ء کے شمارے میں دوسرے نئے کیمیائی عنصر کا ذکر ملتا ہے ، چند لائنیں ملاحظہ ہوں -

کئی اسباب ہیں جن کا ہم نے شمار کیا ہے - ان کے پیش نظر ہم یقین کرتے ہیں کہ نئے شعاعی مادے میں کچھ نئے اجزا ہیں جن کا نام ہم "ریڈیم" رکھتے ہیں -

نئے شعاعی مادے میں یقینی طور پر بیریم کی بڑی مقدار تھی ، اس کے باوجود اس کی ضوریزی قابل غور تھی، اس لئے ریڈیم کی ضوریزی بہت زیادہ ہونا چاہئے -



تیرھواں باب

ایک شیڈ کے اندر زندگی کے چار سال

اگر کسی ھجوم سے بے سوچے سمجھے کسی آدمی کو پکڑ لیا جائے اور اس سے کہا جائے کہ ریڈیم کی دریافت کے بارے میں لکھی ھوئی تفصیل کو پڑھو تو وہ تفصیل کو پڑھ کر ایک لمحہ کے لئے بھی شک نہ کرے گا ، اور کہہ دے گا کہ ریڈیم کا وجود ھے ، کیونکہ اس کا تنقیدی شعور ناپختہ ھوگا ۔ دونوں میاں بیوی پیئر کیوری اور مادام کیوری کسی غیر متوقع حقیقت کو بھی قبول کرنے پر تیار تھے ، خواہ وہ کتنی غیر معمولی ھو ۔

ان دنوں کے سائنسی رفقاء نے قدرے مختلف انداز کی خبریں موصول کیں ، پولونیم اور ریڈیم کے خصوصی اجزاء میں سائنس دانوں کے صدیوں پرانے بنیادی نظریات کو تہ و بالا کر دیا تھا ، کوئی خود بخود ضوریزی کرنے والے مادوں کی کیونکر تشریح کرے ؟ اس دریافت نے پہلے کی حاصل کی ھوئی معلومات کو تلپٹ کر دیا اور مادے کے بارے میں جو نہایت مستحکم نظریات تھے ان کی تردید ھو گئی ۔ اس لئے ماھر طبعیات لئے دیئے رہتے تھے ۔ سائنسدان شدت کے ساتھ میری اور پیئر کے کام سے دلچسپی لے رھے تھے ۔ وہ ریڈیم کی تیز رفتار ترقی دیکھ رھے تھے ، لیکن قائل ھونے سے پہلے وہ فیصلہ کن نتائج کے منتظر تھے ۔

کیمسٹوں کا معاملہ اور بھی سخت تھا ، کیونکہ ماھر کیمیا جب تک کسی نئے مادے کو آنکھوں سے دیکھ نہ لے ، ھاتھوں سے

چھو نہ لے ، وزن نہ کر لے ، تیزاب میں آزما نہ لے ، دوربین میں دیکھ نہ لے ، اس کے ایٹمی وزن کا یقین نہ کر لے ، اس وقت تک وہ نئے مادے کو تسلیم ہی نہ کرتے تھے ۔ ان کے یہاں ایمان بالغیب کا کوئی چکر ہی نہ تھا ۔

ابھی تک نہ تو ریڈیم کو کسی نے دیکھا تھا اور نہ اس کا ایٹمی وزن معلوم کیا تھا ۔ ماہرین کیمیا بھی سچے تھے ، وہ اپنے اصولوں پر اڑے ہوئے تھے ، انہوں نے کہا '' کوئی ایٹمی وزن نہیں ، کوئی ریڈیم نہیں ، ہمیں تھوڑی سی ریڈیم دکھاؤ ، ہم تمہاری بات کا یقین کرلیں گے ''

ان لوگوں کو ریڈیم دکھانا اور دنیا والوں کو ریڈیم کے '' بچے '' تک دکھانا اور خود اپنے کئے کو پورا کرنا . . . . اب مسٹر اور میڈم کیوری کو چار سال تک سدید محنت کرنی ہے ۔

مقصد یہ تھا کہ خالص ریڈیم اور پولونیم حاصل کی جائے ۔ وہ مصنوعات جن میں نہایت تیز ضوریزی ہوتی ہے ، جنہیں سائنسدانوں نے محنت شاقہ کے بعد تیار کیا تھا ، ان میں بھی ان مادوں کا بہت معمولی سراغ ملتا تھا ۔ پیئر اور میری پہلے ہی سے وہ طریقہ جانتے تھے جس سے وہ ان نئی دھاتوں کو الگ کرنے کی امید کرسکتے تھے ، لیکن یہ اس وقت تک ممکن نہ تھا جب تک خام قسم کی دھات بہت بڑی مقدار میں جمع نہ کر لی جائے ۔

اب پھر ٹیڑھا سوال پیدا ہو گیا تھا ۔

وہ کچی دھات اور وہ بھی کافی مقدار میں کہاں سے لائیں؟ وہ اپنے تجربے کے لئے کون سی راہ اختیار کریں۔ ناقابل گزیر تجربے کے لئے کتنے دام درکار تھے؟

وہ کچی دھات جس کے اندر پولونیم اور ریڈیم چھپی بیٹھی تھیں بڑی مہنگی تھیں، وہ دھات سینٹ جوشی میتھل کی کانوں میں ملتی تھی، جہاں اس دھات کے اندر سے یورینیمی نمک نکالا جاتا تھا، یہ نمک شیشہ سازی میں کام آتا تھا۔ ٹنوں کے حساب سے کچی دھات منگوائی جائے تو نہ جانے کتنی قیمت بیٹھتی تھی، جو ان دونوں کی اوقات سے بالاتر تھی۔

لیکن تجربے کی خاطر سارے پاپڑ بیلنے تھے۔ میاں بیوی کی توقعات کے مطابق کچی دھات سے یورینیم نکل سکتا تھا، اور یورینیم میں پولونیم اور ریڈیم موجود ہوتی ہے، اور جہاں یہ دھات اتنی مہنگی ہوتی ہے یہاں ایک بات اور بھی یعنی تجربہ کرنے کے بعد اس دھات کے اندر سے جو کھوجڑ (فضلہ) بچے گا اس کی قیمت بہت کم ہوگی، اس لئے انہوں نے ایک آسٹرین رفیق سے کہا کہ وہ سینٹ جوشی میتھل کی کانوں کے ڈائرکٹروں سے سفارش کر دیں کہ وہ معقول داموں پر یہ کھوجڑ (فضلہ) دے دیں۔

یہ بڑی آسان بات تھی، لیکن اس پر بھی کسی کو سوچ بچار کرنا تھا۔

درحقیقت یہ ضروری تھا کہ فضلہ خریدا جائے، اس کے دام ادا کئے جائیں، اور پھر اسے پیرس بھیجنے کا انتظام کیا جائے۔ پیئر اور میری نے اپنی حقیر جمع کی ہوئی رقم میں سے مطلوبہ رقم

نکالی ، وہ دونوں ایسے احمق نہ تھے کہ حکومت سے امداد کے لئے کہتے . . . اگر ان دونوں کو کسی عظیم دریافت کی بو محسوس ہو گئی تھی اور اس بنا پر یہ دونوں حکومت فرانس سے یا یونیورسٹی آف پیرس سے استدعا کرتے کہ وہ انہیں کچی دھات خریدنے کے دام دیدے تو ارباب دانش و حکومت دونوں میاں بیوی پر خوب ہنسنے۔ ہوتا یہ کہ ان کی درخواست دفتر کی فائلوں میں گم ہو جاتی اور مہینوں انہیں جواب کا انتظار کرنا پڑتا ، اور جواب بھی شاید اپنے حق میں نہ ملتا ۔ فرانس کی حکومت نے انقلاب فرانس کے بعد نارمل اسکول قائم کئے تھے اور کئی طریقوں سے سائنس کی حوصلہ افزائی کر رہی تھی ، اس کے باوجود ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سو سوا سو سال قبل حکومت نے مشہور سائنسداں لووزائیر کی جن الفاظ میں توہین کی تھی وہ الفاظ حکومت نے اب بھی قائم رکھنے کا ارادہ کیا ہے ۔ لووژائیر کو پھانسی دیتے وقت کہا گیا تھا " جمہوریۂ فرانس کو سائنسدانوں کی ضرورت نہیں ہے "

لیکن کیا یہ ممکن نہ تھا کہ ساربون کی اتنی بڑی عمارت کا کوئی کمرہ سائنسدانوں کے اس جوڑے کو دے دیا جاتا ؟ ظاہر ہے کہ نہیں ۔ آخرکار بے سود کوششوں کے بعد وہ دونوں پلٹ کر پھر وہیں آ گئے جہاں سے چلے تھے ، یعنی اسی فزکس اسکول میں جہاں پیئر پڑھتا تھا اور جہاں میری نے اپنے ابتدائی تجربات کئے تھے ۔ وہاں انہیں وہی چھوٹا سا کمرہ پھر مل گیا جس کے ساتھ ایک میدان بھی تھا اور اس کے دوسری طرف لکڑی کا ایک سائبان تھا ، یعنی ایک متروکہ شیڈ ، اس کی چھت میں چھید تھے اور آسمان نظر آتا تھا ، اور بارش میں تمام پانی اندر آتا تھا ۔ پہلے یہاں

اسکول کے لڑکے علم الحیات کے تجربے کرتے تھے ، لیکن اب اسے ناقابل استعمال سمجھ کر ترک کر دیا گیا تھا ۔ شیڈ کی زمین کچی تھی اور فرش تک نہ تھا ۔ مٹی کے اوپر نفت کے اثرات تھے ۔ اس میں باورچی خانے کی بوسیدہ سبزیں پڑی تھیں ، ایک تختہ سیاہ رکھا تھا ، نہیں معلوم کہ کیوں رکھا تھا اور لوہے کا ایک پرانا چولھا اور زنگ آلود پائپ موجود تھا ۔

کوئی مستری بھی خوشی سے ایسی گھٹیا جگہ پر کام کرنا پسند نہ کرتا ، لیکن دونوں میاں بیوی وہاں کام کرنے پر آمادہ ہو گئے ۔ شیڈ میں ایک فائدہ بھی تھا ، وہ اتنا غیر دل کش، اتنا پھٹیچر تھا کہ کوئی شخص بھی ایسا شیڈ دینے سے انکار نہ کر سکتا تھا ، اس اسکول کا ڈائرکٹر ہمیشہ سے پیئر کیوری پر بہت مہربان تھا ، اس نے اظہار افسوس بھی کیا کہ اس کے پاس اس سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہے جو وہ پیش کر سکے ۔ بہرحال بات جو کچھ بھی ہو واقعہ یہ ہے کہ اس نے کوئی بہتر جگہ نہ دی اور نوجوان جوڑے نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے قبول کر لیا کہ انہیں ایک جگہ مل تو گئی ، ورنہ شاید وہ گلی میں بیٹھ کر کام کرتے ، انہوں نے ڈائرکٹر کا شکریہ ادا کیا اور کہا یہ شیڈ ہمارے لئے کافی ہے اور اس سے بہترین کام لیں گے ۔

جب وہ شیڈ کا قبضہ حاصل کر رہے تھے اس وقت آسٹریا سے ایک جواب آیا ۔ خوش خبری ! غیر معمولی مقدر سے اس دفعہ یورینیم کا فضلہ ضائع نہیں کیا گیا ، اور اس بے مصرف مادے کو ایک ایسی زمین جو کسی کی ملکیت نہیں ہے ، اور جہاں چیڑ کے

درخت لگے ھیں ، اور جو سینٹ جوشی مبتھل کی کانوں کے نزدیک ھے ، وھاں اس بے مصرف دھات کا انبار لگا دیا گیا ھے ۔ پروفیسر سویس اور ویانہ کی انجمن سائنس اور حکومت آسٹریا کا شکریہ جو سرکاری کارخانے کی مالک تھی ، ان سب نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ ایک ٹن بے مصرف دھات فرانس کے باگل میاں بیوی کو بھیج دیں گے ، جن کے خیال میں اس بے مصرف چیز کا بھی کوئی مصرف ھے ۔ اگر آئندہ انہیں زیادہ مقدار میں ضرورت ھوئی تو وہ معقول بنیادوں پر یہ بے مصرف چیز اس کان سے حاصل کرسکتے ھیں ۔ فی الحال میاں بیوی کو ایک ٹن بے مصرف دھات کا ریلوے کا کرایہ دینا تھا ۔

ایک صبح فزکس اسکول میں ایک بھاری بھرکم ویگن داخل ھوا ، ایسے ویگنوں میں عام طور پر کوئلہ ڈھویا جاتا ھے ۔ پیئر اور میری نے ویگن آتے دیکھ لیا ، وہ ننگے سر دوڑے ۔ پیئر ایسے موقعوں پر بے تحاشا مسرت کا اظہار نہ کیا کرتا تھا ، لہذا وہ تو خاموش رھا ، لیکن میری بھرے ھوئے بوروں کو دیکھ کر اپنی مسرت پر قابو نہ پا سکی ۔ اس میں کچی دھات تھی ، کچی دھات جس کے آنے کی اطلاع اسے اسٹیشن سے مل چکی تھی ۔ اشتیاق اور بے صبری کی شدت سے وہ چاھتی تھی کہ ایک بورا ابھی کھولے اور انتظار کئے بغیر اپنا خزانہ دیکھ لے ۔ اس نے ڈوریاں کاٹیں ، بورا کھولا اور اپنے دونوں ھاتھ اندر ڈال دیئے ، اندر سے بھورے رنگ کی کچی دھات نکلی ، جس میں جنگل کے درختوں کی پتیاں اور چیٹیاں ملی ھوئی تھیں ۔

ان ھی بوریوں کے اندر ریڈیم چھپی بیٹھی تھی ۔ اس کے اندر سے میری ریڈیم کو نکال کر رہے گی ، خواہ اسے ایسی کچی دھات ایک پہاڑ کی مقدار کے برابر استعمال کرنا پڑ جائے ۔

ماریا اسکلوڈووسکا طالب علمی کے زمانے میں ایک نہایت گھٹیا کمرے میں رہ چکی تھی ، اور ان دنوں بھی اس پر نشے کی سی کیفیت طاری تھی ، اور اب مادام کیوری ایک نہایت ذلیل شیڈ میں آ کر رہی تھی ، یہاں بھی وہ حد سے زیادہ خوش تھی ۔ یہاں ایک چیز کا آغاز ہو رہا تھا ، اور ایک بے پایاں مسرت محسوس ہو رہی تھی (ایسی مسرت شاید میری سے پہلے کسی عورت کے حصے میں نہ آئی تھی) یہ مسرت تھی بھلا کس لئے ؟ ایک غریبانہ ماحول کے شیڈ میں رہنے کی مسرت ۔

اس شیڈ میں اتنی تکلیفیں تھیں جن کی ایک قنوطی شخص بھی توقع نہیں کر سکتا ۔ گرمیوں میں دھوپ چھن چھن کر آتی تھی اور پورا شیڈ تپتا تھا ، سردیوں میں کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہرے کی تمنا کی جائے کہ بارش کی دعا کی جائے ، اگر بارش ہوتی تھی تو چھت سے ٹپا ٹپ بوندیں گرتی تھیں اور میزیں اور سامان بھیگ جاتا تھا ، حالانکہ ان ھی چیزوں سے آلات کو بچانا تھا ، اگر برف گرتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ دونوں میاں بیوی منجمد ہو جائیں گے ، لیکن علاج کوئی نہ تھا ، چولھا جب بہت دھکایا جاتا تب بھی کام نہ دیتا ۔ اگر دھکتے ہوئے چولھے کو کوئی چھو لیتا تب بھی ہاتھ نہ جلتے تھے ، معمولی سی گرمی محسوس ہوتی تھی اور سردی کا یہ عالم تھا کہ یہ شیڈ برف خانہ معلوم ہوتا تھا ۔

میری اور پیئر کے لئے یہ بہتر ہی تھا کہ وہ بیرونی حرارت کی بے رحمی کے عادی ہو جائیں ۔ اس شیڈ کے اندر چمنیاں نو تھیں نہیں کہ وہ مضر گیسوں کو خارج کر دیتیں ، اس لئے شیڈ کا کھلا ہونا مفید تھا ۔ جب بارش کی بوچھار ہوتی وہ جلدی جلدی اپنے آلات اندر والے کمرے میں لے جاتے اور کھڑکیاں اور دروازے کھول لیتے ۔

میری پر جو دق کے اثرات تھے وہ سب ختم ہو چکے تھے ، لیکن وہ ڈاکٹر واتھائیر کے سامنے شیخی بگھارنا نہ چاہتی تھی ۔

بعد میں میری لکھتی ہے کہ ہمارے پاس رقم نہ تھی ، تجربہ گاہ نہ تھی ، کسی کی امداد شامل حال نہ تھی ، اور ہمیں اتنا عظیم کام کرنا تھا ، یعنی بغیر بیج کے پودا اگانا تھا ، اور کازیمیر ڈولوسکی نے میری کی طالب علمی کی زندگی کے بارے میں ایک بار کہا تھا ”یہ میری سالی کا زمانۂ جہاد ہے“، میں بلا مبالغہ کہہ سکتی ہوں کہ شیڈ کی زندگی میرے اور میرے شوہر دونوں کا خارہ شگافی کا زمانہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اس مصیبت کے زمانے میں جب ہم اس مصیبت بھرے شیڈ کے نیچے رہتے تھے ، ہم نے جو دن گزارے وہ ہماری زندگی کے سب سے زیادہ پر مسرت دن تھے ، جب ہم ہمہ‌وقت یک‌سوئی کے ساتھ کام کیا کرتے تھے ، کبھی کبھی میں سارا دن ایک ابلتے ہوئے مادے کے پاس گزار دیتی تھی ، میرے ہاتھ میں لوہے کی ایک سلاخ ہوتی تھی ، جو

قد میں تقریباً میرے برابر تھی۔ شام کو میں تھک کر چور ہو جاتی تھی۔

ان حالات میں مسٹر اور میڈم کیوری نے چار سال کام کیا، یعنی ۱۸۹۸ء سے ۱۹۰۲ء تک۔

پہلے سال وہ ریڈیم اور پولونیم کو الگ کرنے اور ضروری مصنوعات کا مشاہدہ کرنے میں مصروف رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اگر الگ الگ کام کی تقسیم کر لیں تو زیادہ سہولت ہوگی۔ پیئر کیوری نے ریڈیم کے اجزاء کا تعین کرنے کی کوشش کی، اور نئی دھات کو بہتر طور پر جاننے کی جد و جہد کی، اور میری نے یہ کوشش کی کہ خالص ریڈیم کے نمک کا کیمیائی تجربہ کیا جائے۔

اس تقسیم کار میں میری نے اپنے لئے مردانہ کام چنا۔ وہ اس طرح کام کرتی تھی جیسے روز کی مزدوری کرنے والا مزدور، اور اس کا شوہر نازک تجربے کر رہا تھا۔ میڈم کیوری میدان میں کام کرتی تھی، وہ ایک لبادہ پہنے تھی، جس پر جابجا تیزاب کے دھبے تھے، اور خاک اور دھول اٹی ہوئی تھی، اس کے بال ہوا سے اڑتے تھے، اور بھٹی کا دھواں اس کی آنکھوں اور حلق کو پریشان کرتا تھا، اور میری کی یہ حالت تھی کہ وہ مجسم فیکٹری بنی ہوئی تھی۔ میں نے بیس کیلو گرام مادہ ایک وقت آزما کر دیکھا (وہ لکھتی ہے) جس کے تلچھٹ اور رقیق مادے سے شیڈ میں رکھے ہوئے بڑے بڑے جار بھر گئے۔ بڑے بڑے برتنوں کو اٹھانا اور رقیق مادے کو انڈیلنا پڑا

مشکل کام نھا ، اور کھولتا ھوا سادہ ایک بڑے سے تسلے میں رکھا ھوتا تھا ۔

ریڈیم نے جیسے طے کر لیا تھا کہ وہ انسانوں کے آگے کبھی رونمائی کی رسم نہ ادا کرے گی ۔ وہ دن دھاں گئے جب میری کو یہ امید تھی کہ کچی دھات میں ایک فیصد ریڈیم موجود ھے ؟ نئے مادے کی ضوریزی اتنی طاقتور تھی کہ معمولی مقدار کی ریڈیم کچی دھات ھی میں غائب ھو جاتی تھی ۔ اب مشکل اور بظاھر ناممکن مرحلہ یہ درپیش تھا کہ ایک منٹ بھر کی مقدار کو کس طرح الگ کیا جائے اور یہ چیز اتنی رچی ھوئی تھی کہ اسے علیحدہ کرنا بڑا مشکل تھا ۔

دنوں کے کام میں مہینے اور سال لگ گئے ، لیکن میاں بیوی حوصلہ نہ ھارے ، یہ مادہ جس نے دونوں کو ضدی بنا دیا تھا ، اور یہ مادہ جو اپنے راز کسی طرح فاش ھونے ھی نہ دیتا تھا ، انہیں جد و جہد پر آمادہ کرتا تھا ، وہ دونوں اپنی محبت سے متحد تھے ، اپنی دماغی قوت سے بھی متحد تھے ، اور لکڑی کے ایک سائبان میں قدرت کے خلاف ایک جنگ کر رھے تھے ۔ دونوں اسی مقصد کے لئے بنائے گئے تھے ، جیسا وہ تھا ویسی ھی وہ تھی ۔

میری لکھتی ھے ، اس زمانے میں ھم ھر وقت سرشار اور مدھوش رھا کرتے تھے ، اس بظاھر ناممکن دریافت کا شکریہ جو آخرکار ظاھر ھو گئی ۔ تمام دقتوں کے باوجود ھم دونوں بہت خوش رھتے تھے ۔ ھمارے دن تجربہ گاہ میں گزرتے تھے ۔ ھمارے

حقیر سے سائبان میں بعض اوقات گہری خاموشی رہتی تھی ، بعض اوقات کسی مشاہدے کے لئے ہم ادھر ادھر ٹہلتے تھے ، اور اپنے موجودہ کام کے بارے میں اور اس کے مستقبل کے بارے میں باتیں کرتے تھے۔ جب ہمیں سردی لگتی تھی تو ہم چولھے کے پاس بیٹھ کر گرم گرم چائے پیتے تھے ، جس سے بہت آرام ملتا تھا ۔ ہم اس ویران سائبان میں اس طرح رہتے تھے جیسے ہم خواب دیکھ رہے ہوں ۔

. . . . . تجربہ گاہ میں چند ہی انسانوں کے چہرے دکھنے میں آتے تھے ، ماہرین طبعیات اور کیمیا میں سے چند لوگ گاھے آتے تھے ، یا تو وہ ہمارے تجربات دیکھنے آتے تھے یا پیئر کیوری سے مشورہ حاصل کرنے آتے تھے ۔ کیونکہ طبعیات کی مختلف شاخوں میں اس کی مسلم حیثیت کو سب جانتے تھے ۔ سیاہ تختہ کے سامنے کوئی گفتگو چھڑ جاتی اور اس سے ہماری سائنسی دل چسپی کو اور تحریک ہوتی اور ہم جوش و خروش کے ساتھ مصیبتوں کی پروا کئے بغیر کام میں مصروف ہو جاتے ، اور یہ بھی پروا نہ کرتے کہ تجربہ گاہ میں شور ہو رہا ہے ، حالانکہ تجربہ گاہ کے لئے خاموشی کی بے حد ضرورت ہے ۔

جب کبھی پیئر اور میری کچھ دیر کے لئے اپنے آلات کو چھوڑ کر باتیں کرنے لگتے تو ہمیشہ وہ دونوں اپنی محبوب ریڈیم کے بارے میں باتیں کرتے ۔

”مجھے سوچ سوچ کر حیرانی یہ ہوتی ہے کہ ریڈیم کی شکل ہوگی کیسی اور کس سے ملتی جلتی ہوگی“ میری نے ایک روز

بڑے اشتیاق سے پوچھا ، جیسے کسی ننھی بچی سے کھلونے کا وعدہ کیا گیا ہو اور وہ کھلونا آنے سے پہلے اس کے بارے میں سوال کرے " بشر ، تم کیسا تصور باندھتے ہو ، تمہارے خیال میں ریڈیم کی شکل کیسی ہوگی ؟ "

" مجھے نہیں معلوم " ماہر طبعیات نے آہستہ سے جواب دیا " میری یہ خواہش ہے کہ اس کا رنگ بہت خوبصورت ہو "

ان دنوں میری نے مختلف لوگوں کو جو خطوط لکھے ان میں اس کی شدید محنت کا کوئی خاص ذکر نہیں ملتا ، نہ جذباتی تبصرے ملتے ہیں ، نہ خیالی پلاؤ کی کیفیت ، حالانکہ وہ اپنے خط ہمیشہ بے تکلفی سے لکھا کرتی تھی ۔ کیا اس کی وجہ یہ تھی کہ برسوں وطن سے دور رہنے سے میری کی بے تکلفی میں فرق آ گیا تھا ، اور وہ اپنے خاص لوگوں سے بھی تکلف کرنے لگی تھی ۔ کہیں ایسا تو نہ تھا کہ اس پر کام کا اتنا بوجھ تھا کہ مفصل خط لکھنا ممکن نہ تھا ۔

اس کا خاص الخاص سبب شاید کہیں اور ہی مل سکے گا ۔ یہ اتفاقی بات نہ تھی کہ عین اس وقت میری کے خطوں کی ندرت ختم ہوگئی جب اس کی زندگی استثنائی بن گئی ۔ جب وہ طالب علم تھی ، جب وہ استانی تھی اور جب اس کا بیاہ ہوا تھا تو وہ اپنی کہانی اپنے خطوں میں بڑے شوق سے لکھتی تھی ․ ․ ․ ․ لیکن اب وہ الگ تھلگ تھی ، کیونکہ وہ سائنسی کام جسے وہ انجام دے رہی تھی ایسا ناقابل بیان تھا کہ اسے خاموشی ہی

ھونا پڑا ۔ پھر ایک بات یہ بھی تھی کہ وہ اتنا بلند کام انجام دے رھی تھی کہ اگر وہ اپنے عزیزوں اور پیاروں کو اپنا کام سمجھانا چاھتی تو وہ نہ سمجھ سکتے ۔ اور نہ اس کی مصیبتوں اور دقتوں کا اندازہ کرسکتے ۔ اب اس کے مصائب کا بار صرف ایک ھی شخص ھلکا کرسکتا تھا ۔ اور وہ تھا اس کا رفیق زندگی پیئر کیوری ۔ اسی سے وہ اپنا دکھ درد کبھی بھی ، جو اچھوتے خیال اس کے دماغ میں آتے تھے اس سے بیان کرتی تھی ۔ اب میری دنیا کے عام انسانوں کو اور اپنے عزیزوں اور پیاروں کو اپنی زندگی کے عمومی حالات ھی بتا سکتی تھی ۔ وہ ان لوگوں کے سامنے اپنی زندگی کی بورژوائی شکل ھی پیش کر سکتی تھی ، بعض اوقات ایک عورت کی حیثیت سے اس کا جی چاھتا کہ وہ اپنے تمام جذبات بیان کر دے ، لیکن محض اپنی ذاتی زندگی کے بارے میں ۔ اپنے کام کے متعلق وہ کیا بتاتی کیونکہ لوگ اس کے کام کو سمجھ ھی نہ سکتے تھے ۔ وہ اپنے کام کے بارے میں چھوٹے چھوٹے غیر دلچسپ جملے لکھتی ، جیسے اخبار میں تین سطروں کی چھوٹی سی خبر چھپ گئی ھو ۔ وہ یہ بھی ڈرتی تھی کہ لوگ یہ نہ شبہ کریں کہ وہ اترا رھی ھے ، اس لئے وہ ایسے اعلیٰ درجہ کے کام کے بارے میں کچھ نہ لکھتی تھی ، میری نے اپنے آپ کو چھپا لیا تھا ، اس نے اپنے آپ کو اپنے ھی اندر کھود کر دفن کر لیا تھا ۔ شرم ، بیزاری یا جو کچھ بھی وجہ ھو اس سائنسدان عورت نے ایک عام عورت کی طرح اپنے راز کو چھپا لیا ۔

سبری کا خط بروبا کے نام ۱۸۹۸ء

ہماری زندگی ایک ہی ڈھرے پر چل رہی ہے - ہم بہت کام کرتے ہیں لیکن سوتے بھی خوب ہیں ، اس لئے ہماری صحت ٹھیک ہے - شام کے وقت ہم اپنی بچی کی دیکھ بھال کرتے ہیں - صبح کے وقت میں اسے لباس پہناتی ہوں ، کھانا کھلاتی ہوں ، اور عام طور پر ۹ بجے نکل جاتی ہوں - اس پورے سال میں ہم ایک بار بھی تھیٹر یا گانے بجانے کی محفل میں نہیں گئے ، اور اس بات سے ہم بہت خوش ہیں . . . . مجھے اپنے گھر کے لوگ بہت یاد آتے ہیں ، والد اور اپنے پیاروں کی یاد بہت ستاتی ہے ، اکثر مجھے سب سے الگ تھلگ رہنے کا غم ستایا کرتا ہے - میں کسی چیز کی شکایت نہیں کر سکتی - میری صحت بری نہیں ہے ، بچی اچھی طرح پل بڑھ رہی ہے ، مجھے بہترین شوہر ملا ہے - میرے سان و گمان میں بھی نہ تھا کہ اتنے اچھے آدمی سے میرا بیاہ ہو جائیگا ، وہ تو سچ مچ جنت کا تحفہ ہے ، جوں جوں دن گزرتے جاتے ہیں ہم دونوں کی محبت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے -

ہمارا کام ترقی پر ہے - اپنے کام کے بارے میں بہت جلد ایک لکچر دینا ہے ، پچھلے سنیچر کو یہ لکچر دے دینا چاہئے تھا ، لیکن میں نے پروگرام ملتوی کر دیا ، اس سنیچر کو یہ پندرہ دن کے اندر اندر ضرور لکچر دینا ہوگا -

یہ کام جس کا خط میں سرسری طرح ذکر کیا گیا ہے ، حقیقت یہ ہے کہ شاندار طریقہ سے ترقی کر رہا تھا - ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۰ء کے درمیان پیئر اور میری کیوری نے اپنے کام کی ایک

رپورٹ شائع کی ، دوسری رپورٹ ضوریزی کے اثرات کے بارے میں اور ایک رپورٹ شعاعوں میں برقی رو کی کیفیت کے بارے میں شائع کی ، اور آخر ۱۹۰۰ء میں کانگرس آف فزکس کے لئے ایک جنرل رپورٹ شائع کی جو مادوں کی ضوریزی کے بارے میں تھی ، اس رپورٹ کی اشاعت سے یورپ کے سائنسدانوں کی دلچسپی میں بہت اضافہ ہوا ۔

ضوریزی کا نیا علم بڑی تیزی سے ترقی کر رہا تھا ، اب کیوری جوڑے کو اپنے کام کے لئے مددگاروں کی ضرورت تھی ، اب تک صرف ایک اسسٹنٹ پٹٹ جو ایماندار آدمی تھا ، اور وہ اپنی ملازمت سے جو وقت بچاتا تھا ، وہ محض اپنے ذاتی شوق کی بنا پر ان دونوں کے ساتھ کام کرنے پر صرف کرتا تھا ، لیکن یہ کام وہ پوشیدہ طور پر کرتا تھا ۔ اب ان دونوں کو اعلیٰ درجہ کے مدد گاروں کی ضرورت تھی ۔ ان کی یہ دریافت کیمیا کی دنیا میں ایک اہم توسیع تھی ، اور اس دریافت کا یہ تقاضا تھا کہ اس پر پوری طرح توجہ صرف کی جائے ۔ ان کی خواہش تھی کہ موزوں اور لائق کارکن ان کے ساتھ تحقیقی کام کریں ۔

میری لکھتی ہے کہ ہمارا کام تنہائی سے شروع ہوا لیکن جب یہ محسوس کیا گیا کہ ایک سے دو بھلے ، تو میرے شوہر میرے شریک ہوگئے ۔ ۱۸۹۸ء میں اسکول کی تجربہ گاہ کے سربراہ جی بیمانٹ نے ہمیں عارضی طور پر کچھ مدد دی ۔ ۱۹۰۰ء کے آغاز میں پیئر کیوری کے ایک نوجوان کیمیادان سے مراسم ہوگئے ، کیمیادان کا نام ڈی بیرنے تھا ، وہ پروفیسر خرائی ڈل کا

اسسٹنٹ تھا ، اور پیئر کی بڑی عزت کرتا تھا ۔ ڈی بیرنے نے بخوشی ہمارے ساتھ کام کرنا منظور کرلیا ۔ اس نے خاص طور پر ایک نئے ریڈیائی عنصر کی تحقیق کا کام سنبھال لیا ، یہ عنصر ایک خاص قسم کے لوہے اور خاص قسم کی مٹی میں تھا، اس میں اس عنصر کا پتا لگایا اور اس کا نام ایکٹینیم رکھا ۔ اگرچہ وہ ساربون میں جین بی رین کی نگرانی میں فزیکو کیمیکل لیبارٹری میں کام کرتا تھا ، لیکن وہ اکثر ہم سے ملنے کے لئے ہمارے سائبان میں آتا تھا اور بہت جلد ہمارا پکا دوست بن گیا ۔ پہلے ڈاکٹر کیوری سے ربط بڑھا اور پھر ہمارے بچوں سے گھل مل گیا ۔ اگر ریڈیم اور پولونیم کو بہنیں مانا جائے تو فرانسیسی سائنسدان جی بیرنے نے ان بہنوں کے بھائی ایکٹینیم کا پتا لگا لیا تھا ۔

اسی عرصہ میں میری کا بیان ہے کہ ایک نوجوان ماہر طبعیات جارج سگ نیک جو ایکسرے کی تعلیم میں مصروف تھا، اکثر پیئر کیوری کے پاس آتا تھا اور سائنسی گفتگو کرتا تھا۔ ان دونوں نے مل کر کچھ کام کیا ۔

میری ایک کلوگرام کے بعد دوسرے کلوگرام پر تجربے کرتی رہی ، سینٹ جوئس تھل سے کئی بار کئی ٹن کچی دھات کا فضلہ اسے بھیجا گیا ۔ اپنے غیر معمولی صبر اور استقلال سے وہ چار برس تک ایک ہی وقت میں ماہر طبعیات ، ماہر کیمیا ، تجربہ کار مزدور ، انجینئر اور معمولی مزدور کے فرائض انجام دیتی رہی ۔ اس کا دماغ اور اس کے عضلات کا شکریہ ، شیڈ کے نیچے پرانی میزوں پر بہتر سے بہتر مصنوعات تیار ہونے لگیں ، جن میں ریڈیم

کی مقدار روز بروز بڑھ رہی تھی ۔ اب مادام کیوری اخنام کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ اب وہ اپنا خراب سا لبادہ پہن کر میدان میں کھڑے ہو کر کام کرنے کے بجائے بھاری بھر کم نسلے کو غور سے دیکھ رہی تھیں ۔ اب وہ اس منزل پر پہنچ گئی تھیں کہ طاقتور ریڈیائی مادوں کو نکھاریں اور صاف کریں اور ان کے ذرے اکٹھا کر لیں ، لیکن ان کے پاس سائنس کے آلات ناکافی تھے ، اور جو آلات تھے وہ اتنے زیادہ کارآمد نہ تھے ۔ اب انہیں ایک بے داغ کمرے کی ضرورت تھی جس میں نہایت صاف ستھرے اور مکمل طور پر کام آنے والے آلات ہوں ، جو سردی، گرمی اور گندگی سے محفوظ رہیں ۔ اس لکڑی کے سائبان میں ہر تیز ہوا کو داخل ہونے کی آزادی تھی ، خاک دھول بھی خوب ہوتی تھی اور جس رفیق مادے کو وہ بڑی محنت اور احتیاط سے خالص شکل میں تیار کرنے کی کوشش کرتی تھی اس میں گردوغبار اور دوسرے غیر ضروری اجزا شامل ہو جاتے تھے ، بعض اوقات ان روز مرہ کے سانحات پر اس کا دل ڈوبنے لگتا کہ اس کا وقت اور اس کی محنت بری طرح سے رائیگاں جا رہی تھی ۔

پیئر اس لامتناہی جدوجہد سے اتنا تھک چکا تھا کہ وہ اس کام سے توبہ کرنے کے لئے بالکل تیار تھا ۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے کنارہ کش ہونا چاہتا تھا ، لیکن وہ اس بات پر بخوشی تیار تھا کہ کچھ عرصہ کے لئے خالص ریڈیم تیار کرنے کے کام سے کنارہ کش ہو جائے ۔ دقتیں ایسی نہیں جو ناقابل تسخیر نظر آتی نہیں، وہ کچھ عرصہ کے بعد بہتر حالات میں اپنا کام

کیوں نہ شروع کریں ؟ اس نے بیوی کو بھی سردست ہتھیار ڈالنے کا مشورہ دیا۔

اس نے بیوی کی طبیعت کا اندازہ لگائے بغیر یہ بات کہہ دی۔ میری چاہتی تھی کہ وہ ریڈیم کو دوسرے مادوں سے الگ کردے ، اور وہ الگ کر کے رہے گی۔ اس نے تھکن اور مشکلات کو ہیچ سمجھا اور ان وقفوں کی بھی پروا نہ کی جس سے اس کے کام میں الجھنیں پیدا ہو رہی تھیں۔ بہرحال وہ ایک بالکل کمسن سائنسداں خاتون تھی اور بیئر بیس سال سے سائنسی کام کر رہا تھا ، بعض اوقات وہ سائنس کا حساب لگانے میں غلطی کر بیٹھتی تھی ، لیکن بہت جلد اصلاح کر لیتی تھی۔

تو حالت بہت دگرگوں تھی۔ بڑی بڑی بھوؤں کے نیچے وہ ضدی آنکھیں تھیں جو مستقل مزاجی کے ساتھ سائنس کے آلات کو بغور گھور رہی تھیں۔

۱۹۰۲ء میں ، یعنی ریڈیم کے امکان کے بارے میں پہلے اعلان کے پینتالیس مہینوں کے بعد میری کو جنگ میں فتح حاصل ہوئی ، وہ خالص ریڈیم تیار کرنے میں کامیاب ہوگئی ، اور اس نے خالص ریڈیم کا ایٹمی وزن بھی معلوم کیا ، یہ وزن ۲۲۵ تھا۔

وہ کیمیاداں جو اب تک میری کی باتوں پر یقین نہ کرتے تھے (کچھ کیمیاداں تو اب بھی اڑے ہوئے تھے) اب انہوں نے ان حقیقتوں کے آگے گھٹنے ٹیک دئے تھے اور فوق البشر اور ضدی عورت کے آگے سر تسلیم خم کر چکے تھے۔

اب سرکاری طور پر ریڈیم کے وجود کو تسلیم کر لیا گیا تھا۔

رات کے ۹ بجے تھے۔ پیئر کیوری اور میری اپنے چھوٹے سے مکان میں تھے، اس مکان میں وہ ۱۹۰۰ء سے رہ رہے تھے۔ یہ مکان ان کے لئے بہت موزوں تھا، یہ یک منزلہ مکان تھا اور درختوں کے جھنڈ میں اس طرح گھرا ہوا تھا کہ سب کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ اس میں ایک چھوٹا سا باغ تھا، اور یہ مکان بے حد پر سکون تھا۔ اور یہاں سے وہ اپنی سائیکلوں پر بیٹھ کر جنگل کی سیر کو جا سکتے تھے۔ . . .

بوڑھا ڈاکٹر کیوری جو میاں بیوی کے ساتھ رہتا تھا، ایک طرف کو اپنے کمرے میں پڑا رہتا تھا۔ میری اپنی بچی کو نہلا چکی تھی اور اس نے اسے بستر پر لٹا دیا تھا، اور خود بھی لیٹ چکی تھی۔ جب آئیرین رات کے وقت اپنی ماں کو اپنے قریب نہ پاتی تو وہ اسے ''می'' کہہ کر پکارتی، یہ ممی کی بگڑی ہوئی شکل تھی۔ میری اسی وقت اپنی چار سال کی بچی کے پاس پہنچ جاتی، کمرے میں روشنی کر دیتی اور بچی کو تھپکتی۔ پیئر نہایت مہربان شوہر تھا۔ لیکن وہ تنہا نہ رہ سکتا تھا، وہ بیوی کے ساتھ مل کر سوچنے کا عادی تھا، جب میری اپنی بچی پر زیادہ وقت صرف کرتی تو وہ اس سے کہتا:

تمہیں تو بچی کے سوائے کسی بات کی فکر ہی نہیں ہے۔

بئٹر آهسته آهسته کمرے میں ٹہلتا ، میری بیٹھی ہوئی آئیردن کے نئے ہیٹں بند پر کشیدہ کاری کرتی ۔ اس کا اصول یہ تھا کہ بچوں کے لئے کبھی سلے سلائے کپڑے نہ خریدے جائیں ، اس کا خیال تھا کہ یہ کپڑے زیادہ کارآمد نہیں ہوتے۔ جب پرونما برس میں تھی دو دونوں بہنیں اپنے بچوں کے لباس مل کر تیار کرتی تھیں اور کپڑوں کے نمونے وہ خود ایجاد کرتی تھیں ۔ ان ھی نمونوں کے مطابق وہ اب بھی کپڑے تیار کرتی تھی ۔

لیکن آج کی رات کشیدہ کاری میں اس کا دھیان نہ لگتا تھا ۔ وہ بوکھلائی ہوئی تھی ، اچانک اٹھ کر کھڑی ہوئی اور کہنے لگی :

یہ ھو ہم تھوڑی دیر کے لئے چلیں

پیئر تجربہ گاہ میں جانے کے لئے پہلے سے تیار تھا ، دونوں روانہ ہوگئے ۔ اب ریڈیم ایک زندہ حقیقت تھی ، دونوں کو ریڈیم سے بہت پیار تھا ۔

دن بھر کا کام بہت سخت ہوتا تھا ۔ میری اور پیئر ہر وقت مشغولیت کے جامے میں ملبوس ہوا کرتے تھے ، جب وہ گھر سے روانہ ہوتے تھے تو انہوں نے بوڑھے باپ ڈاکٹر کیوری سے بتا دیا تھا ، وہ بہت تیزی سے کوٹ پہن کر گلی میں آ گئے تھے ، وہ ھاتھ میں ھاتھ ڈالے باتیں کرتے پیدل چل دیئے ۔ سڑکوں کا ھجوم ختم ہوگیا ، فیکٹری کی عمارتوں اور غریبوں کے مکانوں سے گزرتے ہوئے وہ ریولومنڈ کے چھوٹے سے میدان میں پہنچ گئے ۔ پیئر

نے تالے مں کنجی لگائی اور حسب معمول گنگنانے لگا ۔ دروازہ کھلا اور وہ امیدوں کی دنیا مں داخل ہو گئے ۔

''دیکھو دیکھو لیمپ نہ جلانا''، اس نے گھپ اندھیرے میں کہا ، پھر وہ آہستہ سے ہنسنے لگی ۔

'' کیا تمھیں وہ دن یاد ھیں جب تم نے مجھ سے کہا تھا کہ تمھارا جی چاھتا ھے کہ ریڈیم کا رنگ بہت خوبصورت ھو''

جو خواھش بہت عرصے پہلے کی گئی تھی ، حقیقت اس سے زیادہ خوبصورت تھی ، ریڈیم خوبصورت رنگ سے کہیں بڑھ کر تھی ، وہ خود بخود روشنی دے رھی تھی اور لکڑی کا سائبان جگمگا رھا تھا ، ریڈیم کی نیلگوں روشنی نے رات کی تاریکی کو معطل کر دیا تھا ۔

''دیکھو . . . . دیکھو''، نوجوان عورت نے زیر لب کہا ۔

وہ جان بوجھ کر آگے بڑھ گئی ، وھاں ایک کرسی رکھی تھی ، وہ کرسی پر بیٹھ گئی ، وہ دونوں ریڈیم کی طرف دیکھنے لگے ، عورت کا جسم آگے کی طرف جھک گیا اور اب اس کا وھی رویہ تھا جو ایک گھنٹا پہلے بچی کو سلاتے وقت تھا ۔

اس کے شریک زندگی کا ھاتھ اس کی زلفوں سے کھیل رھا تھا ، آج کی طلسمی رات کو وہ کبھی نہ فراموش کرسکے گی ۔

چودھواں باب

زندگی کی صعوبتیں

بیئر اور میری کو اگر صرف تجربہ گاہ میں کام کرنا پڑتا اور وہ دونوں اپنی زندگی تجربے کرنے میں وقف کر دیتے تو وہ دونوں بہت خوش و خرم رہتے۔

بدقسمتی سے انہیں دوسری مصروفیتیں بھی تھیں، جن میں وہ ہمیشہ کامیابی نہ حاصل کر سکتے تھے۔ بیئر کی تنخواہ پانچ سو فرانک ماہوار تھی، اس تنخواہ کے عوض میں اسے سال بھر میں لڑکوں کو ایک سو بیس سبق پڑھانے پڑتے تھے، اور طالب علموں کو اپنی نگرانی میں سائنس کے تجربے کرانے ہوتے ہیں۔ لڑکوں کو پڑھانے کے سلسلے میں اسے شدید محنت کرنا پڑتی تھی، اور یہ محنت سائنسی تحقیق کے علاوہ تھی۔ جب تک میاں بیوی کے بچے نہ تھے تو میری پانچ سو فرانک میں گھر کے اخراجات پورے کر لیتی تھی، لیکن آئیرین کے پیدا ہونے کے بعد ایک نرس اور ایک ملازمہ رکھنا پڑی، اس سے گھر کے بجٹ پر بہت بوجھ پڑ گیا، اب ان دونوں کو آمدنی میں اضافہ کی تدبیریں سوچنا تھیں۔

ایک اور مصیبت یہ تھی کہ یہ اعلیٰ دماغ لوگ اپنے دل کو یہ سمجھانے کی ناخوشگوار کوشش کرتے تھے کہ دو یا تین ہزار فرانک سالانہ ان کے لئے کافی ہیں۔ خسارے کو پورا کرنے کے لئے کوئی ادنیٰ درجہ کا کام تلاش کر لینا ہی اس مسئلہ کا حل نہ تھا، جیسا کہ

ھم جانتے ھیں پئر کیوری کے نزدیک سائنسی تحقیق سب سے اھم کام تھا ۔ تجربہ گاہ میں کام کرنا اس کے لئے ناگزیر تھا ، خواہ لکڑی کے سائبان ھی کے اندر کام کرنا پڑے ، چاھے پیٹ بھر روٹی نہ ملے، موافق بھر نیند نہ آئے ، لیکن تحقیق کا کام جاری رہے ، وہ اسکول کا کام اس کا بہت وقت لے لیتا تھا اور دوسری مصروفیتیں بہرحال موجود تھیں ۔ بہترین صورت تو یہ تھی کہ کام ھلکا کر دیا جائے ، لیکن روپئے کی بہرحال ضرورت تھی ۔ اب وہ کیا کر سکتا تھا ۔

حل سادہ تھا . . . . بہت ھی سادہ ۔ اگر اسکول کی نوکری کی جگہ اسے یونیورسٹی میں پروفیسر کی جگہ مل جائے جس کے لئے وہ ھر طرح موزوں تھا ، تو اسے دس ھزار سالانہ تنخواہ ملا کرے گی اور اسکول کے مقابلے میں پڑھانا بھی کم پڑے گا ، اس کی سائنسی معلومات سے طالب علموں کو بے حد فائدہ پہونچے گا اور یونیورسٹی کے وقار میں اضافہ ھوگا اور اگر یونیورسٹی میں پڑھانے کے علاوہ اسے وھاں کی تجربہ گاہ میں کام کرنے کی اجازت مل جائے تو بس پھر اپنی قسمت سے کچھ اور کہنا باقی نہ رہے گا ۔ اس کی ناچیز خواھشات ان الفاظ پر مشتمل تھیں، روزی کے لئے پروفیسر کی کرسی مل جائے، پڑھانے کے لئے نوجوان طلباء مل جائیں ، اور تجربہ کرنے کے لئے تجربہ گاہ مل جائے اور تجربہ گاہ ایسی ملے جو ان خرابیوں سے بکسر پاک ھو جو لکڑی کے سائبان کے اندر موجود ھیں ۔ بجلی سے چلنے والا ٹیکنیکل سامان ، کام کرنے کے لئے کچھ مددگار اور سردیوں کے موسم میں تھوڑی سی سینک . . . .

آہ یہ آرزوئیں ، یہ تمنائیں اور یہ سہانے خواب !

پیئر کو ۱۹۰۴ء تک پروفیسر کی نوکری نہ مل سکی ، جب ساری دنیا نے اس کی قابلیت کا لوہا مان لیا تب اسے پروفیسر کی نوکری دی گئی ۔ تجربہ گاہ اسے کبھی نہ مل سکی ۔ موت ان سرکاری افسروں سے زیادہ سخت ہے جو بڑے تکلف اور تامل کے ساتھ کسی عظیم انسان کی قابلیت کو تسلیم کرتے ہیں ۔ یہ حقیقت تھی کہ پیئر پراسرار فطرت کی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے موزوں ترین آدمی تھا ، لیکن اس کی پہلی خامی یہ تھی کہ وہ ذہین تھا اور ذہین آدمیوں سے لوگ بد کتے ہیں ، جس کا کوئی مقابلہ نہ کر سکے اور جو بے مثال ہو اس سے سب کتراتے ہیں ، اس کی بہترین صلاحیتوں کا کوئی مصرف نہ تھا ، وہ نہ جانتا تھا کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو کس طرح گراں قدر بنائے ۔

وہ اپنے دوستوں اور دشمنوں سے یکساں طور پر کتراتا تھا ، اور لوگ اسے بری طرح ناکام امیدوار کہا کرتے تھے (ہنری پوائنکارے نے لکھا ہے) لیکن ہماری جمہوریت میں امیدوار وہ نہیں ہوتے جن کی ہمیں کمی ہے ۔

۱۸۹۸ء ساربون میں طبعیاتی کیمیا کے پروفیسر کی کرسی خالی ہوئی اور پیئر کیوری نے یہ نوکری حاصل کرنے کا فیصلہ کیا ۔ اس کی نامزدگی یقینی تھی ، لیکن نہ تو اس نے عام طریقہ اختیار کیا اور نہ خاص طریقہ استعمال کیا اور اسے مسترد کر دیا گیا ،

اس کے ایک دوست پروفیسر ہرمٹول نے اسے لکھا تھا ، ہم سکست کھا گئے ہیں اور میں کسی لائق نہیں رہ گیا ، لیکن تم ناکام ہو گئے ، لیکن تمہارے دشمن بھی تمہاری قابلیت کو مانتے ہیں ۔ مجھے افسوس ہے کہ میں نے تمہاری حوصلہ افزائی کی لیکن متعصب ریاضی دانوں کے خلاف ہم کر ہی کیا سکتے ہیں ۔

اب میاں بیوی پھر اسی عظیم کام میں مصروف ہو گئے اور انہوں نے دنیا بھر کے جھمیلوں میں پڑ کر وقت ضائع کرنا پسند نہ کیا ۔ پانچ سو فرانک ایسی تو تنخواہ نہیں ہے کہ کنبہ کو بالکل مفلس بنا دے ، زندگی لشٹم پشٹم گزر ہی سکتی ہے ۔

میری بنام جوزف ۱۹ مارچ ۱۸۹۹ء

ہمیں بہت ہاتھ روک کر خرچ کرنا پڑتا ہے ، میرے شوہر کی آمدنی کافی نہیں ہے ، لیکن اب تک ہر سال ہمیں غیر متوقع طور پر کچھ اوپر کی آمدنی ہو جاتی تھی ، جس سے ہم خسارے سے بچے رہتے تھے ۔ مجھے امید ہے کہ مجھے اور میرے شوہر کو بہت جلد آمدنی بڑھانے کے لئے کچھ اور کام کرنا پڑے گا ، تب ہم نہ صرف بخیر و خوبی گھر چلا سکیں گے بلکہ اپنی بچی کے مستقبل کے لئے بھی کچھ بچا سکیں گے ۔ میں کام تلاش کرنے سے پہلے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرنا چاہتی ہوں ۔ اس وقت نئی دھات کا اتنا زیادہ کام ہے کہ میں ڈاکٹریٹ کی تیاری نہیں کر سکتی ۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری کی بنیاد بھی دھات کے کام پر ہے ، لیکن ڈگری

حاصل کرنے کے لئے مجھے مزید مطالعہ کرنا پڑے گا ، جو فی الحال ممکن نہیں ۔

ہماری صحت ٹھیک ہے ، اب میرے شوہر کو گھٹیا کی شکایت نہیں ہے ، یہ شکایت اس وقت سے ختم ہوئی ہے جب سے انہوں نے اپنی غذا میں خاص طور پر دودھ ، انڈے اور ترکاریاں بڑھا دی ہیں ، وہ شراب اور گائے بکری کا گوشت بالکل استعمال نہیں کرتے اور پانی کافی مقدار میں پیتے ہیں ۔ میں بالکل بخیریت ہوں ۔ مجھے کھانسی بالکل نہیں آتی ہے ، اور اب میرے پھیپھڑوں میں کوئی خرابی نہیں ہے ، جیسا کہ پہلے طبی معائنے اور دوسری علامتوں کے بعد مجھے دق کا مرض بتایا گیا تھا ، اب کوئی شکایت نہیں ہے ۔

آئیرین نارمل طور پر بڑھ رہی ہے ، میں نے اٹھارویں مہینے اس کا دودھ بڑھا دیا ہے ، لیکن میں اسے پہلے ہی سے اوپر کا دودھ پلاتی رہی ہوں ، اب میں اسے اوپر کا دودھ پلاتی ہوں اور تازہ انڈے کھلاتی ہوں ۔

۱۹۰۰ء ۔ ۔ ۔ ۔ کھاتا دیکھنے سے پتا چلتا ہے کہ گھر کے اخراجات بڑھ رہے ہیں ، آمدنی کم اور خرچ زیادہ ۔ بوڑھا ڈاکٹر کیوری اب بیٹے کا دست نگر تھا اور ساتھ ہی رہتا تھا ۔ نوکر کو ملا کر پانچ آدمیوں کا کنبہ تھا ، مکان کا کرایہ چودہ سو فرانک سالانہ تھا ۔ ضرورت سے مجبور ہو کر پیئر نے پولی ٹکنیک اسکول میں ٹیوٹر کے طور پر نوکری کر لی ، اب اسے ٹیوشن کے ڈھائی ہزار فرانک سالانہ ملا کریں گے ۔

اچانک اسے ایک اسامی پیش کی گئی ، لیکن یہ جگہ فرانس میں نہ تھی - ریڈیم کی دریافت کا حال عوام کو یہ معلوم تھا ، لیکن ماھرین طبعیات بہرحال جانتے تھے - یونیورسٹی آف جنیوا کو ایک مرد اور ایک عورت کی ضرورت تھی ، جو یورپ کے سائنس دانوں میں اول نمبر ھو ، یونیورسٹی کے ڈین نے پیئر کیوری کو طبعیات کے پروفیسر کی کرسی پیش کی ، دس ھزار فرانک تنخواہ ، مکان کا الاؤنس اور ایک تجربہ گاہ اور ان تمام چیزوں میں مناسب ترقی کی امید تھی ، ساتھ میں دو مددگار بھی دینے کا وعدہ کیا گیا تھا اور تجربہ گاہ میں طبعیات کے آلات بھی مکمل تھے ، اور اسی تجربہ گاہ میں میری کو بھی جگہ دی جا رھی تھی - ایسے موقعوں پر قسمت پہلے تو ڈھیل دے دیتی ھے ، لیکن پھر قسمت ایک ھلکا سا چکر دے کر ممکن کو ناممکن بنا دیتی ھے ، اگر اس خط کی پیشانی پر جنیوا یونیورسٹی کے بجائے سربن یونیورسٹی لکھا ھوتا تو میاں بیوی خوشی سے پھولے نہ سماتے -

جنیوا سے ملازمت کی یہ پیشکش اس طرح سے کی گئی تھی کہ پہلے تو پیئر نے اسے فوراً قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا - جولائی میں وہ اور میری سوئزر لینڈ گئے ، وھاں ان کے دوستوں نے ان کا پر جوش خیرمقدم کیا - گرمیوں میں ان کے ارادے بدل گئے ، کیا انہیں اتنی اھم ملازمت کے لئے پہلے کئی مہینے تیاری کی ضرورت ھے - انہیں ریڈیم کا کام روکنا پڑے گا ، اور اس کام کو جنیوا لے جانا آسان نہ تھا - تو پھر کیا وہ ریڈیم کو نکھارنے اور خالص بنانے کا کام ملتوی کر دیں ؟ اس سوال نے میاں بیوی کو بے حد پریشان کیا -

پیئر کیوری نے ایک آہ بھری اور جنیوا والوں کو خط لکھ دیا ۔ اس نے معذرت چاہی اور ان کی پیش کش کا شکریہ ادا کیا ۔ عیش کی زندگی کو اس نے ٹھکرا دیا ، اور پیرس میں رہنے کا فیصلہ کیا ، پولی ٹکنک اسکول کی نوکری چھوڑ دی ۔ فزکس کیمسٹری نیچرل سائنس کے اسکول میں نوکری کر لی ۔ یہ بہتر نوکری تھی ۔ میری بھی نوکری کرنا چاہتی تھی۔ اس نے نارمل اسکول میں استانی کی نوکری کی درخواست دی اور اسے اسکول کی طرف سے ایک خط ملا ۔

محترمہ

نہایت احترام کے ساتھ عرض ہے کہ آپ کو نارمل اسکول میں فرسٹ ایئر اور سیکنڈ ایئر کے طالب علموں کو فزکس پڑھانے پر مقرر کیا گیا ہے ۔ یہ نوکری ۱۹۰۰ء — ۱۹۰۱ء تک رہے گی ۔

کیا آپ پیر کے روز ۲۹ تاریخ سے ملازمت شروع کر دیں گی ۔

یہاں دو کامیابیاں حاصل ہوئی تھیں ، ایک طرف تو بجٹ ٹھیک ہو گیا تھا اور دوسری طرف ریڈیم کے تقاضے بڑھ رہے تھے ۔ پیئر کو ساربون میں پروفیسر کی جگہ تو نہ ملی تھی لیکن یونیورسٹی کے لوگ اس بات کے بہت خواہاں تھے کہ اسے ثانوی اہمیت کے لکچر دینے کا موقع دیا جائے ۔

مسٹر اور میڈم کیوری اپنے نصاب کی کتابوں میں غرق ہو گئے ، انہوں نے بڑھانے کی خوب تیاری کی ۔ پیئر کو اب دوہرا کام کرنا پڑتا تھا ۔ میری اس بات سے بہت متاثر تھی کہ وہ فرنچ

زبان میں پڑھانا جانتی ہے ۔ وہ بڑی محنت سے لکچر تیار کرتی تھی۔ اس نے جان توڑ کر محنت کی اور پڑھانے کے ایسے طریقے نکالے کہ یونیورسٹی کے ریکٹر لوسین پوائین کیر نے نوجوان خاتون کو مبارک باد کہی۔ میری ادھورا کام کرنا جانتی ہی نہ تھی ۔

لیکن طاقت کتنی ضائع ہوئی ، اور وقت کتنا رائگاں گیا ، اتنا وقت اسے ریڈیم پر صرف کرنا چاہئے تھا ، وہ ایک سست رفتار ٹرام پر بیٹھ کر اسکول جاتی تھی اور اس ٹرام کا بعض اوقات فٹ پاتھ پر کھڑے ہو کر آدھ آدھ گھنٹہ انتظار کرنا پڑتا تھا ۔ ٹرام کی سست رفتاری پاگل کئے دیتی تھی ، پیئر کو بھی بہت زیادہ وقت صرف کرنا پڑتا تھا ، اسے تجربے کرنے کا کم موقع ملتا تھا ۔

اسے امید تھی کہ اسکول کی طرف سے اسے ایک تجربہ گاہ مل جائے گی ، لیکن اسے صرف دو چھوٹے چھوٹے کمرے ملے ، اس بات سے وہ اتنا بے حوصلہ ہوا کہ اس نے منہ پھوڑ کر اسکول کے اعلیٰ افسروں سے درخواست کی کہ اسے تجربے کرنے کے لئے بڑی جگہ دی جائے ، لیکن اس سلسلے میں اسے کوئی کامیابی نہ ہوئی ۔

اصل بات یہ ہے (میری لکھتی ہے) کہ جو لوگ اس قسم کی درخواست دیتے ہیں وہ محکمانہ دقتوں سے اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور بار بار خط بھیج کر یاد دھانی کراتے ہیں ، ملاقاتیں کرتے ہیں ، التماس کرتے ہیں اور یہ سب باتیں فوائد حاصل کرنے کے لئے کرنا ہی پڑتی ہیں ، لیکن پیئر کیوری ان باتوں سے یکسر بیگانہ تھا ۔

ان کوششوں سے میاں بیوی کی قوت کار اور ان کی صحت پر برا اثر پڑا - پیئر خاص طور پر اتنا تھک گیا کہ اسے فوری طور پر کام کرنے کے گھنٹے کم کرنے پڑے - ساربون میں علم معدنیات کے پروفیسر کی جگہ خالی ہوئی ، اس جگہ کے لئے ایک ایسے پروفیسر کی ضرورت تھی جو ذرات کے بارے میں ریسرچ کر چکا ہو - پیئر نے اپنے آپ کو پیش کیا اور اس کا مقابل امیدوار کامیاب ہو گیا -

" ماؤ یٹگ کا قول ہے کہ عظیم خوبیوں اور عظیم تر شرافت کا حامل انسان زیادہ عرصہ تک گمنام نہیں رہ سکتا "

پیئر کے دوستوں نے بڑی کوشش کی کہ وہ پروفیسر کے اعلیٰ مرتبہ تک پہونچا دیں - ۱۹۰۲ء میں پروفیسر ماسکارٹ نے اصرار کیا کہ پیئر اپنے آپ کو امیدوار کے طور پر اکیڈمی آف سائنس میں پیش کرے - وہ لازمی طور پر چن لیا جائے گا اور اس طرح اس کی مالی حالت بہت بہتر ہو جائے گی -

پہلے اس نے تامل کیا اور پھر کسی مسرت کے بغیر کہنا مان لیا - یہ اس کے لئے مشکل تھا کہ وہ اکیڈمی کے خداوندوں کے سامنے اسی طرح پیش ہو جس طرح رواج تھا، اور جیسا کہ رسمی دنیا کا تقاضا تھا ، لیکن وہ اس بات کو حماقت سمجھتا تھا اور اس میں اپنی سبکی محسوس کرتا تھا ، لیکن اکیڈمی کے شعبۂ طبیعیات میں متفقہ طور پر اس کے حق میں رائے دی - وہ اس سے بہت متاثر ہوا اور وہ امیدوار بن گیا -

جب شہرت پھیل گئی اور اس سے اخباری نمائندے ملنے لگے تو ایک اخبار نے مئی ۱۹۰۲ء میں یہ لکھا -

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پہلے ایک گھنٹی بجتی ہے پھر نام پکارا جاتا ہے ؛ امیدوار شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے ۔ اب ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ خود ہی اپنی قابلیت بتائے ، اپنی تعریفیں کرے ، اپنی سائنسی قابلیتوں کے بارے میں شیخی بگھارے ۔ پیئر کو یہ باتیں بڑی غیر انسانی محسوس ہوئیں ، آخر کار اس نے اپنے حریف کے بارے میں بڑے خلوص سے کہہ دیا کہ وہ اس جگہ کے لئے مجھ سے بہتر ہے ۔

۹ جون کو نتیجہ کا اعلان شائع ہوا ، سائنس اکیڈمی نے پیئر کیوری کے حریف گاٹ کو چن لیا ۔

پیئر نے اپنے بے تکلف دوست گاؤ کو اس واقعہ کے بارے میں اس طرح لکھا :

میرے پیارے دوست جیسا کہ تمہیں پہلے ہی اندازہ ہو چکا تھا ایما گاٹ چن لیا گیا ہے ، اسے بتیس ووٹ ملے ہیں ، مجھے بیس ملے ، اور گرینز کو ٦ ووٹ ملے ہیں ۔

مجھے افسوس تو یہ ہے کہ ایسے شاندار نتیجہ کے لئے مجھے ان لوگوں سے کئی بار ملنا پڑا ، اور میرا وقت برباد ہوا ۔ اکیڈمی کے شعبۂ طبعیات میں متفقہ طور میرا نام سرفہرست رکھا گیا تھا اور میں نے ان کو مزید کاروائی کی اجازت دے دی تھی ۔

میں نے تمہیں یہ سب کچھ اس لئے بتایا کہ شاید تم یہ سب کچھ جاننا پسند کرو گے ، لیکن یہ یقین نہ کرنا کہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے مجھے صدمہ ہو سکتا ہے ۔

تمہارا مخلص پیئر کیوری

یونیورسٹی میں پال اپیل نیا ڈین مقرر ہوا ، میری اس کی شاگرد رہ چکی ہے ، اور اس کا لیکچر بڑے غور سے سنا کرتی تھی ، وہ پیئر کی خدمت کرنا چاہتا تھا ، وہ جانتا تھا کہ پیئر کی طبیعت میں سمجھوتا کرنے کی گنجائش نہیں ہے ، لہذا اس نے اس کے لئے ایک راستہ نکالا ۔

پال اپیل کا خط پیئر کیوری کے نام

وزارت تعلیم نے مجھ سے کہا ہے کہ میں لیجن آف آنر کے لئے لوگوں کے نام تجویز کروں ۔ میں اپنی فہرست میں آپ کا نام رکھنا چاہتا ہوں ۔ آپ نے سائنس کی جو خدمت کی ہے اس کی بنا پر میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کا نام شامل فہرست کروں ، مجھے احساس ہے کہ اس اعزاز سے آپ جیسی ہستی کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی ہے ، لیکن میرا ارادہ ہے کہ میں قابل ترین لوگوں کے نام پیش کروں ، ان کے نام پیش کروں جنہوں نے اپنی سائنسی دریافتوں میں نہایت نمایاں کارنامے انجام دیئے ہیں ۔

اس طرح سے میں چاہتا ہوں کہ وزیر تعلیم کو بتا دوں کہ ہم ساربون میں کس طرح کام کرتے ہیں ۔ جو اعزاز آپ کو

ملے گا اسے چاہے آپ قبول کریں چاہے نہ کریں ، یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہوگا ، لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنا نام تجویز کرنے کی اجازت دے دیں ۔

پیارے رفیق معاف کیجئے کہ میں نے آپ کو اس طرح پریشان کیا ۔

آپ کا مخلص پال اپیل

پال ایپل کا خط مادام کیوری کے نام

میں نے بارہا ریکٹر لی آرڈ سے مسٹر کیوری کی اعلیٰ خدمات کا ذکر کیا ہے ، یہ بھی بتایا ہے کہ ان کے پاس آلات ناکافی ہیں اور انہیں زیادہ بڑی تجربہ گاہ کی ضرورت ہے ، ریکٹر نے وزیر تعلیم سے مسٹر کیوری کا ذکر کیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ وزیر تعلیم کو مسٹر کیوری سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے ، وہ اپنی دلچسپی کا اظہار اس طرح کریں گے کہ مسٹر کیوری کو تمغا دیں گے ، اس موقع پر میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ آپ اپنے شوہر مسٹر کیوری پر ہر طرح کا دباؤ ڈالئے کہ وہ تمغا لینے سے انکار نہ کریں ۔ بظاہر یہ بات بڑی غیر دلچسپ ہے ، لیکن اس کے بڑے دور رس اور مفید نتائج نکل سکتے ہیں ، مثلاً تجربے کرنے کے لئے بڑی سی تجربہ گاہ الاٹ ہو سکتی ہے اور سرکاری طور پر مالی امداد مل سکتی ہے ۔

میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ سائنس کی خاطر اور فیکلٹی کی خاطر آپ مسٹر کبوری سے ضد کیجئے کہ وہ ہمیں اجازت دیں کہ ہم ان کا نام تجویز کر دیں۔

اس دفعہ پیئر کبوری کسی طرح آمادہ نہ ہوتا تھا، اس کا وقار اسے منع کرتا تھا۔ یہ اسے مسخرہ پن معلوم ہوتا تھا کہ ایک طرف تو اس کی حوصلہ شکنی کی جا رہی ہے اور دوسری طرف تمغے دے کر اس کا حوصلہ بڑھایا جا رہا ہے۔

اس نے ڈین کو مندرجہ ذیل خط لکھا :

مہربانی فرما کر وزیر تعلیم سے میری طرف سے شکریہ کہہ دیجئے اور اس سے کہہ دیجئے کہ مجھے ذرہ بھر کسی تمغے کی ضرورت نہیں، البتہ مجھے تجربہ گاہ کی شدید ضرورت ہے۔

آسان تر زندگی کی امید ترک کر دی گئی۔ مطلوبہ تجربہ گاہ کی عدم موجودگی میں میاں بیوی نے اسی سائبان پر قناعت کر لی، اور لکڑی کے شیڈ میں نہایت سر گرمی کے ساتھ کام ہونے لگا، اور انہوں نے شیڈ کی خامیوں پر بالکل غور نہ کیا، انہوں نے پڑھانے کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ تدریس کا کام بھی انہوں نے پورے جوش و خروش اور شدت سے جاری رکھا۔ ایک سے زیادہ لڑکا پیئر کا سبق یاد کرتا تھا اور سبق نہایت وضاحت سے ذہن میں مرتسم ہوتا تھا۔ اور ایک سے زیادہ فرنچ لڑکی میری سے سائنس کی بنا پر محبت کرتی تھی۔ میری، خوب صورت بالوں والی پروفیسر جس کا فرنچ لہجہ اتنا صحیح تھا کہ سائنس کا لیکچر- مترنم

ہو جاتا تھا ۔ وہ دونوں اپنے کام میں اس طرح غرق رہنے تھے کہ کھانا ، پینا اور سونا تک بھول جاتے تھے ۔ عموعی زندگی کے ضوابط جو پہلے میری نے تیار کئے تھے یعنی کھانا پکانا اور گھر داری، وہ ایک بار پھر فراموش ہوچکے تھے ، اپنی حماقت سے بے بہرہ یہ جوڑا اپنی طاقت کی شدت کو کوستا تھا ۔ بارہا ایسا ہوا کہ پیئر کی ٹانگوں میں نا قابل برداشت گٹھیا کا درد کا حملہ ہوا اور وہ صاحب فراش ہونے پر مجبور ہو گیا ۔ میری جو اعصابی دباؤ کا شکار ہو جاتی تھی اب تک حرکت قلب کے بند نہ ہونے سے زندہ تھی ۔ جب سے وہ شفایاب ہوئی تھی وہ اپنے آپ سے بہت مطمئن ہو گئی تھی ۔ تپ دق کے مرض نے اس کے کنبے کا سکون چھین لیا تھا ، لیکن وہ اپنی چھوٹی سی نوٹ بک میں اپنا وزن درج کیا کرتی تھی ، ہر ہفتہ وزن برابر گھٹ رہا تھا ۔ چار برس میں شیڈ کے اندر کام کرتے کرتے اس کا وزن سات کیلو گرام یعنی پندرہ پونڈ پانچ اونس گھٹ گیا ۔ اس جوڑے کے احباب میری کو دیکھتے تھے، اس کا چہرہ اترا ہوا تھا ، ایک نوجوان ماہر طبعیات نے پیئر کیوری کو خط لکھا کہ وہ میری کی صحت اور اپنی صحت پر رحم کرے ۔ یہ خط میاں بیوی کی زندگی کی ایک دہشت ناک تصویر ہے اور اس سے پتا چلتا ہے کہ دونوں نے اپنے آپ کو کس طرح قربان کر دیا تھا ۔

سیگ بنام پیئر کیوری

. . . . . میں نے جب مادام کیوری کو فزکس سوسائٹی میں دیکھا تو میں حیران رہ گیا ۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ

مقالے کے سلسلے میں اس پر کام کی بہت زیادتی ہے، لیکن اس موقع پر مجھے مشاہدہ کرنے کا اتفاق ہوا اور میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ خالص دانشورانہ زندگی گزارنے کے لئے جیسی کہ تم دونوں گزار رہے ہو، میری کو اس کے مواقع نہیں حاصل ہیں۔ جو بات میں نے اس کے لئے کہی ہے وہی آپ کے لئے کہتا ہوں۔

صرف ایک بات کہنا کافی ہوگی، آپ دونوں بمشکل کچھ کھاتے ہیں۔ ایک سے زیادہ مرتبہ میں نے دیکھا ہے کہ مادام کیوری نے ساسج (گوشت بھری آنت) کے دو ٹکڑے کھائے اور ایک چائے کی پیالی پی لی۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ پہلوان سا پہلوان آدمی بھی اتنی ناکافی غذا کے برے اثرات سے بچ سکتا ہے؟ اگر مادام کیوری اپنی صحت گنوا بیٹھی تو آپ پھر کیا کریں گے۔

رہی یہ بات کہ وہ بڑی ضدی ہیں اور کسی کی سنتی نہیں ہیں تو آپ کا یہ عذر ہرگز نہ چل سکے گا۔ میں پیش بینی کرتا ہوں کہ انہیں بھوک بالکل نہیں لگتی، وہ بچہ نہیں ہیں، وہ جانتی ہیں کہ انہیں کیا کرنا چاہئے، لیکن تکلف بر طرف فی‌الحال وہ بچکانہ ضدیں کرتی ہیں۔ میں محض اپنی دوستی کی بنا پر یہ لکھ رہا ہوں۔

آپ اپنے کھانے کے لئے زیادہ وقت نکالئے۔ آپ کا تو جب جی چاہتا ہے کھا لیتے ہیں اور رات کو آپ اتنی دیر میں کھانا کھاتے ہیں کہ آپ کا معدہ غذا کے انتظار سے کمزور ہو رہا ہے،

ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ کا معدہ ہضم کرنے سے انکار کر دے گا ، یہ تو ہو سکتا ہے کہ ریسرچ کے کام کی وجہ سے آپ کبھی کبھار رات کا کھانا دیر سے کھا لیں لیکن آپ کو یہ حق نہیں حاصل ہے کہ آپ اس کو عادت بنا لیں . . . . یہ ضروری ہے کہ آپ اپنی زندگی کو سائنس کی خاطر تباہ نہ ہونے دیں ، لیکن آپ تباہ کر رہے ہیں ۔ آپ اپنے بدن کو سستانے کا موقع دیجئے ۔ آپ سکون کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھئے اور چباچبا کر آہستہ آہستہ کھایئے ، اور کھانے کے وقت ایسے موضوعات پر گفتگو نہ کیجئے جو پریشان کن ہوں اور دماغ کو تھکا دیں ۔ کھانا کھاتے وقت نہ تو آپ کتب بینی فرمائیں نہ سائنسی گفتگو کریں . . . .

پیئر اور میری نے اس خط کا یہ جواب دیا ”ہم آرام تو کرتے ہیں ۔ کیا ہم گرمیوں کی چھٹیاں نہیں مناتے “

یہ سچ ہے کہ وہ ایسا کرتے تھے یا شاید وہ سوچتے تھے کہ انہوں نے کر لیا ۔ اچھے موسم میں وہ سیر سپاٹے کرتے تھے ۔ ان کے نزدیک آرام کا مطلب تھا ، ۱۸۹۸ء کا وہ زمانہ جب وہ دونوں بائیسکلوں پر بیٹھ کر فرانس کی سیاحت کرنے نکلے تھے ۔ دو سال بعد وہ ایک بار پھر سیاحت کو نکلے تھے ، ۱۹۰۱ء میں ہم انہیں سی بارڈو میں دیکھتے ہیں ، ۱۹۰۲ء میں آرومینکز میں نظر آتے ہیں ، ۱۹۰۳ء میں وہ لاٹری پورٹ میں اور اس کے بعد سینٹ ٹروجین میں نظر آتے ہیں ۔

کیا ان سیاحتوں نے انہیں جسمانی اور روحانی سکون بخشا جس کی انہیں ضرورت تھی ؟ اجازت مرحمت ہو کہ اس پر

تک کیا جائے، ایک نو بیئر اس کا ذمہ دار تھا جو جمن سے نہ ٹھہر سکتا تھا ، کسی پر فضا مقام میں دو تین دن کے بعد وہ دماغی طور پرغیر حاضر ہو جاتا تھا - پھر وہ زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکتا تھا ، اور پیرس جانے کی بانس کرنے لگتا تھا ، وہ اپنی بیوی سے آهستگی سے کہتا جیسے کہ وہ معذرت خواہ ہے :

"کافی عرصے سے ہم لوگ کچھ نہیں کر رہے ہیں"

۱۸۹۹ء میں وہ دونوں ایک طویل مہم اور سیاحت کے لئے روانہ ہوئے، جس سے وہ دونوں بہت خوش ہوئے، کیونکہ شادی کے بعد پہلی مرتبہ میری اپنے وطن واپس آئی ، وارسا میں نہیں بلکہ زیکو پین میں ، جو آسٹرین پولینڈ میں تھا ، اور جہاں برونیا اپنے شوہر کے ساتھ سینی ٹوریم تیار کرا رہی تھی ، میدان کے برابر ہی میں معمار کام کر رہے تھے اور بڑی محنت سے کام کر رہے تھے - پروفیسر اسکلوڈووسکی بھی وہاں موجود تھے ، وہ اب بھی بہت سرگرم تھے اور اپنے چاروں بچوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے -

سال کتنی جلدی بیت گئے ! کچھ زیادہ عرصہ تو نہیں ہوا کہ بوڑھے پروفیسر کی لڑکیاں وارسا میں ٹیوشنوں کی تلاش میں پھرا کرتی تھیں - آج جوزف ایک مشہور اور آزمودہ کار ڈاکٹر تھا ، اس کے ایک بیوی اور کئی بچے تھے - برونیا اور کازیمیر ایک سینی‌ٹوریم کی بنیاد ڈال رہے تھے - ہیلا استانی کا کردار پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی ، جب کہ اس کا شوہر فوٹوگراف

میں ترقی کر رہا تھا ، اور ننھی مانیا تجربہ گاہ میں کام کر رہی تھی ، اور جو کچھ تحقیقی کام اس نے کیا تھا وہ اس نے شائع کر دیا تھا ، وہ اپنے کنبے میں بہت چاہی جاتی تھی اور سب اس کو پیار سے " ننھی شیطان " کہتے تھے ، وہ کنبے میں "بے بی" کہلاتی تھی -

پیئر کیوری غیر ملکی شخص تھا اور بہت سے لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا - اس کے پولش رشتہ دار اسے بڑے فخر کے ساتھ پولینڈ دکھا رہے تھے - ابتدا میں بغیر کسی جوش و خروش کے گاؤں کی سیر کرائی ، جہاں چیڑ کے درخت آسمان سے باتیں کر رہے تھے - پیئر نے رائی سے پہاڑ کی بلند چوٹیوں تک سیر کی ، وہ بلند پہاڑوں کی شہرت اور ان کے شکوہ سے بہت متاثر ہوا - شام کو جب وہ گھر آیا تو اس نے سب گھر والوں کے سامنے اپنی بیوی سے کہا :

" یہ ملک بڑا حسین ہے - اب میں سمجھا کہ تمہیں اپنے وطن سے اتنی محبت کیوں ہے"

اس نے جان بوجھ کر یہ بات پولش زبان میں کہی، جو اس نے نئی نئی سیکھی تھی ، لہجے کے اوبڑے پن کے باوجود اس کی سالی اور اس کا ہم زلف حیران رہ گیا ، اور پیئر بیوی کے دمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہا تھا ، وہ فخر سے مسکرا رہی تھی -

مئی ۱۹۰۲ء میں میری کو دوبارہ پولینڈ جانے والی ٹرین پکڑنی تھی ، لیکن اس مرتبہ وہ بے حد مضطرب تھی ، باپ کی اچانک

بیماری کے خطوط موصول ہوئے تھے ، خطوں سے معلوم ہوا تھا
کہ اس کے مثانے کا آپریشن کیا گیا ہے اور بہت بڑی پتھری نکلی
ہے ۔ پھر اسے ایک تسلی کا خط ملا اور پھر اچانک اسے ایک تار
ملا ۔ اختتام ہو چکا تھا ۔ بات ختم ہو چکی تھی ۔ میری ایک دم
روانہ ہو جانا چاہتی تھی لیکن پاسپورٹ کی دقتوں سے الجھنیں
پیدا ہو گئی تھیں اور کاغذی کاروائیوں کی تکمیل سے پہلے
ایک زندگی کی تکمیل ہو گئی ۔ ڈھائی گھنٹے کے سفر کے بعد وہ
وارسا پہنچی ، وہ جوزف کے گھر اتری ، یہیں اس کا باپ رہا
کرتا تھا ۔

بہت تاخیر ہو چکی تھی !

میری کبھی تصور نہ کر سکتی تھی کہ وہ اس چہرے
کو کبھی دوبارہ نہ دیکھ سکے گی ۔ اسے دوران سفر ہی میں باپ
کے مرنے کی خبر مل گئی تھی ۔ اس نے تار کے ذریعے بہنوں
سے منت کی تھی کہ اس کے آنے تک اس کی میت نہ اٹھائی
جائے ۔ وہ میت خانے میں گھس گئی ، مگر اب ایک کفن اور چند
پھولوں کے سوا کیا رکھا تھا ۔ ایک عجیب سی ضد ظاہر
ہوئی ، اس نے مطالبہ کیا کہ کفن کھول دیا جائے ۔ کفن کھول
دیا گیا ۔ اس نے باپ کا متین اور بے جان چہرہ دیکھا ، ایک
نتھنے سے خون کی ایک باریک سی لکیر نکل کر پھیل گئی تھی ،
میری نے باپ کو الوداع کہا اور کہنے لگی " میرے باپ میرا کہا
سنا معاف کردو ۔ وہ ہمیشہ دل ہی دل میں فرانس کے رہنے پر
لعنت بھیجتی رہی تھی اور اس نے اپنے باپ کو اپنی ذات سے محروم

کہا تھا ، جو مرتے وقت بھی بیٹی کی راہ تک رہا تھا ۔ میت کے سامنے وہ بین کر رہی تھی اور اپنے آپ کو کوس رہی تھی ، اس کے بھائی بہنوں نے اسے وہاں سے اٹھایا ۔ جنازہ اٹھ گیا اور وہ درد ناک منظر ختم ہو گیا ۔

میری اپنے دیر سے پہنچنے پر اپنے آپ سے بہت ناراض تھی اور اپنے آپ کو بے جا طور پر اذیت پہنچا رہی تھی ۔ پچھلے کئی سال سے وہ اپنے باپ کی طرف بہت مائل تھی اور اس کا باپ اس کو بہت یاد کرتا تھا ۔ میری اپنے بھائی بہنوں میں سب سے چھوٹی تھی ۔ وہ اپنے باپ کی آخری اور سب سے بڑی مسرت تھی ۔ باپ اس کے کارناموں سے بہت خوش تھا ۔ پولونیم اور ریڈیم کی دریافت پر اسے بڑا ناز تھا ، اس کا باپ فزکس کا پروفیسر تھا اور روز مرہ کی زندگی کے جھمیلوں کی وجہ سے ریسرچ کا کام نہ کر سکا تھا ۔ اس لئے وہ اپنی بیٹی کے ریسرچ کے کاموں سے بڑا خوش تھا ۔ وہ اپنی بیٹی کے تحقیقی کام کو منزل بہ منزل دیکھ رہا تھا ۔ وہ اس کے کام کی اہمیت کو سمجھ رہا تھا ، اور اس کی نگاہ دوربین ابھی سے اس وقت کو دیکھ رہی تھی جب اس کی بیٹی ساری دنیا میں مشہور ہو جائے گی ۔ مرنے سے کچھ ہی پہلے بیٹی نے باپ کو لکھا تھا کہ چار سال کی محنت شاقہ کے بعد وہ تھوڑی سی خالص ریڈیم حاصل کر سکی ہے اور باپ نے مرنے سے چھ روز پہلے بیٹی کو خط لکھا تھا ۔ اب اس کے ہاتھ میں رعشہ آ چلا تھا ۔ افسوس کہ اس کا نستعلیق خط بگڑ چکا تھا ۔ اس نے خط میں لکھا تھا :

"اور اب تمہارے پاس خالص ریڈیم موجود ہے ! جو کام تم نے کیا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لئے جو پاپڑ تم نے بیلے ہیں اس کے پیش نظر یقیناً یہ کیمیائی عنصر نہایت قیمتی ہے ! لیکن کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ کام محض نظریاتی دلچسپی کا ہے ، جیسا کہ نظر آتا ہے !

یہاں کوئی بات قابل ذکر نہیں ہے ۔ موسم معتدل ہے ، اب بھی تھوڑی سی ٹھنڈک باقی ہے ۔ اب میں بستر پر ضرور لیٹوں گا ، اب میں خط ختم کرتا ہوں اور تمہیں عالم تصور میں بڑے پیار سے گلے لگاتا ہوں" . . . . کاش بوڑھا باپ دو برس اور زندہ رہ جاتا اور دیکھ لیتا کہ اس کی بیٹی کا نام کتنا مشہور ہوا ہے۔ شہرت نے اسے کہاں پہنچا دیا ہے ۔ ہنری بکیورل ، پیئر کیوری اور مادام کیوری یعنی اس کی ننی سی بٹیا جسے وہ از راہ مذاق "انیسیو ببشیو" کہا کرتا تھا . . . . ان تینوں کو نوبل پرائز دیا گیا ہے . . . . اگر بوڑھا باپ زندہ رہتا تو اس کی مسرت اور اس کا فخر ناقابل بیان ہوتا ۔

ہمیشہ سے زیادہ زرد رو اور دبلی پتلی مانیا وارسا سے رخصت ہو گئی ۔ ستمبر میں اسے پولینڈ سے جانا چاہئے تھا ۔ باپ کی موت کے بعد گھر کے سب " بچوں " نے محسوس کیا کہ وہ کچھ عرصے تک سر جوڑ کر ایک دوسرے کا غم بٹائیں ، اس لئے وہ ستمبر میں نہ جاسکی ۔

اکتوبر . . . . پیئر اور میری تجربہ گاہ میں واپس آ گئے۔ وہ دونوں تھکے ہوئے تھے اور میری جو اس تحقیق کے کام میں

سرنک تھی اور خالص ریڈیم بنانے میں مصروف تھی لیکن وہ بھی بڑی بے کیفی محسوس کر رہی تھی اور کام میں کوئی اپچ نہ پیدا ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے اعصاب پر جو بوجھ ڈال رکھا تھا اور جسے ایک طویل عرصہ گزر چکا تھا اب اس کے بالواسطہ اثرات ظاہر ہو رہے تھے۔ رات کے وقت اسے یہ شکایت ہو جاتی تھی کہ وہ نیند کی حالت میں بے ارادہ اٹھتی تھی اور چلتی تھی۔

آنے والا سال اور بھی ناخوشگوار واقعات لانے والا تھا۔ حمل ساقط ہو جائے گا جس سے میری کو بہت صدمہ ہوگا۔

میری بنام برونیا، ۲۵ اگست ۱۹۰۳ء

اس سانحہ سے مجھے اتنا صدمہ پہنچا ہے کہ میں کسی کو خط لکھنے کی بھی سکت نہیں رکھتی۔ مجھے بچے کا اتنا صدمہ ہوا ہے کہ کسی طرح تسلی ہوتی ہی نہیں۔ مجھے خط لکھو، یہ نہ سمجھو کہ مجھے اپنی عمومی تھکن سے کوئی شکوہ ہے، مجھے یہ بھی لکھو اگر تمہارے خیال میں یہ حادثہ اس لئے ہوا ہے کہ میں بہت کام کرتی تھی، اور چونکہ میں نے اپنی طاقت نہ بچا کر رکھی تھی اس لئے حمل ساقط ہوگیا لیکن ایسا نہیں ہے، مجھے اپنے بدن کے پورے نظام پر بہت بھروسا ہے لیکن اب مجھے اس بات پر بھی بہت رنج ہے، کیونکہ مجھے بہت قیمت ادا کرنی پڑی۔ بچی پیدا ہوئی تھی، اچھی حالت میں تھی، اور مجھے اولاد کی بڑی آرزو تھی!

بعد میں پولینڈ سے خبر آئی کہ برونیا کا دوسرا لڑکا چند روز کے اندر تپ دق سے مر گیا ۔

میری نے اپنے بھائی کو لکھا :

برونیا اور اس کے شوہر پر جو مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا ہے اس سے بہت صدمہ ہوا ہے ۔ ہائے اس کا بچہ کتنا تندرست اور لشت پشت تھا ۔ اگر ہر طرح کی احتیاط کے با وجود کسی ماں کا اتنا پیارا بچہ مر جائے تو دوسرے بچوں کے پروان چڑھنے کی کیا امید کی جا سکتی ہے ۔ اب جب میں اپنی ننھی بچی کو دیکھتی ہوں تو خوف سے تھر تھر کانپنے لگتی ہوں ، اور برونیا کے غم سے میرا کلیجہ مسکا جاتا ہے ۔

غموں نے میری کی زندگی کو تاریک کر دیا ، غم پر غم ٹوٹا اور سب غموں کا غم یہ تھا کہ پیئر کی صحت خراب ہو گئی ۔ اس پر درد کے شدید حملے ہونے لگے ، ڈاکٹروں نے اس درد کو گٹھیا قرار دیا تھا ۔ یہ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد اٹھتا تھا اور اسے بے حد کمزور کر دیتا تھا ۔ وہ ساری ساری رات تڑپتا تھا اور اپنی خوفزدہ بیوی کا چہرہ تکتا تھا ۔

اس کے باوجود میری کو نوکری پر جانا پڑتا تھا اور کلاس میں مغز کھپانا پڑتا تھا ۔ پیئر نے اپنے بہت سے شاگردوں سے کہا کہ وہ ان کی تجربہ گاہ کی نگرانی کیا کریں ۔ لیباریٹری سے قطع نظر ان کے خواب رائیگاں گئے اور میاں بیوی کو منٹ منٹ کے تجربے کرنے پڑے ۔

ایک مرتبہ اور صرف ایک مرتبہ اس نے کہا :

”یہ زندگی جس کا انتخاب ہم نے کیا ہے ، بڑی دشوار گزار ہے“

میری نے احتجاج کرنا چاہا لیکن وہ اپنا اضطراب چھپانے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ اگر اس مرحلے پر پیئر حوصلہ ہار بیٹھا تو اس کی طاقت جواب دے جائے گی ۔ شاید پیئر کو کوئی سنگین بیماری ہو گئی ہے ؟ کیا میری اپنی خوفناک تھکن پر کبھی قابو پا سکے گی ؟ مہینے گزر گئے ، موت کا خیال اس عورت کو ستاتا رہا ۔

” پیئر ! “

سائنسداں حیران ہو کر میری کی طرف دیکھنے لگا ، جس نے اسے مصیبت میں پکارا تھا ۔

”کیا بات ہے پیاری ؟ تمہیں کیا تکلیف ہے ؟“

”پیئر . . . . اگر ہم میں سے کوئی ایک نہ رہا . . . . تو دوسرا بھی زندہ نہ بچے گا . . . . ہم دونوں ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ، کیا رہ سکتے ہیں ؟“

پیئر نے آہستہ سے اپنا سر نفی میں ہلایا ۔ میری ، محبت کرنے والی عورت یہ الفاظ کہتے وقت ایک لمحے کے لئے اپنا مشن بھول گئی تھی ، اسے بتانے لگی کہ ایک سائنسداں کو یہ حق نہیں

ہے کہ وہ سائنس کو ترک کر دے ۔ سائنس ہی تو اس کی زندگی کا اصل مقصد ہوتا ہے ۔

اس نے سری کے سہے ہوئے چہرے کو دیکھا ، پھر اس نے بڑے اعتماد سے کہا :

" تم جوان ہو ، کیا ہوا اگر کسی شخص کا بدن رہ گیا اور روح نکل گئی ۔ چاہئے تو یہ کہ کام ہر صورت میں جاری رہے ۔"



پندرھواں باب

ڈاکٹریٹ کا مقالہ

سائنس کو اس سے کیا بحث کہ اس کے خادم دولتمند لوگ ھیں یا کنگال ، خوش ھیں یا ناخوش ، تندرست ھیں یا بیمار ؟ سائنس تو یہ جانتا ھے کہ اس کے خادم اس لئے پیدا کئے گئے ھیں کہ وہ ایجادیں اور دریافتیں کیا کریں ، اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رکھیں جب تک ان کی طاقت جواب نہ دے جائے ۔ یہ سائنسداں کے بس کی بات نہیں ھے کہ وہ اپنے رجحان سے بغاوت کرے ۔ جب وہ سائنس سے نفرت اور بغاوت کرتا ھے ، اس وقت بھی اس کے قدم غیر شعوری طور پر تجربہ گاہ کی طرف اٹھتے ھیں ۔

اس لئے ھم تعجب نہیں کرسکتے کہ پیئر اور مری اپنے ناسازگار حالات کے باوجود کامیابی کے ساتھ ریسرچ کرتے رھے ۔ ریڈیم ایجاد ھوئی اور اس نے ترقی کی، لیکن یہ دونوں میاں بیوی رفتہ رفتہ تھکتے چلے گئے ۔

۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۴ء تک دونوں نے اپنے تحقیقی کام شائع کرائے ، کبھی مل کر اور کبھی تنہا ، یا کبھی کسی دوسرے رفیق کار کی شرکت میں ۔ انھوں نے بتیس سائنسی مضامین شائع کرائے ۔ ان مضامین کے عنوانات بڑے پیچیدہ ھیں ، ان میں بڑے پیچیدہ ڈایاگرام اور فارمولے درج ھیں، جو ایک عام انسان کو خوف زدہ کر دیتے ھیں ۔

ان خشک اعداد و شمار اور ان اہم رودادوں کو پڑھئے اور سوچئے کہ ان دونوں میں کتنی حستجو اور کتنی ضد موجود تھی - وہ عنوان یہ ہیں :

ریڈیم کی شعاعوں کے کیمیائی اثرات از مادام کیوری و پیئر کیوری ، ۱۸۹۹ء

ریڈیم کا ایٹمی وزن از مادام کیوری ، ۱۹۰۰ء

نئے ضوریز مادے از مادام کیوری و پیئر کیوری ، ۱۹۰۰ء

ریڈیم کے نمک سے پیدا ہونے والی ضوریزی از پیئر کیوری و اینڈ رے ڈی بیرنے ، ۱۹۰۱ء

ریڈیم کی شعاعوں کا طبعیاتی عمل از پیئر کیوری و ہنری بکیورل ، ۱۹۰۱ء

ضوریز اجسام از مادام کیوری و پیئر کیوری ، ۱۹۰۱ء

ریڈیم کا ایٹمی وزن از مادام کیوری ، ۱۹۰۲ء

ریڈیم اور ضوریزی از پیئر کیوری ، ۱۹۰۳ء

ریڈیم سالٹ سے علیحدہ شدہ حدت از پیئر کیوری و والے لے بارڈے ، ۱۹۰۳ء

ضوریز مادوں کے بارے میں تحقیق از مادم کیوری، ۱۹۰۳ء

ضوریز گیسیں از پیئر کیوری و والے لے بارڈے ، ۱۹۰۴ء

ریڈیم کا طبعیاتی عمل از پیئر کیوری و چارلس باؤ شیڈ و بال تھاڑڈد ، ۱۹۰۴ء

ضوریزی کا علم فرانس میں بیدا ھوا اور تیزی کے ساتھ ممالک غیر میں پھیل گیا - ۱۹۰۰ء سے بڑے بڑے سائنس دانوں کے خطوط ریولومنڈ کے بتے پر آنے لگے - انگلستان سے، جرمنی سے، ڈنمارک سے، آسٹریلیا سے، ان سب خطوں میں نہایت عاجزی سے درخواست کی گئی تھی کہ ریڈیم کے بارے میں اطلاع فراہم کی جائے۔ اس طرح میاں بیوی کو سر ولیم کروکس، پروفیسر سوئس اور وی ایبا کے بالزوین سے اور ڈنمارک کے سہمجو پالسن سے مسلسل خط و کتابت کرنا پڑی - ریڈیم کے امی اور ابا یعنی مادام کیوری اور پیئر کیوری کو خطوں میں بے اندازہ وضاحت کرنا پڑتی تھی اور معاصرین کو فنی مشورے دینا ہوتے تھے - بہت سے ملکوں میں تحقیقی کام کرنے والے نامعلوم ضوریز مادوں کی جستجو میں جٹ گئے جس کی وجہ سے ہمیں سمی‌سوتھوریم، ریڈیو تھوریم، آئی یونیم، پروٹکٹنیم اور ریڈیو لیڈ کے پھل ملے ھیں - ۱۹۰۳ء میں دو انگریز سائنسدان ریم زے اور ساڈے نے مظاھرہ کر کے بتایا کہ ریڈیم سے مسلسل تھوڑی مقدار میں ایک گیس نکلتی رہتی ھے جس کا نام ھیلیم ھے - یہ سالمات کے انتقال کی پہلی معروف مثال تھی - اس کے کچھ ھی عرصے بعد انگلستان میں بھی رتھر فورڈ اور ساڈے نے بھی مادام کیوری کے مفروضے پر غور کرنا شروع کیا - ۱۹۰۰ء میں ایک مضمون بہ عنوان ''ضوریز مادوں کا نظریہ'' لکھا - انہوں نے توثیق کی کہ ریڈیائی عناصر جب ناقابل تغیر نظر آتے ھیں اس وقت بھی وہ ارتقاء کی حالت میں ھوتے ھیں اور ان کے انتقال کی رفتار جتنی تیز ھوتی ھے اتنی ھی ان کے اندر تیزی پیدا ھوتی ھے - یہاں ھمیں قلب ماہیت کا ایک تبدیل پذیر نظریہ ملتا ھے، لیکن یہ نظریہ

وہ نہیں ہے جو کیمادانوں نے سمجھ رکھا تھا ۔ ہیٹر کیوری لکھتا ہے ، غیر نامی مادے لازمی طور پر ترقی کرنے ہیں اور ہمیشہ سے ان کا یہ قانون غیر متغیر رہا ہے ۔

عظیم الشان ریڈیم ! کلورائیڈ کی طرح خالص یہ سفید سفوف کی طرح نظر آتی تھی ، جسے دیکھ کر دھوکہ ہو سکتا تھا کہ یہ تو باورچی خانے میں کام آنے والا نمک ہے ، لیکن اس کے اجزاء جوں جوں معروف ہوتے گئے ہوش ربا بات ہونے لگے ۔ ان کی ضوربزی جس کا حال میاں بیوی کو معلوم ہوا تھا امید سے بڑھ کر ثابت ہوئی تھی، یہ یورینیم سے بیس لاکھ گنا زیادہ تیز ثابت ہوئی ۔ سائنس پہلے ہی سے اس کا تجزیہ کر چکا تھا ۔ وہ شعاعوں کو کئی قسموں میں تقسیم کرچکا تھا ۔ سیسے کی موٹی چادر ہی ان شعاعوں کو اندر داخل ہونے سے روک سکتی تھی ۔ ریڈیم کا سایہ اور اس کا ہم زاد بھی موجود تھا ۔ اس کے اندر سے خود بخود ایک قسم کی گیس پیدا ہوتی تھی ، یہ اپنے آپ پیدا ہو کر برباد ہو جاتی تھی اور شیشہ کی نلکی میں رکھنے کے باوجود باقی نہ رہتی تھی۔ پانی کے اندر یہ گیس سرایت کرتی تھی ۔

ایک اور نظریہ یہ تھا کہ ریڈیم سے گرمی خودبخود پیدا ہوتی ہے ، اور یہ ایک ایسا بنیادی نظریہ تھا جو ٹس سے مس نہ ہو سکتا تھا ۔ ایک گھنٹے کے اندر یہ اتنی گرمی پیدا کر سکتی تھی کہ یہ اپنے وزن کے برابر وزن کی برف پگھلا سکتی تھی ۔ یہ بیرونی ٹھنڈک سے محفوظ رہ سکتی تھی ۔ یہ گرم سے گرم تر ہوتی جاتی تھی اور اس کا درجہ حرارت دس سینٹی گریڈ تک پہونچ سکتا تھا ، اور گردوپیش کی

فضا کا جتنا درجہ حرارت ہوتا تھا، اس سے اس کا درجہ حرارت بڑھ جاتا تھا۔

ریڈیم گیا نہ کر سکتی تھی۔ نہ فوٹوگرافی کی پلیٹوں پر کالے کاغذ کے ذریعے نشان ڈال سکتی تھی، برقی رو پیدا کر سکتی تھی، گلاس کے برتنوں کو رنگ سکتی تھی، اون، پاؤڈر اور کاغذ میں کام آتی تھی۔

یہ تو ہم جان ہی چکے ہیں کہ اس کے اندر سے روشنی پھوٹتی تھی۔

میری لکھتی ہے کہ دن کی روشنی میں ریڈیم کی تابانی دیکھی نہ جا سکتی تھی، لیکن نیم تاریکی میں اس کی روشنی بہ آسانی نظر آ سکتی ہے۔ اس کی روشنی اتنی تیز ہوتی ہے کہ کتاب پڑھی جا سکتی ہے، اس طرح اندھیرے میں ریڈیم سے کسی حد تک روشنی کا کام بھی لیا جا سکتا ہے۔

انہی باتوں کی حد تک ریڈیم کے عجائبات ختم نہ ہوتے تھے۔ روشنی دینے والی وہ چیزیں کمزور ہوتی ہیں اور زیادہ تیز روشنی نہیں دے سکتیں، ریڈیم انہیں تقویت پہونچا سکتی تھی۔

اسی طرح ریڈیم ہیرے کے کام آتی تھی۔

مصنوعی ہیروں کی چمک دمک میں ریڈیم مدد دیتی ہے۔ اور کمزور اور مدھم دمک والے ہیروں کو زیادہ چمکا سکتی ہے۔

اور سب سے آخری بات یہ تھی کہ ریڈیم چھوت دار تھی۔ یہ بو اور بیماری کی طرح پھیلنے والی چیز تھی۔ انسان ہو یا حیوان

پودا هو یا کوئی بے جان چیز ، لیکن اگر اس کے نزدیک ریڈیم کی نلکی رکھی جاتی تو ناممکن تھا کہ ریڈیم اتنا اثر نہ دکھاتی ۔ اس طرح ریڈیم پیئر کیوری اور مادام کیوری کی دشمن تھی جس سے روز سابقہ پڑتا تھا ۔

میری کہتی ہے اگر کوئی ریڈیم کا مشاہدہ کرے تو اسے خاص قسم کی احتیاطیں کرنا چاہئیں ۔ تجربہ گاہ میں بہت سی چیزیں استعمال کی جاتی ہیں ، ان سب چیزوں پر ریڈیم کا اثر پڑتا ہے اور بہت جلد پڑتا ہے ۔ کالے کاغذ کے ذریعے فوٹو کی پلیٹوں پر اس کا اثر پڑتا ہے، کمرے کی ہوا ، گردوغبار اور لباس سب پر ریڈیم کا اثر پڑتا ہے اور یہ سب چیزیں چمکنے دمکنے لگتی ہیں ۔ جس تجربہ گاہ میں ہم کام کرتے ہیں وہاں ریڈیم نے زندگی ضیق کر دی ہے، ہم تجربہ‌گاہ کا کوئی آلہ بھی بے احتیاطی سے نہیں چھوڑ سکتے ۔ ہمیں بہت چوکنا ہو کر کام کرنا پڑتا ہے ۔

میاں بیوی کی وفات کے بہت عرصے بعد ان کی نوٹ بک پڑھنے سے معلوم ہوا کہ ریڈیم نے کیا کیا کارستانیاں کی ہیں ۔ تیس چالیس سال بعد بھی تجربہ گاہ کے آلات پر ریڈیم کا اثر باقی ہے۔

ریڈیم کی نسل چل پڑی ، اس کے اندر سے کئی شاخیں پھوٹیں، اس کے اندر سے گرمی حاصل کی گئی ، اس سے ہیلیم گیس تیار کی گئی۔ اس دریافت کے ۵ سال پہلے سائنس دانوں کا عقیدہ تھا کہ یہ کائنات معروف مادوں سے مرکب ہے اور یہ عناصر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقرر ہیں ۔ اب ہر سیکنڈ کے بعد دیکھا جا سکتا تھا کہ ریڈیم کے ذرات ہیلیئم گیس کے ذرات کو خارج کر رہے تھے ۔ اس چھوٹی

سی چیز کے فضلے سے گیس بنی تھی، اس طرح ریڈیائی عناصر اپنے اجنبی کنبے بنا رہے تھے جس کا ہر رکن خود بدلا ہو رہا ہے اور ہر لمحہ بعد مر رہا تھا۔ یہ ذرے دیکھنے میں بے حس و حرکت تھے لیکن یہ آپس میں ٹکراتے تھے۔ ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے اور خود کشی کرتے تھے۔ یہ ذراسے کھیلتے تھے اور موت و حیات کے مظاہرے کرتے تھے۔

ریڈیم نے بہت سی چیزوں کو ملٹ کر دیا تھا۔ ریڈیم کی ایجاد کے بعد فلسفیوں کو اپنا فلسفہ اور سائنس دانوں کو اپنا سائنس پھر سے شروع کرنا تھا۔

آخر میں ریڈیم نے ایک بہت بڑا معجزہ کیا تھا اور انسان کی بھلائی کے لئے کام کیا تھا، یعنی ریڈیم ایک موذی مرض کے علاج میں مددگار ثابت ہوئی تھی، ریڈیم کینسر کے مریضوں کی حمایتی بن کر ظاہر ہوئی تھی۔

جرمن سائنسدان وال خوف اور گیسرل نے ۱۹۰۰ء میں اعلان کیا تھا کہ اس نئے مادے کے بعض طبعیاتی اثرات ظاہر ہوئے ہیں۔ پیئر کیوری نے فوراً آزما کر دیکھا اور اسے بہت قابل عمل نظر آیا۔ بے خطر ہو کر اس نے اپنا بازو پھیلایا کہ دیکھیں کہ ریڈیم کا کیا اثر ہوتا ہے۔ وہ خوش ہوا کہ اس کے ہاتھ میں ایک حلقہ سا بن گیا، اس نے اسے غور سے دیکھا اور اس کے ارتقاء پر بھی غور کیا اور سائنس کی انجمن میں اس نے اپنی بلغمی آواز سے وہ سب باتیں بیان کیں جو اس نے تجربے کے دوران میں دیکھیں تھیں۔

اس نے بتایا کہ اس کے ہاتھ کی جلد پر ریڈیم کی شعاعوں کا یہ اثر ہوا کہ چھ مربعہ سینٹی میٹر کا ایک سرخ دھبا پڑ گیا۔

معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہاتھ جل گیا ہے لیکن ہاتھ نہ تو جلا تھا نہ درد ہوا تھا ۔ چند روز بعد سرخی کا نہ دھبا پھیلنے سے رک گیا، لیکن سرخی کی شدت بڑھتی گئی ، بیسویں دن اس پر پپڑی جم گئی، پھر زخم پڑ گیا اور ڈریسنگ کرنا پڑی، بیالیس دن کے بعد اوپر کی جلد پھر سے تیار ہونے لگی ، زخم پر ہونے لگا، شعاعوں کے عمل کے بعد بھی جلد پر ایک مربعہ سینٹی میٹر کے برابر نشان زخم کی شکل میں باقی رہا، جو بھورا نظر آتا تھا ۔ میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ مادام کیوری ایک سر بمہر نلکی میں چند سنٹی گرام ریڈیم بھر کر لئے جا رہی تھیں ، وہ بری طرح جھلس گئیں، حالانکہ شیشہ کا ٹیوب ایک پتلے بکس میں رکھا تھا ، جلے ہوئے زخم کا علاج کرانے میں پندرہ دن لگ گئے ۔

تجربہ کے دوران میں ہم پر خود ریڈیم کے مختلف اثرات ہوئے ہیں، ہاتھ تو بار بار جل گئے ہیں ۔

ہنری بکیورل اپنی واسکٹ کی جیب میں ریڈیم سے بھرا ہوا شیشہ کا ٹیوب لئے جا رہے تھے ، وہ جل گئے ، اس لئے نہیں کہ جلنا چاہتے تھے بلکہ محض اتفاقاً جل گئے ، انہیں تعجب ہوا اور غصہ آیا ، وہ جلدی سے مادام کیوری اور پیئر کیوری کے پاس آ گئے اور ان سے ان کی شریر بچی ریڈیم کی شکایت کرنے لگے ۔

میں ریڈیم سے محبت کرتا ہوں لیکن مجھے اس سے پرخاش بھی پیدا ہو گئی ۔

پھر وہ اپنے ابتدائی تجربات کے لئے روانہ ہو گئے ، جو انجمن سائنس کے رسالے میں ۳ جون ۱۹۰۱ء میں شائع ہوئے ۔

ریڈیم کی اس حیرت ناک قوت سے متاثر ہو کر پیئر کیوری نے جانوروں پر ریڈیم کا تجربہ شروع کر دیا ۔ انہوں نے اس کام میں پروفیسر باؤشیرڈ اور بال زرڈ کو شریک کر لیا ۔

بیماریوں کو ختم کرنے کے لئے ریڈیم ترقی کرنے لگی ، رسولی اور کینسر کا ریڈیم کے ذریعہ علاج ہونے لگا ۔ اس طریقہ علاج کو کیوری طریقہ علاج کہا جاتا ہے ۔

فرانس کے ڈاکٹر ڈاؤلاک ، ویکام ، ڈومینی اور ڈگریس نے اس طریق علاج کے ابتدائی تجربے بڑی کامیابی سے کئے ، میری اور پیئر کیوری نے انہیں ریڈیم کے ٹیوب فراہم کئے ۔

میری لکھتی ہے کہ سینٹ لوئی ہسپتال میں ڈاکٹر ڈاؤلاک نے ریڈیم کے جلد پر اثرات کا مشاہدہ کیا ۔ ریڈیم نے اس لحاظ سے بھی حوصلہ افزا نتائج فراہم کئے ۔ اوپر کی جلد جو عارضی طور پر جھلس جاتی تھی ، دوبارہ صحت مند طور پر ہو جاتی تھی ۔

ریڈیم مفید تھی . . . . شاندار طور پر مفید تھی ۔

ان فوری انکشافات کے نتائج کا اندازہ کیا جا سکتا ہے ۔ اس نئے مادے کی کشید خصوصی دلچسپی کا موجب بن گئی ۔ اب ریڈیم ناگزیر بن چکی تھی ۔ ریڈیم کی صنعت پیدا ہونے کو تھی ۔

پیئر اور میری نے اس صنعت کے آغاز کو بغور دیکھا ، یہ صنعت ان کے مشورے کے بغیر چل ہی نہ سکتی تھی ۔ ان

دونوں نے اپنے ھاتھوں سے ریڈیم کے ابتدائی گریم تیار کئے ، جن سے روشنی نکلتی تھی . . . . یہ گریم خصوصیت کے ساتھ مسز کیوری نے اپنے ھاتھوں سے تیار کئے ۔ آٹھ ٹن خام دھات کے فضلے پر تجربہ کرکے وہ یہاں تک پہنچے تھے ، اور یہ تجربہ انھوں نے فزکس اسکول کے پچھواڑے ایک گھٹیا سے سائبان میں کیا تھا ۔ رفتہ رفتہ ریڈیم کے طلسمی اجزاء نے دوسرے امور میں بھی مسحور و مسخر کرنا شروع کیا ، اور میاں بیوی کو اس مصنوع کو وسیع پیمانے پر بناتے ہوئے دیکھا گیا ، وہ دونوں انسانوں کی عملی مدد کرنا چاہتے تھے ۔

سینٹرل کیمیکل پروڈکٹس کمپنی ، اینڈ رے ڈی سرے کی نگرانی میں خام ریڈیم سے علاج کرنے لگی ، اس کمپنی نے اعلان کیا تھا کہ اس کے کاروبار کی بنیاد نفع اندوزی پر نہ ہوگی ۔ ۱۹۰۲ء میں انجمن سائنس نے میاں بیوی کو بیس ہزار فرانک کا نذرانہ دیا کہ انھوں نے ریڈیم ایجاد کی تھی ۔ وہ دونوں فوراً پانچ ٹن خام دھات سے خالص ریڈیم نکالنے لگے ۔

۱۹۰۴ء میں ایک فرنچ سرمایہ دار (جو بڑا ذھین اور جرأت والا تھا) کے دماغ میں ایک نیا خیال کہ وہ ریڈیم بنانے کا کارخانہ کھول دے ، اور ڈاکٹروں کو پھوڑوں ، رسولیوں اور کینسر کے علاج کے لئے ریڈیم فراھم کیا کرے ، اور فیکٹری میں دونوں میاں بیوی کامیابی سے اپنے تجربے بھی کرتے رھیں ، اور اس گھٹیا سے لکڑی کے سائبان کا پیچھا چھوڑیں ، جہاں تجربے کرنے کی پوری سہولت نہیں ہے ۔ میاں بیوی کو ایچ ھاڈی ین اور جیکوس ڈینے

کا نعاون حاصل ھوگیا نھا ، جنھیں آرمبٹ ڈی لزلے نے ریڈیم تیار کرنے کے کام پر مقرر کیا نھا ۔

میری ریڈیم کے اس پہلے گرام سے کبھی علیحدہ نہ ہو سکی ، جو اس نے اپنی تجربہ گاہ میں بنایا نھا ۔ اس پہلے گرام کی قیمت کا کوئی اندازہ ھی نہ نھا ۔ یہ پہلا گرام ایک عظیم کام کی درخشاں علامت بن کر ہمیشہ ہمیشہ تاریخ میں جگمگاتا رہے گا ۔

بعد میں جتنے گریم بننے رہے ان کی قیمت مختلف نھی ، اور سونے سے ادا کی جا سکتی نھی ، یعنی چند طلائی سکوں سے ۔ اب ریڈیم باقاعدگی کے ساتھ فروخت ہو رہی نھی ، اور دنیا والوں کی محبوب ترین شے بن چکی نھی ۔ پہلے ابتدائی برسوں میں اندازہ کیا جا سکتا ھے کہ تاجروں نے پچھتر لاکھ طلائی فرانک کمائے ۔

اتنی نفع بخش جیز کی جتنی تعریف کی جاتی کم نھی ۔ جنوری ۱۹۰۵ء میں کسی اخبار میں ریڈیم کے عنوان کے نام سے ایک مضمون چھپا نھا ، جس میں خاص طور پر یہ بتایا گیا تھا کہ ریڈیم کی مصنوعات کی کتنی تعداد ھے ۔

اب ریڈیم ایک تجارتی جیز بن چکی نھی ۔ بازار میں اس جنس کی ایک قیمت تھی ، اور اخبارات میں اس کی واہ واہ ھو رھی تھی ۔ آرمٹ ڈی لزلی کی فیکٹری نے نیا لیٹر ہیڈ چھپوا لیا تھا ، جس پر

بخط جلی لکھا تھا :

ریڈیم کے نمک ، ریڈیم کے مادے

نار کا نتہ " ریڈیم " نوجنٹ سرمبربن -

اگر مختلف ممالک میں سائنسداں نفع بخش کام کر رہے تھے ، اور ریڈیم کی صنعت نمودار ہوچکی تھی ، اور بعض مہلک بیماریوں کا حیرت انگیز علاج ریڈیم کے ذریعے ہو رہا تھا ، تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ ایک گھونگر والے بالوں والی جوان عورت نے ۱۸۹۷ء میں یہ تہیہ کیا تھا کہ وہ بکیورل کی شعاعوں کا مطالعہ اور مشاہدہ کرے گی ، اور اسے اپنے ڈاکٹریٹ کے مقالے کا موضوع بنائے گی - یہ آج جو ترقی تھی وہ اس وجہ سے تھی کہ وہ ایک نئے مادے کے وجود پر یقین رکھتی تھی ، اور اسے اپنے شوہر کا تعاون حاصل تھا ، جس کے ساتھ مل کر شبانہ روز محنت کے بعد اس نے ریڈیم کے وجود کو ثابت کردیا تھا -

۲۵ - جون ۱۹۰۳ء میں ہم اس جوان عورت کو ساربون کے چھوٹے سے ہال میں (جسے اسٹوڈنٹس ہال کہا جاتا ہے) تختۂ سیاہ کے سامنے دیکھتے ہیں - اب اسے اپنے مقالے پر کام کرتے ہوئے پانچ سال ہو چکے ہیں - اپنی عظیم ایجاد کی مصروفیت کے پیش نظر وہ ڈاکٹریٹ کے امتحان کو بار بار ملتوی کر دیتی ہے ، اور اسے مقالہ تیار کرنے کے لئے وقت نہیں ملتا ہے ، لیکن آج وہ منصفوں کے سامنے اپنا مقالہ پیش کر رہی تھی - رواج کے مطابق اس نے ممتحنین مسٹر لپ مین ، مسٹر باؤتے اور مسٹر موائسن کو اپنے مقالے کی نقلیں بھیج دیں - مسودے پر لکھا تھا

''صوریز مادے در تحقیق ''۔ ۔ ۔ ۔ از مادام اسکاوڈووسکا کیوری ۔ وہ لمحہ آ پہنچا ۔ اسے اپنے لئے ایک نیا لباس خریدنا پڑا ۔ سیاہ ریشمی اور اونی لباس سر سے پاؤں تک بالکل سیاہ ۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس موقع پر برونیا پیرس آئی تھی ، اور اس نے میری کو اس کے لباس پر سرزنش کیا ، اور اسے زبردستی ایک دکان میں لے گئی ۔ دکان میں ایک عورت بیٹھی تھی ۔ برونیا نے اس سے مول تول اور بحث و تکرار کی ، کپڑے کو لے کر اپنی انگلیوں سے مسل کر دیکھا ، ایک ناپسند کیا دوسرا منگوایا ، اور اس دوران میں وہ یہ بالکل بھول گئی کہ اس کی پگلی سی چھوٹی بہن اس کے پاس ہی کھڑی تھی ، جو دماغی طور پر غیر حاضر ہے ۔

کیا دونوں بہنوں کو یہ بات یاد تھی کہ آج سے بیس سال پہلے جون ۱۸۸۳ء میں (جو ایک ضوریز مہینا ہے) برونیا نے میری کو لباس پہنایا تھا ، بیس سال بعد یہ دوسرا موقع ہے ۔ وہ جون کی ایک متانت بدوش صبح تھی ، جب ننھی مانوسہ (میری) کو برونیا نے سیاہ لباس پہنایا تھا ، اور اس صبح کو اسے ایک روسی افسر کے ہاتھ سے طلائی تمغا حاصل کرنا تھا ۔ یہ تمغا اس بات کا تھا کہ وہ ہائی اسکول میں اول آئی تھی ۔ ۔ ۔ ۔

مادام کیوری سیدھی کھڑی تھیں ، ان کا چہرہ زرد تھا ، ان کی بھویں محرابی تھیں ، اور آج ان کے چہرے پر بالوں کی کوئی لٹ نہ تھی ، انھوں نے اچھی طرح بالوں کو درست کیا تھا ۔ ان کے چہرے سے پتا چلتا تھا کہ انھوں نے کسی جنگ

میں شاندار فتح حاصل کی ہے - ماہرین طبعیات و کیمیا ہال میں جمع تھے ، ہال میں دھوپ بھری ہوئی تھی ، کرسیاں بار بار کم پڑ جاتی تھیں ، اور مزید کرسیاں فراہم کی جا رہی تھیں - اس غیر معمولی تقریب میں سائنسداں بڑی دلچسپی سے شریک ہوئے تھے -

بوڑھا ڈاکٹر کیوری ، پیئر کیوری اور برونیا کمرے کے عقب میں بیٹھے تھے - ان کے پاس بہت سی نوجوان لڑکیاں گروہ بنائے بیٹھی تھیں ، ان کے چہرے تر و تازہ تھے ، اور وہ باتیں کر رہی تھیں ، وہ فریج لڑکیاں تھیں ، میری کی شاگرد تھیں ، اور اپنی پروفیسر کی مسرتوں میں شریک ہونے آئی تھیں -

تینوں ممتحنین شاہ بلوط کی ایک لمبی میز کے پیچھے شام کا لباس پہنے بیٹھے تھے - وہ امیدوار سے باری باری سوالات کر رہے تھے - مسٹر باؤنے ، مسٹر لپ مین ، جو اس کے استاد تھے ، ان کے چہرے دمک رہے تھے ، اور مسٹر موائیسن کی خوب صورت داڑھی اس طرح نظر آ رہی تھی جیسے آج کے بعد پھر کبھی نظر نہ آئے گی - ان سب کو میری آہستہ آہستہ جواب دے رہی تھی ، کبھی کبھی اسے کسی سائنسی آلے کی شکل بنانا پڑتی تھی یا بنیادی فارمولا کی علامتیں بنانا ہوتی تھیں ، اسی لئے تختۂ سیاہ اور چاک رکھی ہوئی تھی - وہ اپنی ریسرچ کے نتائج کی وضاحت بڑی خشک ٹیکنیکل زبان میں کر رہی تھی ، لیکن اس کے گرد و پیش میں جوان اور بوڑھے لوگ اور اس کی شاگرد لڑکیاں اسے احترام سے دیکھ رہی تھیں - میری کے سرد الفاظ ایک دم

پر شکوہ تصویر بنانے لگے کہ اس نے اس صدی کی سب سے بڑی ایجاد پیش کی تھی۔

سائنسداں تبصروں کو ناپسند کرتے ہیں، میری کو ڈاکٹر کی ڈگری دینے کے لئے تین پروفیسر جج بن کر بیٹھے تھے۔

مسٹر لپ من صدر تھے، انہوں نے ان مقدس الفاظ میں اعلان کیا:

"یونیورسٹی آف پیرس آپ کو ڈاکٹر آف فزیکل سائنس کی ڈگری کا اعزاز بخشتی ہے"

اتنی زور سے تالیاں بجیں کہ معلوم ہوا کہ چھت اڑ جائے گی، اور پروفیسر لپ مین نے آہستہ سے یہ بھی کہہ دیا:

"اور خاتون محترم اس جیوری کی طرف سے میں آپ کو مبارکباد کہتا ہوں"

مقالہ پیش کرنے سے پہلے اور فرانس اور ممالک غیر میں ریڈیم کی صنعت کے قائم ہونے کے بعد پیئر اور میری کیوری نے ایک فیصلہ کیا، جو ان کے نزدیک کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا۔ لیکن جس سے ان کی تمام زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

خام دھات سے ریڈیم کو علیحدہ کر کے اور اسے خالص شکل سے پیش کر کے میری نے ایک ٹکنیک پیش کی تھی اور ریڈیم‌سازی کا طریقہ ایجاد کیا تھا۔

ریڈیم سے کامیاب علاج ہو رہا تھا ، ریڈیم کی خام دھات ہر ملک میں موجود تھی - بہت سے ملکوں نے ریڈیم سے فوائد اٹھانے کے منصوبے بنائے ، امریکا اور بلجیم نے خاص طور پر کارخانے کھولنے کے فیصلے کئے ، لیکن یہ کارخانے اسی وقت ریڈیم بنا سکتے تھے جب ان کے انجینئروں کو فارمولا معلوم ہو جائے ، جو اب تک راز میں تھا ۔ اتوار کی ایک صبح کو پیئر نے اپنی بیوی کو یہ سب باتیں بتائیں ۔ ڈاکیہ ایک خط ابھی چند منٹ ہوئے دے گیا تھا ، یہ خط امریکا سے آیا تھا ۔ سائنسدان نے اسے بڑی توجہ سے پڑھا اور تہہ کر کے اپنی میز پر رکھ دیا ۔

" ہمیں اپنی ریڈیم کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور بولنا پڑے گا "، اس نے فکر مند ہو کر کہا " ریڈیم کی صنعت تو اب بہت ترقی کر رہی ہے ، اور آئندہ بھی یقینی طور پر بہت ترقی کرے گی ' کینسر اور رسولی کا اس کے ذریعہ علاج ہو رہا ہے ۔ چند سال بعد ساری دنیا میں ریڈیم کی مانگ بڑھ جائے گی ، ابھی ابھی یہ خط بفالو سے آیا ہے ، وہاں کے کسی انجینئر نے پوچھا ہے کہ اسے ریڈیم کا فارمولا بتا دوں "

" اچھا پھر ؟ " میری نے کہا اور اس نے اس سلسلے میں قطعی کوئی دلچسپی نہ لی ۔

" پھر یہ کہ ہمیں دو باتوں میں سے ایک بات کا فیصلہ کرنا ہے ۔ اگر ہم چاہیں تو اپنے راز کا انکشاف کر دیں اور فارمولا بتا دیں . . . . "

میری نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا ، جیسے اس کے نزدیک یہ کوئی بڑی بات نہ تھی ۔

" ہاں ہاں ظاہر ہے فارمولا تو بتانا ہی چاہئے "

" مگر سنو تو "، پیئر کہے چلا گیا " دیکھو یہ ہم لوگ اس ایجاد کے مالک ہیں ، ہم ریڈیم کے موجد ہیں ۔ اور ہم نے بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں ۔ ہم اپنے فارمولے کا پیٹنٹ حاصل کر سکتے ہیں ، اور جملہ حقوق اپنے نام محفوظ کر سکتے ہیں ۔ پھر ساری دنیا کے لوگ جو ریڈیم کا نسخہ ہم سے حاصل کریں گے وہ ہمیں رائیلٹی دیں گے "

شوہر نے آسان اور سادہ الفاظ میں بیوی کو یہ باتیں سمجھائیں ۔ وہ غلطی پر نہ تھا ، کیونکہ رسالے کے مطابق وہ پیٹنٹ اور جملہ حقوق کے الفاظ سے مانوس تھا ۔

میری نے چند سیکنڈ غور کیا اور پھر بولی ۔

" یہ ناممکن ہے ، یہ سائنسدان کے جذبات کے منافی ہے "

پیئر کا منہ لٹک گیا ۔ اپنے ضمیر کو سمجھاتے ہوئے اس نے کہا :

" میرا بھی یہی خیال تھا ..... لیکن میں یہ فیصلہ اتنی آسانی اور سرسری طرح سے نہ کرنا چاہتا تھا ۔ ہماری زندگی دشوار گزار ہے ..... اور یہ زندگی ہمیں دھمکی دیتی ہے کہ

ہم ہمیشہ مصیبتیں اٹھائیں گے ۔ ہم صاحب اولاد ہیں ۔ ہمارے آگے بھی ایک بچی ہے ، شاید ابھی اور بچے پیدا ہوں ۔ ان بچوں کے لئے اور اپنے لئے ہمیں کچھ کرنا چاہئے ۔ اگر ہم پیٹنٹ حاصل کر کے ریڈیم کے جملہ حقوق حاصل کر لیں تو ہم بے حد دولت کمائیں گے ، اور ہمارا مقدر چمک جائے گا ۔ سارے دلدر دور ہو جائیں گے ،،

وہ آہستہ سے ہنسا اور اس نے یہ بھی کہا :

" پھر ہمیں ایک اعلیٰ درجے کی تجربہ گاہ کی بہت ضرورت ہے ، اگر ہمیں پیٹنٹ مل گیا تو ہم بڑی نفیس تجربہ گاہ تعمیر کر لیں گے ،،

میری نے شوہر کو بہت بری نظروں سے گھور کر دیکھا ۔ اس نے ایک لمحے کے لئے نفع کمانے کے مسئلے پر غور کیا اور دنیاوی مادی آسائشوں پر غور کیا ، اور پھر اس نے ایک دم دولت کے ڈھیر کو ٹھوکر لگا دی ۔ اس نے شوہر کے خیال کو رد کرتے ہوئے کہا :

" ماہرین طبعیات ہمیشہ اپنا تحقیقی کام مکمل طور پر شائع کرا دیتے ہیں ۔ اگر ہماری ایجاد کا کوئی تاجرانہ مستقبل ہے تو محض حادثہ ہے ، اس کا ہمیں فائدہ نہ اٹھانا چاہئے ۔ ریڈیم بیماریوں کے علاج کے کام بھی آ رہی ہے . . . . . بیماروں سے نفع اٹھانا کم از کم میرے لئے نا ممکن ہے ،،

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی اور اس نے اپنے شوہر کو مائل کرنے کی کوئی کوشش نہ کی ، اس کے نزدیک اس کے شوہر

تے عطاروں والی بات کی تھی ، جو ہر دوا کا پیٹنٹ لینے دوڑ پڑتے ہیں ، جو الفاظ اس نے ادا کئے تھے وہ دراصل ان دونوں کے اندرونی جذبات تھے ۔ اور اس نے بتا دیا کہ سچے سائنسداں کے قدم کبھی نہیں ڈگمگاتے ۔

خاموش فضا میں آواز بازگشت کی طرح پیئر نے میری کا فقرہ دھرایا ۔

" نہیں ۔ یہ سائنسداں کے جذبات کے منافی ہے "

وہ قائل ہو گیا ، اور وہ اس طرح باتیں کرنے لگا جیسے کوئی مسئلہ دربیش ہی نہ تھا ۔

" پھر میں آج رات امریکن انجینئروں کو خط لکھ کر فارمولا بتا دوں گا "

میری نے بیس سال کے بعد لکھا ۔

پیئر نے میرے ساتھ سمجھوتا کر لیا اور فیصلہ کر لیا کہ ہم دونوں اپنی ایجاد سے کوئی نفع نہ اٹھائیں گے ، چنانچہ ہم نے کوئی پیٹنٹ نہ حاصل کیا اور اپنا فارمولا اخباروں میں چھپوا دیا، جس میں ریڈیم تیار کرنے کی مفصل ترکیب لکھ دی ۔ علاوہ ازیں جن لوگوں نے مزید معلومات چاہیں ، انہیں ہم نے مزید معلومات فراہم کیں ۔ اس سے ریڈیم کی صنعت کو بہت فائدہ پہنچا ، اور اس طرح یہ صنعت خوب پھلی پھولی ۔ پہلے فرانس میں ، پھر دوسرے ملکوں میں سائنسدانوں اور ڈاکٹروں نے ریڈیم کی مصنوعات تیار کرنا شروع کر دیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ

آج بھی یہ کارخانے اسی نسخے پر چل رہے ہیں جو ہم نے بنایا تھا ، اور اس میں انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی ہے ۔

بغالو کی نیچرل سائنس کی انجمن نے مجھے ایک تمغا دیا ہے ، اور امریکا والوں نے ایک کتاب چھاپی ہے جس میں انھوں نے پیئر کیوری کا وہ خط چھاپ دیا ہے جس میں انھوں نے امریکن انجینئروں کو فارمولا بتایا ہے ، انھوں نے اس خط کا فوٹو شائع کیا ہے (١٩٠٢ء اور ١٩٠٣ء)

اتوار کی اس صبح کو جب میاں بیوی میں یہ گفتگو ہوئی تھی اس کے پندرہ منٹ بعد ان دونوں نے اپنی محبوب بائیسکلیں سنبھالیں اور ہنسی خوشی سیر کرنے جنگل کی طرف چل پڑے ۔

انھوں نے دولت اور افلاس میں سے ایک چیز کو ہمیشہ کے لئے چن لیا تھا ۔

وہ دونوں سیر سپاٹے کر کے شام کو تھکے ہوئے واپس ہوئے ، ان کے ہاتھوں میں جنگلی پتاں اور پھولوں کے گچھے تھے ۔



سولھواں باب

دشمن

اگرچہ سوئیزرلینڈ پہلا ملک تھا جس نے مسٹر اور مڈم کیوری کو ان کی لیاقتوں کے شایان شان ایک منصب دینا چاہا تھا - یونیورسٹی آف جنیوا کا خط یاد کیجئے - انگلستان سے انہیں پہلا اعزاز ملا -

فرانس میں ان دونوں کو سائنسی خدمات کا انعام ملا تھا - ۱۸۹۵ء میں پیئر کو پلانٹے پرائز ملا تھا، اور ۱۹۰۱ء میں لاکازے کا پرائز ملا تھا - میری کو تین مرتبہ جگنر کا پرائز ملا تھا - لیکن اب تک ان کی ذہانت کا کوئی معقول صلہ نہ ملا تھا - آخر جون ۱۹۰۳ء میں رائل انسٹی ٹیوشن نے پیئر کیوری کو سرکاری طور پر دعوت دی اور ریڈیم پر لکچر دینے کی درخواست کی - ماہر طبعیات نے دعوت قبول کرلی اور اس تقریب میں شرکت کرنے کے لئے اپنی بیوی کے ساتھ لندن چلا گیا -

جب وہ دونوں لندن پھونچے تو ایک مانوس چہرے نے ان کا استقبال کیا - یہ لارڈ کلوین تھے ، جن کا چہرہ دوستی کے جذبے سے دمک رہا تھا - یہ بوڑھا آدمی ان دونوں کی کامیابی کو خاص الخاص اپنی کامیابی تصور کرتا تھا ، اور دونوں کی تحقیقی خدمات پر اسے اتنا ناز تھا جیسے کہ یہ اس کی اپنی تحقیق ہے - اس نے دونوں کو اپنی تجربہ گاہ دکھائی ، وہ پیئر کے کاندھے پر اپنا ہاتھ اس طرح

رکھ کر چل رہا تھا جیسے کوئی باپ اپنے سعادتمند بیٹے کو تھپکی دے رہا ہو۔ اس کا دل مسرت سے بھرپور تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو وہ تحفہ بڑے غرور سے دکھایا جو پیئر اور میری اس کے لئے پیرس سے لائے تھے۔ یہ ایک سچے طبعیات دان کا تحفہ تھا، ریڈیم کا ایک قیمتی ٹکڑا جو شیشہ کی نلکی میں بند تھا۔

جس شام کو پیئر نے لکچر دیا، اس شام کو لارڈ کلوین جلسہ گاہ میں میری کی کرسی کی برابر والی کرسی پر بیٹھا۔ یہ پہلی خاتون تھی جو رائل انسٹی ٹیوشن کے جلسے میں شریک کی گئی تھی۔ ہال کھچا کھچ بھرا تھا۔ انگلستان کا سارا سائنس دان طبقہ اکٹھا ہو گیا تھا۔ سر ولیم کرکس، لارڈ ریلے، لارڈ ڈایوبری، سر فریڈرک برام ویل، سر اولیورلاج، پروفیسر ڈیوار، رے لن کیبٹر، آئبرٹن، ایس پی تھامسن، آرم اسٹرانگ.... وہ فرانچ میں تقریر کر رہا تھا، مدھم آواز میں، اس نے ریڈیم کے اجزا کی وضاحت کی۔ پھر اس نے کہا بتیاں گل کر دی جائیں اور تاریکی میں اس نے کئی حیرت انگیز تجربے کر کے دکھائے۔ اس نے ریڈیم کی شعاعوں سے ایک سنہری پتی بنا کر دکھائی۔ زنک سلفائیڈ کی پلیٹ پر ریڈیم کا تجربہ کر کے دکھایا، فوٹو کی بلیٹوں پر سیاہ کاغذ لپیٹ کر ریڈیم کا اثر ڈالا اور فوٹو کی پلیٹوں پر سفید سا دھبا پڑ گیا، اور اس نے ثابت کیا کہ اس قیمتی مادے کے اندر سے خود بخود گرمی پیدا ہوتی ہے۔

جلسے کے حاضرین یہ مناظر دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ دوسرے دن لندن کی پوری پبلک ریڈیم کے ابا اور امی یعنی مسٹر اور

میڈم کیوری کو دیکھنا چاہتی تھی ۔ لندن کے شرفاء نے ان کی دعوتیں کیں ۔

ان دعوتوں میں اس نے جتنے ٹوسٹ کھائے تھے ان سب کو دل ھی دل میں گنتا گیا، اور وہ اپنی میزبانوں کا شکریہ ادا کرتے کرتے تھک گیا ۔ معزز لوگوں کی دعوتوں میں وہ پرانا اور بوسیدہ لباس پہنے تھا ، وھی لباس جسے پہن کر وہ کالج میں لکچر دیا کرتا تھا ۔ اپنی تمام نرمی ، عاجزی اور انکساری کے باوجود اسے یہ سمجھنے میں دقت ھو رھی تھی کہ یہ سب کچھ اس کے اعزاز میں ھو رھا تھا ۔ میری پر ہزاروں نگاھیں جمی ھوئی تھیں، اور وہ اتنی بہت سی نگاھوں سے بے کلی محسوس کر رھی تھی ۔ لوگ اسے اس حیرت سے دیکھ رہے تھے جیسے کوئی عجیب الخلقت جانور آگیا ھو ، جیسے وہ یہ کہہ رہے ھوں کہ خدا کی قدرت تو دیکھو عورت ذات سائنس‌دان بن گئی ۔

وہ کالے کپڑے پہنے تھی، صرف گلا کھلا ھوا تھا، باقی تمام بدن اچھی طرح ڈھکا ھوا تھا ، اس کے ھاتھ جو تیزاب سے جل چکے تھے نمایاں طور سے نظر آ رہے تھے ، اس کی چھنگلیا میں وہ انگوٹھی تک نہ تھی جو بیاھی عورتیں پہنتی ھیں ، اور اس کے چاروں طرف انگلستان کی معزز ترین عورتیں جمع تھیں ، جن کے گلے نہایت قیمتی ھیروں سے جگمگا رہے تھے، اور میری کے بدن پر کوئی زیور نہ تھا ۔ میری نے پرخلوص مسرت کے ساتھ ان جگمگاتے ھوئے ھیروں کو دیکھا ۔ اسے یہ دیکھ کر بہت حیرت ھوئی کہ اس کا شوھر بھی عورتوں کے زیوروں میں جڑے ھوئے ھیروں کو بڑے غور سے دیکھ

رہا تھا ، حالانکہ وہ نو دماغی طور پر گم سم اور ذہنی طور پر غیر حاضر رہنے والا شخص تھا ۔

"میرے تو سان گمان میں بھی نہ تھا کہ ایسے قیمتی جواہرات بھی دنیا میں ہوتے ہیں" جب وہ دعوت سے لوٹی تو اس نے اپنا لباس تبدیل کرتے ہوئے پیئر سے کہا " کتنے پیارے زیور اور جواہرات تھے"

اس کا سائنسدان شوہر ہنسنے لگا ۔

" کیا تم جانتی ہو دعوت کے دوران میں جب میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ اب میں کیا سوچوں یعنی جب میں بالکل خالی الذہن ہوگیا نو میں نے ایک مشغلہ اختیار کیا ، میں نے حساب لگانا شروع کیا کہ یہ عورتیں جو گلے میں اتنے قیمتی زیور پہنے ہیں ، ان سب کو جمع کیا جائے تو ان کی قیمت سے سائنس کی کتنی تجربہ گاہیں بن سکتی ہیں ، حساب لگانے سے معلوم ہوا کہ اتنی تجربہ گاہیں بن سکتی ہیں جتنے آسمان پر ستارے ہیں"

چند روز بعد میاں بیوی لکڑی کے اسی حقیر سے سائبان میں تجربے کرنے کے لئے پہونچ گئے ۔ انہوں نے لندن میں بعض نہایت پختہ دوستیاں کرلی تھیں اور مختلف قسم کے تعاون حاصل کر لئے تھے ، پیئر اپنے انگریز دوست پروفیسر ڈیوار کے ساتھ ملکر بہت جلد ایک کتاب شائع کرے گا ، جس کا نام ہوگا " ریڈیم سے نکلنے والی گیس "

انگریز میں ایک خوبی یہ ہے کہ وہ جس کا مداح بن جاتا ہے ، اس کے ساتھ وفاداری کرتا ہے ۔ نومبر ۱۹۰۳ء میں پیئر اور میری کو ایک خط ملا ، جس میں لکھا تھا کہ لندن کی رائل سوسائٹی اظہار عقیدت کے لئے پیئر اور میری کو اپنا سب سے بڑا انعام ڈیوی میڈل دینا چاہتی ہے ۔

میری بیمار تھی ، اس کا شوہر اس کے بغیر اس تقریب میں شرکت کے لئے لندن گیا ، پیئر انگلستان واپس آیا اور اپنے ساتھ سونے کا ایک بھاری میڈل لے کر آیا ، جس پر ان دونوں کے نام کندہ تھے ۔

اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ وہ اپنے چھوٹے سے مکان میں اس میڈل کو کس جگہ پر سجا کر رکھ دے ۔ پھر اس نے بے پروائی سے اسے ادھر ادھر ڈالدیا ۔ میڈل گم گیا ، لیکن دوبارہ مل گیا ۔ اس دفعہ پیئر کے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا ، اس نے اپنی چھ برس کی بچی کو وہ میڈل دے کر کہا کہ جاؤ بیٹی کھیلو ۔ بچی کی چھ سالہ زندگی میں مسرت کا ایسا دن کبھی نہ آیا تھا ۔

جب اس کے احباب اس سے ملنے آتے تو سائنسداں انہیں دکھاتا کہ ننھی بچی نئے کھلونے سے کھیل کر بہت خوش ہو رہی ہے ۔

"آئیرین اس بڑے سے کھلونے کو کھیلنا جانتی ہے" اس نے کہا ۔

انگلستان کا دو مرتبہ سفر کیسا شاندار رہا، اس کی بچی سونے کی کتنی بڑی طشتری سے کھیل رہی تھی، یہ شگون ایک بہت بڑی مسرت کا پیش خیمہ تھا۔

اس دفعہ سوئیڈن سے اشارہ ملا۔

دس دسمبر ۱۹۰۳ء کو اسٹاک ھام کی اکیڈمی آف سائنس نے اپنے اجلاس عام میں اعلان کیا کہ اس سال فزکس کا نصف نوبل پرائز ھنری بی کوئیرل کو اور نصف انعام مسٹر اور میڈم کیوری کو ملے گا، کہ انہوں نے ریڈیم دریافت کی ھے۔ جلسہ میں میاں بیوی میں سے کوئی شریک نہ ھوسکا۔ فرانس کے سفیر نے ڈپلوما اور سونے کے میڈل ان کی طرف سے وصول کر لئے۔ یہ انعام بادشاہ نے اپنے ھاتھ سے تقسیم کئے تھے۔ پیئر اور میری کی صحت ٹھیک نہ تھی۔ ان پر کام کا بوجھ تھا اور وہ اس طویل سفر کے خیال ھی سے کانپنے لگتے تھے۔

پروفیسر آرویلیس کا خط مسٹر اور میڈم کیوری کے نام

۱۴ نومبر ۱۹۰۳ء

مسٹر اور میڈم کیوری،

میں آپ دونوں کو تار کے ذریعے اطلاع دینے کی عزت حاصل کر رھا ھوں، سوئیڈن کی اکیڈمی آف سائنس نے اپنے بارہ نومبر کے اجلاس میں فیصلہ کیا ھے کہ وہ اس سال آپ دونوں کو فزکس کا نصف نوبل پرائز پیش کرے تاکہ آپ دونوں

کے غیر معمولی کام کو سراہا جا سکے، آپ نے بی کوئنرل کی شعاعوں پر شاندار کام کیا ہے۔

۴ دسمبر کو جلسہ عام میں تقسیم انعامات کی رسم ادا کی جائے گی، اسی موقع پر طلائی تمغے اور اسناد بھی تقسیم کئے جائیں گے۔

میں اکیڈمی آف سائنس کی جانب سے آپ دونوں کو تقسیم انعامات کی تقریب میں شرکت کی دعوت دیتا ہوں۔

آرٹیکل نمبر ۹ کے مطابق آپ سے درخواست کی جاتی ہے کہ آپ اسٹاک ہام میں ایک جلسہ عام میں تقریر کیجئے، اور آپ اپنی ان خدمات کا ذکر کیجئے جن کے صلے میں آپ کو انعام ملا ہے، اگر آپ کے لئے ممکن ہو تو آپ یہاں ضرور تشریف لائیے۔

امید ہے کہ اکیڈمی آپ دونوں کو اسٹاک ہام میں دیکھنے کی بے پایاں مسرت حاصل کر سکے گی اور محترمہ میں آپ دونوں سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ میرے امتیازی مرتبہ کے پیش نظر دعوت قبول فرمائیں۔

پیئر کیوری کا خط آر ویلیس کے نام، ۱۹ نومبر ۱۹۰۳ء

مسٹر سکریٹری -۱

ہم اسٹاک ہام کی اکیڈمی آف سائنس کے بے حد

۱- انگریزی زبان میں سکریٹری کا جو مفہوم ہے وہ سوئیڈن کی سائنس اکیڈمی کے اس اعلیٰ منصب کو ظاہر کرنے سے قاصر ہے۔

شکر گزار ھیں کہ اس نے ھمیں فزکس کا نصف نوبل پرائز دے کر ھماری بڑی عزت افزائی کی ھے ۔ آپ سے درخواست کرتے ھیں کہ آپ ھمارے جذبات اور ھمارے اظہار تشکر کو اکیڈمی کے ارکان تک پہونچا دیں ۔

دس دسمبر کی تقریب میں ھمارے لئے سوئیڈن پہونچنا بہت مشکل ھے ، ھم دونوں یہاں طلباء کو پڑھاتے ھیں ، ھمارے اچانک سفر سے انہیں بہت نقصان ھوگا ، اگر ھم مختصر سی مدت کے لئے سوئیڈن آئے تو کوئی فائدہ نہ ھوگا ، کیونکہ ھم مختصر سے قیام میں سوئیڈن کے سائنسدانوں سے ملاقاتیں بھی نہ کر سکیں گے ۔

میڈم کیوری اس دفعہ گرمیوں میں بیمار ھوگئی تھیں ، ابھی تک مکمل طور پر صحت یاب نہیں ھو سکیں ۔

میں چاھتا ھوں کہ آپ سے کہوں کہ ھمارے سفر اور لکچر کو آئندہ کی کسی تاریخ پر ملتوی کر دیجئے ۔ مثلاً ھم ایسٹر کی چھٹیوں میں اسٹاک ھام آسکتے ھیں، اس وقت جون کا وسط ھوگا اور وہ وقت ھمارے لئے بہتر ھوگا ۔

سکریٹری صاحب مہربانی فرما کر ھماری یہ درخواست قبول فرمائیے ۔

اس رسمی خط کے بعد ھم اس کا ایک اور خط نقل کرنا چاھتے ھیں ۔ یہ خط بالکل غیر متوقع اور حیرت انگیز ھے ۔ یہ خط

میری نے پولش زبان میں لکھا ہے ، اور اپنے بھائی جوزف کو لکھا ہے ۔ اس خط پر جو تاریخ لکھی ہے وہ قابل غور ہے ، یعنی ۱۱ دسمبر ۱۹۰۳ء ، یعنی اسٹاک ہام کے جلسہ عام کے دوسرے دن ۔ یوں کہئے کہ میری کی عالمگیر شہرت کا پہلا دن ، جس دن میری کو شہرت کے نشے سے مدھوش ہوجانا چاہئے تھا ۔ اس کی کامیابی یقیناً غیر معمولی تھی ، اس سے پہلے کسی عورت نے سائنس میں اتنی شہرت حاصل نہ کی تھی ۔ وہ پہلی تھی ، اور فی الحال وہ تنہا سائنسداں عورت تھی جسے ساری دنیا نے تسلیم کرلیا تھا ۔

میری کا خط جوزف کے نام ، ۱۱ دسمبر ۱۹۰۳ء

پیارے جوزف

میں تم دونوں کی شکر گزار ہوں کہ تم دونوں نے مجھے خط لکھے ، میں ماہوسا (جوزف کی لڑکی) کا شکریہ ادا کرنا نہیں بھول سکتی ، جس نے مجھے اتنا نفیس اور خوشخط خط لکھا ہے ۔ اپنی ننھی بھتیجی کا خط پڑھ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ، جیسے ہی مجھے فرصت ملی میں فوراً اسے خط لکھوں گی ۔

نومبر کے شروع میں مجھے نزلہ زکام ہوگیا تھا ، جس کی وجہ سے مجھے تھوڑی تھوڑی کھانسی آنے لگی ۔ میں ڈاکٹر لانڈرکس کے پاس گئی ، اس نے میرے پھیپھڑوں کا معائنہ کیا اور بتایا کہ پھیپھڑے بالکل ٹھیک ہیں ، لیکن ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتا دیا کہ مجھے انیمیا (خون کی کمی) کی شکایت ہے ۔ میں تو ہمیشہ کی طرح اپنے

اندر توانائی محسوس کرتی ہوں، اور خزاں کے موسم کے مقابلے میں آج کل زیادہ محنت کرتی ہوں ، اور کوئی خاص تھکن بھی نہیں محسوس ہوتی -

میرے شوہر لندن سے واپس آچکے ہیں اور ڈیوی میڈل لے آئے ہیں - میں سفر کی صعوبتوں کے خوف سے ان کے ساتھ نہیں گئی -

ہمس آدھا نوبل پرائز دیا گیا ہے - مجھے صحیح صحیح نہیں معلوم ہے کہ ہمیں کتنی رقم ملے گی - میرے خیال میں کم و بیش ستر ہزار فرانک ملیں گے - ہمارے لئے یہ رقم بڑی کثیر ہے - یہ مجھے نہیں معلوم ہے کہ رقم کب ملے گی - شاید جب ہم اسٹاک ہام جائیں گے تب ہی ملے گی - ہم سے کہا گیا ہے کہ ہم ۱۰ دسمبر کے بعد چھ مہینہ کے اندر اندر وہاں جا کر لکچر دیں -

ہم دونوں تقسیم انعامات کی تقریب میں نہ جا سکے، کیونکہ سفر کا انتظام کرنا بہت مشکل تھا - اتنے طویل سفر کے لئے میں اپنے آپ کو تیار نہیں پاتی - بغیر رکے ہوئے ۴۸ گھنٹے کا سفر اور اگر رک جاؤ تو اور دیر ہو جائے - ایسے برے موسم میں اتنے سرد ملک کا سفر اور پھر وہاں تین چار روز سے زیادہ قیام ممکن نہیں ہے ، اسی لئے ہم دونوں نہیں گئے -

ہمارے گھر پر فوٹو گرافروں اور اخباری نمائندوں کی ریل پیل ہے ، اور بے حد و حساب خط آ رہے ہیں - جی چاہتا ہے کہ زمین کھود کر کسی غار میں منہ چھپا لیں تا کہ کچھ سکون میسر ہو -

ھمیں امریکا سے ایک دعوت نامہ ملا ہے کہ ہم وہاں جائیں اور نفردروں کا ایک سلسلہ شروع کریں ، اور اپنے تحقیقی کام پر روشنی ڈالیں - وہ ہم سے پوچھتے ہیں کہ ہم اس کام کا کیا معاوضہ لیں گے - معاوضہ خواہ کچھ بھی ملے لیکن ہم نے انکار کرنے کا ارادہ کر لیا ہے - یہاں کی پبلک ہمارے اعزاز میں ایک دعوت کرنا چاہتی تھی، ہم نے بڑی مشکل سے سمجھا بجھا کر یہ بلا ٹالی ہے - لوگ بھی سمجھ گئے ہیں کہ ہم لوگ ان کے ہتھے نہ چڑھیں گے -

میری آئیرین خیریت سے ہے - وہ گھر کے پاس ہی ایک چھوٹے سے اسکول میں پڑھنے جاتی ہے - چھوٹے بچوں کے لئے پیرس میں اچھا اسکول تلاش کرنا بہت مشکل ہے -

گھر میں سب کو میری جانب سے دعا اور سلام ، دیکھو مجھے بھول نہ جانا -

" ہمیں نصف نوبل پرائز دیا گیا ہے . . . . مجھے نہیں معلوم ہے کہ ہمیں رقم کب ملے گی "

یہ الفاظ وہ عورت لکھ رہی ہے جس نے حال ہی میں دولت کے انبار کو ٹھوکر لگائی تھی ، لیکن اب وہ ایک خاص رقم کا انتظار کر رہی ہے - پبلک اس کے اعزاز میں جلسہ کرنا چاہتی ہے ، اخبار مرحبا اور تحسین و آفریں کے نعرے لگا رہے ہیں ، سرکاری دعوت نامے آ رہے ہیں ، امریکا سنہرے سکے دکھا رہا ہے ، لیکن میری کو ان باتوں سے کوئی خوشی نہیں ، بلکہ وہ بڑی تلخی سے ان باتوں سے نالاں ہے - پھر اسے نوبل پرائز کا کیوں انتظار ہے -

یہ نوبل پرائز جس نے بئر کیوری اور اسے اچانک عالمگیر شہرت دے دی تھی، میری کی نظروں میں اس انعام کا صرف ایک مطلب تھا ۔ ستر ہزار سنہرے سکے ۔ یہ معاوضہ تھا جو سوئیڈن کے سائنسدانوں نے اپنے دو سائنسدان رفیقوں کو دیا تھا (یعنی مری اور پیئر) یہ انعام سائنسدان کے جذبے کا منافی نہ تھا ، اسی لئے اس نے قبول کر لیا تھا ۔ اب ایک نادر موقع ملا تھا کہ پیئر کی صحت کو محفوظ رکھنے کی خاطر اسے نوکری سے ہٹایا جا سکے ۔

۲ جنوری ۱۹۰۴ء کو انہیں نوبل پرائز کا چیک مل گیا ، جو ایک چھوٹے سے بنک میں پیش کیا گیا ، اس بنک میں پہلے سے میاں بیوی کی ایک حقیر رقم جمع تھی ۔ اب کم از کم پیئر نوکری سے استعفیٰ دے سکتا تھا اور اپنی جگہ پر اپنے شاگرد پال لینگیون کو رکھا سکتا تھا، جو اب مشہور سائنسدان بن چکا تھا ۔ میاں بیوی نے اپنے خرچ پر ایک اسسٹنٹ رکھا تھا ، کیونکہ ان کو اسی میں عافیت نظر آئی کہ یونیورسٹی کا انتظار کئے بغیر خود ہی اسسٹنٹ رکھ لیں ۔ یونیورسٹی نے اسسٹنٹ دینے کے وعدے کئے مگر وہ پورے ہوتے نظر نہ آتے تھے ۔

میری نے بیس ہزار آسٹرین کراؤن کی کثیر رقم اپنی بہن برونیا کو بھیج دی ۔ یہ دق کے مریضوں کے سنی ٹوریم کی تعمیر کا چندہ تھا ۔ چند روز بعد اسے ایک اور انعام ملنے والا تھا، وہ پچاس ہزار فرانک پر مشتمل تھا ۔ اس انعام کا نصف مسٹر برنبلے اور نصف مادام کیوری کو ملنے والا تھا ۔

اگر ہم اس کی سیاہ جلد والی حساب کی کتاب دیکھیں تو ہمیں بعض خرچوں کا علم ہوگا ۔ پیئر کے بھائی اور میری کی بہنوں کو اس انعام میں سے قرضے دیئے گئے تھے ۔ تجربہ گاہ جس کی تعمیر کی شدید خواہش تھی، اب اس کے لئے بہت کم رقم بچ سکی ۔ سائنس کی بہت سی انجمنوں کو چندے بھی دیئے گئے تھے ۔

پولش طلباء کو، میری کے بچپن کی ایک سہیلی کو، تجربہ گاہ کے ملازموں کو، فرانس کی مستحق لڑکیوں کو رقمیں دی گئی تھیں . . . . میری کو جب نوبل پرائز ملا تو اسے ایک بہت ہی غریب عورت یاد آ گئی، جس نے اسے ایک زمانے میں بڑی محبت سے فرنچ زبان سکھائی تھی ۔ اب اس کا بیاہ ہو چکا تھا، وہ فرانس میں پیدا ہوئی تھی، لیکن اس کی شادی پولینڈ میں ہوئی تھی، اور اب اسے وہیں رہنا تھا ۔ اس غریب لڑکی کو میکے کی یاد ہر وقت ستاتی تھی، میری نے اسے خط لکھا اور فرانس آنے کی دعوت دی، اپنے گھر میں اس کا استقبال کیا اور وارسا سے پیرس تک سفر خرچ دیا ۔ اس کا میکا ''ڈی پے'' میں تھا، میری نے اسے پیرس سے ڈی پے تک سفر خرچ دیا ۔ اس غیر متوقع مسرت پر وہ غریب عورت منہ سے کچھ نہ بول سکی ۔ اظہار تشکر کے طور پر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی ۔

جب میری کو رقم ملی تو اس نے بڑی فیاضی سے بانٹنا شروع کی ۔ اس کی فیاضی کی نہ کوئی حد تھی اور نہ کوئی حساب تھا ۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ جب تک وہ زندہ ہے ضرورت‌مندوں کی مدد کرے گی ۔

اسے اپنا بھی خیال تھا، چنانچہ اس نے اپنے مکان میں ایک جدید طرز کا غسل خانہ بنوا لیا، اور چھوٹے سے کمرے کی مرمت کروا لی، لیکن سر پر پرانا ہیٹ بدستور پہنے رہی، اور اسے یہ خیال نہ آیا کہ لاؤ اس موقع پر ایک نیا ہیٹ خرید لیں، البتہ وہ پیئر سے برابر اصرار کرتی رہی کہ وہ اسکول سے نوکری چھوڑ دے، اور وہ خود برابر نارمل اسکول پڑھانے جاتی رہی۔ وہ اپنے شاگردوں سے محبت کرتی تھی اور اس کا تہیہ تھا کہ وہ آئندہ برابر اسی طرح پڑھاتی رہے گی، اور جو تنخواہ ملتی ہے اس پر قناعت کرے گی۔

اب جبکہ شہرت نے ان دونوں سے اپنے دونوں ہاتھ بغلگیر ہونے کے لئے بڑھائے تو اس منزل پر یہ بڑا عجیب سا لگتا ہے کہ ان کے اخراجات کو بڑی باریکی سے گنا جائے۔ دنیا بھر کے اخبار نویسوں نے ان کے مکان اور اس شیڈ کو گھیر لیا جس میں تجربے ہوئے تھے۔ میز پر تار برقی سے آنے والے پیغاموں کا انبار لگا ہوا تھا، ان کے بارے میں اخباروں میں ہزاروں مضمون چھپ چکے تھے اور ہر وقت فوٹوگرافر ان کی تصویریں کھینچنے کے لئے انہیں تنگ کرتے رہتے تھے۔

مجھے ان جھملوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے والدین (میری اور پیئر کیوری) کو جو انعام اور صلہ دیا گیا اس سے انہیں کچھ نہ ملا، ہمیشہ کی طرح رنج و قلق ان کے حصہ میں آیا۔ میری اور پیئر کیوری اپنی ایجاد کے سراہے جانے پر خوش تھے، اور خصوصاً اس بات سے خوش تھے کہ سوئیڈن کی اکیڈمی نے ان کے کام کو سراہا، وہ اس بات سے بھی خوش تھے کہ

مبارک باد کے پیغاموں کا ڈھیر لگ گیا تھا، اور ان لوگوں نے بھی مبارک باد کے پرجوش پیغام بھیجے تھے جن کے خود یہ دونوں مداح تھے۔ دونوں کو یہ بھی خوشی تھی کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے شریک حیات تھے، وہ ستر ہزار فرانک کی رقم سے بھی خوش تھے جس سے روزمرہ کے مسائل کا بوجھ ہلکا ہو گیا تھا۔ بس ان باتوں کے سوا اور جو کچھ ہو رہا تھا اس سے انہیں کوئی خوشی نہ تھی بلکہ اذیت تھی۔ پبلک اور ان کے درمیان ایک مستقل غلط فہمی پیدا ہو گئی اور اسی غلط فہمی نے دونوں کو پبلک سے الگ رکھا۔ میاں بیوی ۱۹۰۳ء میں ایک ایسے نقطے تک پہونچ چکے تھے جو ان کی زندگی کے لئے نہایت المناک ثابت ہوا۔ وہ ایک ایسی منزل سے گذر رہے تھے جس میں دانش وروں کو زیادہ سے زیادہ صلہ وستائش پیش کی جاتی ہے۔ انہوں نے کامیابی سے ایسا کام ایک لکڑی کے گھٹیا سے سائبان میں مکمل کیا تھا، جہاں بارش بھی ہوتی تھی، اور جو بارش سے محفوظ نہ رہتا تھا۔ پھر انہوں نے ریڈیم جیسی چیز کا انکشاف کیا جس سے ساری دنیا انگشت بدنداں رہ گئی، لیکن ابھی ان کا مشن ختم نہ ہوا تھا۔ ان کے دماغ میں ابھی اور نامعلوم خزانے پوشیدہ تھے، وہ کام کرنا چاہتے تھے، انہیں بہرحال کام کرنا تھا۔

لیکن جس راستے پر وہ دونوں چلنے کی کوشش کر رہے تھے، شہرت نے اس راستے کے مستقبل کی ہلکی سی جھلک دکھا دی تھی۔ شہرت بڑی نامراد چیز ہے۔ یہ بڑے آدمیوں پر جھپٹ کر حملہ کرتی ہے، اور ان پر اپنا پورا بوجھ ڈال دیتی ہے، اور کوشش کرتی ہے کہ ان کی ریڑھ مار کر رکھ دے۔ نوبل پرائز نے

میاں بیوی کو بڑی شہرت دی اور اس جوڑے پر لاکھوں مردوں ، عورتوں ، فلاسفروں ، مزدوروں ، پروفیسروں اور تاجروں کی نظریں جم گئیں ۔ ان لاکھوں انسانوں نے میاں بیوی کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیئے ، لیکن وہ ان تعریفوں کے عوض کیا چاہتے تھے ۔ یہ لوگ جو فواید حاصل کرنا چاہتے تھے وہ فواید یہ دونوں پہلے ہی پہنچا ہی چکے تھے ۔ وہ اپنا عظیم دماغی سرمایہ یعنی ریڈیم پبلک کو دے چکے تھے ، اور ریڈیم کے ذریعے مہلک بیماریوں کا علاج ہو رہا تھا ۔ کیا یہ کافی نہ تھا، پھر انہوں نے ریڈیم کی ضروریات پر بھی کام کیا تھا ۔

اس زمانے کے اخباروں میں پئیر اور میری کی تصویریں چھپتی تھیں (ایک نوجوان عورت ، خوب رو اور خوش شکل ، معتبر اور سنجیدہ ، اکہرے بدن کی خاتون جس کے چہرے پر مامتا کی دلکشی تھی) ان کی ننھی بچی کی بھی تصویر چھپتی تھی ، ان کی بلی کی بھی تصویر چھپتی تھی جو کھانے کے کمرے میں چولھے کے پاس لڑھکی پڑی ہوتی تھی ، اخباروں میں ان کے چھوٹے سےمکان اور ان کی تجربہ گاہ کی تفصیلیں چھپتی تھیں ۔ ان کا مکان اور ان کی تجربہ گاہ ایسے قلعے تھے جس میں یہ دونوں اپنی مفلسی کو چھپائے بیٹھے تھے ، اور چاہتے تھے کہ دنیا سے الگ تھلگ رہیں ۔ اخباروں نے لکھا تھا کہ ان کا مکان سادھوں کا آشرم معلوم ہوتا ہے ۔ ان کا چھوٹا سا مکان جانے پہچانے پیرس سے بہت دور ، گمنام سی جگہ پر اس چھوٹے سے مکان میں دنیا کے دو عظیم سائنسداں ہنسی خوشی زندگی بسر کرتے ہیں ۔

اور لکڑی کے سائبان کا احترام بھی بہت بڑھ چکا تھا۔ اس سائبان کے بارے میں ایک اخبار نے لکھا تھا۔ ایک ویران سی، تاریک سی، تنگ سی گلی، ایسی گلی جیسی اکثر ناولوں میں دکھائی جاتی ہیں، کالی دیواروں والے مکانوں کے بیچ وہ گلی ہے جس کے فرش پر چلنے سے اینٹیں تھرتھراتی ہیں، اسی گلی میں لکڑی کا ایک کھٹیچر سا سائبان ہے، یہ سائبان سوئس پبلک کا ایک اسکول ہے۔

اخبار نویس لکھتا ہے صحن کو عبور کرکے میں آگے بڑھا، آگے ایک محراب دار راستہ تھا، جس پر سبرے قدموں کی آواز بازگشت پیدا ہوتی ہے، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی تاریک سے سراب حانے میں گھس گیا ہوں، ایک طرف دو ایک ٹیڑھا سا درخت کھڑا تھا، درخت کے ساتھ ہی لکڑی کے تختے کھڑے تھے، انہی تختوں کا وہ سائبان تھا، سائبان میں مختلف دھیمی دھیمی روشنیاں ہو رہی تھیں، اور مختلف قسم کے آلات رکھے ہوئے تھے، کوئی آواز نہ تھی، بہت ہی گہرا سکوت۔ سہر کی آواز بازگشت بھی یہاں نہ پہنچ سکتی تھی۔ میں نے دروازے پر دستک دی اور تجربہ گاہ میں داخل ہوا۔ میں یہاں کی سادگی پر حیران ہو رہا تھا، یہاں کا فرش کچا تھا، دیواروں کا پلاسٹر جھڑ چکا تھا، چھتوں کی دھنیاں جھک چکی تھیں اور گرد آلود کھڑکیوں سے چندھی چندھی روشنی چھن رہی تھی۔ ایک نوجوان ایک پیچیدہ سے آلے پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے اپنا سر اٹھایا "مسٹر کیوری" اس نے کہا "وہ اندر ہیں" اور یہ کہہ کر وہ پھر کام میں مشغول ہو گیا۔ کتنی منٹ گذر گئے

ٹھنڈ ہو رہی تھی، ایک ٹونٹی سے پانی کے قطرے گر رہے تھے، دو یا تین گیس برنر جل رہے تھے۔

آخرکار ایک لمبا اور دبلا سا آدمی داخل ہوا، اس کے چہرے کی ہڈیاں ابھری ہوئی تھیں۔ اس کے بھورے رنگ کی داڑھی کھردری سی تھی۔ وہ سر پر ایک چھوٹی سی ٹوپی پہنے تھا۔ یہی پیئر کیوری تھا۔

(ایکوڈی سرس، بال آکر)

شہرت ایک حیران کن آئینہ ہے، بعض اوقات انسان کے ساتھ وفاداری سے پیش آتا ہے، بعض اوقات شہرت کے آئینے میں انسان کی شکل اس طرح مسخ نظر آتی ہے کہ وہ کارٹون نظر آتا ہے، ایسے آئینے اکثر نمائشوں اور میلوں ٹھیلوں میں دکھائی دیتے ہیں، نمائشوں کے ان آئینہ خانوں میں ایک ہی وقت میں ایک انسان کے ہزاروں نمونے دکھائی دیتے ہیں۔ یہی حال ان میاں بیوی کا تھا، اخبارات کے آئینے میں ان کے مختلف حلیے بنتے اور بگڑتے رہتے تھے۔ جب اخباروں نے یہ اعلان کیا کہ مسٹر اور میڈم کیوری کے اسٹور سے ریڈیم کا اسٹاک ایک حادثے میں گم ہو گیا ہے تو پیرس کے ایک تھیئٹر میں مسخروں نے ان دونوں میاں بیوی کی نقل اتاری تھی، دکھایا گیا تھا کہ وہ دونوں لکڑی کے سائبان میں بند ہیں، باہر تالا پڑا ہے، اور کسی کو اندر آنے کی اجازت نہیں ہے، پھر دکھایا گیا کہ دونوں میاں بیوی خود

ھی جھاڑو دے رہے ھیں اور ایک ایک کونے سے ریڈیم تلاش کر رہے ھیں ۔

ریڈیم کے گم ہونے کے بارے میں میری نے خود لکھا ہے ۔

میری کا خط جوزف کے نام

حال ھی میں ھم پر ایک نئی مصیبت نازل ہوئی ہے ، بڑی مقدار میں ریڈیم کا اسٹاک گم ہو گیا ہے ، اور ریڈیم گم ہونے کا سبب اب تک نہیں معلوم ہوسکا ہے . . . . ھم دونوں پریشان ھیں ۔

وہ پھر ایک خط میں ریڈیم کا ذکر کرتی ہے :

میری کا خط جوزف کے نام ، ۲۳ دسمبر ۱۹۰۳ء

ھمیں یہ ناممکن نظر آ رہا ہے کہ ھم اس نامراد مادے کو دوبارہ اتنی مقدار میں تیار کر سکیں گے ۔ ھمیں کچی دھات اور سرمایہ کی ضرورت ہے ۔ سرمایہ تو ھمارے پاس ہے لیکن فی الحال کچی دھات نہیں مل رہی ہے ، اب ھمیں کچھ امید دلائی گئی ہے ، اور شاید ھم مطلوبہ مقدار میں کچی دھات خرید سکیں گے ، پہلے تو تاجروں نے انکار کردیا تھا ۔ اس طرح یہ صنعت ترقی کرے گی ، لیکن کاش تمہیں معلوم ہو سکتا کہ لاکھوں ٹن کچی دھات میں سے کتنی تھوڑی مقدار میں ریڈیم نکلتی ہے ، اور کتنا سرمایہ اور کتنا صبر درکار ہے ۔

نوبل پرائز حاصل کرنے کے صرف تیرہ دن بعد میری کی الجھنوں کا یہ عالم تھا ۔ ان تیرہ دنوں میں ساری دنیا نے ایک دریافت کی تھی، اس نے ایک عظیم جوڑے کا پتا لگایا تھا ، یعنی مسٹر اور میڈم کیوری ، لیکن دنیا نے جن دو اجنبی سائنسدانوں کو دریافت کیا تھا ان کی کھپت پیئر اور میری کے اندر ممکن نہ تھی ۔

پیئر کیوری کا خط جارجس گوائے کے نام، ۲۲ جنوری ۱۹۰۴ء

میرے پیارے دوست

میں تمہیں ایک عرصے سے خط لکھنے والا تھا ، معذرت خواہ ہوں کہ اب تک نہ لکھ سکا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں میں بڑی احمقانہ زندگی بسر کر رہا ہوں ۔

تم نے دیکھا کہ ریڈیم کتنی جلدی ساری دنیا میں مقبول ہوگئی ہے ۔ اس سے ہم لوگ بہت مشہور ہوگئے ۔ اب ہر ملک کے اخبار نویس اور فوٹوگرافر ہمارا پیچھا کرتے رہتے ہیں ، وہ میری بچی کی باتیں بھی اخباروں میں چھاپ دیتے ہیں ، بچی کی نرس کی بھی گفتگو شائع کرتے ہیں اور ہمارے گھر میں پلی ہوئی بلی کا بھی حال لکھتے ہیں ۔ پھر ہمیں طرح طرح کے خط موصول ہوتے ہیں ، اور رنگ برنگی انسانوں سے ملنا پڑتا ہے ، ناکام موجد خاص طور پر ہم سے ملنے آتے ہیں . . . . ہم سے درخواستیں کی جاتی ہیں کہ ہم لوگوں کے نذرانے قبول کریں ۔ لوگ ہمارے آٹوگراف لینے آتے

ھیں ۔ اکثر سائنسداں ھم سے ملنے آتے ھیں اور ھماری قیام گاہ جیسی شاندار ہے، وہ تمہیں معلوم ہے ۔ اس کا نتیجہ یہ ھوا ہے کہ ھماری تجربہ‌گاہ کا سکون بالکل ختم ھوچکا ہے ۔ ھر رات ھمیں خطوں کے جواب میں بیشمار خطوط لکھنا پڑتے ھیں ، مجھے ایسا محسوس ھوتا ہے کہ میں ظالمانہ حماقت میں گھرا ھوا ھوں ۔

دونوں میاں بیوی مفلسی کے حمایتی تھے ، ان پر کام کا بوجھ تھا ، لوگ ان کے ساتھ نا انصافی کر رہے تھے، اور وہ شکایت کے طور پر لب نہ ھلا سکتے تھے ، اب یہ دونوں پہلی مرتبہ بغاوت پر آمادہ تھے، اور یہ نامعلوم طور پر بوکھلائے ھوئے تھے، جوں جوں ان کی شہرت بڑھتی گئی ان کی اعصابی بوکھلاھٹ میں بتدریج اضافہ ھوتا گیا ۔

پیئر کیوری کا خط چارلز ایڈورڈ گوئیلامی کے نام

. . . . ھم سے مضمون لکھنے اور تقریر لکھنے کی فرمائشیں کی جاتی ھیں ، اور یہی لوگ چند سال گزرنے کے بعد خود ھی حیران ھوں گے کہ یہ لوگ ھماری عزت افزائی کیوں کرتے تھے، ھم نے ایسا کام ھی کیا کیا ہے . . . .

پیئر کیوری چارلز ایڈورڈ گوئیلامی کے نام

میرے پیارے دوست

میں ۱۸ فروری کو تقریر کروں گا ۔ اخباروں کو غلط اطلاع ملی تھی ۔ غلط خبر چھپ جانے پر مفت ٹکٹ حاصل کرنے کی

دو سو فرمائشیں حاصل ہوئیں۔ میں نے ان سب کا جواب دے دیا ۔
آہ ! مجھے وہ دن یاد آتے ہیں جب میں بالکل مشہور نہ تھا ، گوشۂ گمنامی میں چین سے پڑا رہتا تھا ۔ وہ کتنے پرسکون دن تھے ، لکچر بازی اور اخبار والوں کی سزا سے بالکل محفوظ تھا ۔

میری کا خط جوزف کے نام

۱۴ فروری ۱۹۰۴ء

ہر وقت شور و غل، ہر وقت ہنگامہ ۔ جہاں تک ہوسکتا ہے لوگ ہمیں کام نہیں کرنے دیتے ، اب میں صاف گوئی سے کام لیتی ہوں اور کسی سے بھی ملاقات نہیں کرتی ۔ شہرت اور عزت نے ہم دونوں کو برباد کر دیا ہے ۔

میری کا خط جوزف کے نام

پیارے جوزف تمہاری سالگرہ کے موقع پر میں دلی مبارک باد پیش کرتی ہوں ۔ میں تمہاری صحت اور خاندان کی کامیابی کی دعا کرتی ہوں اور یہ بھی دعا کرتی ہوں کہ تمہارے پاس اتنے خطوط کبھی نہ آئیں جتنے میرے پاس آ رہے ہیں، میں خطوں کے انبار کے نیچے دب کر رہ گئی ہوں ۔

مجھے افسوس ہے کہ میں نے ایسے بہت سے خطوط اٹھا کر پھینک دیئے جن کے اندر مشورے درج تھے ۔ ان خطوں کے اندر ریڈیم کے بارے میں گیت اور نظمیں تھیں ، بہت سے موجدوں کے

خطوط تھے ، بعض روحانی پیشواؤں کے خطوط تھے ۔ کل ایک امریکن کا خط آیا تھا ، اس نے مجھ سے گھوڑ دوڑ کے ایک گھوڑے کا نام مڈم کیوری رکھنے کی اجازت مانگی تھی ، اور پھر بیشمار فرمائشیں آتی ھیں کہ میں اپنے آٹو گراف اور فوٹوگراف بھیجوں ۔ میں ان خطوں کا جواب تو نہیں دیتی لیکن انہیں پڑھنے میں بہرحال میرا وقت برباد ہوتا ہے ۔

— — — —

پیئر کا خط جارجز گوائے کے نام

. . . . شاید تمہیں اندازہ ھوچکا ہے کہ اس دفعہ قسمت نے ھمارا ساتھ دیا ہے، لیکن قسمت کی حمایت اپنے ساتھ مصیبتیں لئے بغیر نہیں آتی ، پہلے ھم لوگ چین سے تھے لیکن اب بڑے جھمیلوں میں پھنسے ہوئے ھیں ۔ ھم نے سوچا تھا کہ ھم جنگلی لوگوں کی طرح آزادی سے زندگی بسر کریں گے اور انسانوں سے دور رہیں گے ۔

———

میری کیوری کا خط ھنریٹا کے نام، موسم بہار ۱۹۰۴ء

ھمارا سکون اور ھماری محنت قطعی طور پر چھن گئی ہے ۔ مجھے نہیں معلوم ہے کہ زندگی کا وہ اعتدال و توازن دوبارہ نصیب بھی ہوگا یا نہیں ۔

یہ چڑچڑاھٹ اور قنوطیت بلکہ میں تو یہ کہوں‌گی کہ خطوں کی یہ تلخی گمراہ کن نہیں ہے ۔ دونوں میاں بیوی اپنے ذہن کا داخلی سکون کھو بیٹھے تھے ۔

تھکن جو ایک ایسی کوشش کا نتیجہ تھی کہ جس میں طاقت حدود سے متجاوز ہو چکی تھی اور جو غیر اطمینان بخش جسمانی حالت میں ظاہر ہوئی تھی - شہرت کی وجہ سے اس تھکن میں اور اضافہ ہو گیا ، (میری لکھتی ہے) ہمارے سکون میں خلل اندازی ہماری مصیبتوں کا باعث ہے -

شہرت معاوضے کی شکل میں ظاہر ہوئی تھی، اس سے میاں بیوی کو بعض فائدے پہنچے تھے - منصب ، تجربہ گاہ ، معاونین اور دوسری امدادیں ، لیکن یہ عطیات کس وقت آئے ؟ ان کا بے چینی سے انتظار کرنا بہت طول کھینچ چکا تھا . . . . . .

یہی وجہ تھی کہ میری اور پیئر کے مزاج میں تلخی پیدا ہو گئی تھی - فرانس وہ ملک تھا جس میں ان دونوں کی حیثیت کو سب سے آخر میں تسلیم کیا گیا تھا ، اور جب تک ڈیوی میڈل اور نوبل پرائز نہ مل گیا اس وقت تک یونیورسٹی آف پیرس نے پیئر کیوری کو طبعیات کے پروفیسر کی کرسی دینے کی کوئی فکر نہ کی ، اس بات سے دونوں سائنسدانوں کو بہت دکھ پہنچا تھا - دوسرے ممالک سے انعامات اور معاوضے آتے تھے اور ان کی ایجاد کو سراہا جاتا تھا ، لیکن فرانس میں ایسی کوئی بات نہ تھی -

پیئر کو یہ بات یاد تھی کہ گزشتہ چار برسوں میں اسے کتنی مرتبہ ملازمت دینے سے انکار کیا گیا تھا ، اور ایک ہی درسگاہ نے حسب توفیق اس کی مدد کی تھی، یعنی اسکول آف فزکس اینڈ کیمسٹری -ساربون میں اس نے ایک بار تقریر کرتے ہوئے حاضرین کے سامنے اس پرانے سائبان کا طلسم بیان کیا تھا -

میں اپنی تقریر میں اس نکتہ پر زور دینا چاھتا ھوں کہ میں نے اپنا تمام تحقیقی کام شہر پیرس کے اسکول آف فزکس اینڈ کیمسٹری میں مکمل کیا ھے ۔

تمام سائنسی تحقیقات میں گرد و پیش کا گہرا اثر پڑتا ھے ۔ بیس سال سے زیادہ میں اسکول آف فزکس سے وابستہ رھا ھوں ، اسکول کا پہلا ڈائرکٹر سوزن ورگر مشہور سائنسداں گزرا ھے ۔ میں ھمیشہ شکریہ کے ساتھ یہ بات یاد رکھوں گا کہ اس نے مجھے اس وقت کام کا موقع دیا ، جب میں صرف اسسٹنٹ تھا ، بعد میں اس نے مادام کیوری کو اجازت دی کہ وہ میرے ساتھ کام کرے ، یہ اجازت اس وقت بڑی اھمیت رکھتی تھی ۔ موجودہ ڈائرکٹر لاتھ اور گیرائبل ھم پر اسی روائیتی طریقے سے مہربان ھیں ۔

اس اسکول کے پروفیسر اور شاگردوں نے جب اپنی تعلیم ختم کرلی تو انھوں نے انجمن سائنس قائم کی ، اور اس حلقے سے مجھے بہت فائدہ پہنچا ، یہ میرے سابق شاگرد ھی تھے جو میرے شریک کار رہے ۔ میں بہت خوش ھوں کہ یہاں ان سب کا شکریہ ادا کرنے کا موقع ملا ۔

میاں بیوی کو اب بھی بہت کام کرنا تھا، ان میں کام کرنے کی امنگ تھی ، لیکن وقت کی بربادی کے خیال سے وہ بہت ڈرتے تھے ۔

جب شہرت نے پیئر پر حملہ کیا تو حملہ اس کے بنائے ہوئے اصولوں پر بھی تھا ۔ وہ اونچ نیچ اور درجہ بندی کو نفرت

کی نظر سے دیکھتا تھا ۔ اسے یہ بات بھی مہمل معلوم ہوتی تھی کہ ایک کلاس میں کچھ لوگ اول کہلائیں ، اور تمغے اور اعزاز وغیرہ اسے بچکانہ باتیں معلوم ہوتی تھیں ۔ اس رویئے کے تحت اس نے ”لیجن آف آنرز“ سے انکار کر دیا تھا ۔ وہ مسابقت سے بہت گھبراتا تھا اور ایجادوں اور دریافتوں کی دوڑ میں بھی جب وہ اپنے رفیقوں سے پیچھے رہ جاتا تھا تو اسے کوئی احساس نہ ہوتا تھا ، اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ ایک کتاب میں نے دیر میں چھاپی اور کسی اور نے پہلے چھاپ لی ۔ اسے یہ کہنے کی عادت تھی ”کسی اور نے پہلے چھاپ لی ہے“

یہ تقریباً غیر انسانی بیگانگی میری کو بہت زیادہ متاثر کرتی تھی ، لیکن جب لوگ اس کی تعریفیں کرتے تھے تو وہ مشکل میں پڑ جاتی تھی ، نہ تو وہ اپنے شوہر کی نقل کر سکتی تھی اور نہ اس کی اطاعت کر سکتی تھی ۔ شہرت کے خلاف جنگ اس کا اصول نہ تھا بلکہ جبلت تھی ، ایک بزدلانہ کیفیت تھی ۔ جب کسی ہجوم میں بہت سے لوگ اس پر نظریں مرکوز کر دیتے تو وہ بہت پریشان ہو جاتی اور وہ اعصابی تناؤ میں مبتلا ہو جاتی ۔

وہ پورے جوش و خروش کے ساتھ گھر کا کام، ماں کے فرائض اور درس و تدریس کے مشغلے کو جاری کئے ہوئے تھی ، اور اپنے دشوار گزار راستے پر مستعدی کے ساتھ چلی جا رہی تھی ۔ صرف ایک پارٹ اس نے ایسا کھیلا اور اس کا توازن ختم ہو گیا ، جیسے وہ نٹوں والی رسی سے گر پڑی ہو ۔ بیوی ، ماں ، سائنسداں ، استانی . . . . . ان سب حیثیتوں سے وہ کام کرتی تھی ، لیکن اب

اس کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ لوگوں سے اپنی پوجا کروا سکتی اور ان کی داد و ستائش کا جواب دے سکتی ۔

مختلف راستوں سے سہی ، لیکن پیئر کیوری اور مادام کیوری ایک ھی مرکز پر جمع ھو گئے تھے، شاید کوئی یہ سوچے کہ ان دونوں نے جو مل کر کام کئے ھیں ، اس کا برا اثر ان کی شہرت پر پڑے گا ۔ اس مرحلے پر پیئر چاھے دور کھڑا رھے لیکن میری ...... لیکن ایسی کوئی بات ظاھر نہ ھوئی ۔ وہ دو روحیں اور دو دماغ مساوی صفات کے حامل تھے ۔ اعزاز اور دولت سے دست کش ھو کر وہ متحد رھے ۔

میں لازمی طور پر اقرار کرتی ھوں کہ میں نے جس قانون میں ظلم محسوس کیا ، میں نے اس کے خلاف بغاوت کا جذبہ محسوس کیا ھے ۔ میں محسوس کرتی ھوں کہ یہ کامیاب سائنسی شہرت جو ایک بے سہارا عورت کو حاصل ھوئی ، اس نے اس عورت کو یعنی میری والدہ کو چند لمحوں کی خوشی ضرور بخشی ۔ اس نادر مہم نے ایک عورت کو ھیروئین بنانے کے لئے جو جو اذیتیں پہنچائیں وہ میرے نزدیک ناانصافی پر مبنی ھیں ، ایک خط کے اختتام پر مجھے بہت سی باتیں معلوم ھوئی ھیں ، کچھ اعتماد ، کچھ بے نیازانہ غرور اور فتح مندی کی ایک آہ اور ایک کراہ ۔

یہ ایک بچکانہ امید تھی ۔ میری دنیا کی عظیم المرتبہ مادام کیوری کے مرتبے تک پہنچ گئی ، کبھی کبھی اب بھی خوش ھوتی تھی لیکن صرف اپنی تجربہ گاہ کی خاموشی میں یا پھر اپنے گھر کی بے تکلف فضا میں ، روز بروز وہ اپنے آپ کو مدھم اور

غیر دلچسپ بناتی جا رہی تھی تاکہ ان لوگوں سے بچ سکے جو اسے کھینچ کر اسٹیج تک پہنچانا چاہتے تھے ۔ وہ " اسٹار " بننا نہیں چاہتی تھی ، اس نے اپنی اس حیثیت کو کبھی تسلیم ہی نہ کیا تھا ، سالہا سال تک اجنبی لوگ اس کے پاس آتے رہے اور اصرار کے ساتھ پوچھتے رہے " کیا آپ مادام کیوری ہیں ؟ " اور وہ ایسی آواز میں جواب دیتی ، جس کا مطلب نہ "ہاں" نکلتا نہ "نہیں" وہ کسی خوف کے جذبے کے تحت کہتی "نہیں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے "

وہ اپنے مداحوں کے سامنے ، جو اب اس کے سامنے اس طرح جمع ہوتے جیسے کسی شہنشاہ کے روبرو ہوں ، لیکن وہ اپنے شوہر کی طرح محض حیرت اور بے چینی کا اظہار کرتی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسے مجمع میں وہ بور ہو جاتی تھی ۔

ہزاروں مثالوں میں سے ایک مثال کافی ہے ، پیئر کہتا ہے "قسمت کی حمایت" دونوں میاں بیوی پریذیڈنٹ لاؤیٹ کے محل میں کھانا کھا رہے تھے ، اسی دوران میں ایک خاتون آئیں اور میری سے پوچھنے لگیں ۔

"کیا آپ اس بات کو پسند کریں گی کہ میں آپ کو یونان کے بادشاہ کے روبرو پیش کروں ؟ "

میری نے معصومیت اور نرمی سے اپنی شریفانہ آواز میں انتہائی خلوص سے جواب دیا :

"مجھے اس میں کوئی فائدہ نظر نہیں آتا "

اس نے خاتون کے چہرے کو بڑھ لیا ، اور اس نے خوف کے ساتھ یہ بھی دیکھا کہ وہ خاتون جسے وہ پہچان نہ سکی تھی ، درحقیقت مسز لاؤسٹ تھیں ۔ وہ شرما گئی اور اس نے کہا :

" لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سچی بات یہ ہے کہ جو آپ کی خوشی ہے وہی میری خوشی ہے ، جیسے آپ کا جی چاہے "

میاں بیوی جو ہمیشہ جنگلی لوگوں کی طرح دنیا والوں سے الگ تھلگ رہنا چاہتے ، اب کسی اور سبب سے الگ تھلگ رہنا چاہتے تھے ، وہ شہرت یافتہ کبوری جوڑے سے ڈرتے تھے ۔ وہ ہمیشہ کی طرح ویران گاؤں کی طرف بھاگے اور اگر انہوں نے کسی سرائے میں رات بسر کی تو وہاں کے رجسٹر میں انہوں نے اپنے غلط نام لکھائے ۔

ان کا بہروپ بہروپ ان کی اپنی وضع قطع اور دھج تھی ، ان دونوں کو دیکھ کر جو پھٹیچر بنے پھر رہے تھے اور سائیکلوں پر بیٹھ کر سیر کرنے نکلتے تھے ۔ ایک مرد اور ایک عورت ، عورت جو کوئی کسان کی لڑکی معلوم ہوتی تھی ، انہیں دیکھ کر بھلا کون کہہ سکتا تھا کہ انہوں نے نوبل پرائز حاصل کیا ہے ۔

ان کو بہت اچھی طرح پہچاننے والے بھی ان کو دیکھ کر پہچاننے میں دقت محسوس کرتے ، ایک امریکن اخبار نویس نے بڑی ہوشیاری سے ان کا پیچھا کیا اور جب ایک ماہی گیر کے جھونپڑے کے سامنے جا کر کھڑا ہوا تو وہ سخت

حیران ھوا ، اس کے اخبار نے اسے مادام کیوری سے انٹرویو کرنے کے لئے بھیجا تھا ، جو دنیا کی مشہور سائنسداں خاتون تھی ، لیکن وہ کہاں مل سکتی ھے ؟ کسی سے اس کا پتا پوچھنا چاھئے . . . مثال کے طور پر اسی عورت سے پوچھ لے جو سامنے والے دروازے کے پتھر پر ننگے پیر پھیلائے بیٹھی ھے اور اپنے پیر سے ریت ھٹا رھی ھے ۔

عورت نے اپنا سر اٹھایا اور اس نے اپنی بھوری آنکھیں اخبار نویس کے چہرے پر جما دیں . . . . . ایک دم اس کے ذھن میں ھزاروں فوٹو ابھر آئے جو پیرس کے اخباروں میں آئے دن چھپتے رھتے تھے ، ارے یہ تو وھی ھے ! اخباری نمائندہ سناٹے میں آ گیا ۔ وہ میری کے سامنے جھک گیا اور اس نے اپنی نوٹ بک نکالی ۔

جب میری نے دیکھا کہ اب فرار ناممکن ھے ، وہ ھار سی گئی اور اس نے اخبار نویس کے سوالوں کے مختصر جوابات دیئے ۔ جی ھاں ، پیئر کیوری اور میں نے مل کر ریڈیم دریافت کیا تھا ۔ جی ھاں ! ھم اب بھی اپنے کام میں مصروف ھیں ۔

اسی اثناء میں اس نے ریت میں آئی ھوئی سینڈلیں نکالیں اور انھیں پھٹا پھٹ پتھر پر پٹخنے لگی اور پھر اس نے وہ سینڈلیں اپنے خوبصورت پیروں میں پہن لیں ۔ ایک اخبار نویس کے لئے یہ ایک نادر موقع تھا ۔ بے تکلفی کا ایک سین ، بہت ھی خوش قسمت اخبار نویسوں کو ایسے موقعے ملتے ھیں . . . . . اخبار نویس نے فائدہ اٹھا کر جلدی جلدی سوالات شروع کئے ۔ کاش وہ میری

کے عالم شباب کا تھوڑا سا اعتماد حاصل کر سکتا ، اس کا طریقۂ کار اپنا سکتا اور اس عورت کی نفسیات کو سمجھ سکتا ، جس نے اپنی زندگی ریسرچ کے لئے وقف کر دی تھی ۔

لیکن حیرت کرنے والے چہرے کا رنگ بدل گیا ۔ اس نے ایک جملے میں گویا اپنا نصب‌العین پیش کر دیا تھا ۔ وہ جملہ اس کی سیرت کا آئینہ دار تھا ، وہ جملہ جو اس کے تمام تحقیقی کام کا حاصل ہے ۔ اس جملے کے ساتھ ھی میری نے گفتگو ختم کر دی ۔ وہ جملہ یہ تھا :

”سائنس میں ھمیں لازمی طور پر اشیاء سے دلچسپی لینا چاھئے ، انسانوں سے نہیں “



سترھواں باب

ہر روز

اب کیوری کا نام " بڑا نام " تھا - سامان یعنی دولت کے لحاظ سے پہلے کے مقابلے میں اسر تھے لیکن خوشی کے لمحات بہت کم حاصل ہوتے تھے -

میری خاص طور پر کام کا وہ ولولہ اور وہ مسرت کھو چکی تھی ، اب وہ ہمہ وقت سائنسی خیالات میں پیئر کی طرح غرق نہ رہتی تھی - روز مرہ کے حالات کا اس کے اعصاب اور شعور پر اثر پڑتا تھا اور یہ اثر بہت برا تھا -

وہ شور و غل جس نے ریڈیم اور نوبل پرائز کے حصول کا جشن منایا تھا ، اسے بے حد پریشان کر رہا تھا ، اور اسے اس نگہداشت سے روک رہا تھا ، اور اس کی زندگی میں زہر گھول رہا تھا -

---

پیئر کی علالت

پیئر کیوری کا خط جارجز گوائے کے نام

۳۱ جنوری ۱۹۰۵ء

میرے گٹھیا کے مرض نے فی الحال مجھے تنہا چھوڑ دیا ہے - اس مرتبہ گرمیوں میں مجھ پر اس کا شدید حملہ ہوا تھا اور میں سوئیڈن



میری اور پیئر کیوری

اپنی بچی آئیرین کے ساتھ

۱۹۰۴ء



میری کیوری اور پیئر کیوری

اپنی بچی آئیرین کے ساتھ

۱۹۰۸ء

جانے کا ارادہ ترک کر چکا ہوں ۔ تم خود سمجھ سکتی ہو کہ اس طرح ہم سوئیڈن کی اکیڈمی کی حمائتیں مکمل طور پر کھو رہے ہیں ۔ سچی بات یہ ہے کہ میں اپنی حالت اسی وقت بہتر بنا سکتا ہوں جب میں جسمانی تھکن سے بچ سکوں ۔ میری بیوی کی بھی وہ کیفیت ہے جو میری ہے ، اور اب ہم طویل عرصے تک مسلسل کام کرنے کا خواب تک نہیں دیکھ سکتے، حالانکہ ہمیں اس کی ضرورت ہے ۔

پیئر کیوری بنام جارجز گوائے، ۲۴ جولائی ۱۹۰۵ء

. . . . ہماری زندگی اب بھی اسی ڈھرے پر چل رہی ہے ، لوگ خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع کرنے پر تلے ہوئے ہیں ۔ کام چھوڑے ہوئے پورا ایک سال ہو چکا ہے ، لوگوں سے ایسی ملاقاتیں کرنا پڑتی ہیں کہ ایک لمحے کے لئے اپنے سے ملاقات کرنا ممکن نہیں ، اب تک مجھے وہ گر نہیں معلوم ہو سکا ہے، جس سے میں اپنے آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھ سکوں اور لوگوں سے بچنا بہت ضروری ہے ۔ ذہنی نقطۂ نظر سے یہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے ۔

مجھے جو درد ہوتا ہے وہ صحیح معنوں میں گٹھیا کا مرض نہیں معلوم ہوتا ہے بلکہ شاید کچھ اعصابی تشنج سے ملتی جلتی کیفیت ہوتی ہے ، اب میں پہلے سے بہتر ہوں اور صحت بہتر ہوتی جا رہی ہے ، اور آج کل میں مناسب مقدار میں کچلے کا جزو دوا میں ڈال کر استعمال کر رہا ہوں ۔

پیئر بنام جارجز گوائے، ۱۹ ستمبر ۱۹۰۵ء

. . . . بھئی میں غلطی پر تھا جب میں نے تم کو لکھا کہ میری صحت بہتر ہوتی جا رہی ہے ، اس دوران میں مجھ پر کئی نئے حملے ہوئے اور ہلکی سی تھکن محسوس ہوتے ہی مجھ پر دورہ پڑ گیا ۔ میں اپنی موجودہ حالت پر غور کرتا ہوں اور حیرت سے سوچتا ہوں کہ میں کبھی سنجیدگی کے ساتھ تجربہ گاہ میں کام کرنے کے قابل ہو سکوں گا ۔

اب تعطیلات کا کوئی سوال نہیں ہے ، وہ سہانے دن ختم ہوگئے جب اسکولی لڑکوں کی طرح ہم دونوں میاں بیوی سائیکلیں سنبھال کر سڑک سڑک سیر کرنے چل دیتے تھے ۔ میری نے پیرس کے قریب ایک وادی میں ایک چھوٹا سا دیہاتی مکان کرایہ پر لیا تھا ۔ وہاں وہ اپنے شوہر اور اپنی بچی کی نگہداشت کرتی تھی ۔

میری کا خط جین پیرین کے نام

. . . . میں آئیرین کی طرف سے کچھ زیادہ مطمئن نہیں ہوں ، ان دنوں اسے کالی کھانسی آ رہی ہے ، تھوڑی دیر بعد وہ کھانسنے لگتی ہے ، حالانکہ دیہات کی آب و ہوا میں اسے رہتے ہوئے تین مہینے ہو چکے ہیں ۔ میرے شوہر بہت تھک گئے ہیں ، وہ سیر کے لئے نہیں جا سکتے اور ہم دونوں ریاضی اور طبعیات کے رسالے پڑھ کر اپنا وقت گزارتے ہیں ۔

اب آئیرین کے پاس ایک چھوٹی سی بائیسکل ہے ، اور وہ اسے اچھی طرح چلانا جانتی ہے، وہ لڑکوں کی طرح سائیکل پر سوار ہوتی ہے اور اسے سائیکل چلاتے دیکھ کر بڑا لطف آتا ہے ۔

ذہنی اور جسمانی طور پر تھکے ہوئے نہ میاں بیوی ! پیئر وقت کا ستایا ہوا تھا ۔ کبا یہ شخص جو ابھی بالکل جوان تھا اسے خوف رہا کرتا تھا کہ میں بہت جلد مر جاؤں گا ؟ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی ان دیکھے دشمن کے مقابلے کی تیاری کرے ۔ وہ سراپا تہیہ اور عجلت بن چکا تھا ۔ وہ محبت کے ساتھ کسی نہ کسی بات پر اپنی بیوی کے پیچھے پڑ جاتا تھا اور اپنی پریشانی اس کے ذہن میں منتقل کر دیتا تھا ۔کام اس کے حسب منشا نہ ہو رہا تھا ، اور کام کی رفتار بہت سست تھی ۔ ریسرچ کا کام ہم آہنگی سے ہونا چاہئے، ہر لمحہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے ۔ تجربہ گاہ میں بہت زیادہ وقت صرف کرنا چاہئے ۔

میری نے ایک مرتبہ بڑی شدید کوشش کی جو اس کی اعصابی قوت کی حدوں سے بڑھ گئی ۔

اس کا مقدر بڑا شدید تھا ۔ بیس سال پہلے . . . . جب سولہ برس کی ایک پولش لڑکی جس کا دماغ ناچ رنگ کی یادوں سے بھرا ہوا تھا اور جو اب وارسا سے پیرس آئی تھی اور روزی کمانا چاہتی تھی اب کبھی محنت کرنے سے گریز نہ کرتی تھی ۔ اس کا شباب خاموشی سے گزر رہا تھا ، وہ ایک مکان کی آخری اور برفیلی منزل میں طبعیات کے رسالوں پر جھکی ہوئی تھی ، ایسی حالت میں عشق اس کے پاس آیا لیکن عشق بھی کام اور محنت کا بھیس بدل کر آیا تھا ۔

وہ ایک لمحہ کے لئے سٹ پٹا گئی کہ انساں کے عشق اور سائنس کے عشق میں کیسے امتیاز کرے ۔ پیٹر کی محبت اور اس کی محبت مساوی طاقت کی تھی اور دونوں کا نصب العین ایک ہی تھا ، لیکن پیئر اپنی زندگی کے گذشتہ ایام میں کاہلی کے طویل دن گذار چکا تھا ، جب اس پر بلوغت آئی تھی تو اس کی دنیا رنگین ہو گئی تھی ۔ میری جب سے عورت بنی تھی اس وقت سے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے محنت خانے سے باہر قدم نہ نکال سکی تھی اور بعض اوقات اس کا جی چاہتا تھا کہ وہ سادہ زندگی کی دلکشی سے آشنا ہو سکے ۔ وہ بڑی شفیق بیوی اور ماں تھی ۔ وہ فراغت کے لمحات کے خواب دیکھا کرتی تھی ۔ وہ دن کتنے سنہرے ہوتے ہیں جب انسان کو کسی بات کی فکر نہیں ہوتی اور وہ مزے سے آرام کرتا ہے ۔

اب وہ حیران تھی اور پیئر کو بھی حیرت ہوئی ، ان کی آنکھیں چکاچوند ہو گئیں کہ ان دونوں نے نہایت ذھین ساتھی تلاش کر لئے ، وہ مکمل ایثار اور قربانی کے لئے تیار ہو گیا ، اور اس نے اپنے اور بیوی کے مشترکہ نصب العین کی خاطر اپنے آپ کو قربان کر دیا ۔

وہ اس کی اطاعت کرتی تھی . . . . ہمیشہ اطاعت کرتی تھی . . . . لیکن وہ ذھنی اور جسمانی طور پر تھکن محسوس کرتی تھی ۔ وہ روز بروز بے حوصلہ ہوتی جا رہی تھی اور اپنے ذھنی دیوالیہ پن پر اپنے آپ کو کوستی تھی ۔ حقیقت بالکل سادہ تھی ، اس چھتیس سال کی عورت کے اندر محض ایک حیوانی زندگی موجود ہے جو پہلے ہی عرصے سے پریشان ہے اور اپنے حقوق کا دعویٰ

کر رھی ہے - میری سکون چاہتی تھی - وہ مادام کیوری ہونے کے باوجود سکون چاہتی تھی - وہ کچھ عرصے کے لئے ریڈیم کو بھول جانا چاہتی تھی . . . . پیٹ بھر کھانا ، رات بھر سونا اور کسی بات کا غم نہ کرنا . . . . یہی وہ چاہتی تھی -

یہ ممکن نہ تھا - ہر روز نئی الجھنیں پیدا ہوتی تھیں - ۱۹۰۴ء ختم ہونے کے قریب تھا . . . . میری کے لئے خصوصاً ختم ہونے کو تھا، اس کا پاؤں بھاری تھا - وہ اپنے اسکول سے فقط اتنی رعایت چاہتی تھی کہ اسے چند یوم کی رخصت مل جائے - جب شام کے وقت وہ تھکی ہوئی بوجھل بوجھل سی تجربہ گاہ سے واپس آتی تو پیئر کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلتی اور بعض اوقات اسے وارسا یاد آتا -

ولادت کے دن جب قریب آئے تو اس کی پژمردگی اور تھکن کی کوئی انتہا نہ تھی- شوہر کی صحت کے خیال سے قطع نظر کہ اس کی صحت کے بارے میں بھی وہ بڑی اذیت محسوس کرتی تھی ، ولادت کے دن قریب آنے پر ایسا نظر آتا تھا کہ جیسے اسے کسی چیز سے محبت نہیں ، نہ سائنس سے، نہ زندگی سے اور نہ اس بچے سے جو پیدا ہونے کو تھا - زچگی کی خاطر برونیا پولینڈ سے آ گئی تھی ، اور اس نئی میری کے بارے میں فکر مند تھی جو اب ایک شکست خوردہ عورت نظر آتی تھی -

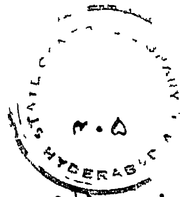
” میں اس کیڑے کو دنیا میں کیوں لا رھی ہوں ؟ “ وہ یہ سوال کرنے سے کبھی تھکتی ہی نہ تھی ” ہمیں کسی معصوم کو دنیا کے جھمیلوں میں ڈالنے کا کوئی حق نہیں “

آخرکار ٦ دسمبر ۱۹۰۴ء کو ایک موٹی تازی بچی پیدا ہوئی ۔ جس کے سر پر موٹے موٹے سیاہ بال تھے ۔ یہ دوسری بچی تھی ، ایو . . . .

بروینا کی خاموشی اس کا معقول ذہن بعض اوقات میری کی کاموں کو دور کر دیتا تھا ، جب وہ چلی گئی تو اپنے پیچھے سمجھداری کی ایک فضا چھوڑ گئی ۔

نوزائیدہ بچی مسکراتی تھی اور ایک نرس اس کی دیکھ بھال کرتی تھی ، نوجوان عورت مادام کیوری میں دوبارہ زندگی آ گئی ۔ ایک ننھی سی نوزائیدہ بچی نے اس کی کھردری زندگی کو ملائم بنا دیا، اور اس کی محبت واپس آ گئی ۔ ایک چھوٹی سی نوٹ بک میں جیسے وہ آئیرین کی تفصیلات لکھتی تھی اسی طرح ایو کی کہانی لکھنے لگی، اس کی حرکتیں اور اس کے دانتوں کا نکلنا ، اور جوں جوں بچی بڑھتی گئی ماں کی اعصابی حالت بہتر ہوتی گئی ۔ جب بچی پیدا ہوئی تو مجبوراً اسے آرام کرنا پڑا اور اس آرام سے اس کی تھکن دور ہو گئی ، اور میری کو زندگی کا ذائقہ واپس مل گیا ۔ وہ تجربہ گاہ کی طرف بڑی مسرت کے ساتھ بڑھی ، ایک ایسی مسرت جسے وہ بھول چکی تھی ۔ اب وہ طلباء کو پڑھانے اسکول بھی جائے گی ۔

ایک لمحہ کے تذبذب کے بعد اس نے دیکھا کہ اس کے قدم آہستہ آہستہ اٹھ رہے ہیں، اب وہ اپنی زندگی کی سنگلاخ سڑک پر واپس آچکی تھی ۔



از سر نو اسے ہر چیز سے دلچسپی ہوئی ، اس کا مکان ، اس کی تجربہ گاہ ۔ وہ ان واقعات کو دلچسپی سے سنتی جنہوں نے اس کے پیارے وطن میں تہلکہ مچا دیا تھا ۔ ۱۹۰۵ء میں روس میں انقلاب آیا ۔ پولینڈ بکھر گیا ، پولینڈ نے زار روس کے مخالفوں کی حمایت کی ۔

میری کا خط جوزف کے نام ، ۲۳ مارچ ۱۹۰۵ء

میں جانتی ہوں کہ تمہیں امید ہے کہ تازہ ترین ہنگامے سے ہمارے ملک کو کچھ فائدہ پہنچے گا ۔ برونیا اور کازیمیر کا بھی یہی خیال ہے ۔ کاش امید ناامیدی سے نہ بدلے، میں بڑے ولولے سے اس کی تمنا کرتی ہوں اور اس پر بہت زیادہ سوچ بچار کرتی ہوں ۔ میرا خیال ہے کہ ہر حالت میں انقلاب کی حمایت کرنا ضروری ہے ۔ میں عنقریب کازیمیر کو کچھ رقم بھیجوں گی ، جو اسی مقصد پر صرف کی جائے گی ۔ افسوس کہ میں انقلاب میں شرکت نہیں کر سکتی اور اپنے وطن کو براہ راست فائدہ نہیں پہنچا سکتی . . . .

گھر میں سب خریت ہے ، کوئی قابل ذکر بات نہیں ہے ۔ بچے اچھی طرح پل رہے ہیں ، ننھی ایو بہت کم سوتی ہے اور اگر میں اسے گہوارے میں جاگتا چھوڑ کر ادھر ادھر ہو جاؤں تو وہ بڑی شدت سے احتجاج کرتی ہے ۔ چونکہ میں باضابطہ زندگی نہیں گزارتی ، اس لئے میں اسے گود میں لے لیتی ہوں اور اس وقت تک لئے رہتی ہوں جب تک وہ چپ نہیں ہو جاتی ۔ اس کی شکل آئیرین

سے نہیں ملتی - اس کے سیاہ بال اور نیلی آنکھیں ہیں، حالانکہ آئیرین کے بال ہلکے بھورے اور اس کی آنکھیں سبزی مائل بھورے رنگ کی ہیں -

ہم اب تک اسی گھر میں رہ رہے ہیں ، اور اس دفعہ موسم بہار میں ہم باغ کا لطف اٹھانے کی تیاری کر رہے ہیں - آج کا موسم نہایت درجہ خوشگوار ہے ، سردی کا نم‌ناک اور ناخوشگوار موسم ختم ہو گیا ، اس لئے ان دنوں کا موسم بے حد مسرور کن ہے -

میں نے یکم فروری سے دوبارہ پڑھانا شروع کر دیا ہے - سہ پہر کو میں تجربہ‌گاہ جاتی ہوں ، صبح کے وقت گھر پر رہتی ہوں، البتہ ہفتے میں دو مرتبہ صبح کے وقت اسکول جانا پڑتا ہے . . . . میرے پاس بہت کام ہے ، گھرداری، بچوں کی دیکھ بھال ، پڑھانے کا مشغلہ اور پھر تجربہ‌گاہ کی مصروفیتیں ، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں اتنی بہت سی چیزوں کو کیسے سنبھالوں -

موسم خوبصورت تھا ، پیئر پہلے کے مقابلے میں توانائی محسوس کر رہا تھا، اور میری کا مزاج پہلے سے بہتر تھا - اسٹاک‌ہام کا سفر اور نوبل لکچر کا پروگرام کئی بار منسوخ کیا گیا ، لیکن اس مرتبہ میاں بیوی اس شاندار سفر کے لئے تیار ہوئے - وہ سفر جو اب ہمارے خاندان میں روایت بن چکا ہے . . . .

٦ جون ١٩٠٥ء کو پیئر نے اپنی جانب سے اور اپنی بیوی کی جانب سے اکیڈمی آف سائنس سٹاک‌ہام میں ریڈیم پر تقریر کی -

اس نے ریڈیم کی ایجاد کے نتائج بھی بیان کئے ۔ طبعیات میں ریڈیم نے بعض بنیادی اصولوں کی ترمیم کی ہے ۔ کیمیا میں اس نے ضوریز شعاعوں کے مظہر کو اور توانائی کے مفروضے کو تقویت پہنچائی ہے ۔ علم طبقات الارض اور علم معدنیات میں ریڈیم کنجی کی حیثیت رکھتی ہے ۔ سب کے آخر میں علم الحیات میں ریڈیم کینسر کا موثر علاج کرنے میں کامیاب ہوئی ہے ۔

ریڈیم نے علم کو مالا مال کیا ہے اور ''خیر'' کی خدمت کی ہے ، لیکن کیا اس نے '' بدی '' کی بھی خدمت کی ہے ؟

پیئر نے تقریر کے اختتام پر کہا کہ جرائم پیشہ لوگوں کے ہاتھ میں ریڈیم بڑی خطرناک ثابت ہوئی ہے ، ہم یہی کہہ سکتے ہیں کہ اگر انسانیت فطرت کے راز ہائے سربستہ حاصل کرنا چاہتی ہے ، اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے تو اسے سوچنا چاہئے کہ یہ علم ہمارے لئے نقصان دہ نہ ہو ۔ مسٹر نوبل کی ''دریافتیں '' مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہیں ۔ طاقتور آتش گیر مادوں سے انسان نے بڑے کام لئے ، لیکن اسی آتش گیر مادے سے انسان نے بڑے جرائم کئے ہیں ، اور جنگ میں ہزاروں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے ۔

میں مسٹر نوبل کا ہم خیال ہوں کہ انسانیت جب نئی دریافتیں اور ایجادیں کرے گی تو ان سے ''خیر'' کا کام زیادہ لیا جائے گا اور ''شر'' کے مقابلے میں ''خیر'' کو فتح ہوگی ۔

سوئیڈن کے سائنسدانوں نے جس طرح ان کا استقبال کیا تھا اس سے میاں بیوی کو بڑی مسرت ہوئی ، وہ اس دور دراز مہم کے شکوہ سے خائف تھے ۔ لیکن سفر کا سارا انتظام ایسی عقلمندی سے کیا گیا کہ سفر نہایت دلکش بن گیا ۔ ان کے استقبال کے لئے انسانوں کا کوئی ہجوم نہ آیا ، صرف چند سرکاری لوگ آئے ، پیئر اور میری نے اپنی مرضی سے ایک گاؤں کی سیر کی ، گاؤں کی سیر نے انہیں بہت خوش کیا ، انہوں نے سائنسدانوں سے گفتگو کی اور ہنسی خوشی گھر لوٹ آئے . . . .

پیئر بنام جارجز گوائے

. . . . میں اور میری بیوی ابھی ابھی سوئیڈن کے خوشگوار سفر سے واپس آئے ہیں ۔ وہاں ہمیں کوئی الجھن نہ ہوئی ، اور کوئی مصیبت نہ پیش آئی ، اور ہمیں اتنے دنوں ایک طرح کا آرام ملا ۔ جون کے مہینے میں اسٹاک ہام میں بمشکل ہی کوئی تھا ، سرکاری طور پر ہمارے اس دورے کو بہت سادہ بنا دیا گیا ۔

سوئیڈن میں جھیلوں کے جال بچھے ہوئے ہیں ، اور سمندر نے اس ملک کو اپنے بازوؤں میں لے رکھا ہے ، اس چھوٹی سی سر زمین پر چاروں طرف چیڑ کے درخت لگے ہیں ، اور سرخ لکڑی کے مکان ہیں ۔ یہ سر زمین بڑی باقاعدہ ہے ۔ یہ زمین بڑی خوبصورت اور آرام دہ ہے ۔ ہمارے سفر میں کوئی رات نہیں پڑی ، اور موسم خزاں کا سورج ہمیشہ چمکتا رہا ۔



میری کیوری

ایو اور آئیرین کے ساتھ

۱۹۰۸ء



مادام کیوری اپنی تجربہ گاہ میں

۱۹۱۲ء

ہمارے بچے اور میرے والد بخیریت ہیں ، اور میں اور میری بیوی پہلے سے بہتر ہیں ، اگرچہ بہت جلدی تھک جاتے ہیں ۔

بولی وارڈ کے مکان میں وہ دونوں پھر سادہ زندگی بسر کرنے لگے اور یہ مکان پھر ایک محفوظ قلعہ بن گیا ۔ گھرداری کی فکریں کم سے کم ہو گئیں ۔ ایک عورت گھر کا کام کاج کرتی تھی ، ایک دوسری ملازمہ کھانا پکاتی تھی ۔ کھانا پکانے والی ملازمہ اپنے اجنبی مالکوں کو بڑی حیرت سے دیکھتی تھی کہ یہ دونوں نہ جانے کس دنیا میں رہتے ہیں اور وہ انتظار کرتی تھی کہ صاحب اور میم کسی دن تو اس کے پکائے ہوئے کھانے کی تعریف کر دیں ، لیکن یہ امید کبھی بر نہ آئی ۔

آخر ایک روز ملازمہ کا پیمانۂ صبر چھلک پڑا اور وہ ایمان دار عورت پیئر کے سامنے کھڑی ہوگئی اور بڑی مضبوط آواز سے اس نے پوچھا کہ آج گائے کا گوشت کیسا پکا ہے ۔ لیکن جواب نے اسے بے حد پریشان کر دیا ۔

"اچھا ، اچھا کیا میں نے آج گائے کا گوشت کھایا ہے ؟" سائنسدان زیر لب کہنے لگا " ہاں ، ہاں ہو سکتا ہے عین ممکن ہے ،،

کام کی بہت زیادہ زیادتی کے باوجود میری بچوں کی دیکھ بھال کے لئے وقت نکال لیتی تھی ۔ اس کے کام کی نوعیت تو ایسی تھی کہ وہ کلی طور پر بچوں کو نوکروں کے سپرد

کر دیتی ، لیکن وہ اپنی طبیعت سے مجبور تھی اور وہ ضرور معلوم کر لیتی تھی کہ آئیرین اور ایو نے اچھی طرح کھانا کھایا ہے یا نہیں ، اور وہ سو رہی ہیں یا جاگ رہی ہیں ، وہ بچیوں کو نہلاتی اور ان کے بالوں میں کنگھی کرتی ، انہیں سردی اور بیماری سے بچاتی - وہ کبھی چین سے نہ بیٹھتی تھی - اگر کسی وجہ سے اس کی توجہ میں کمی آ جاتی ہے تو آئیرین اسے یاد دلا دیتی ہے - آئیرین بڑی ظالم لڑکی تھی - وہ اپنی ننھی بہن سے جلتی تھی اور اپنی ماں کو موقع نہ دیتی تھی کہ وہ ننھی بچی کی دیکھ بھال کرے - سردیوں میں میری نے بڑے طویل سفر کئے - یہ سفر پیرس سے باہر نہیں بلکہ اندر یعنی شہر کے اندر کئے گئے تھے - ماں نے شہر بھر کی خاک چھان ڈالی - کیوں ؟ محض کیلے اور سیب خریدنے کے لئے ، جو اتفاق سے ان دنوں عنقا تھے - بڑی لڑکی نے کیلے اور سیب کی فرمائش کی تھی ، ان پھلوں کے بغیر گھر میں گھسنے کی اس میں ہمت ہی نہ تھی -

دونوں میاں بیوی لباس پہننے میں اپنی شامیں گذارتے تھے ، وہ سائنسی کتابیں پڑھتے تھے یا پھر اپنی نوٹ بک میں پیچیدہ قسم کے سوالات پیش کرتے تھے ، ابھی کبھی وہ نمائشوں میں بھی دیکھے جاتے تھے، اور اب انہوں نے سال میں سات آٹھ مرتبہ تھیٹر یا راگ رنگ کی محفل میں دو گھنٹے کے لئے شریک ہونے کے لئے اپنے آپ کو اجازت دے دی تھی -

بیسویں صدی کے آغاز میں پیرس میں بڑے باکمال اداکاروں کا مجمع تھا - پیئر اور میری اکثر موقعوں پر ڈوزے کی

اداکاری دیکھنے جاتے تھے ۔ کبھی کبھی وہ ماؤنٹ سولے اور سارابین ھاٹ کا فن بھی دیکھ لیتے تھے ۔ وہ ان دونوں سے بہت متاثر تھے ۔ تھیٹر ڈی لا اوئیرے میں ابسن کے ڈرامے کھیلے جاتے تھے ۔ پیئر اور میری تھیئٹر دیکھ کر خوش خوش لوٹ کر گھر آئے تھے اور ان پر کئی روز تک تھیئٹر کا اثر رھتا تھا ۔ جب وہ گھر آئے تو بوڑھا باپ ڈاکٹر کیوری ان دونوں کو دیکھ کر مسخرے پن سے مسکراتا تھا ۔ یہ بوڑھا آدمی کسی قدر یاسیت پسند تھا ، اور جب وہ ان دونوں کو تھیئٹر سے واپس آتا ھوا دیکھتا تو کہتا " یہ نہ بھولو کہ تم دونوں وھاں تعیش خاطر گئے تھے "

پیئر کو اس قسم کے جھمیلوں سے خاص طور سے دلچسپی تھی ۔ اب کچھ عرصہ کے لئے وہ دونوں تجربہ گاہ سے وہ دلچسپی نہ لے رہے تھے جو پہلے لیا کرتے تھے ۔ اچانک ان دونوں کو احساس ھوا کہ وہ بھٹک گئے ھیں ۔ انہوں نے تو یہ ٹھان رکھی تھی کہ وہ زندگی بھر بے یقینی میں مبتلا رھیں گے اور یقین کے خاطر کام کرتے رھیں گے ۔

پیئر اور میری نے لوگوں سے ملنا جلنا ترک کر دیا اور اب وہ دونوں کسی محفل میں نہ دیکھے جاتے تھے ، لیکن سرکاری دعوتوں سے وہ نہ بچ سکتے تھے اور جب غیر ملکی سائنسدانوں کے اعزاز میں دعوتیں دی جاتیں تھیں تو اسے بھی ان دعوتوں میں شرکت کرنا پڑتی تھی ۔ کبھی کبھی ایسا بھی ھوا کہ

پیٹر نے اپنا اونی سوٹ اتار دیا اور روزمرہ کا لباس پہن لیا اور میری نے شام کا لباس پہن لیا۔

یہ لباس جسے وہ سالہاسال سے پہنے تھی ، گاہے گاہے ایک درزی عورت اس کی مرمت کر دیتی تھی ، کالے رنگ کا تھا۔ ایک چمک دمک دکھانے والی عورت اگر اس کے لباس کو دیکھتی تو حقارت کا اظہار کرتی ، لیکن میری کو فیشن کے بارے میں کوئی علم نہ تھا اور نہ اس میں لباس پہننے کا ذوق تھا ، لیکن اس بے خبری سے ایک فائدہ بھی ہوا یعنی اس کے لباس کی ایک خاص دھج بن گئی ، جب وہ تجربہ گاہ والا لباس تبدیل کرتی تو شام کا لباس پہن لیتی ، جس میں کوئی خوبصورتی نہ تھی۔ اس کا بدن چھریرا تھا اور جب وہ بے ڈھنگا لباس پہنتی تو بدن کی ساخت کی وجہ سے لباس کا بے تکا پن ظاہر ہو جاتا تھا۔ خیر میری تو جیسی تھی ویسی تھی اسے اپنے سراپے کا کوئی ہوش نہ تھا ، لیکن بعض عورتیں ایسی تھیں جو بہت بنی ٹھنی رہتیں تھیں لیکن اس کے باوجود وہ اچھی نہ لگتی تھیں اور میری بے تکا لباس پہن کر بھی بری نہ لگتی تھی۔

ایک شام کو جب وہ دونوں کسی کام سے باہر جا رہے تھے تو پیٹر نے خلاف معمول بیوی کو سر سے پیر تک بڑے غور سے دیکھا ، وہ زیوروں کے اعتبار سے بالکل ننگی بچی تھی ، نہ گلے میں نکلس ، نہ ہاتھوں میں چوڑیاں۔ پیٹر نے سوچا عورت ذات اور اتنی شریف۔ اس شخص کے چہرے پر غم کی بدلی سی چھا گئی ، یہ

شخص جس کے کاندھوں کو سائنس نے مستقل طور پر جھکا دیا تھا بڑے قلق سے بیوی کو دیکھ رہا تھا ۔

"یہ بڑے دکھ کی بات ہے ، تمہارے پاس پہننے کے لئے کچھ نہیں ہے"

اگر سوری ایسے مکان میں کبھی کبھار چند لوگوں کی دعوت کرتی تو اسے کوشش کرکے یہ دیکھنا پڑتا تھا کہ گھر میں اچھا کھانا پکا ہے یا نہیں، اور اسے یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ مکان سلیقہ سے سجا ہے یا نہیں ، وہ ادھر ادھر گھوم پھر کر اچھے قسم کے پھل اور سبزیاں خریدتی تھی ۔ اور دکاندار سے خاص طور پر کہتی کہ وہ اچھی قسم کا پنیر دے ۔ وہ پھول بیچنے والے کے ٹوکرے سے گلاب اور دوسرے پودوں کے پھول چنتی ۔ پھر وہ گھر آتی ، پھولوں کا گلدستہ تیار کرتی اور گھر کی ملازمہ کھانے کو تیار کرتی ۔ وہ اس روز کچھ زیادہ پریشان ہوتی تھی ، مہمانوں کے لئے وہ نہایت عمدہ قسم کی آئس کریم منگواتی ، آخر میں میری میز کا معائنہ کرتی اور فرنیچر کو ٹھیک طرح سے درست کرتی ۔

آخری زمانے میں میاں بیوی کے پاس تھوڑا سا فرنیچر بھی ہوگیا تھا ، پہلے وہ جس مکان میں رہتی تھی وہاں اس نے فالتو کرسیاں نہ جمع کرنے کا فیصلہ کیا تھا ، لیکن اس نئے مکان میں اس نے کرسیوں کو خوش آمدید کہا تھا ، مہاگنی کی لکڑی کے صوفے جن پر مخمل چڑھا تھا ، ایک صوفے پر رات کے وقت آئیرین

سو رہی تھی ۔ اب مکان میں کچھ آرام دہ کرسیاں بھی تھیں ۔ کتابیں رکھنے کے لئے دو بڑی بڑی الماریاں تھیں ، جن میں فزکس کی موٹی موٹی کتابیں تھیں ۔

مہمان اکثر آیا کرتے تھے ، غیر ممالک سے دوست آتے تھے جو کسی اور ملک کو جاتے ہوئے کچھ دیر کے لئے پیرس میں ٹھہرتے تھے یا پھر پولینڈ سے کچھ لوگ آتے تھے جو میری کے گھر ٹھہرتے تھے ، انہیں میری اس لئے ٹھہرا لیتی تھی کہ وہ پولینڈ کی خبریں سناتے تھے ۔ مادام کیوری بچوں کی دعوتیں بھی کرتی تھی تاکہ سب بچے جمع ہو کر شرمیلی آئیرین کا دل بہلائیں ۔

ایک مرتبہ گھر میں بڑا تماشا ہوا ، بہت سے مستری آئے ، اور انہوں نے کھانے کے کمرے میں تھیٹر کا اسٹیج بنا دیا اور رنگ برنگی روشنیوں کا انتظام کر دیا ۔ اب یہ رنگ برنگی روشنیاں ایک رقاصہ کے نقاب کے بوسے لے رہی تھیں ، جو ایسا دلکش رقص کرتی تھی کہ کبھی تو شعلہ جوالہ بن جاتی تھی ، اور کبھی پھول کی مانند کھل جاتی تھی ، کبھی دیوی کے روپ میں ظاہر ہوتی تھی اور کبھی جادوگرنی نظر آتی تھی ۔

اس رقاصہ کا نام لوئی فلر تھا اور یہ پری کہلاتی تھی، اس نے اپنے انوکھے رقص سے سارے پیرس کو مسحور کر لیا تھا ، ان دونوں سائنسدان میاں بیوی سے اس کے دوستانہ مراسم بڑے عجیب طرح سے ہو گئے ۔ رقاصہ نے اخباروں میں پڑھا تھا کہ کوئی ایسی چیز

ایجاد ہوئی ہے جس کا نام ریڈیم ہے ، جس کے اندر سے روشنی نکلتی ہے - اس رقاصہ نے سوچا کہ کہیں سے تھوڑی سی ریڈیم مل جائے تو اپنے کپڑوں میں مل لوں اور جب اسٹیج پر آؤں تو میرے کپڑوں سے چھن چھن کر نور نکلے اور سارے تماشائی دنگ رہ جائیں - اس سلسلے میں اس نے اس سائنسداں جوڑے کو خط لکھا اور معلومات چاہیں - اس کے خط میں بڑا بھولا پن تھا - خط پڑھ کر میاں بیوی مسکرا دئے ، اور انہوں نے لوئی کو خط لکھا کہ اس نے بڑی انوکھی بات سوچی ہے -

یہ امریکن رقاصہ فلر جسے ہر رات تھیٹر کی مخلوق دیکھ کر مرحبا کے نعرے بلند کرتی تھی ، خط کا جواب پا کر سوچنے لگی کہ جواب دینے والے اس پر کتنے مہربان ہیں - خط کے جواب میں اس نے کوئی شیخی بھرا خط نہ لکھا اور نہ ان میاں بیوی سے یہ کہا کہ کسی رات تھیٹر میں آ کے ذرا ہمارے فن کی داد دو - اس نے میری کو خط لکھا " آپ کا خط ملا ، میری جانب سے شکریہ کی ایک ہی صورت ہو سکتی ہے - کسی شام کو اپنے مکان پر میرا مجرا کروائیے ، میں آپ دونوں کی خاطر ناچنا چاہتی ہوں "

پیئر اور میری نے یہ بات منظور کر لی - ایک لڑکی عجیب و غریب بے ڈھنگا سا لباس پہنے آئی ، اس کے چہرے پر معصومیت تھی ، اس کی آنکھیں بچوں کی طرح نیلگوں تھیں ، وہ ان کے دروازے پر آئی ، اس کے ساتھ بہت سے مستری تھے جو تھیٹر کا سامان لادے ہوئے تھے - میاں بیوی کسی قدر گھبرا گئے ، انہوں نے حملہ آوروں کے لئے کمرہ خالی کر دیا اور اپنی تجربہ گاہ میں چلے

گئے ۔ لوئی گھنٹوں محنت کرتی رہی اور خود ہی مختلف روشنیوں کا انتظام کرتی رہی ۔ اس نے اپنی نگرانی میں بردے لگوائے اور پا انداز اور نمدے بچھوائے ۔ اس نے حکم دیا کہ اس جھوٹے سے کھانے کے کمرے کو اس طرح سجا دیا جائے کہ دونوں سائنسدانوں کو تھیٹر کا پورا لطف آ جائے ۔

مکان کے چاروں طرف اچھی طرح بہرہ بٹھا دیا گیا ، اور پھر رقص کی وہ دیوی اسٹیج پر تھرکتی ہوئی آئی ، وہ خوب بنی سنوری تھی ، اس رقاصہ کی روح بڑی نازک تھی ۔ اس نے الفاظ سے کبھی میری کی تعریف نہ کی ، اس نے اپنے رقص کا کوئی معاوضہ نہ چاہا ، اسی وجہ سے اس کی شخصیت میں بڑی ندرت تھی اور اس کے فن میں بڑا خلوص تھا، اور اسی وجہ سے دیکھنے والوں کو پورا لطف آتا تھا۔ وہ بڑے خلوص سے ان کے مکان پر ناچنے آئی تھی ۔ جب دونوں سائنسدانوں نے اس رقاصہ کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ کس قسم کی ہے تو وہ باز دید کے طور پر اس سے ملنے اس کی قیام گاہ پر گئے۔ اس کے مکان پر ان کی ملاقات آگسٹس راؤن سے ہوئی ۔ اس کے ساتھ بھی دونوں سائنسدانوں کے دوستانہ تعلقات ہوگئے۔ انہیں برسوں میں پیئر ، میری ، لوئی فلر اور راؤن کو سنگ تراشی کے اسٹوڈیو میں مرمر اور مٹی کے درمیان دوستانہ فضا میں باتیں کرتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا ۔

پیئر اور میری کے مکان میں سات آٹھ دوستوں کا ہمیشہ خیر مقدم کیا جاتا تھا ۔ ان کے نام یہ ہیں : آندرے ڈی بارنے ، جین پیرین یعنی آندرے ڈی بارنے کی بیوی، وہ میری کی ایک سہیلی تھی ،

جارجز اربین ، پال لبگون ، اے مے کاٹن ، جارجز سیگ ناک ، چارلز ایڈورڈ ، گوئی لامے اور اس کے اسکول کے چند طلباء ، سارے کے سارے سائنسدان تھے !

اتوار کی سہ پہر کو جب موسم خوشگوار ہوتا تو یہ سب لوگ میری کے مکان کے باغ میں جمع ہوتے ۔ میری کسی سائے میں بیٹھ کر اپنا کام کرتی، پاس ہی ننھی بچی ایو کی گاڑی کھڑی ہوتی ۔ لیکن وہ سینے پرونے اور کپڑوں سی مرمت کرنے کا کام جاری نہ رکھ سکتی تھی کیونکہ باغ میں بحث و مباحثہ گرم ہوتا تھا اور اس تمام گفتگو میں اس کا چپ رہنا ایسا تھا جیسے وہ سب چینی زبان میں گفتگو کر رہے تھے جو میری کی سمجھ میں نہ آتی تھی ۔

گفتگو کس قسم کی ہوتی تھی ، نری سائنسی گفتگو ۔ الفا بیٹا ، اور گاما شعاعوں کے بارے میں ، یہ سب ریڈیم کی مختلف شعاعوں کے نام ہیں . . . . ببرین ، اربین اور ڈی بارنے ریسرچ کر رہے تھے اور سب کم و بیش ریڈیم کی توانائی کے ارتقاء کے بارے میں تحقیقی کام کر رہے تھے ۔ اس کی وضاحت کے سلسلے میں نہ تو وہ کارنٹ کے اصول نظر انداز کر سکتے تھے اور نہ اجزاء کی توانائی کے بقا کو نظر انداز کر سکتے تھے ۔ پیئر نے ضوریز شعاعوں کی قلب ماہیت کے مفروضے پر ریسرچ کرنے کا مشورہ دیا ، لیکن اس موضوع کو سن کر اربین نے کانوں پرہاتھ دھرے ، اس نے کہا کہ اس پر تحقیقی کام کرنا تو کجا وہ اس موضوع کے بارے میں کچھ سن بھی نہیں سکتا ۔ اس نے اپنے ہی نقطۂ نظر پر زور دیا اور اس سلسلے میں وہ جذباتی سا تھا ۔ اب رہا سیگ ناک کا کام

اس کے بارے میں بھی گفتگو ہوئی اور میری بھی تو ریڈیم کے ایٹمی وزن کے بارے میں تجربے کر رہی تھی ، ان تجربوں کے بارے میں بھی گرما گرم گفتگو ہوئی . . . .

ریڈیم ، ریڈیم ، ریڈیم ! یہ طلسمی نام سینکڑوں مرتبہ لوگوں کی زبان پر آتا تھا اور میری کو بعض وقت بہت رنج ہوتا تھا ۔ ترتیب غلط ہو گئی تھی ۔ جس مادے کا نام پولونیم رکھا گیا تھا اس کا نام ریڈیم رکھنا چاہئے تھا ، اور جس کا نام ریڈیم رکھا گیا تھا ، اس کا نام پولونیم ہونا چاہئے تھا ۔ پہلا جزو جو دونوں نے مل کر دریافت کیا تھا اس کا نام انہوں نے پولونیم رکھ دیا تھا ؛ اور اس جزو کی ثانوی اہمیت تھی ۔ وطن پرست میری کا جی چاہتا تھا کہ پہلے مادے کا نام واپس لے لے اور ریڈیم کا نام پولونیم رکھ دے تاکہ اس کے وطن پولینڈ کا نام زیادہ سے زیادہ زبانوں پر جاری رہے ۔ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا نام چل پڑا تھا ۔

بہت سے لوگ جمع ہو کر اعلیٰ موضوعات پر گفتگو کرتے تھے ۔ ڈاکٹر کیوری ، ڈی بارنے اور پیک ون سے سیاست پر گفتگو کرتے تھے ، اربین بڑے لطف کے ساتھ میری سے نوک جھونک کرتا تھا اور اس کے لباس پر تبصرے کرتا تھا ، اور طنزاً کہتا تھا کہ وہ ایسا لباس کیوں پہنتی ہے جس سے نازو غمزہ ظاہر ہوتا ہے ، اور میری اس غیر متوقع گفتگو پر حیران ہو جاتی تھی اور جواب دیئے بغیر سنتی رہتی تھی ۔ باغ کے سرے پر مادام پیرین اپنے بچوں اور آئیرین اور اس کے ہمجولیوں کو پریوں کی کہانی سنا رہی تھی ۔ پیرین جوڑا اور کیوری جوڑا ایک دوسرے سے روزملاقات کرتا تھا ۔

ان کے مکان پاس پاس تھے اور دونوں کے باغیچے صرف گلاب کے دختوں سے علیحدہ علیحدہ کئے گئے تھے - جب آئرین کو اپنے دوستوں کو کوئی چیز بہت جلدی دینا ہوتی تو وہ انہیں اسی باغیچے سے بلاتی تھی ، اور لوہے کی سلاخوں کے ذریعہ یہ بچے آپس میں چاکلیٹ ، کھلونے اور ایک دوسرے کا اعتماد حاصل کرتے تھے . . . . . اسی طرح یہ بچے بل بڑھ کر جوان ہوئے اور آپس میں طبعیات پر گفتگو کرنے لگے -

اب بزرگوں کا حال سنیئے - پیئر اور میری منصوبے بنانے میں مصروف رہا کرتے تھے - دونوں کے سامنے ایک دور کا آغاز ہو چکا تھا ، اب فرانس ان دونوں کے وجود کو تسلیم کرنے لگا تھا ، اور ان کی کوششوں کا صلہ دینا چاہتا تھا -

پہلا اور ناگزیر مرحلہ یہ تھا کہ اکیڈمی آف سائنس پیئر کو نامزد کرے - سائنسداں نے دوسری مرتبہ اپنے آپ کو پیش کیا ، اور اکیڈمی کے ممبروں سے ملاقات کرنے کا صبر آزما کام شروع کیا - وہ خوفزدہ تھا کہ وہ ایک اچھے امیدوار کی طرح برتاؤ نہ کر سکے گا - اس پر مشوروں کی بارش ہو رہی -

ای مسکرٹ بنام پیئر کیوری ، ۲۲ مئی ۱۹۰۵ء

میرے پیارے کیوری

. . . قدرتی طور پر آپ کا نام سر فہرست ہے ، آپ بلا مقابلہ لے لئے جائیں گے اور اب آپ کی نامزدگی میں کوئی شک نہیں ہے -

اب آپ کو لازم ہے کہ آپ حوصلے سے کام لیں اور اکیڈمی کے ممبروں سے ملاقات کریں۔ اگر وہ نہ ملیں تو آپ ان کے گھروں پر اپنا ملاقاتی کارڈ چھوڑ آئیں ، آئندہ ہفتے سے یہ کام شروع کر دیجئے اور پندرہ دن کے اندراندر آپ کو ملازمت مل جائے گی ۔

ای مسکرڈ بنام بیئر کیوری ۰ ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء

میرے پیارے کیوری ۰ ۲۰ جون سے پہلے جس طرح بن پڑے اس مرحلے سے گزر جاؤ اور اکیڈمی کے ممبروں سے آخری مرتبہ مل آؤ ، خواہ تمہیں دن بھر کے لئے موٹر کار لینا پڑے ۔

جو باتیں تم نے مجھے لکھی ہیں وہ اصولی طور پر نہایت درست ہیں ، لیکن عملی زندگی میں انسان کو کچھ نرمی اور لچک پیدا کرنا پڑتی ہے ۔ تم یہ تو سوچو کہ اگر تم اس درس گاہ کے عملے کے رکن بن گئے ، تو تمہیں دوسروں کی خدمت کرنے کا زیادہ موقع ملے گا ۔

۳۱ جولائی ۱۹۰۵ء کو بیئر کیوری اکیڈمی میں داخل ہوا ، لیکن بالکل صحیح صحیح ۔ بیس سائنسدانوں نے ، کوئی شک نہیں کہ ناانصافی سے ڈرنے کے باوجود بیئر کے حریف مسٹر گرنیز کے حق میں ووٹ دیئے ۔

بیئر کیوری بنام جارجز گوئے ۰ ۲۴ جولائی ۱۹۰۵ء

. . . . میں نے اپنے آپ کو اکیڈمی میں موجود پایا ، حالانکہ نہ میں وہاں موجود ہونا چاہتا تھا اور نہ اکیڈمی کو میری موجودگی

سمد نهی ۔ سبن ممبروں سے ملنے گیا اور سبن غیر حاضر ممبروں کے یہاں ملاقاتی کارڈ چھوڑ آیا ، هر سخص نے مجھے یقین دلایا که یه طے هو جکا هے که مجھے پچاس ووٹ دیئے جائیں گے ۔

. . . . اس سے کیا حاصل هے ؟ وه ایسا مرکز هے جو سازشوں کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا ، اس چھوٹی سی سهم سے قطع نظر مجھے اس سلسلے میں اپنے آپ سے همدردی نہیں هے ، اور دوسروں کا یه خیال هے که میں نے بار بار ممبروں کے مکانوں کے چکر نہیں کاٹ ، حالانکه کاٹنا چاهئے تھے ۔ ایس نے مجھ سے بوجھا که وه کون کون ممبر هیں جو مجھے ووٹ دینے جا رهے هیں ، میں نے اسے بتایا که میں نہیں جانتا اور نه میں نے ان سے ووٹ دینے کو کہا هے ۔ اس نے کہا اچھا تو یه معامله هے که تم نے ان سے کہا تک نہیں هے ، اور یه افواه بھیل گئی هے که میں مغرور هوں ۔

پیئر بنام جارجز گوائے ، ٦ اکتوبر ١٩٠٥ء

. . . . میں پیر کے روز درس گاه گیا ، لیکن میں سچی بات ضرور کہوں گا که میں نہیں جانتا تھا که مجھے وهاں کیا کرنا هے ۔ ممبروں میں سے کسی کے ساتھ بھی مجھے کوئی معاملت نہیں رکھنی هے ، اور جو اجلاس هوتے هیں ان کا کوئی مقصد نہیں هے ۔ مجھے نہایت واضح طور پر محسوس هوتا هے که یه میرے حلقے نہیں هیں ۔

بیئر کیوری بنام جارجز گوائے، اکتوبر ۱۹۰۵ء

. . . . میں اب تک یہ دریافت نہیں کر سکا ہوں کہ اس اکیڈمی سے فائدہ کیا ہے۔

پیئر نوں نو حلقۂ احباب کا بڑا مداح تھا لیکن اسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ یونیورسٹی اس کے حق میں فیصلہ کررہی ہے۔ ۱۹۰۴ء کے آغاز میں یونیورسٹی کے ریکٹر مسٹر لیارڈ نے اس کے لئے ایک نوکری نکالی تھی، وہ اسے فزکس کے پروفیسر کا منصب دینا چاہتا تھا۔ یہی وہ منصب تھا جس کے لئے پروفیسر نے اتنا طویل انتظار کیا تھا، اس منصب کو قبول کرنے سے پہلے پیئر نے سوال کیا کہ منصب کے علاوہ وہ تجربہ گاہ کہاں ہے جس میں مجھے کام کرنے کا موقع دیا جائے گا۔

تجربہ گاہ! کیسی تجربہ گاہ؟ تجربہ گاہ کا سوال ہی کیا ہے۔

ایک سیکنڈ میں نوبل پرائیز جیتنے والے ریڈیم کے باپ پیئر نے معلوم کر لیا کہ اگر وہ اپنی موجودہ ملازمت چھوڑ کر یہ نوکری کرے گا تو "آدھی چھوڑ پوری کو دھاوے" کی مثل صادق آئے گی۔ نئے پروفیسر کو کوئی تجربہ گاہ الاٹ نہ کی گئی تھی، اور موجودہ اسکول میں جہاں وہ نوکر ہے اسے وہ کمرے دیئے گئے ہیں کیونکہ اس سے پہلے جو اس کی جگہ پر کام کر رہا تھا اسے بھی یہی دو کمرے دیئے گئے تھے۔ اب اگر وہ موجودہ نوکری چھوڑ دے تو وہ دونوں کمرے ہاتھ سے جائیں گے اور نئی ملازمت میں تجربے

کرنے کے لئے کوئی جگہ نہ ملے گی تو پھر کیا وہ سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر تجربے کرے گا۔

پیئر نے نہایت نرمی، لیکن نپے تلے الفاظ میں ایک خط لکھا۔ اس نے لکھا چونکہ مجھے تجربے کرنے کے لئے کوئی جگہ نہیں دی جا رہی ہے اس لئے میں نئی ملازمت سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہوں۔ میں اپنی پرانی ملازمت جاری رکھوں گا، خواہ مجھے اپنی موجودہ ملازمت میں بہت زیادہ محنت کرنا پڑے، وہ دونوں اس چھوٹی سی جگہ ہی میں رہیں گے جہاں میاں بیوی کو مفید کام کرنے کا موقع ملے گا۔

کئی پنچائتیں ہوئیں، اس کے بعد آخرکار یونیورسٹی نے ایوان نائبین سے ڈیڑھ لاکھ فرانک کی رقم سے ایک تجربہ گاہ قائم کرنے کے لئے کہا۔ منصوبے پر تقریباً عمل شروع ہو گیا۔ ساربون میں پیئر کی جگہ نہ تھی، لیکن ریوکیویر میں دو کمرے تعمیر ہونے کو تھے۔ بارہ ہزار فرانک سالانہ مسٹر کیوری کو بطور امداد ملنے کو تھے، جسے مزید چونتیس ہزار فرانک تجربہ گاہ کی تعمیر کے لئے ملنے والے تھے۔

بھولے بھالے پیئر نے سوچا کہ تعمیر کی لاگت کے یہ معنی ہیں کہ وہ آلات خریدے گا اور ضروری سامان مکمل کرے گا، ہاں وہ ایسا کر سکتا تھا، لیکن اسی وقت جب نئی عمارت کی قیمت اس

رقم سے وضع کی جا سکے - سرکاری افسروں کے نزدیک بلڈنگ اور اس کے سازوسامان هم معنی الفاظ تھے -

اس طرح سرکاری منصوبہ ٹائیں ٹائیں فش ہو گیا -

بیئر کیوری بنام جارجز گوائے ، ۳۱ جنوری ۱۹۰۵ء

جس اسکول میں میں پڑھاتا ہوں وہاں میرے پاس دو کمرے ہیں ، جن میں ہم میاں بیوی کام کرتے ہیں ، اور باہر والے میدان میں ہم مزید دو کمرے بنوا رہے ہیں - مزید دو کمرے بنوانے میں بیس ہزار فرانک صرف ہوں گے، جو مخصوص کی ہوئی رقم سے وضع کر لئے جائیں گے -

---

بیئر کیوری بنام جارجز گوائے ، ۷ نومبر ۱۹۰۵ء

کل سے میں نصاب کے مطابق پڑھانا شروع کروں گا ، لیکن تجربات کے سلسلے میں مجھے بڑی دقت ہے - لکچر ہال ساربون میں ہے ، اور تجربہ گاہ ریو کیوبر میں ہے - علاوہ ازیں لکچر ہال میں اور بہت سے لکچر ہوا کرتے ہیں ، اور مجھے کورس تیار کرنے کے لئے صرف صبح کا وقت ملتا ہے -

نہ میری صحت بہت اچھی ہے اور نہ بہت بری ہے ، لیکن یہ ہے کہ تھوڑی سی محنت کر کے میں تھک جاتا ہوں ، اور میرے کام کی مقدار اور رفتار بہت کم ہو گئی ہے - اس کے برخلاف میری

بیوی بڑی سرگرمی سے مختلف مشاغل اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ اپنا ایک منٹ بھی برباد نہیں کرتیں، اور تجربہ گاہ میں بڑی باقاعدگی سے جاتی ہیں، جہاں وہ دن کا بیشتر حصہ صرف کرتی ہیں۔

آہستہ آہستہ وہ خاردار جگہ جس سے شروع شروع میں پیئر کیوری کو اذیت پونہچ رہی تھی، اب اسی عقرب صفت جگہ نے اپنے سرکاری ڈھانچے میں پیئر کیوری کے لئے بھی ایک جگہ پیدا کرلی۔ کام کرنے کے کمرے مربع فٹ کے بعد مربع فٹ بنتے جا رہے تھے، ایک نہایت غیر آرام دہ جگہ پر دو کمرے تعمیر ہوئے، جن کے بارے میں پہلے ہی سے معلوم تھا کہ وہ ناکافی ہوں گے۔

ایک دولت مند عورت اس صورت حال سے بہت متاثر ہوئی اور اس نے اپنی جانب سے مدد کرنے کی پیش کش کی، وہ پیئر کیوری اور اس کی بیوی سے ہمدردی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ان دونوں سے کہا کہ وہ ان کے لئے کسی پرسکون اور خاموش علاقے میں ایک مفید بلڈنگ بنوا دے گی۔ سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا پیئر کیوری ایک بار پھر پر امید ہو گیا، اور اس نے اپنا منصوبہ اس خاتون کو لکھ کر بھیجا۔

پیئر کیوری بنام میڈم ڈی ایکس، ۶ فروری ۱۹۰۶ء

محترمہ

اس خط کے ساتھ میں آپ کو آپ کی فرمائش کے مطابق تجربہ گاہ کی تفصیلات بھیج رہا ہوں۔ میری تجویز اور میری بتائی ہوئی باتیں قطعی اور آخری نہیں ہیں، اور موقع اور محل کے

مطابق ان میں مناسب ترمیم و تنسیخ ہو سکتی ہے ۔ ہم اور آپ اس سلسلے میں افہام و تفہیم کریں گے ۔

. . . . میں نے اس نکتہ پر بہت زیادہ زور دیا ہے کہ ہمارے ملک میں ایک تجربہ گاہ ہونا چاہئے، کیونکہ ہمارے لئے یہ بات بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ جس تجربہ گاہ میں ہم کام کریں اسی کے پاس ہمارے بچے ہوں ۔ بچوں کی نگہداشت کے لئے ضروری ہے کہ تجربہ گاہ اور بچے پاس پاس ہوں ۔ اور میری بیوی کے لئے خصوصاً بےحد دقت ہے ، کیونکہ مکان اور تجربہ گاہ میں بڑا فاصلہ ہے ۔ بہ یک وقت دوہرا کام اس کی طاقت سے باہر ہے ۔

پیرس کے باہر کسی پرسکون جگہ میں کام سائنسی تحقیق کے لئے بےحد سازگار ہوگا ، اور یہ فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب تجربہ گاہ بنوا لی جائے ۔ بہ صورت دیگر وسط شہر میں رہنے سے بچے برباد ہو جائیں گے اور میری بیوی ان حالات میں بچوں کی پرورش نہیں کرنا چاہتی ۔

ہم دونوں آپ کی پیش کش سے بےحد متاثر ہوئے ہیں اور ہم دونوں کی جو قدردانی آپ نے فرمائی ہے اس کے لئے ہم بےحد شکر گذار ہیں۔

محترمہ ، میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ ہماری طرف سے مبارک باد اور شکریہ قبول کیجئے ۔

سخاوت سے بھرپور یہ منصوبہ کبھی عمل میں نہ آیا ۔ ابھی میری کو آٹھ سال اور صبر کرنا تھا ، اس عرصے کے بعد اسے

ریڈیم کی تجربہ گاہ قائم کرنے کا موقع مل جائے گا ۔ ایک ایسی تجربہ گاہ جسے پیئر کبھی نہ دیکھ سکے گا ۔ یہ خلش ہمیشہ اس کی روح میں باقی رہی اور یہ بات ہمیشہ کانٹا بن کر چبھتی رہی کہ اس کا رفیق حیات جو اپنی طویل مدت تک انتظار کرتا رہا کبھی اس خوبصورت تجربہ گاہ کو نہ دیکھ سکا جو بعد میں تعمیر ہوئی ۔ تجربہ گاہ . . . یہی تو اس کی ایک تمنا تھی، مرتے دم تک اس کے دل میں تجربہ گاہ کی حسرت باقی رہی ۔

ایک وقت آئے گا جب میری ریو کیوری کے ان دو کمروں کے بارے میں جو اسے ملے تھے ، لکھے گی :

کوئی شخص بھی جب اس بات پر غور کرے گا تو اس کے مزاج میں لازمی طور پر تلخی پیدا ہو جائے گی کہ اتنے بڑے سائنس داں کے ساتھ جو آخری رعایت کی گئی تھی وہ انہیں دو کمروں کی صورت میں تھی ۔ اور اتنا کہنے و سننے کے باوجود فرانس کے بہترین سائنسداں کو اپنی مرضی کے مطابق کبھی کسی قسم کی کوئی تجربہ گاہ نصیب نہ ہو سکی ، حالانکہ اس کی ذہانت بیس سال سے ظاہر ہونے لگی تھی ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ایک شان دار تجربہ گاہ میں کام کرتا ، لیکن کیا یہ ستم نہیں ہے کہ سینتالیس برس کی عمر میں بھی اسے کوئی تجربہ گاہ نہ مل سکی ۔ کیا کوئی شخص غم و اندوہ کی تھاہ کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ ایک اتنے بڑے سائنسداں کو اس بات کا کتنا غم ہوگا کہ اس کا خواب کبھی پورا نہ ہو سکا ! اب غم کرنا بے سود ہے لیکن ہم کئے بغیر

رہ بھی نہیں سکیے کہ قوم کے ایک بہت بڑے سائنسداں کے ساتھ اور قوم کے بہترین سپوت کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا ؟

. . . . یہ صحیح ہے کہ ریڈیم کی دریافت بڑے ناسازگار حالات میں کی گئی تھی، ایک سائبان میں پناہ لے کر کام کیا گیا تھا ، اور سائبان بھی ایسا کہ جسے دیکھ کر پرانے قصے کہانیاں یاد آتی تھیں ۔ اس سائبان میں جو شاعرانہ خوبی تھی، اس سے کام کرنے والوں کو کوئی فائدہ نہ تھا، اگر بہتر حالات ہوتے تو ہم پانچ برس کا کام دو ھی برس میں کر لیتے اور ہمارے اعصاب کا بوجھ کم ہو جاتا ۔

وزراء حضرات نے جو فیصلے فرمائے تھے ، ان میں سے ایک فیصلے سے پیری کو حقیقی لطف ملا تھا ۔ پیئر کو اب تین معاونین ملنے کو تھے ، ایک تو تجربہ گاہ کا سر براہ، ایک تجربہ گاہ کا اسسٹنٹ اور ایک مبلغ علمہ اسلام ۔ میری کو تجربہ گاہ کا سربراہ بنایا جانے والا تھا ۔

ابھی تک وہ نوجوان عورت جیسے تیسے کام چلا رھی تھی ، اور بغیر کسی تنخواہ یا مالی امداد کے اس نے ریڈیم کی دریافت کا کام کر لیا تھا ۔ نومبر ۱۹۰۴ء میں یہ طے ھوا کہ اسے دو ہزار چارسو فرانک سالانہ مالی امداد ملے گی ، امداد کا یہ پہلا موقع تھا ۔

یونیورسٹی آف فرانس

مادام کیوری ڈاکٹر آف سائنس کو سائنسی تحقیق میں مسٹر کیوری کی جگہ سر براہ مقرر کیا گیا ہے ، تقرر یکم نومبر

۱۹۰۴ء سے کیا جاتا ہے ، انہیں دو ہزار چار سو فرانک سالانہ تنخواہ ملے گی ، یہ تنخواہ بکم نومبر ۱۹۰۴ء سے لگائی جائے گی -

اے لکڑی کے سائبان الوداع !

پیئر اور میری نے ضروری سامان اٹھا لیا ، پرانا سائبان انہیں بہت عزیز تھا ، یہ سائبان ایسے دنوں کی یادگار تھا جب ان دونوں نے جان توڑ کر محنت کی تھی ، اور اسی سائبان میں پیار اور محبت سے ہنسی خوشی کے دن گزارے تھے ، بارہا وہ اس سائبان میں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ہوئے آئیں گے ، اور سائبان کی نم ناک دیواروں اور شکستہ حال تختوں کو حسرت سے دیکھ کر واپس چلے جائیں گے -

انہوں نے اپنے آپ کو نئی زندگی کے مطابق ڈھال لیا ، پیئر نے نئے نصاب کی تیاری شروع کر دی ، میری حسب معمول پڑھانے جاتی رہی - دونوں ایک دوسرے سے نئی عمارت کے لئے بے ڈھنگے کمروں میں ملتے تھے ، جہاں آندرے دی بارنے ، البرٹ لابارو سے امریکی سائنسداں ، پروفیسر ڈانے ، بہت سے اسسٹنٹ اور طلباء ریسرچ میں مصروف تھے ، وہ آلات پر جھکے ہوئے تجربات میں مصروف تھے -

پیئر کیوری ۱۴ ایریل ۱۹۰۶ء کو یہ لکھنے کو تھا کہ مادام کیوری اور میں دونوں اب بھی ریڈیم پر کام کر رہے ہیں ، ابھی کسی خاص نتیجے پر نہیں پہونچے ہیں - نئی ملازمت کئے

ہوئے ہمیں چند ہی مہینے ہوئے ہیں ، ابھی ہم اچھے نتائج کا انتظار کر رہے ہیں ۔

مادام کیوری اور میں دونوں ساتھ ساتھ کام کر رہے ہیں ....

یہ الفاظ پیئر نے اپنی موت سے صرف پانچ روز پہلے لکھے تھے ، ان سے میاں بیوی کے ازدواجی رشتے کی خوشبو پھوٹ رہی ہے اور دونوں کے اتحاد کے حسن کا نکھار ظاہر ہو رہا ہے ، ان دونوں کے کام ہر ترقی اور ہر ناکامی اور تمام فتوحات میں میاں بیوی کا بندھن صاف طور پر نظر آتا ہے ۔

میرے پڑھنے والو ! کیا میں ان دونوں کے رشتے کی دل کشی ، ان کے آپس کے اعتماد ، ان کے آپس کے مزاج اور ان کی رفاقت کا کافی طور پر ذکر کر چکی ہوں ؟ خیالات چھوٹے اور بڑے ، سوالات ، ریمارک اور مشوروں کا دونوں میاں بیوی دن رات تبادلہ کیا کرتے تھے ۔ دونوں ایک دوسرے سے شدید محبت کیا کرتے تھے ، دونوں ایک دوسرے کے کام کو بے حد سراہتے تھے ، لیکن انہیں کبھی ایک دوسرے پر رشک و حسد نہ آیا اور ان دونوں میں مزدوروں کی سی رفاقت تھی ، ان کا رشتہ بڑا ہی نفیس تھا ، ان دونوں کی محبت کے بارے میں نفاست ہی کا لفظ استعمال کیا جا سکتا ہے ۔

ابھی چند روز ہوئے ان کے ایک اسسٹنٹ البرٹ لا بارڈے نے مجھے ایک خط میں لکھا ہے :

میں ایک سائنسی آلے سے کام کر رہا تھا ، پیئر کیوری وہاں موجود تھے - مادام کیوری آئیں اور میرے کام سے دلچسپی ظاہر کرنے لگیں ، وہ پہلے پہلے تو کام کی نوعیت نہ سمجھ سکیں اور تفصیل پوچھنے لگیں ، تفصیل نہایت سادہ سی تھی ؛ جب تشریح کر دی گئی تو اس کے باوجود وہ اس کو رد کرنے لگیں - پیئر کیوری نے بڑی خوش طبعی سے کہا "واقعی سری ! "، یہ الفاظ آج تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں اور میرا جی چاہا کہ آپ جو اپنی والدہ پر کتاب لکھ رہی ہیں ، آپ تک یہ الفاظ پہنچا دوں -

اس واقعہ کے چند دنوں بعد بعض دوستوں کے سامنے ایک مسئلہ درپیش تھا ، ریاضی کا ایک فارمولا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا ، سب نے پیئر کیوری سے مدد مانگی - اس نے مشورہ دیا کہ مادام کیوری کی آمد کا انتظار کر لیا جائے کہ وہ اس معاملے میں بڑی باخبر ہیں اور فوراً سب کی مشکل آسان کر دیں گی - اور واقعی جب مادام کیوری آئی تو اس نے وہ مشکل مسئلہ چند منٹ میں حل کر دیا -

جب پیئر اور میری تنہا ہوتے تو ان کے چہروں پر ایک خاص قسم کی نرمی آ جاتی ، جس سے دونوں کی محبت کا اظہار ہوتا تھا - یہ دو نہایت عظیم المرتبہ ہستیاں ، جن کے کردار مختلف تھے ...... وہ نسبتاً پرسکون اور خوابوں کی دنیا میں رہنے والا شخص تھا ، اور وہ نسبتاً زیادہ پرجوش تھی، اور انسانیت سے اسے عشق تھا - یہ دونوں ایک دوسرے پر حملے نہ کرتے تھے ، گیارہ سال کے

تعلقات میں ایک بار بھی تلخی نہ پیدا ہوئی تھی اور انہیں ایک دوسرے پر بھروسا کرنے کی ضرورت تک نہ محسوس ہوئی تھی ، حالانکہ بھروسا ایسی چیز ہے کہ جس کے بغیر کوئی شادی زیادہ عرصے تک چل ہی نہیں سکتی ۔ لیکن ان کے ہاں تو از خود بھروسے کی کیفیت موجود تھی ۔ وہ دونوں قدرتاً ایک ہی ڈھنگ سے سوچنے کے عادی تھے اور زندگی کے نازک ترین موقعوں پر بھی انہوں نے مل جل کر کام کیا ۔

اگر کوئی دوست ، سہیلی مثلاً مادام پیرس آ کر پیئر سے کہیں کہ کیا وہ آئیرین کو اپنے بچوں کے ساتھ کھلانے کے لئے لے جائے تو وہ ہمیشہ بزدلوں کی طرح مسکراتا اور کہتا " مجھے نہیں معلوم ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میری ابھی تک نہیں آئی ہے ، میں اس کے مشورے کے بغیر آپ سے کیا عرض کرسکتا ہوں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "
اگر سائنس دانوں کے کسی جلسے میں میری اپنی طبیعت کے معمول کے مطابق پائیں ہرے کے نود میں نہ ہوتی اور اسے کسی سائنسی مسئلے پر گفتگو کرنے کو کہا جاتا تو یہ اکثر دیکھا گیا کہ وہ بحث کرنے کرتے بعض اوقات تذبذب میں پڑ جاتی تھی اور شرمانے لگتی تھی ، اس وقت وہ اپنے شوہر کی طرف دیکھتی تھی تاکہ وہ اس نازک موقع پر اسے راستہ دکھائے ، اس کے خیال میں اس کی رائے کے مقابلے میں پیئر کی رائے ہزار گنا زیادہ بہتر تھی ۔

بعد میں میری نے لکھا ہے "کہ شادی کے بعد میں نے اسے جیسا سوچا ویسا پایا بلکہ اس سے بھی سوا ۔ اس کی غیر معمولی خوبیوں کے سلسلے میں میں اس کی مداح تھی اور میری کی

مداحی کا معیار بلند اور غیر معمولی تھا ، اور یہ معیار برابر ترقی کرتا گیا ، بعض اوقات وہ سمجھے کوئی بڑی ہی نادرالوجود شے محسوس ہوتا تھا، اس میں غرور یا جھوٹی بڑائی کی کوئی رمق تک نہ تھی، جو بعض لوگوں میں پائی جاتی ہے اور ان کا جائزہ لیتے وقت کھنے والے مروت سے کام لیتے ہیں ، لیکن ستر کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہے -

۱۹۰۶ء میں ایسٹر کی چھٹیاں شروع ہوگئیں ، چمکیلا موسم آگیا ، پیٹر اور میری دونوں چند روز کے لئے دیہات چلے گئے اور سینٹ ریمے لس شیو ریزمین ایک پرسکون مکان میں قیام پذیر ہوئے - انہوں نے ازسرنو اپنی دیہاتی عادات اختیار کرلیں ، وہ دونوں اپنی بچیوں کے ساتھ اپنے مکان کے پاس ڈیری فارم پر دودھ لینے جاتے ، اب ایو اپنے ننھے ننھے پیروں سے چلنے لگی تھی ، پیٹر اسے چلتے ہوئے دیکھ کر ہنستا تھا، بچی کی عمر ابھی چودہ ماہ کی تھی اور وہ بیل گاڑی کے پہیوں کے نشانات کے ساتھ ساتھ چلنے کی کوشش کرتی تھی ، اس کوشش میں وہ ضد سے کام لیتی تھی -

اتوار کو دور سے گھنٹوں کی آواز سنائی دیتی اور یہ جوڑا اپنی بائیسکلوں پر سوار ہو کر پورٹ رائل کے جنگلوں کی سیر کو نکل گیا - وہ اپنے ساتھ سہونیا کے پھولوں کے گچھے اور رنین کلی کے پھول لائے - دونوں بہت تھکے ہوئے تھے اور دوسرے دن کی تفریح کے قابل نہ رہے تھے ، پیٹر ایک چراگاہ میں گھاس پر کاہلی سے لیٹ گیا - سورج آہستہ آہستہ طلوع ہو رہا تھا اور وادی پر پھیلا ہوا کہرا آہستہ آہستہ چھنٹ رہا تھا - ایو اپنی جگہ مگن

تھی اور آئیرین کبھی کچا بادام کھاتی اور اچھالتی ، کبھی تتلیوں کا تعاقب کرتی اور کبھی مسرت سے بھرپور ہو کر چیخیں نکالتی، اسے گرمی لگ رہی تھی ، اس نے اپنا جمپر اتار دیا اور پیٹر اور میری گھاس در پاس پاس لیٹ گئے ، وہ دونوں اپنی بچی کی مسرت کو سراہ رہے تھے اور اپنے بچکانہ لباس پر ہنس رہے تھے ، میری لڑکیوں والا بلاؤز پہنے تھی اور پیٹر لڑکوں والا نیکر پہنے تھا ۔

اس صبح کو یا اس روز شام سے پہلے سناٹے اور سکوت کی دلکشی اور موسم بہار کی سرشاری کا پیٹر پر اثر تھا ، وہ اپنی بچی کو دیکھ رہا تھا ، جو گھاس پر اچھل کود مچا رہی تھی ، اس کے پاس ہی میری بے حس و حرکت بیٹھی تھی ، اس نے بیوی کے گالوں کو اور خوبصورت بالوں کو چھوا اور کہا "میری تمہارے ساتھ رہ کر زندگی میں کتنی مٹھاس پیدا ہوگئی "

سہ پہر کو جب وہ جنگل کی سیر کر رہے تھے تو وہ باری باری سے ایو کو اپنے کندھوں پر بٹھاتے تھے ۔ تالاب سوسن کے پھولوں سے بھر چکا تھا ، ان دونوں نے ان پھولوں کو دیکھا اور انہیں اپنی شادی کے ابتدائی ایام یاد آ گئے ، کیونکہ جب وہ ہنی مون منانے نکلے تھے تو تالاب میں یہ سوسن کے پھول نہ تھے ۔ تالاب کے پاس بھٹ کٹیا کے پھول لگے تھے ، جو بے تحاشا زرد رنگ کے تھے ۔ ان دونوں نے سڑک کے کنارے لگے ہوئے بنفشے کو نوچا اور پیری و نکل کے پھول توڑے ۔

پیٹر نے جلدی جلدی کھانا کھایا اور جلدی سے ٹرین پکڑی ، موسم خوش گوار تھا ، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی ۔ اس نے اپنے گھر

والوں کو سینٹ رلے ہی میں چھوڑا اور خود چل پڑا، اس کا ایک ہی ہم سفر تھا ، یعنی رنبن کلی کے پھولوں کا گچھا ، وہ اس گچھے کو اپنی میز پر رکھے ہوئے گلدان میں سجائے گا -

بدھ کی شام کو دھقان طبیعت میری آئیرین اور ایو کو لے کر پیرس آگئی، اس نے بچیوں کو گھر میں چھوڑا اور خود تجربہ گاہ پہنچ گئی ، جہاں پیئر موجود تھا - جب وہ اندر داخل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ وہ کھڑکی کے پاس حسب معمول کھڑا ہے ، اور آلات کا معائنہ کر رہا ہے - پیئر کو میری کا انتظار تھا ، اس نے اپنا اوور کوٹ اور ہیٹ اتار دیا ، اور بیوی کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر فویاٹ ریسٹوران کی طرف چل دیا ، جہاں آج فزکس سوسائٹی کی طرف سے ایک دعوت تھی ، وہ اپنے جن ساتھیوں کو پسند کرتا تھا مثلاً هنری پوائنکر ، وہ اس کے پاس ہی میز پر بیٹھا تھا اور ان سے ان مسائل پر گفتگو کر رہا تھا جو اس کے ذہن میں ابھی ابھی آئے تھے - ریڈیم کے ظہور کے بعد اس کا جائیزہ ، اسرٹ ازم کے تجربات ، لڑکیوں کی تعلیم ، جس کے بارے میں اس کے بالکل نئے نظریات تھے اور وہ لڑکیوں کی تعلیم کے مسئلے کو نیچرل سائنس کی روشنی میں حل کرنا چاہتا تھا -

موسم بدل چکا تھا ، کسی کی سان گمان میں بھی نہ تھا کہ موسم اتنی جلدی بدل جائے گا ، کل تک خاصی گرمی تھی ، لیکن اس وقت فضا میں خنکی تھی ، تیز ہوا چل رہی تھی اور بارش ہو رہی تھی ، جب بارش ہو چکی تو سڑکیں دھل کر چمکنے لگیں -

اٹھارھواں باب

۱۹ اپریل ۱۹۰۶ء

جمعرات کا دن اداسی سے شروع ہوا، بارش اب بھی ہو رہی تھی، گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا، دونوں میاں بیوی اپریل کی بارش کو نظر انداز نہ کر سکتے تھے، کیونکہ انہوں نے کام کرنے کی ٹھانی تھی، پیئر کو پروفیسرز ایسوسی ایشن کے ایک لنچ میں شرکت کرنی تھی، اور اس کے بعد اپنے ناشر "گوتھیرولرز" سے ملنا تھا، اور اپنی کتاب کے پروف پڑھنے تھے اور پھر یونیورسٹی جانا تھا۔ میری کو بڑی بہت سے کام تھے۔

صبح کے وقت کام کے جھمیلے اتنے تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کو بہ مشکل دیکھ سکے، پیئر نے نچلی منزل سے میری کو آواز دے کر پوچھا کہ کیا وہ تجربہ گاہ جا رہی ہے۔ میری بالائی منزل پر آئیرین اور ایو کو کپڑے پہنا رہی تھی، غالباً اس نے یہ جواب دیا کہ اس کے پاس وقت نہیں ہے، لیکن اس کے الفاظ شور و غل میں دب گئے، باہر کا دروازہ زور سے بند ہوا اور پیئر نہایت عجلت کے ساتھ چل دیا۔

جب میری اپنی بچیوں اور ڈاکٹر کیوری کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھا رہی تھی تو دوسری طرف پیئر کیوری ہوٹل ڈس سوسائٹی ڈیوؤننٹی میں اپنے رفیقوں اور دوستوں کے ساتھ خوش دلی

اور خوش مزاجی سے باتیں کر رہا تھا ۔ وہ اس پر سکون مجلس کا لطف اٹھا رہا تھا جس میں لوگ سائنس کے تحقیقی کام پر گفتگو کر رہے تھے ، ادھر اُدھر کے مسائل کے بعد سب لوگوں کی گفتگو کا رخ اس حادثے کی طرف ہو گیا جو ابھی حال ہی میں تجربہ گاہ میں ہوا تھا ، اور پیٹر نے فوراً اپنی خدمات پیش کر دیں کہ وہ ایک ایسا منصوبہ بنائے گا کہ تجربہ گاہ میں کم سے کم حادثے ہوں گے ۔

ڈھائی بجے وہ اٹھ کھڑا ہوا ، اس نے مسکراتے ہوئے اپنے دوستوں کو الوداع کہی ۔ جین بیرین سے ہاتھ ملایا اور کہا " امید ہے کہ شام کو پھر ملاقات ہوگی " جب وہ دروازے کے پاس پہونچا تو اس نے ابر آلود موسم کی اداسی کو محسوس کیا ، اس نے اپنی بڑی سی چھتری کھولی اور سامنے کی طرف چل دیا ۔

جب وہ اپنے ناسرین گانھیرولرز کی دکان پر پہونچا تو اس نے دیکھا کہ دروازے بند تھے ، عملہ اسٹرائک کرنے کو تھا ، وہ وہاں سے چل دیا ، وہ ریوڈافیٹن کی طرف چل دیا ، گاڑیوں کے کوچوان تیزی سے اپنی گاڑیاں بھگا رہے تھے ، وہ دائیں بائیں کا بالکل خیال نہ کر رہے تھے ، یہ پرانے پیرس کا پرھجوم بازار تھا ۔ اس علاقے میں عام طور پر " ون وے ٹریفک " تھی ، اور عام طور پر اس وقت یعنی سہ پہر کو فٹ پاتھ پر لوگوں کا چلنا مشکل ہوجاتا تھا ۔ اس لئے پیئر نے اپنی جبلت کے تحت ایک ایسی سڑک پر چلنا شروع کر دیا جو سنسان اور پرسکون تھی ، وہ کبھی فٹ پاتھ پر چلتا تھا اور کبھی سڑک پر آ جاتا تھا ، کیونکہ وہ اپنے

خیالات میں مگن تھا ۔ وہ اس وقت کیا سوچ رہا تھا ، اس کی آنکھوں سے اور اس کے چہرے سے تفکر ظاہر ہو رہا تھا ؟ کیا وہ اپنے اس تجربے پر سوچ رہا تھا جو ابھی پورا نہ ہو سکا تھا ؟ کیا وہ اپنے دوست اربین کے کام کے بارے میں سوچ رہا تھا ؟ کیا وہ اس تحریر کے بارے میں سوچ رہا تھا جو اکیڈمی میں پیش کرنے والا تھا ، اور جو اس وقت اس کی جیب میں پڑی تھی ؟ کیا وہ میری کے بارے میں ؟ . . . . . .

وہ ڈامر کی سڑک پر کافی دیر سے آہستہ آہستہ چل رہا تھا ، اس کے آگے ایک گھوڑے کی بگھی نہایت آہستہ آہستہ چل رہی تھی ۔ سڑک کی نکڑ پر شور بہت زیادہ تھا ، ایک ٹرام کار جو پیلس ڈی لاکان کاڈلے کی طرف جانے کو تھی ، ابھی ابھی گزری تھی ، ایک بھاری بھر کم ویگن جس میں دو گھوڑے جتے تھے سامنے والے پل کی طرف سے اپنا راستہ کاٹ کر ریو ڈالنے کے راستہ پر آ گیا ۔

پیئر سڑک عبور کرنا چاہتا تھا اور سڑک کی دوسری طرف والے فٹ پاتھ پر چلنا چاہتا تھا ، ابھی تک وہ اس سست رفتار بگھی کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا لیکن اب اس گم صم اور دماغی طور پر غیر حاضر شخص نے اچانک سڑک عبور کرنے کا جو فیصلہ کیا تو بگھی کی پناہ جو اسے ملی تھی وہ ختم ہو گئی ، بگھی اپنے راستے پر جا رہی تھی اور وہ چند قدم بائیں جانب چلا ، لیکن دوسری طرف دو گھوڑوں والا ویگن آ رہا تھا ، ویگن اسی لمحے بگھی کے پاس سے گزر رہا تھا ، بگھی اور ویگن کے

درمیان کا راستہ بہت تنگ ہو گیا تھا ۔ بیئر عجیب و غریب طریقے سے حیران ہوا ۔ ویگن اچانک بہت قریب آ گیا ، بیئر نے کوشش کی کہ وہ گھوڑے کی گردن پکڑ کر لٹک جائے ، لیکن گھوڑا اچانک ''الف،، ہو چکا تھا ۔ بارش کی وجہ سے سڑک بھیگ چکی تھی ۔ سائنسداں کا پاؤں پھسل گیا ، ایک چیخ بلند ہوئی اور پھر بیسوں چیخیں بلند ہوئیں ۔ پیئر طاقتور گھوڑوں کے قدموں کے پاس گر پڑا تھا ، راہ گیروں نے چیخ کر کہا ''روکو ! روکو،، کوچوان نے زور سے لگامیں کھینچیں ، لیکن بے سود ۔ گھوڑے تو ''الف،، ہو ہی چکے تھے ۔

پیئر گر پڑا تھا ، لیکن ابھی زندہ تھا اور اسے کوئی ضرر نہ پہنچا تھا ، وہ چیخا تک نہیں اور اس نے جنبش بھی نہ کھائی ۔ اس کا بدن گھوڑوں کی ٹانگوں کے درمیان اس طرح آیا تھا کہ اس کا بال بیکا تک نہ ہوا تھا اور پھر اس کا بدن ویگن کے اگلے دو پہیوں کے درمیان تھا ۔ ایک معجزے کا ظہور ممکن تھا ، لیکن ویگن پر چھ ٹن کا بوجھ لدا ہوا تھا ، جو کئی گز کے رقبے میں پھیلا ہوا تھا ، ویگن کا پچھلا پہیا رکاوٹ بن گیا اور کچلتا ہوا گزر گیا ۔ کسے کچلتا ہوا گزر گیا ؟ ایک پیشانی کو ، ایک انسانی سر کو . . . . کھوپڑی پاش پاش ہوگئی ، خون کا سرخ طوفان چاروں طرف پھیل گیا ''بھیجا،، سڑک پر رکھا ہوا تھا ۔ یہی پیئر کیوری کا دماغ تھا ! دنیا کے عظیم المرتبت سائنسداں کا دماغ !

پولیس کے آدمیوں نے اس گرم گرم بدن کو اٹھا لیا، جس میں سے زندگی کا شعلہ ایک لمحے میں نکل چکا تھا۔ انہوں نے پیچھے آنے والی کئی نگاہوں کو روک لیا، لیکن کوئی نوجوان ایک مردہ جسم کو اپنی نگاہ میں رکھنا نہ چاہتا تھا، وہ لاش جس پر مٹی اور خون لتھڑا ہوا تھا، کتنی منٹ گزر گئے، ہجوم بڑھتا گیا، لوگوں کے اشتیاق میں اضافہ ہوتا گیا۔ ویگن روک لیا گیا تھا، ہجوم ڈرائیور کے خلاف چیخ رہا تھا، ڈرائیور کا نام لوئس منین تھا، اور یہ ڈرائیور ایک عظیم المناک ڈرامے کا مصنف بن چکا تھا۔ آخرکار دو آدمی کہیں سے جا کر اسٹریچر اٹھا لائے۔ اس مردہ شخص کو اسٹریچر پر لٹا دیا گیا، ہسپتال جانا تو بے سود ہی تھا، لاش پولیس اسٹیشن پہونچا دی گئی۔ لاش کی جامہ تلاشی ہوئی، اس کے کاغذوں کا معائنہ لیا گیا، جب یہ افواہ پھیل گئی کہ مرنے والے کا نام مسٹر کیوری تھا، جو ایک پروفیسر تھا اور مانا ہوا سائنس داں تھا تو ہجوم کا جوش و خروش بڑھ گیا اور پولیس نے ڈرائیور منین کی سختی سے دیکھ بھال شروع کی اور اس کو مکے دکھا دکھا کر دھمکانا شروع کیا۔

وہاں ایک ڈاکٹر صاحب پہونچ گئے، جنہوں نے سر کی ہڈیوں کو ٹھیک ٹھیک جگہوں پر بٹھانے کی کوشش کی اور یہ دیکھنے لگے کہ بیس منٹ پہلے یہ کھوپڑی کیونکر پاش پاش ہوئی تھی۔ فیکلٹی آف سائنس کو فون سے اطلاع دی گئی، جلد ہی پولیس اسٹیشن پر بہت سے دانشور پہنچ گئے، تجربہ گاہ کا اسسٹنٹ

مسٹر کلرک ھچکیاں بھر بھر رو رھا تھا ، ڈرائسور منین کا چہرہ روتے روتے سرخ ھو گیا تھا ۔

ان سب کے درمیان بیئر کیوری لیٹا ھوا تھا ، اس کے ماتھے پر پٹی بندھی ھوئی تھی ، اس کا چہرہ کھلا ھوا تھا اور وہ ھر بات سے ۔ تعلق ھو کر لیٹا ھوا تھا ۔ ویگن کی لمبائی بیس فٹ تھی ، اس پر فوج کی وردیاں لدی ھوئی تھیں ، اسے تھانے تک پہونچایا گیا ۔ اس کے ایک پہیئے میں سائنسداں کا خون لتھڑا ھوا تھا ، لیکن وہ خون رفتہ رفتہ بارش سے دھلتا گیا ۔ گرانڈیل گھوڑے اپنے مالک کی عدم موجودگی کی وجہ سے بار بار بدک رہے تھے ، ان پر خوف طاری تھا ، اور وہ بار بار سڑک پر ٹاپیں مار رہے تھے ۔

بدقسمتی کیوری کے مکان تک پہنچ گئی ۔ موٹر کاریں اور بگھیاں منڈلانے لگیں ۔ جمہوریۂ فرانس کے ایک نمائندے نے دروازے پر دستک دی ، اسے بتایا گیا کہ مادام کیوری اب تک نہیں واپس آئی ھیں ، چنانچہ وہ اپنا پیغام پہنچائے بغیر واپس چلا گیا ، پھر دروازے کی گھنٹی بجی ، ڈین آف فیکلٹی پال اپیل اور پروفیسر جین پیرین مکان میں داخل ھوئے ، ڈاکٹر کیوری اس سنسان مکان میں ایک نوکر کے ساتھ بیٹھے ھوئے تھے ، انہیں حیرت ھوئی کہ اسی معزز ھستیاں ان کے مکان میں کیوں کر تشریف لائی ھیں ۔ وہ ان دونوں کی طرف بڑھا اور اس نے ان دونوں کے چہروں کی وحشت کا اندازہ کیا ، پال اپیل کی منشاء یہ تھی کہ بھلے وہ میری سے ملتا ، اس لئے وہ میری کے

بوڑھےسسر کے سامنے خاموش رہا ، لیکن غم انگیز شک دیر تک باقی نہ رہا ۔ بوڑھے آدمی نے ایک بار پھر ان سستے ہوئے چہروں کو دیکھا ، پھر اس نے کوئی سوال کئے بغیر کہا :

”میرا بیٹا مر چکا ہے !“

جب اس نے یہ خبر سنی تھی تو اس کے جھریائے ہوئے چہرے پر آنسو بہنے لگے ، اور چہرے کی جھریوں سبں آنسوؤں نے اس طرح راستے بنا لئے جیسے اس کے چہرے پر آنسوؤں کی نہریں بہہ رہی تھیں ۔ اس کے آنسو غم سے زیادہ بغاوت کا اظہار کر رہے تھے ۔ بوڑھا ڈاکٹرکبوری بار بار اپنے بیٹے کو مطعون کر رہا تھا ، اور کہہ رہا تھا کہ دماغی طور پر غیر حاضر رہنے کا یہ نتیجہ ہوا کہ آج جان دے دی ، وہ بڑے ضدی پن کے ساتھ ایک فقرہ دہراتا تھا ، جس سے کلیجہ پھٹا جاتا تھا :

” بیٹا ! تم آخری وقت کیا سوچ رہے تھے ؟“

چھ بج گئے ، ایک قفل کے اندر کنجی کے داخل ہونے اور گھومنے کی آواز آئی ، میری خوش و خرم کمرے میں داخل ہوئی ، وہ اپنے دوستوں کے بدلے ہوئے انداز کا اندازہ نہ کرسکی ۔ پال ایپل نے واقعہ بتایا ، میری اتنی بے حس و حرکت ، اتنی ساکت اور اتنی خاموش ہوگئی کہ شاید کسی کو یہ خیال گزرا ہو کہ وہ سمجھ ہی نہ سکی کہ یہ لوگ اس سے کیا کہہ رہے تھے ، وہ ان کے پر شفقت بازوؤں میں نہیں گھری ، نہ اس نے آہ و بکا کی ، نہ روئی ۔ وہ اس طرح نظر آ رہی تھی جیسے وہ گھاس پھوس

اور تنکوں کی بنی ہوئی ہے - ایک طویل اور تکلیف دہ خاموشی کے بعد اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی ، اس نے نہایت مدھم آواز سے پوچھا ، جیسے مجنونانہ امید کے ساتھ وہ کسی خبر کی تردید سننا چاہتی ہو:

" پیئر مر چکا ہے ؟ مر چکا ہے ؟ قطعی طور پر مر چکا ہے ؟"

یہاں پر یہ کہنے کا موقع ہے کہ اس اچانک المیئے سے کوئی انسان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بدل سکتا ہے ۔ یہ سچ ہے کہ ان لمحات کا اثر میری ماں کے کردار پر مستقل طور پر باقی رہا ، یہ اثر میری ماں کے نصیب پر طاری رہا ، اس کے بچوں پر یہ کیفیت باقی رہی اور یہ کیفیت ایسی نہ تھی کہ خاموشی سے ختم ہوجاتی - مادام کیوری ہشاش بشاش بیاہتا عورت سے سوگوار مجسم بیوہ بن گئیں - قلب ماہیت تو بڑی آسانی سے ہو گئی ، لیکن اس کے نتائج سنگین ثابت ہوئے - اندر ہی اندر اس بیوہ کو گھن لگنے لگا ، اس پر ایک ایسا خوف طاری ہو گیا کہ جس کا کوئی نام نہیں رکھا جا سکتا ، اس کے خیالات بھٹکنے لگے ، وہ اپنے خیالات کا اظہار نہ کرتی تھی ۔ جب اس نے یہ تین لفظ کہے تھے " پیئر مر گیا" تو اس کے شعور پر دائمی تنہائی کی دبیز تہ چڑھ گئی تھی - اپریل کے مہینے میں اس روز وہ صرف بیوہ ہی نہ ہوئی تھی بلکہ اسی روز سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہ تنہا رہ گئی تھی - ایک قابل رحم تنہائی -

اس ڈرامے کے دیکھنے والوں نے اپنے اور اس کے درمیان ایک غیر مرئی دیوار محسوس کی ، ان کے تشفی آمیز الفاظ اس کے پاس سے ہو کر گزر گئے ، اس کی آنکھیں خشک تھیں اور چہرہ زرد تھا ، وہ بمشکل سن سکتی تھی ، بڑی دقت کے ساتھ ان کے نہایت ضروری سوالوں کا جواب دے سکتی تھی ، اس نے نہایت مختصر الفاظ میں لاش کا پوسٹ مارٹم کرانے سے انکار کر دیا ، یہ پوسٹ مارٹم عدالتی تحقیقات کو مکمل کرنے کے لئے ضروری تھا ، اس نے کہا کہ پیٹر کی لاش یولی وارڈ کلر مس لائی جائے ، اس نے اپنی سہیلی مادام بیرین سے کہا کہ وہ تھوڑی دیر کے لئے آئیرین کو لے لے ۔ اس نے ایک مختصر سا تار وارسا بھیجا جس میں یہ لکھا تھا :

" پیٹر حادثے سے مر گیا "

پھر وہ باغ میں گئی اور وہاں بیٹھ گئی ، اس نے اپنی کہنیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ لیں اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا ، اور خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی ، وہ اس وقت بالکل بہری تھی ، بالکل ساکت اور بے حس و حرکت تھی اور اپنے ساتھی کی راہ تک رہی تھی ۔

پہلے وہ اس کی نشانیاں لائے جو اس کی جیب میں پائی گئی تھیں ، یہ نشانیاں انہوں نے اس سوگوار مجسم کے سامنے رکھ دیں ۔ پیٹر کے کپڑے ، ایک فاؤنٹین ، چند کنجیاں ، ایک چمڑے کا تھیلا ، ایک گھڑی جو اب تک چل رہی تھی ۔ آخرکار

آٹھ بجے مکان کے سامنے ایمبولینس رکی - میری ایمبولینس میں گھس گئی اور اس نے نیم تاریکی میں اس پرسکون چہرے کو دیکھ لیا -

کرب ناک انداز سے آہستہ آہستہ ایمبولینس کے تنگ دروازے سے اسٹریچر لگا دیا گیا ، آندرے ڈی بارنے نے جو اپنے آقا اور اپنے دوست کو پولیس اسٹیشن سے لانے گیا تھا ، اسی نے سہارا دے کر اسٹریچر پر لٹا دیا - اب ایک مردہ انسان کمرے کے فرش پر لیٹا ہوا تھا، اب کمرے میں مردہ شوہر کے پاس صرف بیوی تھی ۔ وہ اس کے چہرے کو چوم رہی تھی ، اس کا لوچ دار جسم اب بھی کچھ کچھ گرم تھا ، اس کے ہاتھوں کو اب بھی جنبش دی جا سکتی تھی ، اسے زبردستی دوسرے کمرے میں پہونچا دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ تجہیز و تکفین کے وقت وہ لاش کے پاس نہیں ٹھہر سکتی ، اس نے کہنا مان لیا ، جیسے اسے کچھ ہوش ہی نہ تھا ، پھر اچانک اسے یہ خیال آیا کہ اس نے جاتے ہوئے لمحات کو اجازت دے دی ہے کہ وہ اسے لوٹ لیں ، اس کے ذہن میں خیال آیا کہ وہ سب سے چلا کر کہہ دے کہ سب لوگ ہٹ جاؤ ، کسی کو اس کی اجازت نہیں ہے کہ وہ اس کی مقدس امانت کو یہاں سے کہیں لے جائیں ، وہ لوٹ آئی اور مردہ بدن سے چمٹ گئی -

اس روز جیکوس کیوری آ پہونچا اور اس نے میری کے حلق اور اس کے آنسوؤں کے بند کو توڑ دیا ، ابھی تک اس کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی تھی ، ابھی تک اس کی آنکھ سے کوئی

آنسو نہ بہا تھا، نہ دو بھائی تھے، ایک زندہ تھا، دوسرا مر چکا تھا، وہ شوہر کے ہم شکل کو دیکھ کر ہچکیاں لے لے کر رونے لگی۔ پھر وہ سارے مکان میں گھومتی پھری، اور اس نے بار بار پوچھا کہ کیا اس کی بچی ایو کو نہلایا گیا ہے اور کیا روز کی طرح اس کے بالوں میں کنگھی کر دی گئی ہے، پھر وہ باغ میں گئی، اس نے آئیرین کو پکارا، وہ بیرین کے ساتھ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں سے کھیل رہی تھی۔ اس نے کہا "بی" پ سے شروع ہونے والے لفظ کو وہ مکمل نہ کر سکی، بچی ہر بات سے بے پروا ہوکر کھیل میں مشغول تھی۔

کئی ہفتے گزر گئے، لیکن مسز بات کرنے کے قابل نہ تھی، وہ لوگوں سے اپنا دکھ درد نہ کہہ سکتی تھی، اسے سکتہ سا ہو گیا تھا، چپ سی لگ گئی تھی، بعض اوقات بیٹھے بیٹھے وہ خوفزدہ ہو کر چیخ اٹھتی تھی، اس کے سامنے ایک بھورے رنگ کی نوٹ بک کھلی رہتی تھی، وہ زور دے دے کر کچھ لکھتی تھی جو کچھ اس کے جی پر گزر رہی تھی، وہ اسے کاغذ پر منتقل کرنے کی کوشش کر رہی تھی، پھر کاغذ پر لکھے ہوئے الفاظ آنسوؤں سے تر ہو جاتے تھے۔ کاش وہ الفاظ محفوظ رہے ہوتے تو آج چھاپ دئے جاتے، چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ اور چند نامکمل جملے رہ گئے ہیں، وہ بیٹھے بیٹھے پیٹر کو خط لکھا کرتی تھی، اسے بلاتی تھی اور اس سے سوالات کرتی تھی۔ اس نے اس ڈرامے کی

رتی رتی بات لکھنے کی کوشش کی ، جس نے اسے اس مصیبت سں ڈال دیا تھا - یہ مختصر سی ڈائری ! یہ پہلی اور آخری ڈائری تھی جسے میری نے ہمیشہ اپنے پاس حفاظت سے رکھا ، اس ڈائری کو پڑھنے سے اس عورت کی زندگی کے سب سے المناک دنوں کا اندازہ ہوتا ہے -

...... پیٹر ! میرے پیٹر ! تم وہاں ہو ، خاموس ہو جیسے کوئی غریب اور زخمی انسان آرام سے سو جائے - تم سو رہے ہو اور تمہارے زخمی سر پر پٹی بندھی ہے - تمہارے چہرے پر کتنا پیار اور کتنی متانت ہے ، یہ تم ہو اب بھی تم ہی ہو ، تم خوابوں میں کھو گئے ہو لیکن مجھ سے کب تک چھپے رہو گے - تمہارے ہونٹ جنہیں میں لالچی ہونٹ کہا کرتی تھی اب نیلے پڑ چکے ہیں - تمہاری چھوٹی سی داڑھی اب بھی بھورے رنگ کی ہے -

تمہارے سر کے بال نظر نہیں آتے کیوں کہ ماتھے پر سے تو زخم سروع ہو جاتے ہیں ، سر کے داہنی طرف کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے - ارے تم زخمی کیسے ہو گئے ؛ تمہارے خون کیوں نکلا - تمہارے کپڑے تو خون میں تر بتر ہو گئے ، تمہارے دکھیا سر کو کتنا صدمہ پہونچا ، یہ تمہارا سر جسے اکثر میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہے - میں نے تمہارے پپوٹوں کو چوما ہے ، تم نے اکثر اپنی آنکھیں اس لئے بند کیں کہ میں انہیں چوم سکوں - تم نے اکثر اپنا سر میرے حوالے کیا ہے تاکہ میں تمہارے بالوں پر ہاتھ پھیر سکوں ......

. . . . سنیچر کی صبح کو ہم نے تمھیں کفن پنھا دیا ، اس وقت میں نے تمہارا سر ایک بار اور اٹھایا تھا ، اس وقت میں نے آخری مرتبہ تمہارے سرد چہرے پر بوسہ دیا تھا ۔ پھر میں باغ سے بیری وینکل کے پھول لے آئی اور اپنی چھوٹی سی تصویر جسے دیکھ کر تم کہا کرتے تھے ، ننھی اور اچھی طالب علم ، اور جس تصویر کو تم بہت چاہتے تھے ، وہ تصویر اور وہ پھول میں نے تمہارے کفن پر رکھ دئے۔ میں نے سوچا کہ یہ تصویر اور یہ پھول تمہاری قبر میں ضرور جانا چاہئے ، یہ اس کی تصویر ہے جو تمہارے ساتھ رہ کر بہت خوش رہا کرتی تھی ، اور جسے تم نے اپنی زندگی کا ساتھی بنانا تک پسند کر لیا تھا ، یہ تصویر ان دنوں کی ہے جب تم نے ابھی مجھے چند ہی بار دیکھا تھا ۔ پھر تم نے مجھ سے شادی کے لئے کہا تھا ، تم اکثر کہا کرتے تھے کہ تمہاری زندگی میں وہ پہلا اور آخری موقع تھا جب تم نے بے جھجک ہو کر بات کی تھی ، اس طرح بے جھجک ہو کر تم بات نہیں کیا کرتے تھے ۔ لیکن تمہیں تو یقین تھا کہ تم جو کچھ کہنے جا رہے ہو وہ مناسب ہے ، میرے پیٹر میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم غلطی پر نہ تھے ۔ ہم دونوں کو ساتھ رہنے ہی کے لئے بنایا گیا تھا ۔

پھر کفن سے منہ ڈھانپ دیا گیا اور پھر میں تمہیں کبھی نہ دیکھ سکی ۔ میں نے ان لوگوں کو اجازت نہیں دی کہ وہ اتنے خوفناک کالے کپڑے سے تمہارا منہ ڈھکیں ، اسی لئے میں نے کفن پر پھول بکھیر دیئے اور میت کے پاس بیٹھی رہی ۔

پھر وہ تمہیں لینے آ گئے، کتنا مغموم ھجوم تھا ۔ میں نے انہیں دیکھا اور میں نے ان سے کچھ نہ کہا ۔ ہم سب تمہیں سی آکس لے گئے اور پھر ہم نے دیکھا کہ تمہیں ایک بہت بڑے اور گہرے گڑھے میں رکھا جا رہا ۔ جنازے کا وہ ھجوم کتنا بھیانک تھا ۔ وہ مجھے ہٹانا چاہتے تھے، لیکن میں مچل گئی ۔ جیکس بھی مچل گیا ۔ ہم دونوں آخر تک ہر چیز کو دیکھنا چاہتے تھے ۔ قبر کا منہ بند ہو گیا اور پھول ڈال دیئے گئے، ہر چیز ختم ہو چکی تھی ۔ اب پیئر منوں مٹی کے بوجھ تلے سو رہا، ہر چیز کا یہ ھی انجام ہے، ہر چیز کا ! ہر چیز کا ! ہر چیز کا !

میری کا ساتھ ھی چھوٹ گیا، یہ دنیا ایک بہت بڑے آدمی سے محروم ہو گئی ۔ جب جنازہ جا رہا تھا تو بارش ہو رہی تھی، لیکن ھجوم کا یہ عالم تھا کہ دور تک سر ھی سر نظر آ رہے تھے، تمام ملکوں کے اخبارات نے صف ماتم بچھا دی، سینکڑوں کالموں میں ایک غم انگیز فسانہ پھیلا ہوا تھا ۔ ہمدردی کے پیغام آنے لگے، دنیا کے بڑے بڑے شہنشاہوں کے پیغام، وزیروں کے تعزیت نامے، شاعروں کے لکھے ہوئے مرثیے اور سائنس دانوں کے غم انگیز خطوط ۔ خطوں، مضمونوں اور ٹیلی گراموں کا انبار لگ گیا ۔ اس انبار میں سے بعض سچے جذبات کی چیخیں بھی تھیں ۔

لارڈ کلوین

کیوری کی موت کی خبر سے بے حد دکھ پہونچا ۔ جنازہ کب اٹھے گا ۔ ہم کل صبح تک پہونچ رہے ہیں ۔

مارسلین برتھ لاٹ

. . . ہم خبر سن کر ھکا بکا رہ گئے۔ اس نے سائنس اور انسانیت کی بڑی خدمت کی تھی۔ اس ذہین اور موجد سے ہمیں ابھی بہت امیدیں تھیں ، لیکن سب کچھ ایک لمحہ میں ختم ہو گیا ، ایک فقط یاد ھی یاد باقی رہ گئی ۔

جی ۔ لپ مین

مجھے یوں محسوس ھوا جیسے میرا بھائی مر گیا ۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ کے شوہر سے مجھے اتنی محبت ہے ، لیکن آج مجھے معلوم ھو گیا ۔

محترمہ آپ پر جو بپتا پڑی ہے اس کا مجھے بہت رنج ہے ۔

چارلز شیوی ینو (پیئر کیوری کے تجربہ گاہ کا اسسٹنٹ)

ہم میں سے بعض لوگ اس کے نقش قدم پر چل رہے ھیں ۔ اپنے گھر کے لوگوں کے بعد میں سب سے زیادہ اسی کو چاھتا تھا ۔ وہ جانتا تھا کہ اپنے رفیقوں کے ساتھ کس طرح محبت کی جاتی ہے ۔ وہ اپنے حقیر ترین نوکروں سے بھی نہایت درجہ مہربانی سے پیش آتا تھا ۔ جب اس کے مرنے کی خبر سنی گئی تو تجربہ گاہ کے چپراسی اور ادنیٰ ملازمین اس طرح رو رہے تھے کہ میں نے آج تک کسی کی موت پر اس طرح جی جان سے روتے نہیں دیکھا ۔

اس موقع پر ، جیسا کہ دوسرے موقعوں پر بھی ھو چکا تھا ۔ یہ عورت جو پیئر کے بعد اخباروں میں مشہور و معروف بیوہ کے نام سے یاد کی جاتی تھی، ایک بار پھر شہرت کے حملوں سے گریز کرنے

لگی - سرکاری رسم سے بجنے کے لئے میری نے جنازہ اٹھنے کی تاریخ ۲۱ اپریل اور ہفتہ کا دن مقرر کیا - اس نے جنازے کے ساتھ پبلک کا جلوس نکالنے سے انکار کر دیا، اس نے کہا اس موقع پر نہ کوئی وفد آئے اور نہ کوئی تقریریں کی جائیں - اس نے کہا جہاں تک ممکن ہو سکے نعش کو سادہ طریقے سے اس کی ماں کی قبر کے پاس دفن کیا جائے - وزیر تعلیم بریانڈ جنازے میں شریک ہوا -

اخبار نویس میری سے چھپ کر ساری کارروائیاں دیکھ رہے تھے، لیکن وہ میری کا چہرہ نہ دیکھ سکتے تھے، کیونکہ اس نے اپنے چہرے پر ماتمی نقاب ڈال رکھا تھا - پھر بھی اخباروں میں چھپ گیا -

... مادام کیوری اپنے سسر کے بازؤں میں اپنے شوہر کے تابوت کی طرف بڑھ رہی تھی - جب جنازہ قبر میں اتارا جانے لگا پہلے تو وہ خاموش رہی، لیکن جب لاش پر پھول ڈالے جانے لگے تو وہ پھولوں کو چھانٹنے لگی اور پھر اس نے اپنے ہاتھ سے وہ پھول کفن پر ڈال دئیے -

انہوں نے پھول چھانٹنے کا کام بہت آہستہ کیا اور وہ بالکل بھول گئی کہ لوگ انہیں دیکھ رہے ہیں، اور لوگ خاموش کھڑے تھے، وہ بالکل باتیں نہ کر رہے تھے - پھر مادام کیوری نے قبر میں بہت سے پھول ڈال دئیے اور اپنے سسر کے پاس کھڑی ہو گئی -

(لی جرنل ، ۲۲ ابریل ۱۹۰۶ء)

ان ھی دنوں ساربون مس مرنے والے کے لئے تعزینی جلسے ہوئے. اور فرانس اور دوسرے ملکوں مس سائنس کی انجمنوں نے پیئر کا غم منایا۔ ھنری پوائنکیر نے اکیڈمی آف سائنس مبں اپنے دوست کی یادگار قائم کرنے کے لئے کہا۔

سیری کی ڈائری

. . . . تدفین کے دوسرے دن میں نے ننھی آئیرین کو سب باتیں بتا دیں . . . . پہلے تو وہ سمجھ نہ سکی اور مجھے کہنے لگی آپ مجھ سے یہ باتیں نہ کیجئے ، یہاں سے چلی جائیے ۔ جب میں وھاں سے چلی گئی تو بعد مس وہ رونے لگی اور اس نے کہا میں ڈیڈی اور ممی کو دیکھوں گی ۔ وہ بہت روئی اور بہت چیخی اور پھر وہ اپنا غم غلط کرنے اپنی ننھی سہیلیوں کے پاس چلی گئی۔ اس نے اس واقعہ کی کوئی تفصیل نہ پوچھی ، اور شروع شروع میں اسے اپنے باپ کا ذکر کرتے ہوئے ڈر لگتا تھا ۔ جب میرے پاس سیاہ کپڑے لائے گئے تو اس نے فکر مند نگاھوں سے ان کپڑوں کو دیکھا . . . . اب وہ ان باتوں پر نہیں سوچتی ہے ۔

پھر جوزف اور برونیا پہونچے ۔ آئیرین اپنے چچا اور ماموں کے پاس کھیلتی ۔ ایو شروع سے آخر تک ان باتوں سے بے تعلق رھی ، وہ گھر میں ادھر آدھر مگن ہو کر کھیلتی رھی، ھنستی اور بولتی رھی ، اور میں پیئر کو دیکھتی ہوں ، پیئر بستر مرگ پر لیٹا ہے ۔

. . . اتوار کی صبح کو تمہاری موت کے بعد ، تم سن رہے ہو پیٹر ، میں جیکس کو لے کر تمہاری موت کے بعد پہلی بار تجربہ گاہ گئی - میں نے کوشش کی کہ ہم دونوں مل کر جتنا کام کر چکے ہیں اس کا جائزہ لیا جائے ، لیکن میں ایسا نہ کر سکی -

میں گلیوں میں اس طرح پھر رہی تھی جیسے مجھ پر ہپناٹیزم کا اثر ہو ، بس دیوانی بنی ہوئی کسی چیز کی طرف دیکھے بغیر گھوم رہی تھی - میں خود کشی نہیں کروں گی - خود کشی کی کوئی تمنا نہیں ، لیکن وہ گاڑی جس کا ایک پہیا ساتھی کو روندتا ہوا گزر گیا تھا کیا اس کا دوسرا پہیا مجھے روند کر میرے محبوب سے ملا سکتا ہے ؟

ڈاکٹر کیوری ، اس کا بیٹا جیکس ، جوزف اور برونیا سب پر خوف طاری تھا، وہ سب برف کی مانند سرد، خاموش اور سیاہ لباس پہننے والی عورت کو حیرت سے دیکھ رہے تھے - میری کی عجیب کیفیت ہو چکی تھی ۔ اس کی کسی بات میں کوئی ارادہ نہ تھا ، وہ خود بیخود چلتی تھی، آپ ہی آپ اٹھ کھڑی ہوتی تھی اور یکایک بیٹھ جاتی تھی - اس کے اشاروں اور اس کی حرکتوں سے ڈر لگتا تھا ، جیسے وہ جو کچھ کر رہی ہے۔ نیند کی حالت میں کر رہی ہے -

اس کے عزیزوں کو سب سے زیادہ فکر اس کے مستقبل کی تھی، اور میری کو مستقبل پر اب کوئی یقین ہی نہ تھا - پیئر کی موت کے بعد چند اہم مسائل اٹھ کھڑے ہوئے تھے - اس سائنسی تحقیقی کام کا کیا بنے گا جسے پیئر نے تحیر کے عالم میں چھوڑا

تھا - اب ساربون میں اس کی جگہ کون طالب‌علموں کو پڑھائے گا۔ اب میری کا کیا حشر ہوگا -

اس کے رشتہ‌دار ان مسائل پر سرگوشیاں کر رہے تھے اور وزارت تعلیم اور یونیورسٹی کے نمائندوں کے مشورے سن رہے تھے - پیئر کی موت کے دوسرے ہی دن حکومت نے سرکاری طور پر اعلان کر دیا کہ وہ پیئر کیوری کی بیوہ اور اس کے بچوں کو پنشن دے گی - جب جیکس نے یہ بات میری کو بتائی تو اس نے صاف انکار کر دیا " مجھے پنشن کی ضرورت نہیں ہے " اس نے کہا میں ابھی جوان ہوں اور اپنے لئے اور بچوں کے لئے کما سکتی ہوں -

اس کی آواز میں اس بہادرانہ عادت کی باز گشت سنی جا سکتی تھی جو پیئر کی موت کے بعد پہلی مرتبہ محسوس کی گئی۔

حکومت اور کیوری خاندان کے درمیان تبادلہ خیال ہوتا رہا - یونیورسٹی چاہتی تھی کہ میری کو ملازمت دے ، لیکن کس منصب پر ، اور کس تجربہ گاہ میں ! کیا یہ ذہین عورت کسی کی ماتحتی میں کام کر سکتی تھی اور ایسا پروفیسر کہاں ملے گا جو پیئر کیوری کی تجربہ گاہ کو جلا سکے گا -

میری نے اپنی خواہش سے مشورہ لیا ، پھر اس نے مبہم سا جواب دیا کہ ان دنوں اس میں غور کرنے کی سکت نہیں ہے، اور وہ کچھ نہیں جانتی . . . .

جیکس کیوری اور برونیا اور پیئر کے نہایت وفادار دوست جارجز گوائے نے محسوس کیا کہ ان سب کو میری کی جگہ

پر کوئی فیصلہ کرنا چاھئے اور میری کی خاطر کوئی قدم اٹھانا چاھئے۔ جیکس اور جارجز گوائے نے ڈین آف فیکلٹی کو اطلاع دی کہ میری تنہا فرنچ ماھر طبعیات ھے، جو پیئر کے چھوڑے ھوئے کام کو آگے بڑھا سکتی ھے۔ میری وہ تنہا معلمہ ھے جو پیئر کی جگہ طالبعلموں کو پڑھا سکتی ھے۔ میری تنہا تجربہ گاہ کی سربراہ ھے جو پیئر کی جگہ کام کرسکتی ھے، روایات پر جھاڑو پھیر دینی چاھئے اور میری کو ساربون میں پروفیسر مقرر کرنا چاھئے۔

مارسلین برتھ لاٹ، پال اپیل اور وائس ریکٹر لیارڈ کے پر زور اصرار پر حکومت نے اس مسئلہ پر غور کیا۔ ۱۳ مئی ۱۹۰۶ء کو فیکلٹی آف سائنس کی کونسل نے اتفاق رائے سے فیصلہ کیا کہ یونیورسٹی میں پیئر کیوری کی کرسی میڈم کیوری کے سپرد کر دی جائے، اور اسے شارغی ڈی کورز کا منصب دیا جائے۔

یونیورسٹی آف فرانس

مادام پیئر کیوری، ڈاکٹر آف سائنس، چیف آف ریسرچ ورک، فیکلٹی آف سائنس، یونیورسٹی آف پیرس کو فزکس کا کورس پڑھانے پر مقرر کیا گیا۔

مادام کیوری کو یکم مئی ۱۹۰۶ء سے دس ھزار فرانک سالانہ تنخواہ ملا کرے گی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اعلیٰ تعلیم کے اس جلیل القدر منصب پر ایک عورت کو مقرر کیا گیا تھا۔

سبری نے یہ خبر سنی بالکل بے تعلق ہو کر سنی - اس کا سسر اسے اس کا عظیم مشن سمجھا رہا تھا اور اسے بتا رہا تھا کہ اسے اپنے فرائض کس طرح پورے کرنے ہیں ، اس نے صرف اس قدر کہا :

" میں کوشش کروں گی "

یہ ہی جملہ کسی زمانے میں پیٹر نے کہا تھا۔ یہ جملہ در اصل اخلاقی عہد تھا۔ یہ ہی جملہ اس کے ذہن میں آگیا اور اس نے ادا کر دیا، پھر اسے اپنے شوہر کے یہ الفاظ یاد آ گئے :

" خواہ کچھ بھی ہو خواہ کسی کو بغیر روح کے بدن سے کام کرنا پڑے لیکن کام ضرور کرنا چاہئیے . . . . "

سبری کی ڈائری

پیٹر تم نے کچھ اور سنا، مجھے تمہارا جانشین بنایا جا رہا ہے ، تمہاری کرسی اور تمہاری تجربہ گاہ میرے حوالے کی جا رہی ہے ، میں نے منظور کر لیا ہے ، میں نہیں جانتی کہ میں نے اچھا کیا کہ برا کیا۔ تم اکثر کہا کرتے تھے کہ تم چاہتے ہو کہ میں ساربون میں طالب علموں کو پڑھایا کروں ، میں تمہارے کام کو جاری رکھنے کی کوشش کروں گی - بعض اوقات مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ زندہ رہنے کے لئے یہ آسان سہارا ہے کہ میں تمہارے کام کو پورا کرتی رہوں اور کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں پاگل ہو چکی ہوں اور اب تمہاری کرسی سنبھالنا بھی پاگل پن ہے -

۷ مئی ۱۹۰۶ء

میرے پیئر ، میں ہر وقت تمہارے بارے میں سوچا کرتی ہوں اور سوچنے کا یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہوتا ۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ سوچتے سوچتے میرا سر پھٹ جائے گا ، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں دیکھے بغیر میں کیسے زندہ رہوں گی ، اپنی زندگی کے ساتھی کے تبسم کے بغیر میں کیسے جیوں گی ۔

اب درختوں میں کونپلیں پھوٹ رہی ہیں اور مکان کے باغیچے میں شادابی آ رہی ہے۔ آج میں نے بچوں کو باغیچے میں کھیلتے دیکھا ، مجھے یوں محسوس ہوا کہ تمہیں بہار کی آمد کا احساس ہوا ، تم نے مجھے پکارا ہے اور تم نے مجھے پیری ونکل اور نرگس کے کھلے ہوئے پھول دکھائے ہیں ، کل میں تمہاری قبر پر گئی تھی ، تمہاری قبر پر لگے ہوئے پتھر کے کتبے کو میں پڑھ نہ سکی ، میری سمجھ میں نہیں آیا کہ پیئر کیوری کے کیا معنی ہیں ، یہ کس کا نام ہے اور اس نام کا کیا مطلب ہے ، جب میں قبرستان سے لوٹی تو دیہات کے حسن اور نکھار سے مجھے تکلیف ہوئی ، میں نے چہرے پر نقاب ڈال لی تاکہ میں اپنی نقاب سے سب کچھ دیکھوں ۔

۱۱ مئی

میرے پیئر آج مجھے خوب نیند آئی اور میں بڑی دیر تک بڑے سکون سے سوتی رہی ، یہ کوئی سوا گھنٹے پہلے کی بات ہے اور اب پھر نہ جانے کیوں میرا رونے کو جی چاہتا ہے ، وحشی درندے کی طرح چیخیں مارنے کو جی چاہتا ہے ۔

۱۴ مئی

میرے پیارے پیٹر - دیکھو لابرنم کے پھول ڈھل چکے ہیں ، وسمارنہ ، شاہ بلوط اور ایرس میں شگوفے پھوٹ رہے ہیں ، کیوں تمہیں انھی پھولوں سے پیار تھا - تھا کہ نہیں ؟

میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ تمہاری کرسی میرے لئے امید کر دی گئی ہے ، بعض احمقوں نے مجھے مبارک باد بھی کہی ہے -

میں تمہیں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ اب یہ مجھے بھوری اچھی لگتی ہے اور یہ کھلے ہوئے پھول - دونوں چیزوں کو دیکھ کر مجھے دکھ ہوتا ہے - جب مطلع ابر آلود ہوتا ہے اور جس دن فضا پر تاریکی چھائی ہوتی ہے تو مجھے سکون ملتا ہے ، کیونکہ یہ دن تمہاری موت کے دن کی طرح تاریک ہوتے ہیں - میں خوشگوار موسم سے اس لئے نفرت نہیں کر سکتی کہ میرے بچوں کو ایسے موسم کی ضرورت ہے -

۲۲ مئی

میں تمام دن تجربہ گاہ میں کام کرتی رہتی ہوں ، بس میں یہ ہی کر سکتی ہوں ، یہی میرے اختیار میں ہے ، جب میں تجربہ گاہ میں ہوتی ہوں تو وہاں مجھے بہت سکون ملتا ہے - میں کسی ایسی چیز کو سوچ نہیں سکتی کہ جس سے مجھے راحت مل سکتی ہے ، ہاں البتہ سائنسی تحقیق اور تمہاری تجربہ گاہ ...... میں ، کیونکہ اگر میں اس میں کامیاب ہوگئی تو ......

۱۰ جون

میری نظروں میں یہ دنیا اندھیر ہو چکی ہے ، ہر طرف تاریکی ہی تاریکی ہے اور دنیا کے جھمیلے اتنے زیادہ ہیں کہ میں اطمینان کے ساتھ اپنے پیئر کو بھی نہیں یاد کر سکتی۔

جیکس کیوری اور جوزف بیرمس سے روانہ ہو گئے - بہت جلد برونیا بھی چلی جائے گی اور زئیکوپین کے سینی ٹوریم میں اپنے شوہر کے ساتھ کام کرے گی ۔

ایک شام کو دونوں بہنیں بیٹھی ہوئی تھیں کہ اچانک میری نے اشارے سے اپنی بہن سے کچھ کہا کہ وہ اس کے ساتھ ساتھ چلے - وہ برونیا کو اپنے کمرے میں لے گئی ، جہاں وہ سویا کرتی تھی - اتنی گرمی کے باوجود کمرے میں ایک لکڑ جل رہا تھا ، میری نے دروازہ بند کر دیا ، برونیا نے حیران ہو کر سوالیہ نظروں سے اپنی بیوہ بہن کو دیکھا ، بہن کے چہرے پر خون کی چھینٹ تک نہ تھی - میری نے ایک لفظ کہے بغیر مومی کاغذ میں لپٹا ہوا ایک بھاری پیکٹ نکالا - پھر وہ آگ کے سامنے بیٹھ گئی اور ہاتھ کے اشارے سے اس نے بہن کو بیٹھنے کے لئے کہا ، اس کے پاس پہلے ہی سے ایک قینچی تیار تھی -

'برونیا'، اس نے زیر لب کہا 'تم لازمی طور پر میری مدد کرو'

اس نے آہستہ سے ڈوری کاٹی اور کاغذ کھولا ، آگ کے شعلے اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں تک پہونچ رہے تھے -

مومی کاغذ کے اندر سے ایک بنڈل نکلا جو بڑی احتیاط سے کپڑے میں بندھا تھا ۔ ایک لمحہ کے لئے میری نے تامل سے کام لیا ، پھر اس نے سفید کپڑے کو کھولا ، برونیا خوف سے چیختے چیختے رہ گئی ، کیونکہ کپڑے کے اندر سے ایک کپڑا نکلا جس پر خشک کیچڑ لگی ہوئی تھی اور سیاہ رنگ کے خون کی پپڑیاں جمی ہوئیں تھیں ۔ یہ متاع عزیز تھی جسے وہ اب تک اپنے پاس رکھے تھی ' پیئر کیوری کے لباس کا وہ ٹکڑا تھا جو خون آلود تھا ۔ جب وہ ویگن کے نیچے کچلا تھا تو اس کے لباس سے یہ ٹکڑا علیحدہ ہو گیا تھا ۔

چپ رہنے والی بیوہ نے کوٹ کے اس خون آلود ٹکڑے کو کترنا شروع کر دیا ، اس نے ایک ایک کر کے وہ دھجیاں نذر آتش کر دیں ، اس نے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو غور سے دیکھا ، کپڑا جل کر راکھ ہوگیا ، اس نے اپنے آنسوؤں کو روکنا چاہا لیکن ضبط نہ ہوسکا اور اس کی تھکی ہوئی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ۔ اس کپڑے میں اس دماغ کے کچھ اجزا موجود تھے جو چند ہفتے پہلے اعلیٰ خیالات اور ایجادات پر غور کر رہا تھا ۔

کپڑوں کے جو ٹکڑے بچ رہے انہیں اس نے چوما ، حتیٰ کہ برونیا نے اس کے ہاتھ سے قینچی اور وہ کپڑے کے ٹکڑے چھین لئے اور اس نے خود وہ ٹکڑے آگ میں ڈال دیئے ۔

آخرکار وہ مہم ختم ہو گئی اور دونوں عورتوں نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ ادا کیا ،۔ وہ کاغذ۔ اور وہ کپڑا جس میں

یہ گنج ھائے گراں مایہ لپٹا ھوا تھا اور وہ تولیہ جس میں انہوں نے اپنے ھاتھ خشک کئے تھے ، وہ سب کچھ بھڑکتے ھوئے شعلوں کی نذر کر دیا گیا ۔

" میں بے تعلق ھاتھوں سے اسے چھونا نہ چاھتی تھی " آخرکار میری نے کانپتی ھوئی آواز میں کہا ۔ پھر وہ برونیا کے نزدیک آئی ۔

" اور اب مجھے بتاؤ کہ میں زندگی کیوں کر گزاروں ، میں جانتی ھوں کہ مجھے زندہ رہنا ھے لیکن میں کیسے زندہ رھوں ، مجھے جینے کا سلیقہ سکھاؤ ؟ "

اور پھر جیسے کوئی بند ٹوٹ جائے اور سیلاب آ جائے ۔ ھچکیاں ، کھانسی ، آنسو ، چیخیں اور کراھیں ۔ اس نے اپنے دونوں ھاتھ بہن کے گلے میں ڈال دیئے ، بہن نے اسے تشفی دینے کی کوشش کی اور آخرکار اپنی دکھیاری بہن کو بستر پر لٹا دیا ، کیونکہ اب اس میں رونے کی سکت باقی نہ تھی ۔

دوسرے روز میری کے پھر وہ طور طریقے ھوگئے ، جو ۱۹ اپریل کو دیکھے تھے ، اب وہ پھر برف کی طرح سرد تھی اور اس پر ایسی کیفیات طاری تھیں کہ معلوم ھوتا تھا کہ اس کی تمام حرکتیں نیند کی حالت میں سرزد ھو رھی ھیں ، اس کی کسی بات میں ارادے کو کوئی دخل نہ تھا ، اس کیفیت سے برونیا کو بہت دکھ ھوا ۔ جب وہ اپنی بہن سے رخصت ھوئی اور وارسا جانے لگی تو اس نے میری کو زور سے بھینچ لیا ۔ برونیا کی نظروں

میں عرصے تک وہ صورت پھرتی رہی ۔ بار بار اسے اپنی بہن یاد آتی جو اسے پلیٹ فارم پر رخصت کر رہی تھی ، چہرے پر ماتمی نقاب پڑا تھا اور وہ بالکل بے حس و حرکت کھڑی تھی ۔

اس گھر میں کسی حد تک زندگی اپنے معمول پر آ گئی ، مدتوں ایسا ہوتا رہا کہ جب باہر والے دروازے کو ذرا سی آہٹ ہوتی تو دیوانی میری ایک لمحے کے لئے سوچتی کہ اب دروازہ کھلا ہے اور پیٹر کیوری گھر میں داخل ہوگا ۔ اس گھر کے تمام چہروں پر انتظار کی کیفیت طاری تھی ، کیا بچے ، کیا بوڑھے اور کیا جوان ، سب ہی کو کسی کا انتظار تھا ۔ یہ غموں کی ماری ہوئی سوگوار مجسم عورت جس کی عمر اڑتیس سال تھی اب یہی اس کنبے کی کفیل تھی ۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ تمام گرمیوں میں تجربہ گاہ میں کام کرے گی اور جب نومبر کا مہینا آئے گا تو وہ پڑھانا شروع کر دے گی ، اسے پیٹر کیوری کی جگہ ساربون میں پڑھانا تھا ۔ میری کو وہ کتابیں اور نوٹس مل گئے جن کی اسے ضرورت تھی ، یہ نوٹس اس کے شوہر نے تیار کئے تھے ۔ ایک بار پھر وہ مصروف مطالعہ ہو گئی ۔

گرمیوں کی ان تعطیلات میں اس نے اپنے بچوں کو باہر بھیج دیا ۔ ایو اپنے دادا کے ساتھ سینٹ ریمی چلی گئی اور آئیرین اپنی خالہ ہیلا کے پاس چلی گئی ، ہیلا میری کی چھوٹی بہن تھی اور اس نے مدد کی یہ پیش کش کی تھی ، اور اپنی بھانجی کو بلا بھیجا تھا ۔

موسم خزاں میں میری سے برداشت نہ ہوسکا کہ وہ ہولی وارڈ کارمین میں قیام کرے ۔ اس نے سی آکس میں رہنا پسند کیا ۔ یہیں پر پیٹر سے وہ ملی تھی اور یہیں کے قبرستان میں وہ محو خواب تھا ۔

جب اس نے یہ تجویز پیش کی تو ڈاکٹر کیوری نے زندگی میں پہلی مرتبہ پہلو سے براہ راست گفتگو کی ۔

" بیٹی اب پیٹر زندہ نہیں ہے ، تم مجھ بوڑھے کے ساتھ رہ کر کیا کروگی ۔ میں خوشی تمہیں اجازت دیتا ہوں کہ تنہا رہو یا میرے بڑے بیٹے کے پاس رہو ، تمہیں کیا فیصلہ کرنی ہو ،،

" یہیں فیصلہ آپ کریں گے ،، میری نے زیر لب کہا " اگر آپ مجھ سے جدا ہوگئے تو مجھ کو دکھ ہوگا ، اب آپ خود فیصلہ کریں کہ آپ کس بات کو ترجیح دیتے ہیں ،،

جذبے کی شدت اس کی آواز سے ظاہر ہورہی تھی ۔ کیا ایسا رفیق اور شفیق بزرگ اپنا دست شفقت اٹھا لے گا ۔ ڈاکٹر کیوری کے لئے یہ ایک قدرتی بات تھی کہ وہ جیکس کے ساتھ رہے ، ظاہر ہے کہ وہ ایک غیر ملکی عورت ، ایک پولس خاتون کے ساتھ نہ رہے گا . . . . لیکن مطلوبہ جواب فوراً دے دیا گیا ۔ "بیٹی میری میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمام زندگی تمہارے ساتھ رہوں گا ،،

اس نے مزید کہا "اب جب کہ تم خود چاہتی ہو ،، اس فقرے میں یہ بات مضمر تھی کہ وہ دل کی بات چھپا رہا ہے ۔ وہ

بہت جلد مڑ کر باغ کی طرف چلا گیا ، جہاں آئیرین کی خوش کن چیخیں اس کو بلا رہی تھیں ۔

ایک بیوہ ، اناسی سال کا ایک بوڑھا ، ایک چھوٹی لڑکی اور ایک ننھی بچی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ بس اب یہی کیوری خاندان تھا ۔

مادام کیوری نامور سائنسداں کی بیوہ تھی ، جو نہایت المناک طور پر مرا اور ببوہ کو ساربون میں اس کے شوھر کا جانشین بنا دیاگیا ، اب وہ پندرہ نومبر ۱۹۰٦ء ، پیر کے روز ، دن کے ڈیڑھ بجے اپنا پہلا لکچر دیں گی ۔

مادام کیوری اپنے افتتاحی لکچر میں ضوریز شعاعوں پر گفتگو کریں گی ۔

مادام کیوری لکچر ھال میں تقریر کریں گی ، اس ھال مبں ایک سو بیس نشستیں ھبں ، جن پر زیادہ نر طالب علم ھوں گے ۔ پبلک اور پریس جس کے کچھ حقوق ھبں اور اسے بھی بیس نشستوں کا کوٹا دیا گیا ھے ۔ اس موقع پر ساربون کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک بے مثال واقع ھوئے جا رہا تھا ۔ ایسا کیوں نہ کہا گیا کہ اس موقعہ پر لکچر ھال کو سیری کی مرضی پر چھوڑ دیا جاتا ۔

اخباروں میں اس قسم کے اقتباسات سے پیرس کے عوام کی دلچسپی اور اشتیاق کا اندازہ ھوتا ھے ۔ اخباری نمائندے سوسائٹی کے سربرآوردہ لوگ ، حسین عورتیں اور فن کار جو فیکلٹی آف سائنس کی سکریٹیریٹ میں جمع ھوگئے تھے اور دعوتی رقعے نہ

ملنے پر برھمی کا اظہار کر رہے تھے ، انہیں لکچر سننے کی ھرگز کوئی خواهش نہ تھی اور نہ انہیں مسری کے سائنسی تحقیقی کام سے کچھ واسطہ تھا ، میری کی دکھ بھری داستان ان کے شتیاق کو بڑھانے کے لئے کافی تھی ، ان کے غم میں بھی فیشن کو دخل تھا ۔

آج پہلی مرتبہ ساربون میں ایک عورت تقریر کرنے کو تھی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ عورت ، جو بیک وقت دانشور اور دکھیاری بیوہ تھی ، یہاں پر تماشائی عوام کافی جمع تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ایک اخبار کا اقتباس ملاحظہ ہو :

دوپہر کے وقت ، جب میری سی آکس کے قبرستان میں ایک قبر کے سامنے کھڑی تھی اور اس سے زیر لب گفتگو کر رہی تھی ، جس کی جانشینی کا آغاز وہ آج سے کرے گی ۔ یونیورسٹی کے ایمفی تھیئٹر میں پہلے ھی سے تل دھرنے کو جگہ نہ تھی ، چھوٹی سی جگہ تھی اور ھجوم کا کوئی ٹھکانا نہ تھا ، جب ھال کے دروازے بند کر دیئے گئے تو لوگ میدان میں جمع ھونا شروع ھوئے ۔ اس ھال میں ھر قسم کے دماغ موجود تھے ، بڑے بڑے عالموں اور جاھلوں کے دماغ آپس میں گڈ مڈ ھو گئے تھے ، اور میری کے بے تکلف دوست بے تعلقی سے منتشر ھو گئے تھے ۔ اصلی طالب علموں کو بڑی مصیبت تھی ، دراصل ان ھی نے لکچر سننا تھا ، ان ھی کو اس لکچر کے اھم نکات قلمبند کرنے تھے ، اور یہ بے چارے اپنی نشستوں سے چمٹے بیٹھے تھے کہ کہیں ایسا نہ ھو کہ حاصل کی ھوئی جگہ سے بھی ھاتھ دھونا پڑے ۔

ایک بج کر پچیس منٹ پر ھجوم کی گفتکو بہت تیز ھو گئی - سرگوشیاں اور سوالات ھو رہے تھے - گردنیں بار بار ٹیڑھی کی جا رھی تھیں کہ مادام کیوری کی آمد کے منظر کا کوئی جزو دیکھنے سے نہ رہ جائے، تمام حاضرین سوچ رہے تھے کہ دیکھئے نئی پروفیسر کے پہلے الفاظ کیا ھوتے ھیں - اس عورت کے پہلے الفاظ جسے ساربون میں دانشوروں کی صف میں شامل کیا گیا تھا، کیا وہ وزیر تعلیم کا شکریہ ادا کرے گی ؟ کیا وہ یونیورسٹی کا شکریہ ادا کرے گی ؟ کیا وہ پیئر کیوری کی بات کرے گی ؟ یقیناً یقیناً یہ تو بڑی پرانی روایت ھے کہ نیا پروفیسر اپنے پیش رو کا ذکر خیر کرتا ھے، لیکن یہاں اس کا پیش رو اسی کا شوھر تھا، اس کا رفیق کار تھا، کیسی نازک صورت حال پیدا ھوئی ھے، کتنی سنسنی پھیلی ھوئی تھی، کیسا نادر لمحہ تھا . . . .

ڈیڑھ بج گیا . . . . عقب کا دروازہ کھل گیا، میری کیوری داخل ھوئیں، جب وہ اپنی کرسی کی طرف بڑھ رھی تھیں تو تالیوں کی گونج سے چھت اڑی جا رھی تھی، انھوں نے اپنے سر کو خفیف سی جنبش دی، یہ حاضرین کو سلام تھا - وہ اسٹیج پر کھڑی ھوئیں، ان کے سامنے ایک لمبی میز رکھی تھی جسے انھوں نے دونوں ھاتھوں سے مضبوطی کے ساتھ تھام لیا، میز پر سائنسی آلات لدے ھوئے تھے - میری نے ھجوم کے شور کے تھمنے کا انتظار کیا، ایک دم سناٹا ھو گیا - اب ایک زرد رو عورت کا چہرہ تھا اور وہ عورت اپنے چہرے کی کیفیات کو چھپا رھی تھی - ایک نامعلوم جذبے کے تحت ھال میں سناٹا ھو گیا - پبلک تماشا دیکھنے آئی تھی پھر وہ خاموش کیوں نہ ھوتی -

میری نے سامنے کی طرف گھور کر دیکھا اور نقریر شروع کی :

"جب کوئی سخص گزشتہ دس سال کی طبعیات کی ترقی کا جائزہ لیتا ہے تو حیرت ہوتی ہے کہ ان دس برسوں میں برقیات اور مادے کے بارے مس ہمارے نظریات نے کتنی ترقی کی ہے . . . . . "

مادام کیوری نے اس مختصر تمہید کے بعد اپنا کورس وہاں سے شروع کیا جہاں پیئر کیوری نے چھوڑا تھا ۔

برف جیسے سرد الفاظ میں کتنی شدت تھی "جب کوئی شخص گزشتہ دس سال کی طبعیات کی ترقی کا جائزہ لیتا ہے . . . . . . ؟ "

حاضرین جلسہ رونے لگے ۔

اور خاتون سائنسداں نے نہایت مضبوط اور گمبھیر آواز میں اس روز کا سبق مکمل طور پر پڑھایا . . . . . اس نے برقیات اور ذرات اور ضوریز مادوں پر سیر حاصل تقریر کی اور کہیں بھی اس کی آواز میں رفت نہ پیدا ہوئی ، اور تقریر کے اختتام کے ساتھ ہی وہ عقب کے چھوٹے دروازے سے تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی چلی گئی ۔



تيسرا حصه

انیسواں باب

تنہا

جب میری کا ایک حمایتی موجود تھا ، جب اس کی کفالت کرنے والا اس کا ذھین شوھر زندہ تھا ، اس وقت ھم اس کی تعریف کرتے تھے کہ وہ گھر کا انتظام بھی کرتی تھی اور سائنس کی عظیم‌الشان مہم بھی سر کرتی تھی، اس وقت ھم یہ نہ سوچ سکتے تھے کہ یہ بھی ممکن ھے کہ وہ اس سے زیادہ دشوار گزار زندگی بسر کرے گی اور زندگی کے میدان میں شدید جدوجہد کرے گی ۔

میری پر جو وقت آنے والا تھا اور بیوگی کی زندگی ، اس کا جس طرح انتظار کر رھی تھی اس کے پیش نظر اس کی شادی شدہ زندگی کوئی حقیقت نہ رکھتی تھی ۔ بیوہ مادام کیوری جتنی دشوار گزار زندگی بسر کرے گی اسے دیکھ کر بڑے بڑے حوصلہ مند مردوں کے چھکے چھوٹ جائیں گے ۔

اب اسے دو ننھی ننھی بچیوں کو پالنا تھا ، ان کے لئے اور اپنے لئے کمانا تھا ، اور کامیابی کے ساتھ پروفیسری کرنا تھا ۔ وہ اپنے مربی اور اپنے شوھر کی رفاقت سے محروم ھو چکی تھی ، اور اسے اس کے چھوڑے ھوئے ادھورے کام کو پورا کرنا تھا ، اب اس کے ماتحت ملازمین اور اس کے شاگرد اس کے حکم اور مشورے پر

چلیں گے - ایک اور نہایت ضروری مقصد باقی رہ گیا تھا - پیئر کا خواب جو شرمندۂ تعبیر نہ ہوا تھا ، اسے پورا کرنا تھا ، یعنی تجربہ گاہ تعمیر کرنا تھی ، جہاں نوجوان طلباء تحقیقی کام کریں گے اور ریڈیم کی سائنس کو ترقی دیں گے -

میری کی پہلی توجہ اس بات پر مرکوز ہوئی کہ وہ اپنی بچیوں اور اپنے سسر کو سکھ پہونچائے - اس نے ۶ ریوڈی شین میں ایک مکان کرایہ پر لیا - اس مکان میں کوئی دلکشی نہ تھی ، البتہ اس میں ایک واجبی سا باغیچہ بھی تھا - باغ میں زمین کا ایک چوکور ٹکڑا مل گیا ، جسے دیکھ کر آئیرین بہت خوش ہوئی کہ وہ اس پر اپنی مرضی سے باغبانی کرے گی - اتالیق کی نگرانی میں ایو لان میں کھیلتی تھی اور بلی کے پیچھے بھاگتی تھی -

مادام کیوری کو نئے مکان کی وجہ سے معمول سے زیادہ تھکن برداشت کرنا پڑتی تھی - اسے ریل گاڑی میں بیٹھ کر روزانہ تجربہ گاہ جانا پڑتا تھا - یہ آدھ گھنٹا روزانہ کا سفر تھا - ہر روز اسے اسٹیشن پر دیکھا جا سکتا تھا - وہ اپنے خوبصورت قدموں سے تیز تیز چلتی تھی - ایک ان تھک کوشش کا احساس ہوتا تھا - یہ سوگوار مجسم عورت روزانہ ایک ہی ٹرین سے سفر کرتی تھی ، روزانہ وہی سیکنڈ کلاس کا ڈبہ ، روزانہ ڈبے کی ایک خاص قسم کی بو ، اس بو یا خوشبو سے وہ مانوس ہوچکی تھی ، اور اس ریل گاڑی سے جو مسافر روزانہ سفر کرتے تھے ان کے لئے وہ ایک جانی پہچانی صورت بن چکی تھی -

اسے گھر میں دوپہر کا کھانا کھانے کا شاذ و نادر موقع ملتا۔ اس نے لیٹن کوارٹر کے دکانداروں سے دوبارہ شناسائی پیدا کرلی، ان دکانداروں سے وہ طالب‌علمی کے زمانے میں سودا خریدا کرتی تھی۔ پہلے بھی وہ تنہا تھی اور آج بھی وہ تنہا ہے، ان دنوں وہ جوان تھی اور امیدوں سے بھرپور تھی۔ اب وہ پھر پہلے کی طرح روٹی کے ایک ٹکڑے یا کسی پھل پر گزارہ کرتی۔

شام کو اکثر اسے دیر ہو جاتی تھی، اور وہ دیر سے گھر جانے والی ٹرین سے سفر کرتی تھی۔ سردیوں میں اسے پہلی مرتبہ خیال آیا کہ وہ اپنے چولھے کو ٹھیک ٹھاک کرے۔ اس کے دماغ میں یہ خیال بہت پختہ ہو چکا تھا کہ آگ کو جلانے اور اسے باقی رکھنے کے فن میں دنیا بھر میں اس سے بڑھ کر کوئی نہیں، اور یہ سچ بھی تھا۔ وہ فنکار یا کیمسٹ کی طرح آگ جلانا جانتی تھی۔ جب آگ اچھی طرح جل جاتی تھی تو وہ ذرا دم لینے کے لئے صوفے پر لیٹ جاتی تھی۔

وہ اپنے غم کو ضرورت سے زیادہ چھپاتی تھی، وہ کبھی کسی کے سامنے نہ روئی، اسے یہ بھی اچھا نہ لگتا تھا کہ کوئی اسے تسلی دے یا اسے دیکھ کر اس پر ترس کھائے، جو کوئی ایسا کرتا تھا وہ اسے منع کرتی تھی۔ اس کی چیخوں اور اس کی کراہوں کو کسی نے نہ سنا، اور اس نے کسی سے نہ بتایا کہ رات کو اس کے پاس کس کی روح آتی ہے، جس سے ملاقات کر کے اس کی نیند اڑ جاتی ہے، لیکن جو لوگ اس سے قریب رہتے تھے وہ بڑی بے چینی سے اسے دیکھتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ میری کے

تیور ٹھکانے نہیں ، اسے اپنی حرکات اور سکنات پر قابو نہیں ہے اور وہ اعصابی خلل میں مبتلا ہے ، وہ بار بار اپنے ہاتھوں کو آپس میں رگڑتی تھی ، اس کے ہاتھ ریڈیم سے جھلس چکے تھے -

بعض اوقات اسے محسوس ہوتا کہ اس کے جسم کی قوت مدافعت جواب دے چکی ہے ، اور ایسے وقت وہ اپنی بچیوں کو اپنے سے جدا بھی نہ کر سکتی تھی - مجھے اپنے بچپن کے ابتدائی دنوں کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ میری ماں کھانے والے کمرے میں بے ہوش ہوکر فرش پر گر پڑی تھیں - ان کا چہرہ کتنا زرد تھا اور وہ کتنی بے حس و حرکت پڑی تھیں ، معلوم ہوتا تھا کہ مر گئی ہیں -

---

میری کا خط سہیلی کازیا کے نام ، ۱۹۰۷ء

پیاری کازیا مجھے افسوس ہے کہ جن صاحب کو تم نے اپنی سفارش سے میرے پاس بھیجا تھا میں ان سے نہ مل سکی - جس روز وہ آئے تھے اس روز میری طبیعت بہت خراب تھی ، اس کے دوسرے دن مجھے لکچر دینا تھا - میری طبیعت اکثر خراب ہو جاتی ہے - میرے سسر ڈاکٹر ہیں اور انہوں نے منع کر دیا ہے کہ میں کسی سے نہ ملوں ، کیوں کہ باتیں کرنے سے تکان میں اضافہ ہوگا -

باقی اور تمہیں کیا لکھوں - میری زندگی اتھل پتھل ہو چکی ہے اور میرے حالات کچھ ایسے بگڑے ہیں کہ شاید کبھی نہ بن سکیں گے - میں سمجھتی ہوں کہ یہ حالات ہمیشہ ایسے

ھی رھیں گے اور میں انھیں بھتر بنانے کی کوشش بھی نہ کروں گی ۔ میں چاھتی ھوں کہ جہاں تک ھو سکے بچیاں پل بڑھ جائیں، لیکن میری بچیاں بھی میرے اندر زندگی کی نئی لہر نہیں دوڑا سکتیں ۔ دونوں بچیاں بہت نیک ھیں ، اچھی ھیں اور شاید خوبصورت بھی ھیں ۔ میں چاھتی ھوں کہ ان کی نشو و نما نہایت صحت مندانہ طور پر ھو سکے ۔ جب میں چھوٹی بچی کی عمر پر غور کرتی ھوں تو مجھے خیال آتا ھے کہ منزل کتنی دور ھے ، دونوں کو جوان ھونے میں بیس برس لگیں گے ۔ مجھے امید نہیں کہ میں اتنے عرصے زندہ رہ سکوں گی ۔ میری زندگی تھک کر چور چور ھو چکی ھے ۔ غموں نے مجھے کھوکھلا کر دیا ھے اور میری صحت اور میری طاقت جواب دے چکی ھے ۔

پیسے کوڑی کی کوئی تنگی نہیں ھے ، میں اپنی بچیوں کے لئے کافی کما لیتی ھوں ، جب وہ زندہ تھے اس وقت کے مقابلے میں اب مالی حالت زیادہ بہتر ھے ۔

میری کی بپتا میں دو آدمیوں نے بڑا ھاتھ بٹایا ۔ ایک تو ماریہ کیمی مسکہ تھی ، یہ جوزف کی سالی تھی ، یہ بھی بیچاری اپنی طبیعت سے بڑی اچھی عورت تھی اور برونیا کے کہنے سے اس نے کیوری خاندان میں گورنس اور گھر کی منتظمہ کا عہدہ سنبھال لیا تھا ۔ یہ چونکہ پولینڈ کی تھی اس لئے غریب‌الوطن میری اس سے زیادہ بے تکلفی سے پیش آتی تھی ۔ جب اس عورت کی صحت بہت گر گئی تو وہ مجبوراً وارسا واپس چلی گئی ۔ پھر پولینڈ سے اور عورتیں ملازمت کے لئے آئیں ، وہ اس عورت جیسی

ذمہ دار اور مستعد نہ تھیں، بہر حال وہ جیسے تیسے بچوں کی پرورش کرتی رہیں -

میری کو دوسرا بہت بڑا حمایتی جو ملا وہ ڈاکٹر کیوری تھا ، پیئر کی موت اس کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی ، لیکن بڈھا بڑا حوصلہ مند تھا ، اتنا حوصلہ میری میں نہ تھا - بوڑھا آدمی جذبات کی جگہ پر عقل کو بہت دخل دیتا تھا - وہ مردہ‌پرستی، قبر پرستی اور بے جا رنج و غم کا قائل نہ تھا - پیئر کو دفن کرنے کے بعد وہ کبھی قبرستان نہ گیا - جب پیئر نہ رہا تو اس نے اس کے غم کو بھی اپنے پاس رکھنے سے انکار کر دیا -

وہ فلسفۂ مسرت کا قائل تھا ، اور اس فلسفہ کو سنجیدگی سے مانتا تھا ، اس کے خیالات کا میری پر بھی مفید اثر پڑا ، وہ اپنی بہو کو مجبور کرتا تھا کہ وہ پہلے کی سی نارمل زندگی بسر کرے ، باتیں کرے ، ھنسے اور بولے - اس لئے میری اپنے سسر کے سامنے غم کرتے ہوئے شرماتی تھی اور اسے دیکھ کر اپنے چہرے کو پرسکون بنانے کی کوشش کرتی تھی -

ڈاکٹر کیوری کی موجودگی سے میری کی بچیاں بہت خوش رہتی تھیں ، اگر یہ نیلی آنکھوں والا بوڑھا نہ ھوتا تو بچیوں کا بچپن بے لطفی اور بے کیفی میں گزرتا - وہ بچیوں کے ساتھ کھیلتا تھا ، وہ ان کا ماسٹر بھی تھا ، ماں سے بڑھ کر ان کی نگہداشت کرتا تھا، اور ماں تو اکثر گھر سے غائب رہتی تھی ، وہ تو زیادہ تر تجربہ گاہ میں رہتی - بچیوں کے کان تجربہ گاہ

کا نام سن سن کر پک چکے تھے۔ ایو تو ابھی بہت چھوٹی تھی ، اس لئے اسے اپنے دادا کے ساتھ وہ بے تکلفی نہ حاصل تھی ، لیکن بڑی لڑکی سے دادا کی بڑی گاڑھی دوستی تھی - بڑی پوتی میں مرحوم بیٹے کے اکثر اوصاف موجود تھے -

وہ آئیرین کو تاریخ قدرت اور علم نباتات سے لے کر وکٹر ھیوگو تک کے بارے میں باتیں بتاتا تھا ، اور گرمیوں کی چھٹیوں میں اسے خط لکھنے کا طریقہ بتایا کرتا تھا - اس تمام تعلیم و تربیت میں اس کی پر مذاق طبیعت جھلکی پڑتی تھی۔ اس نے اپنی تمام قابلیت کو ایک فیصلہ کن راستے پر ڈال دیا تھا - آج کل جو خاتون آئیرین جولیٹ کیوری کے نام سے مشہور ھیں ، ان کے اندر دادا کی تربیت کا بہت اثر ہے، وھی حقیقت پسندی، جھوٹ موٹ کی دین داری سے نفرت اور سیاست سے دلچسپی ، یہ تمام اثرات براہ راست دادا کی طرف سے آئے ھیں -

مادام کیوری اس بے نظیر انسان کی بے حد ممنون تھی جو اس کی بچیوں کو اس محبت سے پال رہا تھا - ۱۹۰۹ء میں ڈاکٹر کیوری کے پھیپھڑوں میں کچھ خرابی پیدا ہو گئی اور وہ ایک سال تک بستر پر پڑا رہا - مادام کیوری زیادہ سے زیادہ وقت صرف کر کے اس کے پلنگ کی پٹی سے لگی رہتی ، بوڑھا آدمی خاصا ضدی اور مضطرب ہو چکا تھا ، اور وہ اب بھی اپنی بیماری کو نظر انداز کر کے مگن رہنا چاھتا تھا -

۲۵ فروری ۱۹۱۰ء کو بوڑھے ڈاکٹر کیوری کا انتقال ہو گیا - سی آکس کے قبرستان میں جو سردی سے بے برگ ہوگیا

تھا ، جہاں پہنچ کر میری نے گورکن سے ایک غیر متوقع محنت کی فرمائش کی ۔ اس نے کہا کہ پیئر کو مع تابوت قبر سے نکال لیا جائے اور نچلی تہ میں ڈاکٹر کیوری کو رکھا جائے اور اس کے اوپر پیئر کو لٹایا جائے ۔ اب قبر میں ایک خانہ باقی رہ گیا تھا ، یہ اس نے اپنے لئے محفوظ رکھا تھا ۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کی لاش اور شوہر کی لاش کے درمیان کوئی لاش حائل نہ رہے ۔

ڈاکٹر کیوری کی وفات کے بعد اب میری کو تن تنہا بچیوں کی پرورش کرنا تھی ، اس کے ذہن میں بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک واضح منصوبہ تھا جو یکے بعد دیگرے کئی اتالیقوں نے مکمل کرنے کی کوشش کی ۔

ہر روز دونوں بچیاں پہلے ایک گھنٹا دماغی کام کرتیں ، پھر ایک گھنٹا جسمانی محنت کرتیں ، ان دونوں باتوں کو میری نے دل کش بنانے کی کوشش کی تھی ، وہ بڑی شدت کے ساتھ چاہتی تھی کہ اپنی لڑکی کی صلاحیتوں کو جلا بخشے ، وہ بھورے رنگ کی نوٹ بک میں لکھتی جاتی تھی کہ آئیرین نے ارتھمیٹک میں اتنی ترقی کی ہے اور ایو نے میوزک میں اتنی کامیابی حاصل کی ہے ۔

جیسے ہی وہ روز مرہ کا کام ختم کر لیتیں انہیں کھلی ہوا میں بھیج دیا جاتا ۔ ہر موسم میں وہ لمبی لمبی سیریں اور جسمانی ورزش کرتی تھیں ۔ میری نے باغ میں دو کھمبے گڑوا دیئے تھے ، جن میں رسیاں پڑی تھیں ، ان رسیوں کو پکڑ کر لڑکیاں ورزش کرتیں

نهیں - گھر میں ایسی عمدہ تعلیم و تربیت پا کر جب لڑکیاں اسکول میں داخل کی گئیں تو وهاں دونوں اول آتی نهیں اور خوشی خوشی انعامات لے کر گھر آتی نهیں -

دونوں بچیاں هر وقت مصروف هی رها کرتی تهیں ، کبھی اپنے باغ کی کیاریاں بناتی تهیں ، کبھی ماڈل تیار کرتی تهیں اور کبھی کھانے پکانے اور سینے پرونے میں مصروف هو جاتی تهیں - میری ان کے ساتھ ساتھ ان کی تفریح میں شریک هوتی تهی ، حالانکه وہ تفریح کرتے وقت اپنے دل پر جبر کرتی تهی - جب بچیاں سیر کرنے جاتیں تو وہ ان کے همراہ بائیسکل پر روانه هوتی ، گرمیوں میں وہ خود پانی میں اتر جاتی اور بچیوں کو تیرنا سکھاتی تهی اور دیکھتی تهی که تیراکی میں بچیوں نے کتنی ترقی کی هے -

بچیوں کی وجه سے وہ بہت عرصه تک پیرس سے باهر نه جا سکی اور تعطیلات کے زمانے میں وہ بچیوں کو ان کی خاله هیلا کے پاس بهیج دیتی تهی - وہ کسی سمندری مقام پر رهتی تهی اور یه بچیاں اپنے خاله زاد بھائیوں کے ساتھ سمندر میں تیرنا سیکھتی تهیں - ۱۹۱۱ء میں یه بچیاں پہلی بار اپنی ماں کے ساتھ پولینڈ گئیں ، برونیا نے زیکو پین کے سنی‌ٹوریم میں ان سب کا استقبال کیا ، یہاں ان دونوں بچیوں نے گھوڑ سواری سیکھی ، گھوڑوں پر بیٹھ کر کئی کئی دن پہاڑوں کی سیر کرتی تهیں اور کوہ پیماؤں کے جھونپڑوں میں رات کو سو جاتی تهیں - میری کاندھے پر اپنے مختصر سامان کی گٹھری رکھے هوئے پیروں میں بھاری بھر کم

بوٹ پہنے بچیوں کے آگے آگے چل کر انہیں پہاڑی راستوں سے آگاہ کرتی تھی ۔

وہ چاہتی تھی کہ اس کی بچیاں محنت اور جفاکشی کی عادی بن جائیں ، یہ بچیاں جانتی ھی نہ تھیں کہ ڈر اور خوف کس چیز کا نام ہے ۔ آئیرین اور ایو کو اندھیرے میں کبھی نہ ڈر لگا ، اگر کبھی آندھی آئی تو انہوں نے کبھی اپنے تکموں مس منہ نہ چھپائے ، جب وبائی بماریاں پھیلتی تھیں تب بھی وہ دونوں نہ ڈرتی تھیں ۔ میری اگلے وقتوں کے ھر خوف کو جاننی تھی ، اور وہ اپنی بچیوں کو ھر بلا اور مصیبت سے محفوظ رکھنا جانتی تھی ، وہ کبھی بچیوں کے آگے پیئر کی دردناک موت کا ذکر نہ کرتی تھی ۔ بچیاں بہت جھوٹی ھی عمر میں ایک جگہ جا سکتیں تھیں ، اور گیارہ بارہ برس کی عمر میں وہ تن تنہا سفر کر سکتیں تھیں ۔

میری کو اپنی بچیوں کی روحانی صحت کچھ زیادہ عزیز نہ تھی ، وہ انہیں مذھبی ڈھکوسلوں سے بچائے رکھتی تھی ، وہ انہیں جذباتی اور مغموم ھونے سے روکتی تھی۔ اس نے یہ قطعی فیصلہ کر لیا تھا کہ ان یتیم بچیوں کے آگے کبھی ان کے باپ کا ذکر نہ کرے گی ، یہ بات بہت مشکل تھی لیکن اس کے باوجود اس نے فیصلہ کر لیا تھا ، اپنی زندگی کے آخری دنوں میں بھی وہ بچیوں کے آگے نہایت دقت کے ساتھ یہ الفاظ کہہ سکتی تھی "پیئر" یا "پیئر کیوری" یا "تمہارے باپ" یا "میرے شوھر" وہ اپنی بچیوں کو بالکل مغموم نہ دیکھنا چاہتی تھی ، اس سلسلے میں

اس نے اپنے آپ پر صبر کیا اور بچیوں کو باپ کے غم سے محروم کر دیا۔

نہ تو اس نے اس مرے ہوئے سائنس داں کا کبھی ذکر کیا اور نہ کبھی اس نے پولینڈ کا ذکر کیا، اس کی یہ خواہش تو تھی کہ آئیرین اور ایو پولش زبان سیکھیں اور اپنے نانیہالی وطن سے محبت کرنا سیکھیں، لیکن وہ جان بوجھ کر دونوں بچیوں کو پکی اور اصلی فرانسیسی لڑکیاں بنانا چاہتی تھی، آہ وہ اپنی بچیوں کو دو ملکوں کے درمیان معلق کر کے اذیت میں مبتلا نہ کرنا چاہتی تھی۔ وہ نہ چاہتی تھی کہ اپنے مظلوم ملک اور اپنی مظلوم قوم کے غم میں اپنی بچیوں کو شریک کرے۔

اس نے بچیوں کے بپ تسمہ کی رسم نہ ادا کی، اور انہیں کسی قسم کی مذہبی تعلیم نہ دلوائی، مذہب سے اس کا عقیدہ اٹھ چکا تھا، اس لئے وہ خود کو بالکل مجبور پاتی تھی کہ جس مذہب کو وہ خود نہیں مانتی اس کی تعلیم بچیوں کو کس طرح دے، وہ بچیوں کو یہ بھی نہ بتانا چاہتی تھی کہ وہ کس طرح بے دین بن گئی، کیونکہ بے دین ہونے کی داستان اتنی غم ناک تھی کہ بچیاں سن کر مغموم ہو سکتیں نہیں، وہ بچیوں کو کبھی کسی مذہب کے خلاف نہ بھڑکاتی تھی، کئی مرتبہ اس نے ایسا ظاہر کیا کہ اگر بچیاں جوان ہو کر کسی مذہب کو قبول کرنا چاہیں گی تو وہ انہیں بالکل آزادی دے دے گی۔

مادام کیوری کو اس بات پر اطمینان تھا کہ اس کی بچیاں مفلسی کی دقتوں سے نا آشنا ہیں ، لیکن وہ یہ بھی نہ چاہتی تھیں کہ بچیاں نعیش اور امیرانہ ٹھاٹ کی عادی ہو جائیں۔ ایسے کئی موقعے آئے کہ اگر میری چاہتی تو بچیوں کا مقدر اوج ثریا تک پہونچا دیتی ، لیکن اس نے ایسا نہ کیا ۔ جب وہ بیوہ ہو گئی تو اسے یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ اس ریڈیم کو کیا کرے جو اس نے اور پیئر نے مل کر تیار کی تھی ، اور جو اس کی ذاتی ملکیت تھی ۔ اب اس نے ڈاکٹر کیوری اور گھر کے دوسرے لوگوں کے مشورے کے خلاف فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ یہ ریڈیم تجربہ گاہ کو عطیے کے طور پر دے دے گی ۔ اس ریڈیم کی قیمت ایک لاکھ فرانک سے زیادہ نہ تھی ۔

وہ یہ جانتی تھی کہ غریب رہنے سے طرح طرح کی دقتیں پیدا ہوتی ہیں ، لیکن اس کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ اگر انسان بہت زیادہ دولت مند ہو جائے تب بھی طرح طرح کی دقتیں پیدا ہو جاتی ہیں ۔ وہ چاہتی تھی کہ جب بچیاں جوان ہوں تو اپنی ضرورت کے مطابق خود کمائیں ۔ یہی بات اسے قدرتی اور مناسب معلوم ہوتی تھی ، اور یہ بات موزوں نہ معلوم ہوتی تھی کہ وہ دونوں کے لئے لاکھوں کی جائیداد فراہم کردے ۔

میری نے بچیوں کے لئے تعلیم کا جو پروگرام بنایا تھا اس میں احتیاط کو بہت دخل تھا ، لیکن اس میں ایک کمی رہ گئی تھی ۔ ادب اور تہذیب ۔ اس کے کلبۂ احزان میں اس کے نہایت بے تکلف دوست ہی آیا کرتے تھے ۔ مسٹر اور مسز پیرین ، مسٹر

اور مسز شاوان ۔ اتوار کو آندرے ڈیبارنے بچوں کے لئے کتابیں اور کھلونے لائے تھے اور وہ گھنٹوں آئیرین کی دلبستگی کیا کرتے تھے ۔ وہ کاغذ پر مختلف جانوروں کی تصویریں بناتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ آئیرین اور ایو ان سے بڑھ کر کسی کو اتنا شفیق دوست نہ محسوس کرتی تھیں ۔ جب آئیرین اجنبیوں سے ملتی تھی تو اس کا دل دھک سے ہو جاتا تھا ، اور وہ بالکل گم صم ہو جاتی تھی، اور وہ بار بار کہنے پر بھی اپنی ضد اور ہٹ پر اڑی رہتی تھی اور میری کی کسی سہیلی سے یہ نہ کہتی تھی کہ آپ کے مزاج کیسے ہیں ۔ وہ دونوں بچیوں کی اس عادت کو مکمل طور پر کبھی نہ چھڑا سکی ۔

لوگوں کو دیکھ کر مسکرانا ، خوش خلقی سے پیش آنا ، ان سے ملاقاتیں کرنا ، وہ گھر آئیں تو ان کا استقبال کرنا ، اخلاق سے پیش آنا، رسمی باتیں کرنا وغیرہ وغیرہ ۔ ۔ ۔ ۔ دونوں بچیاں بالکل ان باتوں سے بے نیاز تھیں ۔ یہ دنیاداری انہیں آتی ھی نہ تھی ۔ آئندہ دس بیس برس بعد ان بچیوں کو احساس ھوسکے گا کہ بد قسمتی سے دنیا میں رہ کر یہ رکھ رکھاؤ کرنا ھی پڑتا ھے ''مزاج شریف،، کہنے کی اس دنیا کو بڑی ضرورت ھے ۔ جب آئیرین کو اسٹیڈی سرٹیفکیٹ مل گیا اور وہ اسکول جانے کے قابل ھوئی تو میری کی یہ شدید خواھش تھی کہ اس کی بیٹی اسکول کے کورس سے آگے آگے چلے ۔

میری شدید محنت کی عادی تھی لیکن بچیاں اتنی محنت کہاں کر سکتی تھیں ۔ وہ خود بھی نہیں چاھتی تھی کہ بچیاں

دیر تک اسکول کے کمروں میں بند ہو کر کتاب کا کیڑا بنی رہیں ۔ وہ یہ جانتی تھی کہ بچیوں کی یہ عمر کھیلنے کھانے کی ہے ۔ وہ چاہتی تھی کہ آئیرین تھوڑا سا پڑھے لیکن بہت اچھی طرح پڑھے ۔

بچوں کی تعلیم کے بارے میں اس نے خود سوچ بچار کیا اور اپنے دوستوں سے مشورے کئے ۔ اس نے ساربون کے پروفیسروں سے مشورے کئے ۔ وہ چاہتی تھی کہ بہت سے لائق لوگ مل کر بچوں کا ایک ایسا اسکول کھولیں جس میں بالکل نئے ڈھنگ سے تعلیم دی جائے ۔

اس کے نزدیک یہ بات کچھ مناسب نہ تھی کہ چند لڑکے اور لڑکیاں ایک اسکول میں پڑھیں اور انہیں ایک ہی ماسٹر سارے مضامین پڑھائے اور پھر وہ ایک روز ساربون پہنچ جائیں ، جہاں جین کیمن کیمیا پڑھاتے ہیں اور پول رینگوین ریاضی پڑھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ ۔ میری جمعرات کے روز سہ پہر کے وقت فزکس پڑھاتی تھی ۔ وہ طبعیات کا ایسا مبادیاتی نصاب پڑھاتی تھی کہ ساربون کی دیواروں نے کبھی ایسے لکچر نہ سنے تھے ۔

اس کے شاگرد ، جن میں سے بعض مستقبل کے سائنسدان تھے ، اس کے انداز تدریس ، اس کی بے تکلفی اور اس کی شفقتوں کو کبھی نہ بھول سکے ۔ وہ خشک سے خشک مضمون کو دلکش بنا دیتی تھی ۔ وہ تصویریں بنا کر سمجھاتی تھی ۔ بائیسکل بال بیرنگ روشنائی میں ڈبوئے جائیں اور ڈھلوان میدان میں چھوڑ دئے جائیں تو وہ شلجم کی شکل بناتے ہوئے لڑھکتے کے قانون کی تصدیق

کریں گے ۔ اس کی نگرانی میں اس کے شاگردوں نے تھرمامیٹر تیار کیا ، یہ تھرمامیٹر سرکاری تھرمامیٹر سے ہو بہو مل گیا اور اس کے شاگرد خوشی سے پھولے نہ سمائے ۔ انہیں اپنی بنائی ہوئی چیز پر بے حد فخر تھا ۔

میری کو سائنس سے جو محبت تھی اور اس میں سائنسی کام کا جو ذوق تھا وہ اسے اپنے شاگردوں میں منتقل کر رہی تھی ۔ وہ انہیں وہ سب طور طریقے سکھا رہی تھی جو اس میں پختہ ہو چکے تھے ۔ وہ ریاضی سکھانے وقت بتاتی ”تم وہ رفتار اختیار کرو کہ غلطی کبھی ہو ہی نہ سکے“ وہ اس بات پر اصرار کرتی ”تم اس راز کو سمجھ لو کہ جلدی سے سوال حل کرنا مہلک ہے ، آہستگی ریاضی کی کامیابی کا راز ہے“ اگر کوئی طالب‌علم کلاس میں خلل کا باعث بنتا یا تجربے کرتے وقت میز کو گندا کر دیتا تو میری کا منہ غصے سے سرخ ہو جاتا ”مجھے یہ کہو کہ تم بعد میں اس کو صاف کرو گے ۔ لازم تو ہے کہ تجربے کے دوران میں گندگی پھیلنے کا کبھی موقع ہی نہ ملے“

نوبل پرائز پانے والی خاتون بعض اوقات بچوں کو بڑی سادگی سے سبق دیا کرتی تھی ۔

”اس جگ میں کسی رقیق مادے کو گرم رکھنے کے لئے تم کیا ترکیب کرو گے ؟“ ایک روز اس نے سوال کیا ۔

فوراً فرانسس پیرین ، جین لینگوں ، ازابل شیواں اور آئیرین کیوری . . . . (یہ سب کلاس میں سائنس کے درخشاں ستارے تھے)

تجویزیں پیش کرنے لگے - کسی نے کہا جگ کے چاروں طرف اون لپیٹ دیں گے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ کہا ، غرض وہ سب ناقابل عمل تجویزیں تھیں -

میری مسکرائی اور اس نے کہا " خوب ، اگر میں ہوتی دو میں جگ کا ڈھکن بند کر دیتی "

اس جمعرات کا سبق ان گھریلو الفاظ پر ختم ہوا - دروازہ پہلے سے کھلا تھا ، ایک نوکر چاکلیٹ ، کریم رول ، سنگترے اور چائے لے کر آ گیا - سب بچے کھانے پینے میں مشغول ہو گئے اور اس دوران میں بھی وہ آپس میں سائنسی مباحثے کرتے رہے - جمعرات کو یہ بچے اپنے جمدے سے مشترکہ چائے پیتے تھے -

میری کے خفیف سے اشارے پر بھی اخبار نویس جمع ہوسکتے تھے اور صحافت کے چکر میں تعلیم کا مذاق اڑ سکتا تھا - میری بڑی احتیاط سے ان بچوں اور بچیوں کو تجربہ گاہوں میں تعلیم دیتی تھی -

ایک گپ باز اخبار نویس لکھتا ہے :

یہ چھوٹے چھوٹے بچے جو بہ مشکل لکھ پڑھ سکتے ہیں انہیں ہر کارستانی کی اجازت ہے ، یہ تجربے کر سکتے ہیں ، آلات بنا سکتے ہیں اور تجربے کرکے چیزوں کا عمل اور رد عمل دیکھ سکتے ہیں .... ساربون میں وہ بلڈنگ اب تک نہ بنی تھی جس کا انتظار تھا ، لیکن ابھی امید باقی تھی - دو سال بعد یہ اجتماعی تعلیم ختم ہوئی - کام کرنے والے

تھک گئے - اب بچوں کو سرکاری نصاب کے مطابق ھی پڑھنا تھا ، میری نے اپنی لڑکی آئیرین کے لئے کالج سیوواٸن کا انتخاب کیا ، جہاں تعلیم کے اوقات محدود تھے - اس اچھے اسکول میں اس لڑکی کو اپنی ثانوی تعلیم ختم کرنی تھی اور اسی کالج میں ابو کو پڑھنا تھا - میری نے جان توڑ کر کوشش کی کہ اس کی بچیاں بچپن میں ناکامی کا منہ نہ دیکھیں - کیا وہ کامیاب ہوسکی ؟ ھاں اور نہیں "اجتماعی تعلیم سے بڑی لڑکی کو بہت فائدہ ھوا اور اس نے درجہ اول کی سائنسی تعلیم حاصل کی - ویسی تعلیم وہ ثانوی اسکول میں نہ حاصل کر سکی - دینی تعلیم ! ھم دونوں بہنوں کو ماں کے زیر سایہ مذھبی تعلیم نہ ملی - بعض باتیں ماں کی تربیت سے ھم پر مستقل طور پر نقش ھیں - ماں کے لگائے ھوئے بعض ٹھپے مستقل حیثیت رکھتے ھیں - کام کرنے کی دھن . . . . مجھ میں کم اور میری بہن میں زیادہ ھے ، اس میں کام کرنے کا ذوق میرے مقابلے میں ھزار گنا زیادہ ھے ! . . . . ھم دونوں کو روپئے سے کوئی خاص رغبت نہیں ھے ، اور آزادی کا جذبہ ھم دونوں میں بہت ھے ، ھم دونوں ھر حال میں کسی کی مدد کے بغیر واقعات پر قابو پا لیتی ھیں -

غم نہ کرنے کا مادہ آئیرین میں بہت زیادہ ھے ، مجھ میں کم ھے - ماں کی بے حد کوشش کے باوجود میری زندگی کے ابتدائی سال مسرت سے نہ گزر سکے - صرف ایک میدان ایسا ھے جس میں میری والدہ کو مکمل فتح حاصل ھوئی ھے - انہوں نے ھم دونوں کی جسمانی صحت کا بے حد خیال رکھا اور بچپن ھی سے اسپورٹس کا

شوق پیدا کیا - اس معاملے میں وہ بیحد ذھین اور وسیع النظر خاتون مکمل طور پر کامیاب رھی ھے -

یہ بات بھی اظہار تشکر کے بغیر نہیں بیان کی جا سکتی کہ میں نے اپنی والدہ کے بہت سے اصول اپنائے ھیں - گمان گزرتا ھے کہ وہ اصول انسان کو خشک ضابطوں کے شکنجوں میں جکڑ دیتے ھونگے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ھے - وہ عورت جو ھم دونوں کو تمام مصائب سے مبرا دیکھنا چاھتی تھی وہ خود بڑی شفیق ، نازک دل ، نازک مزاج ، نازک طبع اور مغموم رھنے والی عورت تھی - وہ چاھتی تھی کہ ھم دونوں بہنوں میں اوچھا پن اور جھوٹے دکھاوے کا مادہ نہ پیدا ھو - وہ چاھتی تھی کہ ھم دونوں غیر جذباتی بنیں اور غم سے کوئی سروکار نہ رکھیں - اس نے ھمیں کبھی رواجی انداز سے کوئی سزا نہ دی، مثلاً کونے میں کھڑے ھو جاؤ یا آج تمہیں پڈنگ نہیں ملے گی۔ھم ان باتوں سے بالکل نا آشنا تھیں۔ھمارے گھر میں روز روز کی مار کٹائی اور چیخم دھاڑ نہیں ھوا کرتی تھی - ھمارے گھر میں کسی کو چیخنے کی اجازت ھی نہ تھی - خواہ خوشی کا موقع ھو یا رنج کا ، کسی کو بلند آواز سے بات کرنے کی اجازت نہ تھی - ایک روز آئیرین نے کوئی ناپسندیدہ حرکت کی، ماں اسے سزا دینا چاھتی تھی ، چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ دو دن تک لڑکی سے بات نہ کرے گی - ماں اور بیٹی پر یہ دو دن قیامت کی طرح گزر گئے - یہ دو دن بڑے صبر آزما تھے - لیکن بیٹی کے مقابلے میں ماں کو دو دن نہ بولنے کی بہت زیادہ سزا بھگتنی پڑی - وہ بڑی بے چینی اور بے کلی سے اس بیت الحزن میں منڈلائی پھرتی تھی اور اسے بیٹی سے کہیں زیادہ دکھ جھیلنا پڑا -

دوسرے بچوں کے مقابلے میں ہم لوگ اپنے احساسات کے معاملے میں شاید زیادہ خود غرض تھے۔ وہ خطوط جن پر روشنائی پھیلی ہوئی ہے اور جو آنسوؤں سے پر ہیں، جنہیں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عورت جو بظاہر مطمئن نظر آتی تھی دراصل کتنی جذباتی تھی۔ وہ ان خطوں کو ایک ربن میں لپیٹے ہوئے اپنے پاس ہی رکھے رہی۔ مرتے دم تک اس نے یہ خطوط اپنے سے جدا نہ کئے .... "ڈارلنگ"، "مائی سوئیٹ ڈارلنگ"، اور اکثر "سویٹ ہی"

اس نے کبھی ہمیں اس طرح خطاب نہ کیا تھا۔ وہ ہم سے بزدلوں کی طرح باتیں کرتی تھی، وہ چاہتی تھی کہ ہم دونوں نہ اس سے ڈریں اور نہ اس کی تعریف کریں .... وہ کتنی پیاری تھی جس نے یہ ثابت کر دیا کہ وہ عام ماؤں جیسی ماں نہیں ہے، روزمرہ کے کام سے کچلی ہوئی پروفیسر نہیں ہے بلکہ نوع بشر کی استثنائی مثال ہے اور ایک عظیم المرتبت خاتون ہے۔



بیسواں باب

کامیابی اور ابتلا کا دور

ہر روز صبح کے وقت ایک عورت ریو کبویر کے اسکول کے تنگ کمروں میں داخل ہوتی تھی۔ وہ بہت دبلی اور بہت زرد رو تھی۔ اس کے خوبصورت بال تیزی کے ساتھ سفید ہو رہے تھے۔ وہ کمرے میں داخل ہوتی، کھونٹی پر سے ایک ردی سا لبادہ اتار کر اپنے سیاہ لباس کے اوپر پہن لیتی اور کام میں مشغول ہو جاتی تھی۔

گو میری کو اس کا احساس نہ تھا کہ اس بے کیف حصۂ زندگی میں اس کی جسمانی ساخت تکمیل کو پہنچ رہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ انسان جب بوڑھا ہو جاتا ہے تو اس کا چہرہ ویسا ہی بن جاتا ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے۔ یہ بات میری ماں پر کتنی صادق آئی تھی۔ اگر زمانۂ بلوغت کی مانیا اسکلوڈووسکا محض "اچھی" تھی، اگر طالبہ اور خوش رہنے والی بیوی بہت دلکش تھی، تو پختہ عمر کو پہنچی ہوئی اور غموں کی ماری ہوئی خاتون سائنسداں اپنے ہر زمانے سے زیادہ اس زمانے میں بے حد خوبصورت تھی، اس کے چہرے کے نقوش سے اس کی روشنیٔ طبع کا اظہار ہوتا تھا، اسے تازگی اور مسرت کے زیوروں کی احتیاج نہ تھی۔ اس کے چہرے پر ایک غم انگیز حوصلہ تھا، گو اس کے چہرے سے بے پایاں ضعف ظاہر ہوتا تھا لیکن چالیس

سال کے فوراً بعد یہی غم انگیز حوصلہ اس کے چہرے کی زینت بن گیا - یہی مثالی سراپا مادام کیوری اپنی بچیوں کی نظروں کے سامنے سالہا سال تک قائم رکھے گی .... حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب دونوں بحران خوف کے ساتھ یہ محسوس کریں گی کہ ان کی ماں بہت بوڑھی ہو چکی ہے -

پروفیسر ، ریسرچ ورکر اور لیبارٹری ڈائرکٹر اسی بے مثال شدت کے ساتھ اپنے کام میں محنت کر رہی تھیں - انہوں نے " سبورس "، میں درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا - ۱۹۱۸ء میں انہیں ساربون میں ترقی دے کر پروفیسر کا خطاب دے دیا گیا .... وہاں وہ پہلی اور اس وقت دنیا کی تنہا ہستی تھیں جو " ریڈیو ایکٹیوٹی "، کا کورس پڑھا رہی تھیں - عظیم الشان جد و جہد ! گو وہ فرانس کی ثانوی تعلیم میں خامیاں دیکھتی تھیں لیکن وہ فرانس کی اعلیٰ تعلیم کی بہت زیادہ مداح تھیں - وہ چاہتی تھیں کہ وہ انہی پروفیسروں کے مرتبے تک پہنچ جائیں جنہوں نے کچھ عرصہ پہلے پولینڈ کی ایک لڑکی کو اپنی قابلیت سے جگا چوند کر دیا تھا -

دو سال کی پروفیسری کے بعد مادام کیوری نے اپنے دئے ہوئے اسباق کو قلمبند کرنا شروع کیا - انہوں نے ۱۹۱۰ء میں " ریڈیو ایکٹیوٹی "، کے بارے میں ایک ضخیم کتاب شائع کی - سر ورق کے بالمقابل میری نے پیئر کا فوٹو چھپوایا - دو سال بعد ایک اور کتاب شائع ہوئی جو چھ سو صفحات پر مشتمل تھی ، اس کتاب میں بھی وہی فوٹو موجود تھا - کتاب کا نام تھا

"پیئر کیوری کے تحقیقی کارنامے"، اس کتاب کی تدوین و ترتیب اور تصنیف خود میری نے کی تھی۔

بیوہ نے موخرالذکر کتاب کو مرتب کیا اور دیباچہ میں پیئر کیوری کی خدمات کا مفصل حال لکھا۔ اس طرح اس نے اس کی بے وقت موت کے غم کو کتابی شکل میں پیش کر دیا تھا۔ پیئر کیوری کی زندگی کے آخری سال بہت زیادہ تخلیقی تھے۔ اس کی ذہنی صلاحیتیں اپنے پورے عروج پر تھیں۔ اس کی تجرباتی مہارت بھی کاملیت کے درجے کو پہنچ چکی تھی۔

اس کی زندگی کے ایک نئے باب کا افتتاح ہونے کو تھا، اگر زندگی کا یہ دور شروع ہو جاتا تو قابل قدر اضافے ہوتے، اور سائنسدان کی ساری دنیا میں دھاک بیٹھ جاتی، لیکن قسمت کو یہ منظور نہ تھا اور قسمت کے ناقابل فہم فیصلے کے آگے ہمیں اپنا سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے۔

روز بروز مادام کیوری کے طلباء کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ انسان دوستی کے فلسفے کے پیرو امریکن "اینڈریو کارینگی" نے ۱۹۰۷ء میں ایسے سالانہ وظیفے کی پیش کش کی جس کی وجہ سے مادام کیوری کو ریوکمویر میں چند نو آموز طلباء کو داخلے کی اجازت دینی پڑی۔ وہ اسسٹنٹ کے طور پر داخل ہوئے، ان کی تنخواہ یونیورسٹی کے ذمے تھی، اور کچھ کریم النفس لوگ رضاکارانہ طور پر کارکن بن گئے، ان ہی میں سے ایک لمبے قد کا لڑکا تھا جو غیر معمولی طور پر ذہین تھا، اس کا نام مارس کیوری تھا، اور وہ جیکوس کیوری کا بیٹا تھا، اس کی

کامیابی ہر میری کو فخر تھا ۔ وہ اس کے شوہر کا بھتیجا تھا ، لیکن وہ اسے اپنا سگا بھتیجا تصور کرتی تھی ۔ آٹھ دس آدمیوں کے اس گروہ میں ایک بوڑھا رفیق کار بھی تھا جو سچا دوست تھا ، اول درجے کا سائنسداں تھا اور جس کا نام آنڈرے ڈی بارنے تھا ۔

مادام کیوری نے نئے تحقیقی کام کا ایک پروگرام بنایا اور یہ پروگرام اس نے اپنی صحت کی خرابی کے باوجود بنایا ۔

اس نے ریڈیم کے کلورائڈ کو صاف کیا اور دوسری مرتبہ کوشش کی کہ وہ اس مادہ کا ایٹمی وزن متعین کرے ۔ پھر اس نے ریڈیم کی دھات کو الگ کیا ۔ اب تک وہ ہر مرتبہ خالص ریڈیم تیار کرتی تھی ، جس میں کلورائڈ یا برومائڈ ہوتے تھے ۔ آنڈرے ڈی بارنے کی رفاقت میں میری نے اس بات کی کوشش کی کہ یہ دھات بذات خود روشن رہے اور اسے فضائی اثرات سے ضرر نہ پہنچے ۔ یہ بڑا مشکل تھا ، اور سائنسداں اس کی دقت سے آگاہ تھے ، یہ کام کبھی دھرایا نہ جا سکا ۔

آنڈرے ڈی بارے نے پولونیم اور اس سے نکلنے والی شعاعوں کے مطالعہ و مشاہدے میں بھی مادام کیوری کی مدد کی ۔ آخرکار میری خود مختارانہ طور پر ایک ایسا طریقہ معلوم کرنے میں کامیاب ہو گئی جس سے ریڈیم کو ناپا جا سکتا تھا ۔

کیوری تھراپی کے بین الاقوامی فروغ کے پیش نظر یہ ضروری ہو گیا کہ اس قیمتی مادے کے ننھے ننھے اجزاء کو الگ کیا جا سکے ۔ جب ایک ملی گرام کے ہزارویں حصے کے وزن کا

سوال اٹھا تو ترازو جواب دے گئی ۔ میری کے ذہن میں ایک خیال آیا کہ وہ ضرورتمند مادوں کو ان شعاعوں سے تولے جو اس کے اندر سے نکلتی ہیں ۔ وہ اپنی اس دقت طلب "ٹکنیک"، کو عملی جامہ پہنانے کے قریب لے آئی جہاں اس نے تولنے کی خدمات کو عوام کے لئے وقف کر دیا ۔ اب اس کی تجربہ گاہ میں سائنسدان ڈاکٹر اور عام شہری آتے تھے اور دھاتوں کے مادوں کا وزن کرا کے سرٹیفکٹ حاصل کر لیتے تھے کہ ان کے اندر کتنی ریڈیم موجود ہے ۔

جب وہ ریڈیائی اجزا کی درجہ بندی کے بارے میں ایک کتاب شائع کر رہی تھی تو اس نے عمومی اہمیت کا ایک اور کام کیا ، اس نے ریڈیم ناپنے کا پہلا بین الاقوامی پیمانہ تیار کر دیا ، میری نے شیشے کی ہلکی پھلکی نلکیاں اپنے ہاتھ سے بند کیں ، ان نلکیوں کے اندر اکیس ملی گرام خالص ریڈیم موجود تھی یہ بطور نمونہ تھیں ، جو پانچ براعظموں میں اختیار کی گئیں اور پیرس کے قریب ایک دفتر قائم کیا گیا ، جس کا نام ناپ تول کا دفتر رکھا گیا اور وہاں شیشے کی یہ نلکیاں معیار کے طور پر رکھ دی گئیں ۔

کیوری جوڑے کی شہرت کے بعد مادام کیوری کی ذاتی شہرت فضا میں ایک راکٹ کی طرح بلند ہو کر پھیل گئی ۔ بیرونی ممالک سے ڈاکٹری کے اعزازی ڈپلومے موصول ہونے لگے ، غیر ملکی سائنسی انجمنوں کے درجنوں خطوط سی آکس والے مکان کی میزوں پر روزانہ ڈھیر ہونے لگے ، نوبل پرائز پانے والی خاتون نے ان خطوں کو بھی سلیقے سے نہ رکھا ، نہ ان کی فہرست تیار کی اور نہ ان کی نمائش کا اسے خیال آیا ۔

عظیم انسانوں کے اعزاز کے لئے فرانس کے پاس دو ھی طریقے ھیں ۔ " لیجن آف آنر "، اور اکیڈمی ۔ ۱۹۱۰ء میں میری کو " کراس آف سوالیئر "، ملا تھا ، لیکن جو کچھ پیئر کے ساتھ سلوک کیا گیا تھا اس کے پیش نظر میری نے اس اعزاز کو لینے سے انکار کر دیا تھا ۔

اس کے چند ماہ بعد جب اکیڈمی کی رکنیت کا سوال آیا تو اس نے کیوں نہ انکار کر دیا ، بہت سے لوگوں نے اسے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سائنس اکیڈمی کی رکنیت کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دے ۔ کیا وہ اس توھین کو بھول گئی تھی جو اس کے شوھر کے ساتھ روا رکھی گئی تھی ، اس کے شوھر کو کیسی شکست فاش ھوئی تھی ۔ کیا وہ یونیورسٹی کے سازشی ماحول سے آگاہ نہ تھی ؟

ھاں ، وہ آگاہ نہ تھی ، اور ان سب باتوں کے علاوہ ایک بھولی بھالی پولش عورت کی طرح وہ اس بات سے ڈرتی تھی کہ اگر وہ تمام اعزازت سے انکار کرتی چلی گئی تو لوگ اس کو ناشکرا کہیں گے . . . اس نے اس کیفیت کا اندازہ کیا . . وہ ملک جہاں اس نے اختیار کیا تھا ، اسے ایک اعزاز پیش کر رھا تھا ۔ ایڈورڈ برنیلے جو ایک بلند مرتبہ سائنسداں تھا اور مشہور کیتھولک تھا ، اس کے مقابلے کے لئے آ گیا ، آل کیوری اور آل برانلے کے درمیان ، آزاد خیال انسانوں اور مذھب کے دعویداروں کے درمیان ایک سنسنی پیدا کرنے والا معرکہ درپیش تھا ، اکیڈمی میں ایک عورت داخل ھونا چاھتی تھی ، عورت کی مخالفت میں ھر محاذ سے

جد و جہد ہونے لگی ، سری ایک ناتواں اور دہشت زدہ عورت تھی، اسے یہ اندازہ ہی نہ تھا کہ معاملہ اس حد تک پہونچے گا ۔

بڑے بڑے سائنسداں ، ہنری پوائین کیر ، ڈاکٹر رووکس ، امائیل پیکارڈ ، پروفیسر لپ مین ، باوٹے اور ڈاربکس اس کے حمایتی تھے ، انہوں نے اس کے حق میں ایک مہم شروع کر دی ، لیکن دوسری طرف سخت تیاریاں تھیں ۔

" عورت درسگاہ فرانس کا جزو نہیں بن سکتی "، اما گاٹ نے بڑی نیک نیتی سے کہا . . . وہی اما گاٹ جو آٹھ سال پہلے پیئر کیوری کے مقابلے میں آیا تھا اور کامیاب ہوا تھا ۔ مہربان مخبروں نے کیتھولک عیسائیوں سے کہا کہ میری تو یہودی ہے اور آزاد خیال لوگوں سے کہا کہ میری کیتھولک ہے ۔ ۲۳ جنوری ۱۹۱۱ء کو الکشن کے روز صدر نے جلسے کا افتتاح کرتے ہوئے بہ آواز بلند کہا :

" عورت کو چھوڑ کر ہر شخص کو آنے کی اجازت ہے "

اور میری کے ایک حمایتی نے کہا کہ اس نے اپنا ووٹ غلطی سے اس کے حریف کے بکس میں ڈال دیا تھا ۔ وجہ یہ تھی کہ وہ شخص تقریباً اندھا تھا اور اس کا بیان ہے کہ جب وہ اپنا ووٹ ڈالنے لگا تھا تو غلط بکس اس کی طرف کھسکا دیا گیا تھا ۔

چار بجے بے چین اخبار نویسوں نے کامیابی اور ناکامی کی داستانیں لکھنا شروع کر دیں ، مادام کیوری صرف ایک ووٹ سے ہار گئیں ۔

ردو کیوپر میں اس کے ساتھیوں اور تجربہ گاہ کے نوکروں نے بے چینی سے اس کا انتظار کرنا شروع کیا ۔ یہ لوگ امیدوار سے زیادہ بے چین تھے ۔ انہیں میری کی کامیابی کا اتنا یقین تھا کہ انہوں نے پھولوں کا ایک بڑا سا گلدستہ تیار کر لیا تھا ، اور اسے ترازو والی میز کے نیچے چھپا دیا تھا ، ناکامی کی خبر سن کر وہ ھکا بکا رہ گئے ۔ تجربہ گاہ کے مستری لوئیس ریگیٹ نے بد دل ہو کر پھولوں کا وہ گلدستہ ضائع کر دیا ، نوجوان کارکنوں نے خاموشی کے ساتھ تسلی آمیز جملے گڑھ لئے ، لیکن انہوں نے ان جملوں کو ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہ محسوس کی ، میری چھوٹے کمرے سے نکلی جو اس کے آفس کا کام دے رہا تھا ، وہ اس واقعہ پر کوئی تبصرہ نہ کرنا چاہتی تھی ۔

کیوری جوڑے کی داستان میں یہ بات تسلسل کے ساتھ موجود ہے کہ جب بھی فرانس نے ان میاں بیوی کے ساتھ کوئی ناروا سلوک کیا تو دوسرے ممالک نے فرانس کے رویے کی برابر اصلاح کی ہے ۔ دسمبر میں سوئیڈن کی اکیڈمی آف سائنس نے اعلان کیا کہ وہ اس خاتون کو کیمسٹری کا نوبل پرائز دے گی ، جس نے اپنے شوہر کی موت کے بعد بھی تحقیق کا کام جاری رکھا ، اس لئے ۱۹۱۱ء کے سال کا نوبل پرائز اسی کو دیا جائے گا ۔ کسی مرد یا عورت کو دو مرتبہ نوبل پرائز نہیں ملا ہے ۔

کمزور اور بیمار میری نے برونیا سے کہا کہ وہ اس کے ساتھ سوئیڈن کے سفر کی تیاری کرے ۔ وہ اپنے همراہ اپنی بڑی بیٹی

آئیرین کو بھی لے گئی ، یہ بچی اس پروقار جلسے میں شریک تھی ، چوبیس سال بعد اس بچی کو اسی ھال میں یہی انعام ملنے والا تھا ۔

سوئیڈن کے بادشاہ نے دعوت طعام دی ۔ رسمی استقبال کے علاوہ میری کے اعزاز میں خاص طور پر مسرت کے اظہار کا انتظام کیا گیا ، اسے وھاں کے کسانوں کے تہوار کا ایک منظر ہمیشہ یاد رہا ، جس میں صدھا عورتوں نے رنگ برنگے بھڑکیلے لباس پہنے اور سروں پر جلتی ہوئی موم بتیوں کا ایک تاج پہنا اور یہ لرزتے ہوئے تاج بڑے اچھے لگ رہے تھے ۔

میری نے جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے اظہار تشکر کے بعد کہا کہ اس میں اگر کوئی خوبی ہے تو وہ پیئر کیوری کا پرتو ہے ۔

ابھی تقریر کے اصل موضوع تک پہونچنے سے پہلے میں ریڈیم اور پولونیم کی دریافت کی داد دلانا چاہتی ہوں ، وہ دریافت جو میری اور پیئر کیوری کے درمیان مشترک تھی " ہم ریڈیو ایکٹیوٹی ،، کے میدان میں پیئر کیوری کے ممنون ہیں ، بعض بنیادی مطالعے جو اس نے کئے ، کچھ تنہا کچھ میرے ساتھ مل کر ، انہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ۔

ریڈیم کو خالص شکل میں پیش کرنا اور ایک نئے جزو کی تشخیص کرنا میرا کام تھا ، لیکن اس کام کا تعلق بھی ہم دونوں کے مشترکہ کام سے ہے ، اس لئے میں اکیڈمی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد پیئر کے حضور میں ھدیہ تبریک پیش کرتی ہوں ۔

ایک عظیم دریافت ، عالم گیر طور پر پرستش ، اور دو مرتبہ نوبل پرائز کا حصول . . . . معاصرین کی نظریں سری پر جم گئیں ، بعضوں نے تعریف کی اور بعض جل کر کباب ہو گئے ۔

دیکھتے ہی دیکھتے بغض و عناد کا طوفان اٹھ کھڑا ہوا ۔ سازشی لوگوں نے اس عورت کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کے منصوبے بنانے شروع کر دئیے ، اس جوالیس سال کی عورت کے خلاف پیرس میں دغابازی کی ایک مہم شروع ہوگئی ۔ کس کے خلاف ؟ ایک کمزور اور بے سہارا عورت کے خلاف، جس کا کوئی والی وارث نہ تھا ۔

میری جس نے مرد کا پیشہ اختیار کیا تھا ۔ اس کے آشنا بھی سب مرد ہی مرد تھے ، اور یہ غیر معمولی عورت ان مردوں سے بڑے پیچیدہ روابط رکھتی ہے ، اور ان میں سے ایک کے ساتھ تو بڑی بے تکلفی ہے ۔ بس اور کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی ، ایک سائنسدان عورت جس نے اپنی زندگی سائنس کے لئے وقف کر دی تھی، جس کا دامن ہر قسم کے دھبوں سے پاک تھا ، جو بے حد محتاط تھی ، اور چند سال سے تو خاص طور پر قابل رحم تھی ، اس پر یہ الزام لگایا جا رہا تھا کہ وہ بھرے پرے کنبوں کا سکھ چین چھیننا چاہتی تھی ، اور وہ اس مرحوم کے لئے باعث رسوائی تھی جس کے نام پر وہ بظاہر بیٹھی ہوئی تھی ۔

اب یہ میرا کام نہیں ہے کہ میں ان الزامات کا تجزیہ کرتی پھروں اور ان لوگوں کا جائیزہ لوں جو اس کی ذات پر حملہ کرتا

جاھتے تھے - میری پر جو گزری وہ ناقابل بیان ھے ، آئیے ھم ان اخبار نویسوں کو بھی ان کے حال پر چھوڑ دیں جنہوں نے ایک مظلوم عورت کی توھین کرنے کی جرأت کی ، اور ان سے بھی در گزر کریں جنھوں نے اسے گمنام خطوط بھیجے یا کھلم کھلا اسے دھمکی دی - اس کی جان خطرے میں تھی - ان لوگوں میں سے بعض لوگ بعد میں معافی مانگنے آئے ، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے اور زبان پر معذرت کے الفاظ . . . . . لیکن جرم سرزد ھوچکا تھا - میری خود کشی پر آمادہ ھو چکی تھی ، وہ قریب قریب پاگل ھو چکی تھی ، اور اس کی جسمانی طاقت جواب دے چکی تھی ، اور وہ بہت شدید بیمار پڑ گئی ، ھمیں صرف ایک ھلکے سے قاتلانہ حملے کو یاد رکھنے دیجئے ، یہ چاقو کا وار بہت گہرا تھا ، جو اس پر راہ چلتے کیا گیا تھا ، اس عظیم عورت کو ھر موقع پر ذلیل کرنے کی کوشش کی گئی - ۱۹۱۱ء اس کے لئے تکلیف دہ سال تھا ، اس سے طرح طرح کی باتیں کہی گئیں ، مثلاً جو خطابات اسے ملے ھیں اسے واپس کر دے ، اس کے وطن کا بھی مسئلہ اٹھایا گیا ، اسے طرح طرح کی قومیتوں سے سرفراز کیا گیا ، اسے روسی ، جرمن اور یہودی تک کہا گیا - اسے غیر ملکی عورت کہا گیا ، یہ بھی کہا گیا کہ وہ ایک غیر ملکی ھے اور بے ضابطہ طور پر پیرس میں آ کر بڑے بڑے منصب حاصل کرنا چاھتی ھے - لیکن جب کبھی مادام کیوری کو کوئی سائنسی اعزاز ملتا تھا تو اس وقت وھی اخبارات اور وھی صحافی اسے " فرانس کی سفیر "، " ھماری قوم کی سب سے اصلی اور سب سے بڑی نمائیندہ "، " فخر قوم " اور " شوکت قوم " کے خطابات دیتے تھے - اپنے پولش ھونے پر اسے فخر تھا -

بڑے لوگوں پر ہمیشہ حملے کئے گئے ہیں اور یہ حملے ہمیشہ ادھورے انسانوں نے کئے ہیں۔ میری کو اب کسی اور ہی وجہ سے شہرت سے نفرت تھی۔

دوستوں کے علاوہ ایسے سینکڑوں لوگوں کے خطوط موصول ہوئے جن میں بعض کے نام جانے پہچانے تھے، اور بعض کے اجنبی ؛ ان خطوں میں لکھا کہ اس کے خلاف کیا کیا سازشیں ہو رہی ہیں۔ آندرے ڈی بارنے ، مسٹر اور میڈم جین پیرین، مسٹر اور میڈم شاوان ، ایک انگریز دوست ، مسز آئبرین اور بہت سے دوسرے لوگ جن میں اس کے رفیق کار اور شاگرد شامل تھے ، یہ سب میری کے لئے لڑنے لگے۔ یونیورسٹی کی دنیا میں جو لوگ اسے برائے نام جانتے تھے ، اس نازک وقت میں اس کے بہت قریب آ گئے ، مثلاً ریاضی داں ایمائیل بورل اور ان کی بیوی میری کی حمایت کرنے لگے۔ جوزف ، برونیا اور ہیلا بڑی تیزی سے فرانس پہنچ گئے ، تاکہ اپنی بہن کی مدد کر سکیں۔ اس کا سب سے بڑا حمایتی پیئر کیوری کا بھائی جیکوس کیوری تھا۔

ان لوگوں کی حمایت اور ہمدردی سے میری کا کچھ حوصلہ بندھا ، لیکن اس کی جسمانی حالت روز بروز گرتی گئی ، وہ اس قابل نہ رہی تھی کہ سی آکس سے روزانہ ٹرین پر سفر کرسکے ، اس لئے اس نے پیرس کے ایک محلے ”بتھونے“ میں ایک چھوٹا سا مکان لے لیا جس میں وہ جنوری ۱۹۱۲ء سے رہنا چاہتی تھی . . . لیکن ۲۹ دسمبر کو اس کی حالت بہت خراب ہوگئی تھی ، وہ قریب المرگ تھی ، لیکن موت نے اسے مسترد کر دیا، اور اسے ایک

نرسنگ ھوم دہن پہنچا دیا گیا ۔ اس نے بیماری پر فتح پائی ، لیکن بیماری کا حملہ گردوں پر تھا ، اور گردے آپریشن کے طالب تھے ، دو مہینے کے عرصے میں اسے اسٹریچر پر ڈال کر گھر سے کلینک تک پہنچایا گیا ، اس کے چہرے پر خون کی ایک چھینٹ تک نہ تھی ۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ مارچ سے پہلے آپریشن ممکن نہیں ہے ۔ فروری میں اسے سائنسدانوں کی ایک کانفرنس میں شرکت کرنا تھی ۔

اس کا آپریشن کیا گیا اور بڑی اچھی طرح دیکھ بھال کی گئی ۔ چارلز والتھر اپنے وقت کے بہت بڑے سرجن تھے ، انہوں نے آپریشن کیا تھا ، میری کی تندرستی نے طویل عرصے کے لئے سمجھوتہ کر لیا ۔ اب وہ قابل رحم حد تک لاغر ہو چکی تھی ، اور بمشکل کھڑی ہو سکتی تھی ۔ درد گردہ اور بخار کی شدت کے باوجود اس نے کبھی اف تک نہ کی تھی ، اس کی جگہ دوسری عورت ہوتی تو مر جاتی ۔

بیماری سے تباہ حال اور انسانوں کی رذالت سے تنگ آ کر وہ اس طرح روپوش ہو گئی جیسے کوئی جانور کسی جھاڑی میں چھپ جائے ، اس کی بہن نے پیرس کے پاس پرسکون مقام پر اس کے لئے ایک مکان کرائے پر لے لیا ، لیکن اس نے یہ مکان اپنے نام سے لیا ۔ مریضہ نے کچھ عرصہ اس مکان میں گزارا اور اس کے بعد چند ہفتوں کے لئے تھانن چلی گئی ، گرمیوں میں اس کی سہیلی مسز آئبرین نے اسے اور اس کی بچیوں کو انگلش کوسٹ پر

ایک پرسکون مکان میں ٹھہرایا ، وہاں اس کی اچھی طرح تیمارداری کی گئی اور وہاں اس نے خود کو محفوظ پایا ۔

ان ھی دنوں جب میری اپنے مستقبل کے بارے میں بہت بے حوصلہ ھوکر سوچ رھی تھی تو ایک تجویز پیش ھوئی ، یہ بڑی غیر متوقع تجویز تھی ۔

۱۹۰۵ء کے انقلاب کے بعد زار ازم آهسته آهسته ختم ھوتا جا رھا تھا ، روس میں تھوڑی بہت آزادیٔ افکار دے دی گئی تھی ، اور وارسا میں بھی عنان حکومت کی گرفت کچھ ڈھیلی پڑ گئی تھی ، وھاں سائنس کی ایک سوسائٹی بنی تھی جو بڑی تھی ، جو بڑی فعال اورخود مختار تھی ۔ اس انجمن نے ۱۹۱۱ء میں میری کو اعزازی رکن نامزد کیا تھا ۔ چند مہینے بعد ایک اور منصوبہ بنا کہ وارسا میں ریڈیم کی ایک تجربہ گاہ قائم کی جائے ، اور مادام کیوری کو اس کا ڈائرکٹر بنا دیا جائے ، اور اس طرح دنیا کی سب سے بڑی سائنسدان عورت کو اس کے وطن میں واپس لیا جائے ۔

۱۹۱۲ء میں پولش پروفیسروں کا ایک وفد میری کے مکان میں حاضر ھوا ، اور مشہور مصنف "ھنریک سینکی وز" ، جو پولینڈ میں بہت زیادہ مقبول تھا ، اس نے مادام کیوری سے خطاب کیا ، وہ اسے ذاتی طور پر نہ جانتا تھا ، اس نے اپیل کی ، اس درخواست میں بے تکلفی اور احترام کے بے پایاں جذبات تھے ۔

لائق صد احترام خاتون ہماری عاجزانہ درخواست ہے کہ آپ اپنی شاندار سائنسی سرگرمیوں کو لے کر ہمارے ملک اور ہمارے دارالحکومت میں تشریف لے چلئے ۔ وجہ جو کچھ ہے وہ آپ پر روشن ہے ۔ عرصے سے ہمارا تمدن اور ہمارا سائنسی علم مائل بہ زوال ہے ۔ ہم اپنی دانشورانہ صلاحیتوں پر سے اپنا اعتماد کھو رہے ہیں ۔ دشمنوں کی نظروں میں ہم ذلیل ہوچکے ہیں ، اور مستقبل کے لئے ہماری امیدیں خاک میں ملتی نظر آ رہی ہیں ۔

...... ہمارے عوام آپ کے مداح ہیں ، وہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنے عزیز وطن میں دوبارہ تشریف لے آئیں ، اور وہاں حل کر سائنسی تحقیق کا کام کریں ۔ یہ پوری قوم کی دلی تمنا ہے ، جب آپ وارسا میں ہوں گی ، تب آپ کے دم سے ہمیں بڑی تقویت پہنچے گی ، ہمارے سر جو طرح طرح کی بدقسمتیوں کے باعث جھکے ہوئے ہیں ، فخر سے اٹھ سکیں گے ، ہماری درخواست کو شرف قبولیت بخشا جائے ، ہمارے دست سوال کو نہ جھٹکئے ، جو آپ کے سامنے اٹھا ہوا ہے ۔۱

اگر کوئی شخص قدرے غیر محتاط ہوتا تو اس کے لئے فرانس سے رخصت ہونے کا کتنا اچھا موقع تھا ، اس طرح بہتان طرازی اور مظالم سے بچا جا سکتا تھا ۔

۱۔ اس پہلے پیرا گراف میں رسمی انداز تھا ، یہ پولش زبان میں تھا ۔ دوسرے پیرا گراف میں آپ کے بجائے "تو" کر کے خطاب کیا گیا تھا ۔



لیکن میری نے بغض و عناد پیدا کرنے والوں کی پروا نہ کی ، اس نے بڑی شدومد اور ایمانداری کے ساتھ کوشش کی کہ وہ یہ معلوم کرے کہ اس کا فرض کیا ہے ۔ وطن کو مراجعت کے تصور سے اسے ڈر بھی لگتا تھا اور اس تصور میں کشش بھی محسوس کرتی تھی ، اس کی جسمانی صحت جواب دے چکی تھی اور ایسی صورت میں کوئی فیصلہ بھی خطرناک نتائج کا حامل ہو سکتا تھا ۔ ان سب باتوں کے علاوہ ایک بات اور بھی تھی ۔ تجربہ گاہ کی تعمیر ، جس کا دونوں میاں بیوی اتنی طویل مدت سے انتظار کر رہے تھے ، ۱۹۰۹ء میں آخرکار اس کا فیصلہ ہو گیا تھا پیرس اور فرانس سے بھاگنے کا مطلب یہ تھا کہ تجربہ گاہ کی تعمیر کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا جائے اور اس خواب کو تعبیر کی شکل میں نہ بدلا جائے جو اتنے عرصے سے دیکھا جا رہا تھا ۔

اب دو فرائض کا سوال تھا ، اور وہ ان دونوں کے درمیان کشمکش میں مبتلا تھی ، اور زندگی کے اس نازک لمحے میں اس کو کوئی ٹھوس فیصلہ کرنا تھا ، وطن جانے کا ھڑکا مرض کی حد تک لاحق تھا ، لیکن میری نے کلیجے پر پتھر رکھ کر خط کا جواب لکھ دیا ، اور وارسا جانے سے انکار کر دیا ! اس کے باوجود اس نے نئی تجربہ گاہ کی نگرانی کا بیڑا اٹھا لیا ۔ اس نے کہا کہ وہ پیرس سے بیٹھے بیٹھے نگرانی کرے گی اور اس نے عمل دخل کے لئے اپنے دو بہترین رفیق کار بھیج دیئے ، یہ دونوں پولینڈ کے رہنے والے تھے ، ان کے نام ڈینز اور ورٹنشٹائن تھے ۔

میری اب بھی بہت بیمار تھی ، وہ ۱۹۱۳ء میں وارسا گئی اور وہاں اس نے ریڈیم کی بلڈنگ کا افتتاح کیا ۔ روس کے سرکاری حکام نے جان بوجھ کر اس کی آمد کو نظر انداز کیا ۔ کسی سرکاری افسر نے اس جلسے میں حصہ نہ لیا جو اس کے اعزاز میں کیا گیا تھا ۔ اسی لئے اس کے هم وطنوں نے بڑے زور شور سے اس کا استقبال کیا ۔ جلسہ گاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی ، انسانوں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں میری نے پہلی مرتبہ پولش زبان میں سائنسی لکچر دیا ۔

میں پوری طرح کوشش کر رھی هوں کہ یہاں سے رخصت ہونے سے پہلے میں ممکن حد تک خدمت کروں ۔ (اس نے اپنے ایک رفیق کو لکھا) منگل کے روز میں نے ایک جلسہ عام میں تقریر کی تھی ، میں اب تک مختلف جلسوں میں شرکت کر چکی هوں اور آئندہ اپنے قیام کے وقت تک شرکت کرتی رهوں گی ۔ یہاں فضا میں بڑی گہما گہمی ھے ، جس سے مفید کام لیا جا سکتا ھے ۔ یہ غریب ملک جسے ایک ظالم اور لغو مملکت نے روند ڈالا ھے درحقیقت اپنے اخلاق اور ذهنی سرمائے کی دفاع کے لئے بہت کچھ کر رہا ھے ۔ شاید ایک دن آئے گا جب ظلم کو اپنا منہ چھپانا ہوگا ، لیکن اس وقت کیا صورت حال ہوگی اور اس وقت تک همارا اخلاق اور ذهنی سرمایہ کس شکل میں باقی رہے گا !

میں نے ان جگہوں کو دوبارہ دیکھا جن سے میرے بچپن اور جوانی کی یادیں وابستہ هیں ۔ میں نے وسٹولا اور قبرستان

کے گنبد کو دوبارہ دیکھا ، ان زیارتوں کو دیکھ کر مجھے
بہ یک وقت خوشی اور رنج ہوا ۔ ان جذبات سے کیسے
مفر ہے ۔

صنعتی اور زراعتی عجائب خانے میں بھی ایک تقریب
منعقد ہوئی ۔ یہ وہی بلڈنگ تھی جس میں بائیس سال پہلے میری
نے طبعیات کے اولین تجربے کئے تھے ۔ دوسرے روز پولش
خواتین کی طرف سے مادام اسکلوڈوسکا کیوری کے اعزاز میں
ایک پر تکلف دعوت دی گئی ۔ مہمانوں کی ایک قطار میں ایک
معمر خاتون بیٹھی تھیں ، جن کے سر کے بال بالکل سفید تھے ،
وہ مادام کیوری کو فرط مسرت سے دیکھنے میں غرق تھیں ، یہ
استانی سیکورسکا تھیں ، اس بورڈنگ اسکول کی ہیڈ مسٹرس تھیں
جس میں کسی زمانے میں ننھے منے خوبصورت بالوں والی مانیا نے
اپنی تعلیم کا آغاز کیا تھا ۔ میری اپنی جگہ سے اٹھی اور پھولوں سے
لدی ہوئی میزوں کے درمیان سے نکل کر بوڑھی خاتون کے پاس
جا پہنچی ، جس کے چہرے پر بزدلی اور بے چینی کی کیفیت ظاہر
ہوئی ، یہ ویسی ہی کیفیت تھی جو بہت دنوں پہلے تقسیم انعامات
کے وقت دیکھی گئی تھی ۔ میری نے بوڑھی خاتون کے دونوں
رخساروں کے بوسے لئے ، حاضرین جلسہ نے زور زور سے تالیاں بجانی
شروع کیں اور بیچاری استانی سیکورسکا فرط جذبات سے پھوٹ پھوٹ
کر رونے لگیں ۔

میری کی صحت کافی حد تک بہتر ہو گئی ، اب وہ اپنی
زندگی کے عمومی مشاغل دوبارہ شروع کر سکتی تھی ۔ ۱۹۱۳ء کی

گرمیوں میں اس نے اپنی طاقت کو آزمایا اور کوہ پیماؤں کی طرح پیٹھ پر ایک تھیلا رکھ کر انگاڈائن کی سیاحت کے لئے روانہ ہوگئی۔ اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ہمراہ تھیں، اور بچیوں کی اتالیق بھی ساتھ تھیں۔ سیاحوں کے اس گروہ میں مشہور سائنسدان البرٹ آئن سٹائن اور اس کا بیٹا بھی تھا۔ دو دانشوروں کی یہ دلکش رفاقت سالہا سال تک قائم رہی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے، ان کی دوستی میں صاف گوئی اور وفاداری تھی۔ کبھی فرنچ میں اور کبھی جرمن زبان میں وہ نظریاتی طبعیات پر بے حد طویل گفتگو کرتے تھے۔

آگے آگے بچوں کا ہراول دستہ اچھل کود مچاتا ہوا چلتا تھا، بچے اس سفر سے بے حد خوش تھے۔ پیچھے پیچھے باتونی سائنسدان اپنی ہم پیشہ خاتون سے اپنے خیالات بیان کرتا تھا، جن نظریات پر وہ بہت سوچا کرتا تھا، انہیں خاتون سے بیان کرتا تھا۔ میری اپنے علم ریاضی کی غیر معمولی لیاقت کی بنا پر اس کی باتوں کو سمجھتی تھی۔ یورپ کے بہت کم لوگ تھے جو آئن سٹائن کی باتیں سمجھ سکتے تھے۔

آئرین اور ایو بعض اوقات ایک آدھ لفظ پکڑ لیتیں اور سمجھتیں کہ ان لفظوں کے معنی بہت آسان ہیں۔ آئن سٹائن اپنے خیالات میں مدھوش برفانی تودوں کے درمیان سے ڈھلوان چٹانوں کے اوپر سے انہیں دیکھے بغیر گزر جاتا تھا۔ پھر وہ اچانک میری کا بازو تھام لیتا اور رک جاتا، اور بلند آواز سے کہتا:

"تم سمجھ گئیں نا ، جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ درحقیقت یہ ہے کہ ان مسافروں پر کیا گزرتی ہے جو ایک جھولے میں بیٹھے ہوتے ہیں اور جب یہ جھولا بلندی سے خلاء میں گرتا ہے تو کیا ہوتا ہے"

ایسی مزیدار بات سن کر سب بچے زور زور سے ہنسنے لگتے تھے ، وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ایک خیالی حادثہ دراصل اضافت کا ایک لامحدود مسئلہ ہے ۔

اس مختصر سی تعطیلات کے بعد میری انگلستان گئی ، وہاں اسے سائنسی تقریبات کے لئے بلایا گیا تھا ۔ اس مرتبہ پھر اسے برمنگھم میں ڈاکٹر کی ڈگری ملی۔ اس مرتبہ اس نے اس تقریب کا اچھی طرح لطف اٹھایا اور اپنی بیٹی آئیرین کو بڑے سحر طراز انداز میں خط لکھا :

"انہوں نے مجھے ایک سرخ خلعت پہنائی ، جس کا استر سبز تھا ، میری طرح دوسرے سائنسداں بھی اس مصیبت میں مبتلا تھے ، انہیں بھی ایسی ہی خلعت پہن کر ڈاکٹر کی ڈگری لینا تھی ۔ ہم نے وہ تقریریں بہت کم سنیں جو ہماری قابلیت کے بارے میں کی جا رہی تھیں ، اور پھر یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے اعلان کیا کہ یونیورسٹی ہمیں ڈگری دے رہی ہے ۔ پھر ہم پلیٹ فارم پر اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھ گئے ، اس کے بعد ہم لوگوں کا ایک جلوس نکلا ، اس میں یونیورسٹی کے ڈاکٹر اور پروفیسر شامل تھے ، ان سب کے لباس بھی تقریباً ہمارے جیسے تھے ۔ شاید یہ سب

کچھ تفریح کے لئے تھا ۔ مجھے بڑی سنجیدگی سے یونیورسٹی آف برمنگھم کے قوانین اور روایات برتنے پڑے ،،

آئیرین نے خط پڑھ کر بڑے پرجوش انداز سے ماں کو خط لکھا :

ڈارلنگ

میں اپنی چشم تصور سے تمہیں سرخ رنگ کے لباس فاخرہ میں دیکھ رہی ہوں ، جس کا استر سبز ہے ۔ تم اس لباس میں کتنی حسین نظر آ رہی ہو ! کیا تم اس خوبصورت لباس کو ہمیشہ اپنے پاس رکھو گی یا یہ لباس تمہیں محض اس تقریب میں شرکت کے واسطے تھوڑی دیر کے لئے دیا گیا تھا ؟

فرانس میں سائنسداں خاتون کے خلاف جو طوفان اٹھے تھے وہ سب ٹھنڈے پڑ گئے ۔ اب میری کی شہرت پھر اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گئی تھی ، گذشتہ دو سال سے تعمیرات کا ماہر سینائٹ انسٹی ٹیوٹ آف ریڈیم کی بلڈنگ تعمیر کرا رہا تھا ۔ یہ عمارت جس زمین پر بن رہی تھی اس کا نام ریو پیئر کیوری تھا ۔

چیزیں آسانی کے ساتھ مرتب نہیں ہوا کرتیں ۔ پیئر کی موت کے فوراً بعد سرکاری افسروں نے میری کے سامنے یہ تجویز پیش کی تھی کہ وہ کیوری انسٹی ٹیوٹ کی تعمیر کے لئے قومی چندے کا افتتاح کرے ۔ بیوہ یہ نہ چاہتی تھی کہ اس سنگین حادثے سے جلب زر کا آغاز کرے ، چنانچہ اس نے انکار کر دیا ۔ سرکاری افسر پھر سونٹھ کا ناس لے کر بیٹھ گئے ، لیکن ۱۹۰۹ء

میں پاسٹر انسٹی ٹیوٹ کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر رووکس نے میری کے لئے ایک تجربہ گاہ کی تعمیر کا مخبرانہ اور جرأت مندانہ خیال ظاہر کیا ۔ اگر ایسا ہو جاتا تو وہ ساربون کی نوکری چھوڑ دیتی اور پاسٹر انسٹی ٹیوٹ کا درخشاں ستارہ بن جاتی ۔

اب یونیورسٹی کے سربراہوں کے کان کھڑے ہوئے .... کیا میڈم کیوری کو جانے دیا جائے ؟ ناممکن ؟ خواہ کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے اسے سرکاری عملے میں ضرور رکھنا چاہئے !

ڈاکٹر راؤس اور وائس رکٹر لیارڈ کا مباحثہ آپس کی افہام و تفہیم پر ختم ہوا ۔ دونوں کے مشترکہ خرچ سے کام کے آغاز کی بات طے ہوئی ، ہر ایک نے چار لاکھ فرانک کی رقم دی .... یونیورسٹی اور پاسٹر انسٹی ٹیوٹ نے ریڈیم کی درس گاہ کی بنیاد رکھی ، جو دو حصوں پر مشتمل تھی ، ایک ریڈیم کی تجربہ گاہ تھی جو مادام کیوری کی نگرانی میں تھی اور دوسری تجربہ گاہ علم الحیاتی تحقیق اور کیوری تھراپی کے لئے تھی ، جس میں کینسر کا علاج اور اس کے مریضوں کی دیکھ بھال ہوتی تھی ، اس میں ممتاز معالج پروفیسر کلاڈے ریگاڈ کو متعین کیا گیا ۔ یہ جڑواں درس گاہیں اقتصادی طور پر خود مختار تھیں ، دونوں کو ایک دوسرے سے تعاون کرکے کام کرنا تھا ، تاکہ ریڈیم کے سائنس کو فروغ ہو ۔

اب میری کبھی زیر تعمیر عمارت کی پاڑ کا معائنہ کرتی ، کبھی ماہر تعمیرات سے بحث و مباحثہ کرتی ۔ سن کی طرح سپید

بالوں والی بڑھیا جدید خیالات سے پر تھی - اسے اپنے سائنسی تحقیقی کام کا خیال تو تھا ھی لیکن اس بات سے بالاتر ھو کر بھی وہ یہ سوچتی تھی کہ جب وہ مر جائے تو اس کی وفات کے تیس سال بعد ، پچاس سال بعد بلکہ سالہا سال کے لئے ایک ایسی تجربہ گاہ تعمیر ھو سکے جس میں تحقیقی کام جاری رہے - وہ چاھتی تھی کہ خوب کشادہ اور وسیع کمرے بنائیں جائیں ، بڑی بڑی کھڑکیاں لگائی جائیں تا کہ ریسرچ ھال میں تحقیقی کام میں مستغرق ھونے والوں کو سورج کی روشنی مل سکے ، وہ چاھتی تھی کہ اس عمارت میں ایک لفٹ بھی لگائی جائے ، خواہ اس کی لاگت سے سرکاری انجینئر برھم ھی کیوں نہ ھو جائیں -

اب رھا باغ کا معاملہ . . . . تو وہ روز ازل سے کسان تھی ، باغ تو اس کی خاص الخاص فکر تھی . . . . باغ تو وہ بڑی محبت سے لگائے گی - جو لوگ ” جگہ ،، بچانا چاھتے تھے اور کفایت چاھتے تھے ، ان کے استدلال پر وہ قطعی کان نہ دھرتی تھی - عمارت سے جو زمین باقی بچی ، اس کے ھر مربع فٹ کے لئے اس نے جان لڑا دی - ذوق معاملات سے ایک مبصر کی حیثیت سے اس نے ننھے ننھے پودوں کو اکھاڑا اور انہیں قاعدے کے ساتھ از سر نو اپنی نگرانی میں لگوایا - یہ کام اس نے سنگ بنیاد رکھنے سے پہلے ھی اپنے رفقائے کار کے سپرد کر دیا تھا :

” سادہ اور پھول دار درختوں کو خرید کر میں دو برسوں کا سودا کر رھی ھوں - جب ھم تجربہ گاہ کی تعمیر مکمل

کر کے اس کا افتتاح کریں گے تو اس وقت تک درخت اگ چکے
ہوں گے اور پورے کنج پر بہار آئی ہوگی ۔ نا ، نا ، مجھ سے اس
سلسلے میں کچھ نہ کہئے ، میں مسٹر نیناٹ سے بات کر چکی
ہوں ! "

اور اس کی بھوری آنکھوں میں عہد شباب کی ہلکی سی
جھلک نظر آنے لگی ۔ اس کی آنکھوں سے کتنی مسرت ظاہر
ہو رہی تھی ۔

اس نے قرمزی رنگ کے گلاب کے پودے اپنے ہاتھ سے لگائے،
اس نے نامکمل دیوار سے متصل زمین کو پھاوڑے سے خود ہی
کھود کر مٹی برابر کی ۔ جب وہ تن کر کھڑی ہوتی تھی تو یوں
محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پودوں کی نشو و نما کا بہ نظر غور
مشاہدہ کر رہی ہے ۔

ایک روز جب وہ ریو کبویر میں اپنے تجربات میں محو تھی ،
اس کی پرانی تجربہ گاہ کا ملازم پٹٹ آیا ، وہ بہت متاثر نظر آ رہا تھا ۔
اس نے بتایا کہ اسکول آف فزکس میں ورک ہال تعمیر کئے
جا رہے ہیں ، اس لئے اس شیڈ کو منہدم کیا جا رہا ہے ، جس
میں وہ پیئر کے ساتھ کام کرتی رہی ہے ۔

وہ اپنے بیچارے دوست کے ہمراہ ریو لومنڈ پہنچی تا کہ شیڈ
کو الوداع کہہ سکے ۔ جب وہ پہنچی تو شیڈ بدستور محفوظ
تھا ۔ مقدس احتیاط کی وجہ سے وہ تختۂ سیاہ اب تک محفوظ
تھا ۔ اسے کسی نے مس تک نہ کیا تھا ، اس پر اب بھی

پیئر کیوری کے ہاتھ کی لکھی ہوئی عمارت محفوظ تھی - یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ابھی دروازہ کھلے گا اور ایک لمبے قد والا جانا پہچانا شخص اندر داخل ہوگا -

ریو لوسنڈ ، ریو کیویر ، ریو پیئر کیوری . . . .
. . . . تین پتے ، تین منزلیں - اس وقت میری گزرے ہوئے واقعات کو غیر ارادی طور پر اپنے حافظے میں دھرانے لگی ، سائنس داں کی حیثیت سے وہ اپنی زندگی کی حسین لیکن پر مصائب شاہراہ پر غور کرنے لگی - اب اس کے سامنے مستقبل بالکل واضح تھا - علم الحیات کی تجربہ گاہ کی تعمیر ابھی مکمل ہوئی تھی ، پروفیسر ری گاڈ کے ماتحت کارکنان کام بھی کرنے لگے تھے ، اور رات کے وقت نئی عمارت کی کھڑکیوں سے روشنیاں جھانکنے لگی تھیں ، گویا میری کے مستقبل کا شبستان جگمگانے لگا تھا - چند ماہ بعد وہ پی - سی - این کے اسکول سے اپنے سائنسی آلات کو ریو پیئر کیوری اٹھا لے جائے گی -

فتح و نصرت اپنی ہیروئن سے بغلگیر ہوئی ، لیکن کب ؟ جب وہ بوڑھی اور ناتواں ہو چکی تھی ، اور اپنی مسرتوں سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی ، تو پھر کیا ہوا ؟ اب اس کی قیادت میں تازہ دم فوجیں آمادۂ پیکار تھیں ، پرجوش سائنس دانوں کا ایک گروہ اس کی جد و جہد میں اس اعانت کے لئے تیار تھا -

سپید رنگ کی خوبصورت عمارت کی ہر منزل میں کام میں مصروف شیشہ ساز گا رہے تھے ، سیٹیاں بجا رہے تھے - عمارت میں داخل ہوتے وقت پتھر پر کندہ کئے ہوئے یہ الفاظ اب بھی پڑھے

جا سکتے تھے :

"انسٹی ٹیوٹ ڈی ریڈیم ، بیویلین کیوری"

ان دیو قامت دیواروں اور اس پرشکوہ کتبے کے سامنے میری کو پاسٹر کے الفاظ یاد آگئے :

اگر فتح مندیاں انسانیت کے لئے مفید ہوتی ہیں تو تمہارے جی کو لگتی ہیں ، اگر تم تار برقی ، فوٹوگرافی اور تخدیر کی لائق تعریف ایجادات کے سامنے حیران ہو کر کھڑے ہو جاؤ ، اگر تم اپنے وطن کی آنے والی بہار کا انتظار کر رہے ہو . . . . تو تم اس سے دلچسپی لو ، میں اس نکتے پر زور دیتا ہوں کہ اس پر اثر نام کا وقار بلند کرو جس کے نام پر یہ تجربہ گاہ قائم ہوئی ہے ۔ میں تم سے کہتا ہوں کہ اس کی توسیع اور زینت میں برابر اضافہ ہونا چاہئے ۔ یہ تجربہ گاہ مستقبل کا صنم کدہ ہے ، جس میں دولت اور خوشحالی کا راز مضمر ہے ۔ اسی عمارت میں انسانیت پھلتی پھولتی اور پروان چڑھتی ہے ۔ انسان اس عمارت میں قدرت کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتا ہے ، دنیا کی ترقی کے لئے کام کرتا ہے اور کائنات کی ہم آہنگی کا مشاہدہ کرتا ہے ، حالانکہ انسان کا ماضی اور حال درندگی اور تباہی سے مملو ہے ۔

آخرکار جولائی کے عظیم المرتبہ مہینے میں ریو پیئر کیوری میں "مستقبل کا صنم کدہ" تیار ہو گیا ۔ اب یہ اپنی ریڈیم کے لئے ، اپنے کارکنوں کے لئے اور اپنے ڈائرکٹر کے لئے چشم براہ تھا ، فقط اتنا فرق تھا کہ یہ جولائی . . . . ۱۹۱۴ء کی جولائی تھی ۔

اکیسواں باب

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم

گرمیوں کی نعطیلات کے لئے میری نے بریٹانے میں ایک چھوٹا سا مکان کرایہ پر لے لبا - آئبرین اور ایو وہاں پہلے سے موجود تھیں ، ان کی اتالیق اور ایک باورچی وہاں موجود تھا - ان کی ماں نے اپنی بچیوں سے وعدہ کیا تھا کہ وہ ۳ اگست کو ان کے پاس پہونچ جائے گی - یونیورسٹی کا سال ابھی ختم نہ ہوا تھا ، اس لئے میری کو مجبوراً پیرس میں ٹھہرنا تھا - شدید گرمیاں شروع ہو چکی تھیں اور وہ بھونے کے مکان کے اکیلے کمرے میں تنہا پڑی رہتی تھی ، اس کے پاس کوئی ملازمہ بھی نہ تھی - وہ اپنا دن تجربہ گاہ میں گزارتی تھی اور شام کو گھر آ جاتی -

---

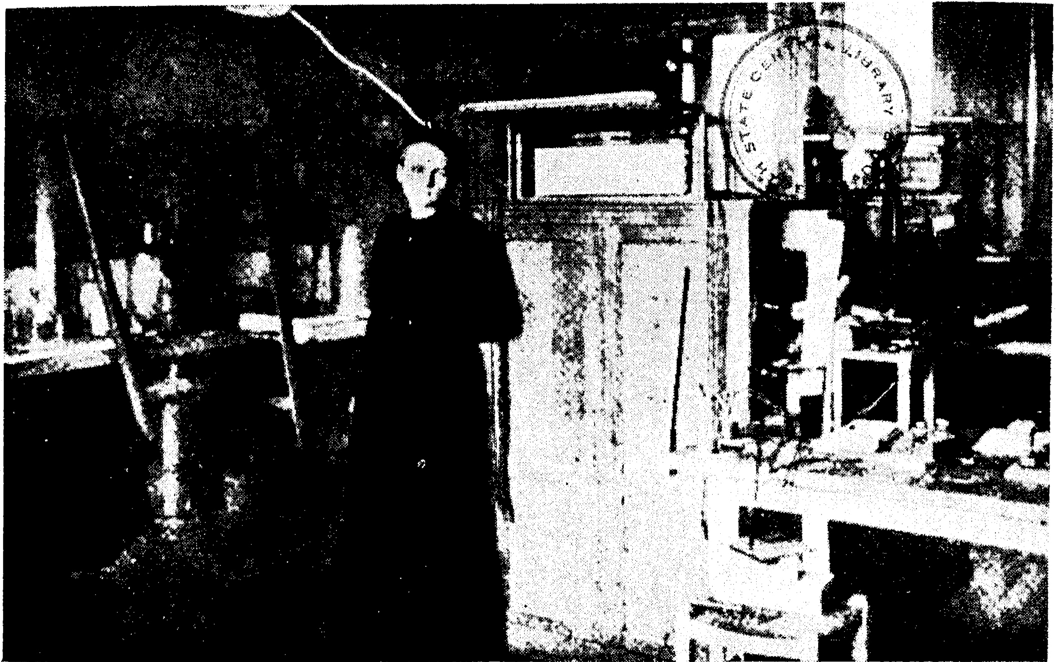
میری کا خط بچیوں کے نام ، یکم اگست ۱۹۱۴ء

پیاری آئیرین ، ایو - حالات بہت خراب ہوتے جا رہے ہیں ، ہر منٹ کے بعد جنگ ہونے کا اندیشہ رہتا ہے - مجھے نہیں معلوم ہے کہ میں تم سے مل سکوں گی یا نہیں - ڈرنا مت ، دل مضبوط رکھو ، حوصلہ سے کام لو - اگر جنگ نہ چھڑی تو میں پیر کے دن تک آ جاؤں گی ، اگر جنگ چھڑ گئی تو جتنی جلدی ممکن ہوگا میں تمہیں بلا لوں گی - پھر میں ، تم اور آئیرین ، سب مل کر کوئی مفید کام کریں گے -



مادام کیوری بھائی بہنوں کے ساتھ

دائیں طرف سے جوزف اسکاوڈووسکی ' برونیا اور ہیلا



مادام کیوری اپنی تجربہ گاہ میں

۱۹۱۲ء

۲ اگست

میری پیاری بجیو!

جنگ شروع ہو چکی ہے - جرمن فوجیں جنگ کا اعلان کئے بغیر فرانس میں گھس آئی ہیں - کچھ عرصے تک ہم ایک دوسرے سے آسانی کے ساتھ خط و کتابت نہ کر سکیں گے -

پیرس میں ابھی سکون ہے - یہاں کی فضا ابھی ٹھیک ہے ، حالانکہ لوگ ایک دوسرے سے جدا ہو رہے ہیں اور فضا میں غم کی کیفیت شامل ہے -

۶ اگست

میری پیاری آئیرین

میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تمہیں واپس بلا لوں لیکن فی الحال یہ ناممکن ہے - صبر سے کام لو -

جرمن فوجیں بلجیم سے گزر رہی ہیں اور اپنا راستہ صاف کرنے کے لئے لڑ رہی ہیں - ننھے سے ملک بلجیم مرحبا - یہ ملک لڑے بغیر جرمن فوجوں کو گذرنے نہیں دے رہا ہے .... فرانس کے لوگ پر امید ہیں اور لڑنے مرنے پر تیار ہیں -

پولینڈ پر جزوی طور پر جرمنوں نے قبضہ کر لیا ہے - وہاں سے جرمن فوجوں کے گزرنے کے بعد کیا حشر ہوگا ؟ مجھے اپنے گھر والوں کا کوئی حال نہیں معلوم ہے -

میری کے چاروں طرف غیر معمولی طور پر ویرانی چھا گئی - رفقاء کار اور تجربہ گاہ کے تمام کارکن فوج میں بھرتی ہو گئے -

صرف اس کا مسنری لوئیس رنگٹ دل کی کمزوری کے باعث فوج میں نہ ہو سکا ، اور گھر کی ایک ملازمہ بھی لام پر نہ جا سکی۔ اس کا قد مز جتنا اونچا تھا اور وہ میری کے گھر دن ھی دن کی نوکری کرتی تھی۔

پولینڈ کی عورت میری بھول گئی کہ فرانس اس کا آبائی وطن نہیں ھے ، یہاں اس نے نوطن اختیار کیا ھے۔ وہ بھول گئی کہ اسے اپنی بچیوں سے ملنا ھے ، اس نے اپنی بیماری کو بھی درخور اعتنا نہ سمجھا اور اس سائنس داں عورت نے اپنے ذاتی کاموں کو کسی اچھے وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔ اب اس کے دل میں ایک ھی لگن تھی یعنی اپنے ثانوی وطن کی خدمت ۔ ان غیر یقینی حالات میں اس کی جرأت اور ھمت واپس آ گئی۔

خدمت کرنے کے لئے اس نے ایک آسان طریقہ نکالا یعنی تجربہ گاہ کو بند کر دیا جائے اور فرانس کی دوسری باھمت عورتوں کی طرح چہرے پر سفید ڈھاٹا باندھ کر نرس کی خدمات انجام دی جائیں . . . . اس نے فوراً اپنے آپ کو طبی تنظیم میں بھرتی کرایا ، لیکن بہت جلد اسے معلوم ھوا کہ خالی خولی نرس بن کر وہ ملک کی زیادہ خدمت نہیں کر سکتی ۔ اس نے بہت جلد معلوم کرلیا کہ شفاخانوں میں ایکسرے کا کوئی انتظام نہیں ھے۔

۱۸۹۵ء رونگٹن نے ایکسرے ایجاد کیا تھا ، اس مشین کے ذریعے جسم کو چیرے پھاڑے بغیر ھڈیوں اور دوسرے اندرونی اعضاء کا حال معلوم ھو سکتا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں فرانس بھر میں ایکسرے کی چند ھی مشینیں تھیں ، اور ان مشینوں کو لائق

ڈاکٹر ھی استعمال کر سکتے ، تھے - جنگ کے زمانے میں ملٹری ھیلتھ سروس نے ملک کے بڑے بڑے مرکزوں میں ایکسرے کا انتظام کر دیا تھا - بس اتنا ھی کافی تھا - ان دنوں ایکسرے وغیرہ کو فضول خرچی سمجھا جاتا تھا -

لیکن یہ فضول خرچی تھی کتنی مفید - کسی سپاھی کے گولی لگی ھو اور وہ زخمی ھو گیا ھو تو ایکسرے کے ذریعے گولی اور زخم کا پتہ لگانا کتنا آسان تھا - بالکل جادو کا سا کھیل تھا -

میری کو کبھی ایکسرے سے واسطہ نہ پڑا تھا ، لیکن وہ ساربون میں ایکسرے کے متعلق لکچر سن چکی تھی - عملی طور پر نہیں لیکن علمی طور پر وہ اس مشین کو خوب جانتی تھی - پھر اس نے سائنسی مزاج پایا تھا ، وہ دیکھ رھی تھی کہ اس بھیانک اور خونریز جنگ میں ایکسرے کی بڑی ضرورت پڑے گی - جگہ جگہ ایکسرے اسٹیشن کھولنا پڑیں گے - فوجوں کی نقل و حرکت کے لئے گشتی ایکسروں کا بھی انتظام کرنا پڑے گا -

اب میری نے اندازہ کر لیا کہ جنگ کے نازک زمانے میں اس کا کیا کام ھے -

چند ھی گھنٹوں میں اس نے اپنی تجربہ گاہ بند کر دی ، اور ایکسرے کا سامان تلاش کرنے کے لئے دکانوں کا چکر کاٹنے لگی - اس نے ایکسرے کا سامان خرید کر پیرس کے شفاخانوں کو دینا شروع کیا - ایکسرے کا کام کرنے کے لئے پروفیسروں ، انجینئروں اور سائنس دانوں کو رضاکار کے طور پر بھرتی کیا جانے لگا -

لیکن یہ رضاکار ان زخمیوں کی کیسے مدد کر سکتے تھے جو تیزی کے ساتھ بار بار کھیپ کی کھیپ چلے آتے تھے ۔ گشتی موٹر کاریں بہت کم تھیں ، جو کاریں تھیں ان میں بجلی کا سامان نہ تھا ، اور بجلی کے بغیر ایکسرے کا کام کیسے چل سکتا تھا ۔

میری نے مسئلہ کا حل معلوم کر لیا ، اس نے انجمن خواتین فرانس کی طرف سے چندہ جمع کرنا شروع کیا اور چندے سے ایک گشتی موٹر کار خرید لی ، یہ ایک معمولی موٹر کار تھی ، اس کے اندر ایکسرے کا سامان اور ڈائنمو فٹ کر دیا گیا تھا ۔ کار کے انجن سے ضروری بجلی حاصل کی جاتی تھی ۔ یہ ایک چلتا پھرتا ایکسرے تھا، اور اگست ۱۹۱۴ء سے یہ گشتی شفاخانہ ایک شفاخانے سے دوسرے شفاخانے کی خبر لیتا تھا اور وہاں زخمیوں کا ایکسرے کرتا تھا ۔

جرمن فوجیں تیزی سے گھستی چلی آ رہی تھیں ، اس وجہ سے میری کو بعض مسائل کا فیصلہ کرنا مشکل تھا ۔ اب سوال یہ تھا کہ وہ پیرس میں رہے یا اپنی بچیوں کے پاس چلی جائے ، اور اگر کہیں دشمن نے پیرس پر قبضہ کرنے کی دھمکی دی تو اس وقت اس کا کیا رویہ ہوگا ۔ کیا وہ اس وقت بھی مریضوں کی خدمت کرتی رہے گی یا وہ اپنی بچیوں کے پاس چلی جائے گی ۔

اس نے ٹھنڈے دل سے ان مسائل پر غور کیا اور فیصلہ کر لیا کہ بہرصورت پیرس میں رہے گی ، خواہ صورت حال کیسی ہی نازک ہو جائے ۔ صرف یہی سوال نہ تھا کہ وہ ایک نیک

کام کرے یا نہ کرے بلکہ ایک سوال یہ بھی تھا کہ وہ اپنی تجربہ گاہ کے بارے میں کیا فیصلہ کرے، اس نے سوچا اگر میں پیرس میں ڈٹی رہی تو غالباً جرمن فوجیں میری تجربہ گاہ پر حملہ نہ کریں گی، لیکن اگر میں وہاں سے چلی گئی تو وہ اسے خاک میں ملا دیں گی ۔

اس نے ریاکاری کے بغیر عقل کی روشنی میں ان مسائل پر سوچا اور پیرس سے نہ جانے کا ایک منطقی بہانہ ڈھونڈھ لیا ۔ یہ ضدی، ڈھیٹ، فیصلے کی مستحکم اور سر پھری عورت فرار ہونے کو بالکل پسند نہ کرتی تھی ۔ ڈر جانے کا مطلب یہ تھا کہ دشمن کو تقویت پہنچائی جائے ۔ اس کے لئے دنیا میں اس سے زیادہ بری بات اور کوئی نہ ہو سکتی تھی کہ فتح مند دشمن متروکہ تجربہ گاہ پر قابض ہو جائے ۔

اس نے اپنی بچیوں کو اپنے جیٹھ جیکوس کے سپرد کر دیا تاکہ بچیاں ابھی سے ماں کی جدائی پر آمادہ ہو جائیں ۔

میری کا خط آئیرین کے نام، ۲۸ اگست ۱۹۱۴ء

...... اب لوگ سوچ رہے ہیں کہ اگر پیرس کا محاصرہ کر لیا جائے تو اس وقت کیا کیا جائے ۔ اگر ایسا ہوا تو میرے اور تمہارے درمیان رسل و رسائل کے تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے ۔ اگر ایسا ہوا تو تم حوصلہ سے کام لینا، کیونکہ ملک

اور قوم کے آگے ہماری آرزؤں اور تمناؤں کی کوئی حقیقت نہیں ہے ۔ تم بڑی ہو، لہذا معتبر اور ذمہ دار بن جاؤ، اور اگر ہم تم لمبے عرصے کے لئے جدا ہو جائیں تو تم چھوٹی بہن کی ہر طرح دل جوئی اور خبر گیری کرنا ۔

۲۹ اگست

پیاری آئیرین واضح ہو کہ محاصرے کا ابھی کوئی امکان نہیں ہے، میں نے تمہیں آگاہ اس لئے کر دیا تھا کہ ہمیں ایسی سب باتوں کے لئے تیار رہنا چاہئے ، پیرس سرحد سے اتنا قریب ہے کہ جرمن فوجیں بڑی آسانی سے گھس سکتی ہیں ، لیکن ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ آخر میں فرانس ہی کی فتح ہوگی ۔ ہمت اور اعتماد سے کام لو ۔ یہ بات کبھی نہ بھولو کہ تم بڑی بہن ہو اور تمہیں اس نازک وقت زیادہ متانت اور سنجیدگی سے کام لینا ہے ۔

۳۱ اگست ۱۹۱۴ء

ہفتہ کو لکھا ہوا تمہارا پیارا پیارا خط ابھی ملا ہے ۔ میں خط پڑھ کر اتنا خوش ہوئی اور تمہیں پیار کرنے کو اتنا دل چاہا کہ میرے منہ سے تقریباً چیخ نکل گئی ۔

حالات اچھے نہیں ہیں ، ہم سب بہت دل گرفتہ اور پریشان ہیں ، ہمیں بڑے حوصلے کی ضرورت ہے اور امید ہے ہم حوصلہ نہ ہاریں گے ۔ ہمیں یقین محکم رکھنا چاہئے کہ برے دنوں کے بعد اچھے دن ضرور آئیں گے ۔ یہ ہی امید ہے جس کے سہارے میں

تم کو یعنی اپنی چہیتی بچی کو اپنے کلیجے کو بھینچ لیتی تھی ۔

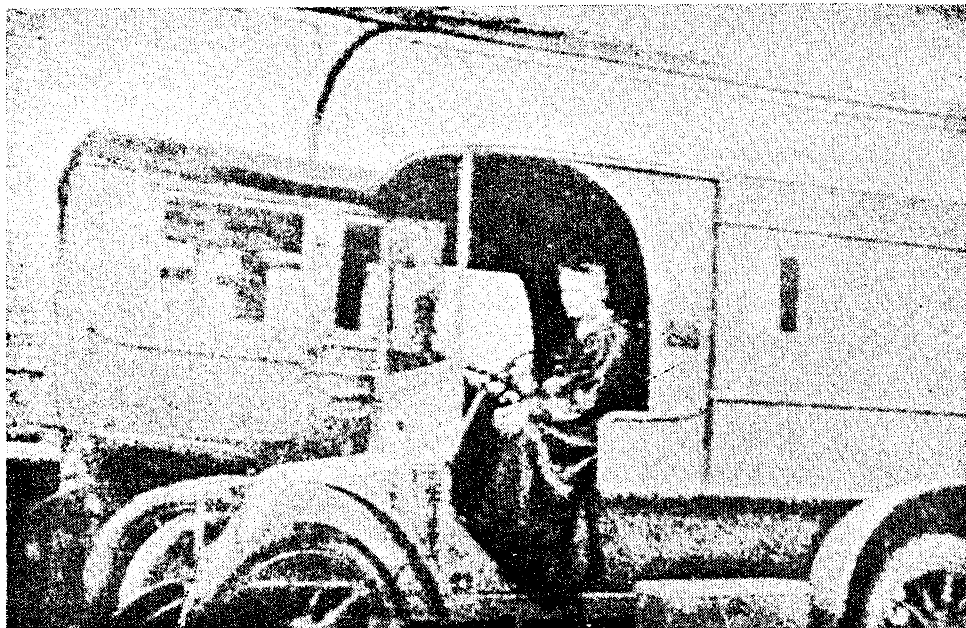
اسے سنجیدگی کے ساتھ نظر آ رہا تھا کہ پیرس کا محاصرہ ہو سکتا ہے ، بم برسائے جا سکتے ہیں ، اور انتہا یہ ہے کہ پیرس کو فتح کیا جا سکتا ہے ۔ اس کا ایک خزانہ اور بھی تھا جسے وہ دشمن سے بچانا چاہتی تھی ۔ اس کے پاس ریڈیم کی کافی مقدار تھی ۔ اور یہ ریڈیم تجربہ گاہ میں محفوظ تھی ۔ وہ کسی قاصد کے ذریعے اس نہایت قیمتی چیز کو بورڈیکس پہونچانا چاہتی تھی ، لیکن اسے کسی پر اتنا بھروسہ نہ تھا ۔

اس لئے میری ٹرین میں بیٹھی ۔ ٹرینوں میں آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں ، یہ ٹرین سرکاری افسروں اور معزز لوگوں کو لئے جا رہی تھی ، میری کالے رنگ کا لمبے اون والا کوٹ پہنے تھی ، کوٹ کی جیب میں ایک تھیلی تھی اور تھیلی کے اندر ریڈیم تھی ۔ یوں کہنا چاہئے کہ تھیلی کے اندر شیشہ کی نازک نلکیاں تھیں ، جن کے اندر ریڈیم بھری ہوئی تھی ۔ جیسے معجزہ ہو جائے ، بالکل اسی طرح میری کو بیٹھنے کے لئے بینچ کا ایک سرا مل گیا ، جہاں بیٹھ کر وہ چمڑے کی تھیلی اپنی گود میں رکھ سکتی تھی ، ریل گاڑی میں مسافر اپنی اپنی بپتا سنا رہے تھے ، سب لوگ خوف زدہ تھے ، لیکن میری نے اپنے کانوں میں جیسے کہ ٹھیٹھیاں ڈال لی تھیں ۔ اس نے دل میں ٹھان لی تھی کہ وہ خوف پیدا کرنے والی اور غم انگیز باتیں نہ سنے گی ۔ اس نے مسافروں کی طرف سے اپنا منہ پھیر لیا اور کھڑکی کے باہر جھانکنے لگی ، خوبصورت دھوپ پھیلی

ھوئی تھی اور وہ دیہات کے مناظر سے دل بہلانے لگی ، لیکن وہ مناظر بھی شکست کی کہانی سنا رہے تھے - ریل کی پٹریوں کے ساتھ ساتھ چلنے والی جرنلی سڑک پر موٹروں کا تانتا بندھا ہوا تھا ، اور یہ سب موٹریں بجھم کی طرف بھاگی جا رہی تھیں -

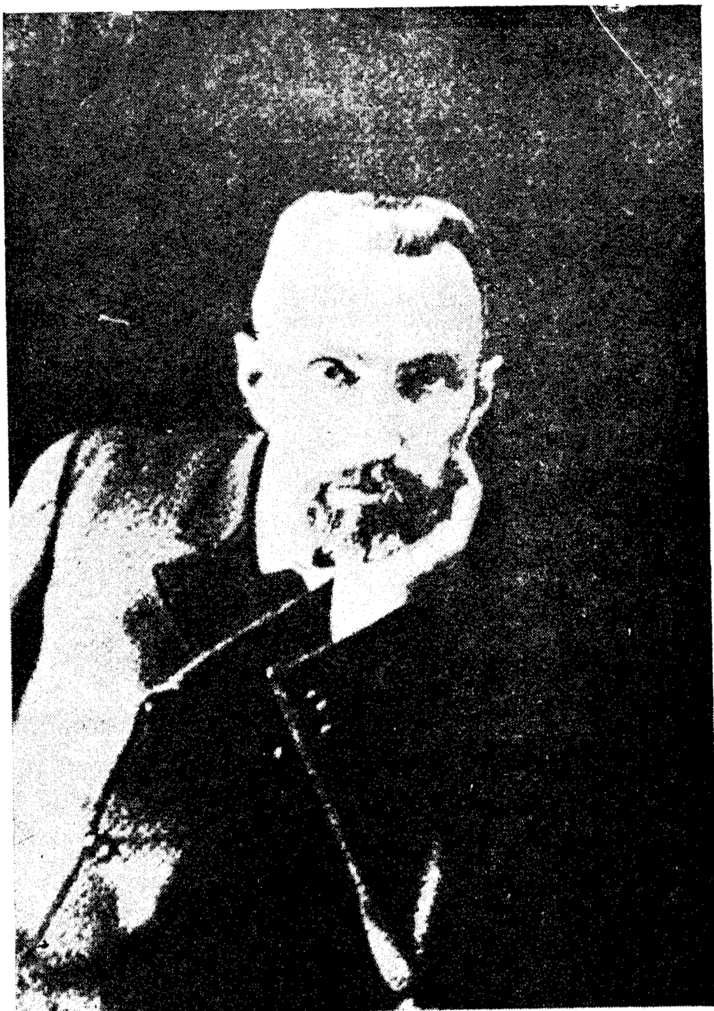
وہ بورڈیکس پہنچ گئی ، لیکن یہاں کا منظر ھی عجیب تھا، یہاں فرانس کے لوگ سمٹ کر آ گئے تھے - قلی ، ٹیکسیاں اور ہوٹلوں کے کمرے عنقا ھو چکے تھے - رات بھیگ چلی تھی ، میری اب تک اسٹیشن پر کھڑی تھی ، اس کا سامان اس کے پاس ھی رکھا تھا ، کوئی زیادہ بوجھ نہ تھا - آدمیوں کا ھجوم تھا اور بھیڑ میں اس کے بار بار دھکے لگ رہے تھے ، لیکن ان دھکوں سے اسے کوئی نقصان نہ پہنچ رہا تھا، اور وہ صورت حال سے لطف اٹھا رہی تھی - کیا وہ اس نہایت قیمتی چیز کا اسی طرح رات بھر پہرہ دیتی رہے گی ، اس قیمتی چیز کی مالیت ایک لاکھ فرانک سے زیادہ تھی - کسی وزارت کا کوئی ملازم اس کا ھم سفر تھا ، اس نے اتفاقاً اسے دیکھ لیا اور اس کی مشکل آسان کرنے کے لئے چلا گیا - اس بھلے آدمی نے اس کے رھنے کا بھی انتظام کر دیا - دوسرے روز صبح کے وقت میری نے اس وبال جان خرانے کو بینک کے سیف میں جمع کرا دیا ، اور اطمینان کا سانس لیا ، اور پیرس کی طرف روانہ ھوئی -

وہ بے خیالی میں اپنے سفر پر روانہ ھوئی، لیکن پیرس کی روانگی پر بے شمار لوگ چہ میگوئیاں کرنے لگے ، اس کے چاروں طرف لوگوں کا ھجوم اکٹھا ھو گیا ، اور سب لوگ کہنے لگے ، ذرا اس عورت کو دیکھو جو پیرس جا رہی ھے - یہ جیتے جی آگ



مادام کیوری زمانہ جنگ میں

ایکسرے کی خدمات انجام دیتی تھیں



پیئر کیوری

مادام کیوری کی پسندیدہ تصویر

میں کودنا چاھتی ھے - لوگ پیرس سے یہاں آ رہے ھیں اور یہ یہاں سے وھاں جا رھی ھے - عورت نے اپنا پتہ و نشان بھی نہ بتایا اور نہ اپنا تعارف کرایا ، لیکن وہ خلاف معمول بہت باتونی ثابت ھوئی - اس نے ھوش ربا افواھوں کی تردید کی اور بڑی نرمی سے ان لوگوں کو یقین دلایا کہ پیرس میں بالکل خیریت ھے ، پیرس اپنی جگہ پر قائم اور ڈٹا ھے ، اور اب تک خطرے سے باھر ھے -

وہ ایک فوجی گاڑی میں واپس ھوئی ، اس میں کوئی بے وردی کا آدمی نہ تھا - بس فوجی ھی فوجی بھرے ھوئے تھے ، اور ریل گاڑی کی رفتار اتنی سست تھی کہ بس جوں کی سی چال تھی ، یہ کھلے میدانوں میں کئی بار کئی کئی گھنٹوں کے لئے ٹھہری - میری کا بھوک سے برا حال تھا ، ایک سپاھی نے اپنے کرمچ کے تھیلے میں ھاتھ ڈال کر روٹی کا بڑا سا ٹکڑا نکالا اور میری کی طرف بڑھا دیا - وہ اتنی بھوکی تھی کہ اس سے انکار کرتے نہ بن پڑا - جب وہ اپنی تجربہ گاہ سے ریڈیم لے کر چلی تھی ، اس وقت سے اب تک اسے کھانے کا موقع ھی نہ ملا تھا -

رات کے وقت وہ پیرس پہنچی - سارا شہر جگمگا رھا تھا ، ستمبر کا آغاز تھا ، یہ شہر جسے دھمکایا گیا تھا ، خاموش ھونے کے باوجود خوبصورت نظر آ رھا تھا - اس شہر پر ایسا حسن اور ایسا نکھار کبھی نہ آیا تھا - آہ کیا یہ جگمگاتا ھوا ھیرا خاک میں مل جائے گا - وہ یہ سوچ ھی رھی تھی کہ پیرس کے گلی کوچوں میں ایک خبر ایسی پھیلنا شروع ھوئی کہ ھر طرف

طوفان سا اٹھ گیا ۔ میری ابھی گرد سفر بھی نہ جھاڑ سکی تھی کہ وہ تیزی کے ساتھ یہ معلوم کرنے گئی کہ کیا خبریں ہیں ۔ معلوم ہوا کہ جرمن فوجیں تیزی سے آگے بڑھ رہی ہیں اور میری کے مقام پر جنگ چھڑ گئی ہے ۔

میری بڑے نارمل اسکول پہنچی اور وہاں اپنے دوستوں سے ملی ، وہاں ایپل اور بورل سے ملاقات ہوئی ۔ ان لوگوں نے ایک طبی انجمن قائم کی تھی ۔ میری نے کہا کہ وہ فوراً اس انجمن میں بھرتی ہونا چاہتی ہے اور جان توڑ کر ملک کی خدمت کرنا چاہتی ہے ، انجمن کے صدر پول ایپل نے اس کمزور اور ناتواں دکھیا عورت کو دیکھا اور اس کا دل بھر آیا ، اس نے زبردستی میری کو صوفے پر لٹا دیا اور کہا خبردار یہاں سے نہ اٹھنا اور چند روز یہاں آرام کرنا ، میری نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی ، وہ ملک کی خدمت کرنا چاہتی تھی ، بس یہی لگن لگی تھی ۔ بعد میں مسٹر ایپل کہا کرتے تھے ، اس صوفے پر وہ لیٹی تھی ، اس کا چہرہ نہایت زرد تھا اور لاغری کی وجہ سے آنکھیں بڑی بڑی ہوگئی تھیں، لیکن اس کے باوجود وہ مارے جوش کے سر سے پاؤں تک ایک شعلہ جوالا بنی ہوئی تھی ۔

میری کا خط آئیرین کے نام ، ۶ ستمبر ۱۹۱۴ء

. . . . . جنگ کے ڈرامے کا رنگ بدل رہا ہے ۔ دشمن کی فوجیں پیرس سے دور ہٹ گئیں ہیں ، ہم سب پر امید ہیں ، اور ہمیں یقین کامل ہے کہ آخر میں ہماری فتح ہوگی ۔

. . . . . فرنتئر شاوان سے کہو کہ وہ فزکس کے سوال حل کیا کرے ، اگر تم فرانس کے لئے اس وقت کچھ نہیں کر سکتیں تو آئندہ کے لئے اٹھا رکھو ۔ افسوس جنگ میں بہت سے لوگ مارے جائیں گے اور ان کی جگہوں کو بہر حال پر کرنا ہوگا ، جہاں تک ہو سکے ریاضی اور طبعیات میں محنت کئے جاؤ ۔

اب ببرس محفوظ تھا ۔ میری کی لڑکیاں بڑی شد و مد کے ساتھ اپنی جلاوطنی کے خلاف احتجاج کر رہی تھیں ، لہذا میری نے انہیں پیرس بلوا لیا ۔ ایو اسکول جانے لگی اور آئیرین نرس کا ڈپلومہ حاصل کرنے کے لئے اپنا کورس تیار کرنے لگی ۔

میری کی نگاہ دور رس دیکھ رہی تھی کہ یہ جنگ بہت عرصے تک ہوگی اور اس میں ہزاروں کی جانیں جائیں گی ۔ وہ اس بات کی ضرورت محسوس کر رہی تھی کہ زخمیوں کی ہر وقت اور ہر مقام مدد کی ضرورت ہے ، اور ایکسرے کی مشینوں اور جراحوں کو ہر وقت موٹر کاروں میں موجود رہنا چاہئے ۔ اس لئے ایکسرے کا معقول انتظام کرنے کی فوری ضرورت تھی ، کیونکہ ایکسرے والی موٹر کاروں کے ذریعے نہایت گراں بہا خدمات انجام دینا تھیں ۔

ان کاروں کو عرف عام میں ننھی کیوریاں کہا جاتا تھا ۔ فوجی حلقوں میں اس کی خدمات سے بے تعلقی ظاہر کی جا رہی تھی ، کیونکہ یہ لوگ ضابطہ پرست حکام سے دشمنی رکھتے تھے ۔ ہماری یہ بزدل عورت اچانک سخت گیر اور با اختیار ہستی بن گئی تھی ۔ وہ کاہل افسروں کے پیچھے پنجہ جھاڑ کر پڑ گئی تھی ۔ وہ

ان سے اجازت نامے ، ویزہ اور ضروری سامان طلب کرتی تھی - وہ پیچیدہ ضابطوں اور قاعدوں کے ذریعے اس کے کام میں رکاوٹ ڈالنا چاہتے تھے - غیر فوجی لوگوں کو ہمارے کام میں ٹانگ نہ اڑانا چاہئے اور نہ ہماری فکر کرنا چاہئے - یہ تھی فوجی لوگوں کی کیفیت ، لیکن میری ہاتھ دھو کر ان کے پیچھے پڑ گئی تھی ، اور بحث کر کے آخر ان کو قائل کر لیتی تھی -

وہ فرداً فرداً شہریوں کا سختی کے ساتھ مزاج پوچھتی تھی - اس کی درخواست پر شہزادی سورت اور گبنے جیسی سخیر خواتین اسے کچھ عرصے کے لئے بند موٹر کارس دے دیں - ان موٹر کاروں کو فوراً ایکسرے کے سامان سے آراستہ کر لیا گیا - اس نے یہ بند موٹرکاریں لیتے وقت ان عورتوں سے از راہ مذاق کہا کہ میں یہ موٹرکاریں جنگ کے بعد آپ کو واپس کر دوں گی - امید ہے کہ اس وقت تک ان کاروں کا بھرکس نہ نکلے گا - اگر یہ کاریں ٹوٹ پھوٹ گئیں تو خیر ورنہ میں واپس کر دوں گی -

اس طرح اس نے بیس کاریں حاصل کر لیں - ایک کار اس نے اپنے ذاتی استعمال کے لئے رکھی - اس کار کا نام رینالسٹ تھا - اس کی ناک چپٹی تھی اور اس کا ڈھانچہ لاری کی طرح تھا - اس گاڑی کے اوپر فرانس اور ریڈ کراس کے قومی نشان کی پلیٹیں لگی تھیں - موٹرکاریں حاصل کرکے وہ ایک سہم جو بحری کپتان کی طرح زندگی گزار رہی تھی -

کبھی تار آتا اور کبھی ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی کہ فلاں جگہ زخمی پڑے ہوئے ہیں ، اور ایکسرے والی کار کی فوری ضرورت

ہے ۔ میری فوراً سازو سامان سے لیس ہوکر روانہ ہو جاتی ہے ، اس کا فوجی شوفر پٹرول لینے لگتا ، اتنی دیر میں وہ گھر جا کر کالا لبادہ اور ہیٹ اٹھا لاتی، بیلے رنگ کا چمڑے کا تھیلا وہ ہمیشہ ساتھ رکھتی تھی ۔ ڈرائیور کی سیٹ کے برابر وہ بیٹھ جاتی اور کار پوری رفتار سے روانہ ہوجاتی ، یعنی بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ۔

راستہ میں کئی جگہ سنتری اس کا راستہ روکتے اور اپنا اطمینان کرکے اسے جانے دیتے ۔ آخر وہ ہسپتال کی عمارت میں پہونچ جاتی ۔ ایکسرے کے لئے وہ فوراً اپنا کمرہ چن لیتی اور وہیں زخمیوں کو لایا جاتا ۔ وہ اپنا ایکسرے کا سامان کھولتی اور مشین کے پرزوں کو جوڑ کر تیار کر لیتی ۔ ڈائنمو تو موٹرکار میں ہوتا تھا، اور بجلی اسی سے فراہم کی جاتی تھی ، لہذا موٹرکار کے ڈائنمو میں ایک تار لگایا جاتا اور اس تار کو ہسپتال کی عمارت تک لایا جاتا ۔ جب میری ادھر سے اشارہ دیتی تو اُدھر شوفر اس ڈائنمو کو چلا دیتا تھا ، اور میری بجلی کے کرنٹ کا اچھی طرح اندازہ کر لیتی تھی ۔ زخمیوں کا ایکسرے کرنے سے پہلے وہ اپنے ہاتھوں پر دستانے چڑھا لیتی تھی ۔ ایکسرے کی پلیٹ ٹھیک ٹھاک کر لیتی تھی ، اور نشان لگانے کے لئے ہاتھ میں پنسل پکڑ لیتی تھی ۔ پھر کمرے میں اندھیرا کر دیا جاتا تھا ، کھڑکیاں بند کر دی جاتی تھیں ، اور کالے پردے وہ اپنے ساتھ لاتی تھی ۔ جب یہ پردے کم پڑ جاتے تھے تو ہسپتال کے کمبل تان دیتی تھی ، کمرے کے ایک طرف ایکسرے کی پلیٹیں دھونے کا انتظام تھا ۔ میری کے آنے کے بعد آدھ گھنٹہ کے اندر اندر تمام سامان لیس ہو جاتا تھا ۔

اب دکھ بھرا کام شروع ہوتا تھا ۔ ایک کمرے میں سول سرجن اپنے آپ کو بند کر لیتا تھا ، دوسرے اندھیرے کمرے میں میری اپنے کام میں مصروف ہوتی تھی ، جہاں ایک پراسرار سا عمل جاری ہونا تھا ۔ یکے بعد دیگرے زخموں کے اسٹریچر آتے چلے جاتے تھے ۔ زخمی شخص کو میز پر لٹا دیا جاتا تھا ۔ میری ایکسرے کی مشین کا فوکس ڈالتی تھی ۔ ھڈیوں کا نقش تیار ہو جاتا تھا ، اور انہیں ھڈیوں کے درمیان میں بڑا سا کالا دھبہ نظر آتا تھا ، یہ بندوق کی گولی یا بم کا ریزہ ہوتا تھا ۔ ایک ماتحت آدمی ڈاکٹر کے مشاھدات قلمبند کرتا جاتا تھا ، اور میری نہایت تیزی سے ڈاکٹر کے واسطے ایکسرے کی پلیٹ تیار کرتی تھی ۔ بعض وقت ایکسرے کے ساتھ ساتھ اپریشن کرنا پڑتا تھا ، اور ایکسرے میں یہ بھی نظر آ جاتا تھا کہ ڈاکٹر صاحب اپنے سوچنے سے زخم کو ٹٹول رہے ھیں ، تاکہ بندوق کی گولی کو پکڑ کر سوچنے سے نکال پھینکیں ۔

دس زخمی آدمی ، پچاس زخمی آدمی ، سو زخمی آدمی۔ . . . کئی کئی گھنٹے گزر جاتے ، بعض دفع کئی کئی دن گزر جاتے ۔ جب تک زخمیوں کا تانتا بندھا رہتا میری پابندی کے ساتھ اندھیرے کمرے میں بند رہتی ۔ ھسپتال چھوڑنے سے پہلے وہ وہاں ایکسرے کا مستقل بندوبست کرکے رخصت ہوتی تھی ۔ پھر وہ اپنے ایکسرے کا ٹیم ٹام باندھ کر اسی جادو کے رتھ میں سوار ہو جاتی تھی ۔

ابھی وہ گھر آئی ھے ، ابھی شاید اسے پھر جانا پڑ جائے گا ۔ اس کے ہمراہ کوئی نہ کوئی مدبر شخص ہوا کرتا تھا جسے وہ

هدایات دے کر کام لیتی تھی ۔ وہ چاھتی تھی کہ ھسپتالوں میں ایکسرے کا مستقل بندوبست ھو جائے اور اس کی ضرورت باقی نہ رہ جائے۔

بیس موٹرکاروں کے علاوہ اس نے دو سو شفاخانوں میں ایکسرے کا بندوبست کیا ۔ اب گویا ۲۲۰ ایکسرے کی مشینیں تھیں جو زخمیوں کا معائنہ کرتی تھیں ۔ اس طرح لاکھوں زخمیوں کا معائنہ کیا گیا ۔

اس کے سائنس اور اس کے حوصلہ ھی نے اس کی حمایت نہ کی بلکہ اس کے دل نے بھی اس کی مدد کی ھے ۔ وہ کام کرنا چاھتی تھی ، کاغذی کارروائیوں سے اسے الجھن ھوتی تھی ، اس لئے وہ سہولت نہ ھونے کے باوجود اپنا کام خوش تدبیری سے نکال لیتی تھی ۔ وہ خود اپنی تربیت کر رھی تھی ۔ جن دنوں وہ ایکسرے کا کام کر رھی تھی ، ان دنوں وہ ایکسرے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلوماتی کتابیں پڑھتی تھی اور موٹر چلانا سیکھ رھی تھی ، تاکہ موٹر چلانے کا لائسنس حاصل کرسکے۔ وہ ایکسرے کی مشین میں مستری گیری کا تمام کام سیکھ رھی تھی ۔ وہ وقت پر کسی کی محتاج ھونا نہ چاھتی تھی ۔ دوسروں سے وہ مدد مانگنے کو اچھا نہ سمجھتی تھی ، اور اس بات سے اسے نفرت تھی ۔ وہ وقت پڑنے پر انتظار کرنا نہ چاھتی تھی ۔

اگر اس کا شوفر حاضر نہ ھوتا تھا تو وہ خود ھی موٹر چلاتی تھی ۔ سڑکیں بہت خراب تھیں ، اس کے باوجود وہ

جیسے تیسے موٹر چلا ھی لیتی تھی - نہایت سخت سردیوں میں بھی اکثر دیکھا جاتا کہ وہ جیک -۱ رکھ کر موٹر کا ٹائر بدل رھی ھے یا موٹر انجن کی کاربن صاف کر رھی ھے - توجہ قائم کرنے کے لئے اس کی بھویں تنی رھتی تھیں - اگر اسے اپنے ھمراہ آلات لے جانا ھوتے تو وہ خود ھی اٹھا کر انہیں موٹر میں رکھتی، مقام مقصود پر پہونچ کر وہ خود ھی ان آلات کو کھولتی اور پڑتال کر کے معلوم کرتی کہ کوئی آلہ کم تو نہیں ھے -

آرام کی اسے کوئی پروا نہ تھی اور وہ اپنی ان خدمات کا کوئی صلہ نہ چاھتی تھی - دنیا کی کسی مشہور عورت کو اتنی تکلیفیں نہ اٹھانا پڑی ھوں گی - کام کے جوش میں اسے کسی بات کی سدھ نہ تھی - جو کچھ ملا کھا لیا اور جہاں مہلت ملی سو گئی - کبھی کسی نرس کے کمرے میں سو رھی ھے تو کبھی کسی ھسپتال کی عمارت میں، اور کبھی کسی خیمہ میں جو کھلی ھوا میں نصب ھوتا تھا - یہ وھی تو لڑکی تھی جو ایک زمانے میں ایک بلڈنگ کے سب سے بالائی منزل پر رھتی تھی، اور سردی میں اس کی بتیسی بجا کرتی تھی، اسی لئے یہ جنگ عظیم میں کسی کوشش کے بغیر سپاھی بن گئی تھی -

میری کا خط پال لینگوین کے نام، یکم جنوری ۱۹۱۵ء

میرے جانے کی تاریخ ابھی تک طے نہیں ھوئی ھے، لیکن میں صبح و

۱- گاڑی کے پہیے کو صاف کرنے کے لئے زمین سے اونچا اٹھائے رکھنے کا آلہ -

شام ھی میں چلی جاؤں گی ۔ مجھے ایک خط ملا ھے جس میں لکھا ھے کہ سینٹ پال کے حلقے کی ایکسرے کار ٹوٹ پھوٹ گئی ھے ۔ اس کا مطلب یہ ھے کہ تمام شمالی علاقہ ایکسرے سے محروم ھو گیا ھے ۔ میں بہت جلد وھاں پہونچوں گی اور میں اپنی تمام قوتیں اپنے نئے وطن فرانس کی خدمت میں صرف کردوں گی ۔ میں اپنے بد نصیب آبائی وطن کے لئے کچھ نہ کر سکی ۔ میرے باپ دادا کا وطن سو سال سے زیادہ مصیبتیں جھیلتا رھا اور آج میرا پیارا آبائی وطن خون میں نہا رھا ھے ۔

پیرس میں آئیرین اور ایو کم و بیش اس طرح زندگی بسر کر رھی تھیں ، جیسے وہ کسی سورما سپاھی کی بیٹیاں ھیں ۔ ان بچیوں کی ماں اپنے آپ کو اسی وقت چھٹی دیتی تھی جب اس پر درد گردہ کا دورہ پڑتا تھا ، اور مجبور ھو کر چند روز صاحب فراش ھونا پڑتا تھا ۔ اگر وہ کبھی گھر میں ھوتی تھی تو اس کا مطلب یہ ھوتا تھا کہ وہ بیمار ھے ۔ اگر وہ بیمار نہ ھوتی تھی تو وہ ھسپتالوں میں پائی جاتی تھی ۔ وہ تین چار سو فرنچ اور بیلجین شفاخانوں کی خبر لیتی تھی ۔ وہ ان شفاخانوں میں اس وقت تک برابر جاتی رھے گی ، جب تک دشمن حملے کی نیت کرتا رھے گا ۔ ایو اپنی ماں کو خطوط لکھتی تھی ، جن میں تاریخ یا کسی دوسرے مضمون میں اپنی کامیابی کا ذکر کرتی تھی ، اور یہ خطوط اسے مختلف اجنبی پتوں پر بھیجنا پڑتے تھے :

مادام کیوری ھوٹل ڈی لانوبل

مادام کیوری ھسپتال نمبر ۲

مادام کیوری ھسپتال نمبر ۱۱۲

وہ مختلف مقامات سے پوسٹ کارڈ لکھتی تھی ، جو بہت عجلت میں لکھے ہوئے ہوتے تھے ۔ ان خطوں میں مختصر اور جامع خبریں ہوتی تھیں ۔

۲۰ جنوری ۱۹۱۵ء

پیاری بچیو ۔ اب ہم آمن میں ہیں ۔ یہاں ہم سوتے ہیں ، ہمارے فقط دو ٹائر پھٹ گئے ۔ سب کو دعا ۔

می

اسی روز اے بی وائل پہونچ گئے ۔ جین پیرین کی کار درخت سے ٹکرا گئی ۔ خوش قسمتی سے زیادہ نقصان نہیں ہوا ۔ اب ہم ولون جا رہے ہیں ۔

می

---

۲۴ جولائی ۱۹۱۵ء

پیاری آئیرین ۔ کئی حادثوں کے بعد ہم لوگ پوپارائن پہونچ گئے ہیں ، لیکن جب تک کہ ہم یہاں کے شفاخانے میں بعض تبدیلیاں نہ کر لیں ہم یہاں کام نہیں کر سکتے ۔ ہم کار کے لئے ایک سائبان بنا رہے ہیں ، اور ایکسرے کے لئے ایک کمرہ بنا رہے ہیں ، اس کے علاوہ زخمیوں کا وارڈ تیار ہو رہا ہے ۔ ان سب باتوں سے کام میں تاخیر ہو رہی ہے ، لیکن اس کے بغیر چارہ نہیں ۔

بعض جرمن ہوائی جہازوں نے ڈن کرک میں کچھ بم گرائے تھے - کچھ لوگ مر گئے لیکن باقی آبادی پر کچھ زیادہ خوف و ہراس طاری نہ ہوا - پوپارائن میں بھی ایسے حادثے ہوئے لیکن بہت کم - ہم توپوں کی مسلسل گھن گرج سنتے رہتے ہیں - آج کل بارش نہیں ہو رہی ہے ، لیکن خفیف سا کہرا پڑتا ہے - یہاں کے ہسپتال میں میرا نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا گیا - مجھے رہنے کے لئے بڑا نفیس کمرہ اور ایک انگیٹھی دی گئی ہے - فرانس کے مقابلے میں میں یہاں بہت اچھی ہوں - میں ہسپتال ہی میں کھانا کھاتی ہوں - تم سب کو میرا سلام محبت -

تمہاری می

مئی ۱۹۱۵ء

ڈارلنگ مجھے آٹھ گھنٹہ تک شالون در انتظار کرنا پڑا ، اور میں آج صبح ۵ بجے ورڈن تک پہونچ سکی ہوں - کار بھی آ گئی ہے - ہم تیاری کر رہے ہیں -

می

اپریل ۱۹۱۵ء میں ایک روز شام کے وقت میری گھر لوٹی تو اس کا چہرہ معمول سے زیادہ زرد تھا - اس سے اس کی پریشانی کا حال پوچھا گیا ، لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا اور کمرے کا دروازہ بند کرلیا -

وہ آج بہت مغموم تھی - آج ہسپتال سے واپسی پر کار میں ایک زور کا جھٹکا لگا اور شوفر سمیت موٹر ایک خندق میں گر پڑی -

کار ٹوٹ گئی اور میری جو کار کے اندر اپنے آلات کے داس بیٹھی تھی وہ تقریباً بوجھ کے اندر دفن ہوگئی ، لیکن وہ اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکی ، کیونکہ اس نے شوفر کی آواز سنی جس کے اوسان خطا ہو چکے تھے ، اور وہ بالکل بوکھلایا ہوا تھا ۔ وہ ٹوٹی ہوئی کار کے چاروں طرف گھوم رہا تھا ، اور آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا میڈم میڈم کیا آپ مر چکی ہیں ۔

اس نے گھر والوں کو اپنی یہ بپتا سنائے بغیر اپنے زخموں کی مرہم پٹی شروع کر دی ۔ زخم بہت معمولی تھے ۔ اس حادثے کی خبر اخبار میں چھپ گئی ۔ جس کمرے میں وہ لباس تبدیل کرتی تھی وہاں خون کے دھبے پائے گئے ۔ اس طرح گھر والوں کو پتہ چل گیا ، لیکن وہ باز نہ آئی اور دوبارہ پیلے چمڑے کا تھیلا اور سر پر ہیٹ رکھ کر جیب میں چمڑے کی تھیلی رکھ کر وہ مردانہ وار محاذ جنگ پر روانہ ہو گئی ۔

۱۹۱۸ء میں وہ چمڑے کی اس تھیلی کو کسی دراز میں رکھ کر بھول گئی ، اور پھر ۱۹۳۴ء تک اسے کوئی نہ چھو سکا ۔ اس کی موت کے بعد ہی یہ تھیلی ملی ۔ اس میں ایک شناختی کارڈ رکھا تھا ، جس پر لکھا تھا " مادام کیوری ڈاکٹر ایکسرے سروس " اسی تھیلی میں ایک فوجی اختیارنامہ بھی رکھا تھا ، جس میں لکھا تھا کہ مادام کیوری فوجی موٹریں استعمال کر سکتی ہیں اور ایک کاغذ پر انجمن خواتین فرانس کے دس مقاصد بھی درج تھے ۔ اسی تھیلی میں چار فوٹو ملے ، ایک فوٹو میری کا تھا ، ایک اس کے باپ کا اور دو فوٹو اس کی ماں کے تھے ۔

اسی تھیلی کے اندر دو چھوٹے چھوٹے لفافے ملے جن میں بیج بھرے ہوئے تھے - یہ بیج وہ اپنی تجربہ گاہ میں بونا چاہتی تھی - ان لفافوں پر لکھا ہوا تھا - یہ سرکاری بیج ہیں اور یہ روز میری - ۱ کے بیج ہیں ، اور اپریل سے جون تک بوئے جا سکتے ہیں -

مادام کیوری نے اپنی حیرت انگیز زندگی کے لئے کوئی لباس فاخرہ نہ تیار کیا تھا - اس کے تمام کپڑے پرانے تھے ، اور وہ بازو پر ریڈ کراس کا بلہ لگاتی تھی - اس نے منہ پر نرسوں والا ڈھاٹا کبھی نہ باندھا - وہ ہسپتال میں ننگے سر کام کرتی تھی اور سفید رنگ کا معمولی بلاؤز پہنتی تھی -

اس کے بھتیجے مارس کیوری نے اسے خط لکھا - یہ توپ خانے میں ملازم تھا - اس نے اپنے خط میں لکھا " آئبرین مجھے بتاتی ہے کہ آپ یہاں سے تھوڑی دور ورڈن کے مقام پر ہیں - میں ہر میڈیکل کار میں جو ادھر سے گزرتی ہے ، جھانک کر آپ کو دیکھتا ہوں ، لکن کار کے اندر پٹی دار ٹوپیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا - میں نہیں سمجھتا کہ فوجیوں نے آپ کے شوفر کو بھی باضابطہ انسان بنا دیا ہوگا ، کیونکہ اسے ضابطہ کے اندر لانا بہت مشکل ہے " -

اس خانہ بدوش عورت کو اپنے گھر کی کوئی پروا نہ تھی - گھر میں کئی بدعنوانیاں ہو گئیں - آئبرین اور ایو

۱- روز میری ایک قسم کی سداہ بہار جھاڑی ہوتی ہے ، جس کے پتوں سے خوشبو تیار کرتے ہیں ، اور بطور یادگار ایک دوسرے کو دیتے ہیں -

اپنی پڑھائی میں مشغول رہیں ۔ وہ برا بھلا کچھ نہ کچھ پڑھتی جا رہی تھیں ۔ وہ فوجیوں کے لئے سوئیٹر بنتی تھیں ، اور اپنے کھانے کے کمرے میں جنگی نقشہ لگاتی تھیں ۔ گرمیوں کی چھٹیاں آگئیں ، اس دفعہ اس کی بچیوں نے اس کے بغیر ہی تعطیلات منائیں ۔ ماں نے آئیرین اور ایو سے کہہ دیا تھا کہ جس وقت بم باری ہو تو تہ خانوں میں چھپنے کے بجائے وہ بستر ہی پر لیٹیں ۔ فرانس کے کسان کھیت چھوڑ کر لام پر چلے گئے تھے ۔ اب فصلیں کون کاٹتا ۔ یہ ۱۹۱۶ء کی بات ہے ۔ فصل کاٹنے والوں کی ایک انجمن بنائی گئی ۔ میری نے اپنی دونوں بچیوں کو اس انجمن میں بھرتی کرا دیا ۔ ان تعلیم یافتہ لڑکیوں نے پندرہ روز تک ھنسیا سنبھالا ۔ غلے کے گٹھے تیار کئے اور مشین کے ذریعے غلے کو اوسایا ۔ ۱۹۱۸ء میں بگ برتھا پر بم باری کے باوجود دونوں لڑکیاں پیرس میں رہیں ۔ میرا خیال ہے کہ میری اپنی دونوں لڑکیوں کو ضرورت سے زیادہ احتیاط پسند بنانا نہ چاہتی تھی ۔

ایو اب تک اپنے آپ کو کارآمد نہ بنا سکی ۔ لیکن آئیرین نے سترہ سال کی عمر میں ریڈیم کا کام شروع کر دیا ۔ وہ اپنے اسکول کا کام بھی باقاعدگی سے کرتی تھی اور یہ مشغلے بھی جاری رکھتی تھی ۔ وہ پہلے پہلے اپنی ماں کی مددگار بنی اور پھر اسے بعض کام سونپ دیئے گئے ۔ میری اسے شفاخانوں میں بھیجتی تھی اور اسے معلوم ہو گیا تھا کہ آئیرین کو جو کام سونپا جاتا ہے وہ اسے کم سنی کے باوجود ذمہ داری کے ساتھ پورا کرتی ہے ۔ مادام کیوری اور

اس نوجوان لڑکی میں ایک دوستانہ اور دلکش رفاقت پیدا ہوچکی تھی - اب پولینڈ کی یہ عورت تنہا نہ تھی ، اب وہ اپنے دکھ درد اور اپنے کام کے بارے میں اپنی رفیقۂ کار سہیلی یعنی اپنی بیٹی سے گفتگو کر سکتی تھی -

حکومت نے ملک کے عوام سے کہا ہے کہ ان کے پاس جتنا سونا ہو وہ حکومت کو چندے کے طور پر دیدیں - اس نے اپنی بیٹی سے بتادیا -

میرے پاس جتنا بھی تھوڑا بہت سونا ہے میں دینے جا رہی ہوں ، اور مجھے انعام میں جو سونے کے تمغے ملے ہیں وہ میرے لئے بیکار ہیں ، وہ بھی میں چندے میں دیدوں گی - اس کے علاوہ حسن اتفاق سے بلکہ محض میری کاہلی کی وجہ سے میرے پاس دولت بھی جمع ہو گئی ہے - مجھے دوسری مرتبہ جو نوبل پرائز ملا تھا اس کی رقم میں نے اسٹاک ہام سے ابھی تک نہیں منگوائی ہے، یہ اچھی خاصی رقم ہے - میں اس رقم کے کرنسی نوٹ اپنے ملک کے نوٹوں میں بدلوا لوں گی اور ساری رقم جنگی چندے میں دے دوں گی - ملک کو اس کی ضرورت ہے - اگر میرے پاس یہ رقم رہے گی تو ضائع ہو جائے گی - میں ایسی حماقت نہیں کرنا چاہتی ، لیکن تم سے رائے لینا ضروری سمجھتی ہوں -

سوئیڈن کی کرنسی فرانس کی کرنسی میں تبدیل ہو گئی اور میری وہ رقم اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی نہ سکی کہ وہ بالا ہی بالا حکومت کے خزانے میں پہونچ گئی - وہ اپنا سونا لے کر بینک آف فرانس میں گئی - بینک کے مینجر نے اس کی رقم اور سونا قبول

کر لیا ، لیکن تمغوں کو دیکھ کر اسے بڑا غصہ آیا اور اس نے ایسے شاندار تمغوں کو پگھلانے سے انکار کر دیا ۔ میری اس بات سے خوش نہ ہوئی ، اسے مینجر کی اس لغو حرکت پر غصہ آیا ، اور وہ اپنے کاندھوں کو جھٹک کر وہاں سے واپس آگئی ۔

اسے جب بھی گھنٹے آدھ گھنٹے کی مہلت ملتی تو وہ ریو پیئر کیوری کے باغ کی بنچ پر بیٹھ جاتی جہاں پھول دار درخت اگ رہے تھے ۔ وہ ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کی طرف دیکھتی ۔ یہ عمارت بالکل نئی تھی لیکن بالکل ویران تھی ۔ وہ اپنے ساتھیوں کو یاد کرتی جو سب کے سب لام پر جا چکے تھے ۔ وہ اپنے حسین اسسٹنٹ پول جان ڈینے کو یاد کرتی جو جنگ میں ہیرو کی موت مرا تھا ۔ وہ آہ بھرتی ۔ یہ خونی ڈرامہ کب ختم ہوگا ، اور وہ کب اپنا سائنسی کام دوبارہ شروع کر سکے گی ۔

وہ خیالی پلاؤ پکا کر وقت ضائع کرنے کی قائل نہ تھی ۔ جنگ کے خاتمے کا انتظار کئے بغیر وہ آہستہ آہستہ تیاریاں کرنے لگی ۔ اس نے ریو کیویر کی تجربہ گاہ سے ساز و سامان اٹھا کر ریو پیئر کیوری میں جمع کر دیا ۔ اس نے سامان لپیٹا ، بنڈل باندھے ، بنڈل کھولے ، تھوڑا تھوڑا کرکے سامان اپنی چھکڑا موٹر کار میں لادا اور لاد کر یہ سامان ایک بلڈنگ سے دوسری بلڈنگ میں پہونچا دیا ۔ اس طرح اس نے یہ اہم کام انجام دے لیا ، جس کے نتائج بہت جلد ظاہر ہوئے ، یعنی نئی تجربہ گاہ تیار ہوگئی ۔ میری نے اپنی تجربہ گاہ کے چاروں طرف مدافعت کے لئے ریت سے بھرے ہوئے بورے رکھ دیئے ۔ ۱۹۱۵ء کے آغاز میں وہ بورڈ گس

جا کر ریڈیم واپس لے آئی ، اور یہ ریڈیم اس نے قوم کی مرضی پر چھوڑ دیا ۔

ایکسرے کی طرح انسانی جسم پر ریڈیم کے بھی مختلف اثرات ظاہر ہوئے ۔ ۱۹۱۴ء میں ابھی حکومت کی طرف سے علاج کے لئے کوئی خاص تنظیم نہ کی گئی تھی ، چنانچہ میری نے فی‌الفور طبی امداد مہیا کر دی تھی ۔ اب وہ سوچ رہی تھی کہ وہ اپنی ریڈیم سے قوم کی خدمت کرے ۔ ریڈیم سے ایک گیس نکلتی ہے ، ہر ہفتہ وہ اس گیس کو جمع کرتی تھی ، بعد میں اس نے اس گیس کو نلکیوں میں بند کرکے گرین پالیس کے ہسپتال اور دوسرے طبی مرکزوں کو بھیجا ۔ جلدی امراض اور شدید سے شدید زخم کے لئے یہ گیس نیر بہدف ثابت ہوئی ۔

ایکسرے کاریں ، ایکسرے اسٹیشن اور ریڈیم کے ذریعے علاج . . . ابھی اس سے زیادہ اور کچھ بھی ظاہر ہونے کو تھا ۔ میری کو پریشانی یہ تھی کہ اس کے پاس تربیت یافتہ عملہ نہ تھا ۔ اس نے طے کیا کہ وہ ریڈیم کی تعلیم کا ایک کورس شروع کرے گی ۔ ابتدا میں تقریباً بیس نرسیں کورس پڑھنے کے لئے ریڈیم اسکول میں داخل ہوئیں ۔ پروگرام کے مطابق بجلی اور ایکسرے پر اسباق پڑھانے تھے ، کچھ تجربے کرانے تھے اور کچھ اناٹمی بھی سکھانی تھی ۔ پڑھانے والیوں میں ایک تو مادام کیوری تھیں ، دوسری آئیرین کیوری اور تیسری ایک بڑی خوبصورت اور تعلیم یافتہ خاتون مس کلائن تھیں ۔ اس طرح ۱۹۱۶ء سے ۱۹۱۸ء تک جو طلباء داخل ہوئے ان میں سے ڈیڑھ سو طلباء تربیت پا کر نکلے ۔

ان میں سے بعض کی تعلیم بہت ناقص تھی ۔ یہ لوگ شروع شروع میں مادام کیوری کی شخصیت سے مرعوب ہوتے تھے لیکن بہت جلد اس کے مخلصانہ اور مشفقانہ رویہ سے مانوس ہو جاتے تھے ۔ میری میں ایک بہت بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ سائنس کی تعلیم نہایت سادہ الفاظ میں دیتی تھی ۔ اس طرح اس کی بتائی ہوئی سب باتیں ذہن نشین ہو جاتی تھیں ۔ اس میں باقاعدگی کے ساتھ کام کرنے کا مذاق اتنا زیادہ تھا کہ ایک مرتبہ ایک نو آموز لڑکی اسکول میں داخل ہوئی ۔ یہ پہلے کسی امیر گھرانے میں ماما گیری کرتی تھی ۔ جب یہ لڑکی پہلی مرتبہ ایکسرے کی پلیٹ تیار کرنے میں کامیاب ہوگئی تو مادام کیوری اتنا خوش ہوئیں کہ جیسے یہ ان کی اپنی فتح ہے ۔

فرانس کے حمایتی بھی اس کے پاس پہونچے ۔ ۱۹۱۴ء میں وہ گاھے گاھے بیلجیم کے شفاخانوں کا معائنہ کرتی تھی ۔ ۱۹۱۸ء میں وہ اطالوی حکومت کی درخواست پر ایک مشن لے کر اٹلی پہونچی ، جہاں اس نے ضوریز مادوں کے سلسلے میں اس ملک کی معدنیات کا مطالعہ و مشاہدہ کیا ۔ اس کے کچھ عرصے بعد اس نے امریکن فوجوں کے بیس سپاھیوں کو اپنی تجربہ گاہ میں خوش آمدید کہا ۔ وہ ان سب کو ضوریز مادوں کے بارے میں بتانا چاہتی تھی ۔

اس کے نئے پیشے کی وجہ سے اس کے مراسم طرح طرح کے لوگوں سے ہو گئے ۔ بہت سے سرجنوں نے ایکسرے کے فوائد کو سمجھ کر اس عورت کو اپنا بہت بڑا رفیق کار سمجھا ۔ بعض جاھلوں نے اس کے آلات کو گہرے شک و شبہ کی نظر سے دیکھا ،

لیکن چند ھی تجربوں کے بعد انہیں یہ دیکھ کر حیرت ھوئی کہ یہ مشین تو کام کرتی ھے - انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا - جب ایکسرے کے ذریعے گولی کی نشاندھی کی گئی ، وہ فوراً قائل ھو گئے ، اور اس عورت کے معجزوں کے قائل ھو گئے -

فیشن ایبل خواتین جو ان شفاخانوں کی مربی تھیں وہ سفید بالوں والی اس عورت کو دیکھ کر ایک ھی نظر میں اس کی اوقات اور اس کی حیثیت کا اندازہ لگاتی تھیں اور بعض اوقات یہ نک چڑھی اور بد دماغ عورتیں اس سے ملازماؤں جیسا سلوک کرتی تھیں - میری ان کی غلط فہمی سے لطف اندوز ھوتی تھی - جب وہ ان عورتوں کے گھٹیا غرور اور ادنیٰ درجہ کی شان و شوکت سے کسی قدر تنگ ھوتی تھی تو وہ یہ کہہ کر اپنے دل کو سمجھا لیتی تھی کہ وہ ایک خاموش رھنے والی نرس اور ارادے کی اٹل سپاھی ھے - اس کی رفاقت میں کون لوگ کام کر رھے تھے - بلجیم کی ملکہ الزبتھ اور بادشاہ البرٹ -

اکثر میری افسردہ ھوتی تھی ، لیکن وہ اس کے باوجود زخمیوں کی دل جوئی کرتی تھی - وہ کسان اور مزدور جو اب سپاھی بن کر زخمی ھوئے تھے ، اکثر ایکسرے کی مشین دیکھ کر ڈر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ اس مشین سے انہیں کوئی نقصان پہونچے گا - میری انہیں یقین دلاتی اور کہتی ” تم نے کبھی فوٹو تو ضرور کھینچوایا ھوگا ، یہ مشین بالکل فوٹو کی طرح ھے “ وہ ان سے ایسی باتیں کرتی جسے سن کر وہ بہت خوش ھو جاتے تھے - اس کی آواز میں بڑی نرمی اور مٹھاس تھی - وہ بڑے صبر سے کام کرتی تھی اور اس

کے دل میں انسان کی زندگی کا بے حد احترام تھا ۔ ایک انسان کی زندگی بچانے کے لئے یا اسے دکھ سے نجات دینے کے لئے وہ ہر قربانی کے لئے تیار تھی ۔ وہ اعضاء کی قطع و برید کا اسی وقت انتظام کرتی جب اس کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا تھا ۔

ان چار برسوں میں اس نے جو سختیاں جھیلیں اور جن خطرات سے اسے دوچار ہونا پڑا ان کا اس نے کبھی ذکر نہ کیا ۔ اس نے نہ تو اپنی بے پایاں تھکن کا ذکر کیا نہ اپنی جان کے خطرے کا ذکر کیا ، اور نہ کبھی یہ بتایا کہ ایکسرے اور ریڈیم کا اس کے جسمانی نظام پر کیسا برا اثر پڑ رہا ہے ۔ وہ اپنی ساتھیوں کے سامنے اپنا چہرہ اس طرح بنائے رہتی جیسے اسے کسی بات کی فکر ہی نہیں ہے ، اور وہ بہت خوش ہے ، اتنی خوش کہ پہلے کبھی وہ اتنی خوش نہ تھی ۔ جنگ نے اسے خوش مزاجی کا سبق دیا تھا کہ خوش مزاجی حوصلہ کا بہترین نقاب ہے ۔

اندرونی طور پر اسے کوئی خوشی نہ تھی ، بس ایک سی کیفیت تھی ۔ اندر ہی اندر اسے ایک کرب محسوس ہوتا تھا اور جب وہ یہ سوچتی تھی کہ اس کا سائنسی کام معطل ہو چکا ہے تو اسے بہت دکھ ہوتا تھا ، اور وہ یہ سوچ کر بھی پریشان ہوتی تھی کہ عرصہ ہو گیا میکے سے کوئی خبر خبر نہیں آئی ہے ۔ بھائی بہنوں کو یاد کرکے اس کے دماغ میں خوفناک قسم کا انتشار پیدا ہوتا تھا ۔ اسے دنیا کی حالت کا بڑا احساس تھا ۔ ہزاروں کٹی ہوئی لاشوں کے انبار وہ دیکھ چکی تھی ۔ یہ لاشیں اس کی نظروں میں پھرا کرتی تھیں ۔ زخمیوں کی چیخیں اور کراہیں اس کے

کانوں میں گونجا کرتیں تھیں ، اور اس کے حافظے کی یہ یادیں مدتوں اس کی زندگی کو غمناک بنائے رکھیں گی ۔

وہ اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھی ہوئی تھی کہ اچانک ہنگامی صلح کے اعلان کے لئے بندوقیں دغنے لگیں ۔ وہ حیران رہ گئی ۔ وہ اپنی تجربہ گاہ پر فرانس کا جھنڈا نصب کرنا چاہتی تھی ۔ میری خوشی سے کانپنے لگی۔ وہ مس کیلائین کے ساتھ جھنڈا تیار کرنے میں مصروف تھی ، لیکن اس کی سوئی رک گئی ۔ وہ مس کیلائین کے ساتھ اسی پرانی ایکسرے کار میں گئی جس کی صورت بگڑ چکی تھی ، اور جو چار سال کی مہم جوئی سے تباہ ہو چکی تھی ۔ پی ۔ سی ۔ این اسکول کے ایک ملازم نے شوفر کا کام انجام دیا ، اور کسی نہ کسی طرح موٹر چلانے لگا ۔ کار سڑک پر آ چکی تھی اور مسرور انسانوں کے گروہ نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا تھا ۔ یہ کار ڈی لا کان کارڈلے میں جا کر ٹھہرگئی ۔ لوگ کار کی چھت پر سوار ہو گئے اور جب یہ کار واپس ہوئی تو اس پر ایک درجن افراد سوار ہو گئے ۔

میری کو دوہری فتح حاصل ہوئی تھی ۔ پولینڈ راکھ کے ڈھیر سے پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور ڈیڑھ سو سال کی غلامی کے بعد اب پھر ایک آزاد ملک تھا ۔

اسے اپنا بچپن یاد آگیا ۔ وہ کتنی مظلوم بچی تھی ۔ اسے اپنی جوانی کی تمام سرگرمیاں یاد آ گئیں ۔ اس نے زار روس کے مظالم کے خلاف زمانہ سازی سے کام لے کر جو کام کئے تھے وہ رائگاں نہ گئے ۔ وہ فلوٹنگ یونیورسٹی میں داخل ہوئی تھی اور وارسا میں جلسے کیا کرتی تھی ، اور زوسکی میں کسانوں کے ننھے بچوں کو

پڑھاتی تھی ۔ حب الوطنی کے جوش میں اس نے ایک مرتبہ سب کچھ قربان کرنے کا تہیہ کر لیا تھا، حتیٰ کہ وطن کی خاطر وہ پیئر کیوری محبت سے بھی دست بردار ہونا چاہتی تھی ۔

میری کا خط جوزف کے نام، دسمبر ۱۹۲۰ء

ہم جو بچپن سے غلامی کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے تھے اب ہم آزاد ہیں ۔ ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر مل چکی ہے ۔ ہمیں امید نہ تھی کہ ہم اپنی زندگی ہی میں یہ خوشی دیکھ سکیں گے ۔ ہم سوچا کرتے تھے کہ شاید ہمارے بچے بھی یہ خوشی نہ دیکھ سکیں گے اور اب ہم اپنی ان آنکھوں سے یہ خوشی دیکھ رہے ہیں ۔ یہ سچ ہے کہ ہمارے ملک کو اس ۔ ی کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے، اور آئندہ بھی ادا کرنا پڑے گی، لیکن کیا ہم موجودہ صورت حال کا اس تلخی اور بے حوصلگی سے مقابلہ کر سکتے ہیں جو ہمیں کچل ڈالتی، اگر جنگ کے بعد بھی پولینڈ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا رہتا اور اس کے حصے بکھرے پہلے کی طرح ہوتے ۔ تمہاری طرح مجھے بھی اچھے مستقبل پر یقین ہے ۔

یہی یقین میری کی تشفی کرتا تھا اور اسی یقین کے تحت وہ اپنے ذاتی مصائب کو بھولے ہوئے تھی ۔ جنگ نے اس کے سائنسی کام کو معطل کر دیا تھا، جنگ نے اس کی صحت برباد کر دی تھی، جنگ نے خود اسے برباد کر دیا تھا ۔ وہ پونجی جو اس نے چندے میں دے دی تھی برف کی طرح پگھل

چکی تھی ، اور جب وہ اپنی مالی حالت پر غور کرتی تھی تو وہ مضطرب ھو جاتی تھی ۔اب اس کی عمر پچاس سال سے زیادہ تھی ، لیکن وہ اب بھی غریب تھی ۔ اپنی اور اپنی بچیوں کی گزر بسر کے لئے اسے صرف تنخواہ کا سہارہ تھا جو اسے پروفیسر کی حیثیت سے ملتی تھی ، اور یہ تنخواہ بارہ ھزار فرانک سالانہ تھی ۔ کیا اس کی طاقت کبھی جواب نہ دے گی ، کیا وہ ھمیشہ پروفیسری کرتی رہے گی ، کیا وہ ھمیشہ تجربہ گاہ کی ڈائرکٹر بنی رہے گی ۔

ریڈیم اسکول میں نو آموز طالب علم برابر داخل ھوتے رہتے تھے ۔ اب میری پھر سائنسی مشاغل میں مصروف ھو چکی تھی ۔ اس سے کہا گیا تھا کہ وہ ایک کتاب لکھے جس میں وہ یہ بتائے کہ ریڈیم نے زمانہ جنگ میں کیا کارنامے کئے ۔ اس کتاب میں اس نے اپنی طرف سے ریڈیم کی دریافت اور اس وقعت کے بارے میں لکھ دیا تھا ۔

جنگ کے زمانے میں ایک بات تو ظاھر ھو گئی تھی کہ سائنس کی خالص دریافتوں سے بھی فوائد پہونچ سکتے ھیں ۔ اور جنگ کے زمانے میں ریڈیم ھمہ گیری اور وسعت کا ثبوت مل گیا تھا ۔

زمانہ جنگ میں ایکسرے نے محدود پیمانے پر فوائد پہونچائے تھے ۔ میری نے ھمت سے کام لیا اور ایکسرے سے لامحدود فوائد پہونچنے لگے ، جو بظاھر مشکل نظر آتا تھا وہ آسان بن گیا ، اور مسئلہ کا فوری حل نکل آیا ۔ جادو کی طرح سامان اور افراد کی

حمایت حاصل ہوگئی۔ جو اسے نہیں سمجھتے تھے انہوں نے اسے منظور کر لیا ، جو نہیں جانتے تھے انہوں نے اسے جان لیا ، جو بے تعلق تھے انہوں نے اس کے لئے زندگی وقف کر دی ، اور اس طرح علمی تحقیق کو عملی دنیا میں قدم رکھنے کا موقع ملا۔ یہ ہی حال ریڈیم کے ساتھ ہوا ، یعنی ریڈیم سے طبی فوائد پہونچنے لگے۔

انیسویں صدی کے اختتام پر ہمیں یہ معلوم ہوا کہ خشک اور بے مزہ تحقیق کا بھی کوئی نہ کوئی مصرف نکل سکتا ہے۔

یہ بات تقریباً ناممکن ہے کہ اس چھوٹی سی کتاب میں وہ خشک باتیں درج کی جائیں جن سے میری کے تحقیقی کام پر روشنی پڑے۔ اس نے جو کچھ تحقیق کی اس میں اپنا نام ظاہر کرنے سے اسے بے حد پرہیز تھا۔ اسے میں کے لفظ سے بڑی نفرت تھی۔ وہ میں کی جگہ پر کہیں طبی انجمن کا نام لکھتی ہے اور کہیں پر میں کی جگہ پر ہم کا لفظ استعمال کرتی ہے۔ وہ چاہتی تھی کہ اس نے جتنی تحقیق کی ہے اس میں اس کا نام کسی صورت سے ظاہر نہ ہونے پائے ، لیکن بعض موقعوں پر اسے مجبوراً اپنے آپ کو ظاہر کرنا پڑا۔

میری کو یہ احساس تھا کہ اس نے اپنے مقدور کے مطابق فرانس کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس سے پہلے جب اسے لیجن آف آنر کا تمغہ دیا گیا تو اس نے انکار کر دیا تھا ، لیکن اس کے بے تکلف دوستوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ اگر اسے ۱۹۱۸ء کا سپاہی تسلیم کرکے کوئی فوجی تمغہ دیا جاتا تو وہ اسے قبول کر لیتی ، بہت سی خواتین کو تمغے ملے تھے ، لیکن اسے کوئی تمغہ نہ دیا

گیا تھا ، کیونکہ اس بڑے ڈرامے میں اس نے جو حصہ لیا تھا
وہ چند ہفتوں کے بعد لوگوں کے حافظے سے محو ہو چکا تھا ۔
اس کی اتنی خدمات کے باوجود کسی کو اتنا بھی خیال نہ آیا
کہ لاؤ اس چھوٹی سی سپاہی عورت کے سینے پر تمغہ لگا دیں جس
کا نام میڈم کیوری ہے ۔



بائیسواں باب

امن ۔۔۔۔۔ لائرکوائیس میں تعطیلات

دنیا کو اپنا کھویا ہوا امن چین واپس مل گیا - میری نے اعتماد اور امید کے ساتھ ، جو کمزور سے کمزور تر ہوگئی تھی ، پھر شیرازہ بندی شروع کی -

قدرتی طور پر یہ عورت ولسن کے نظریات کی قائل اور لیگ آف نیشن پر اعتقاد رکھتی تھی ، وہ راسخ‌الخیالی کے ساتھ چاھتی تھی کہ انسانوں کی درندگی ختم ھو اور وہ ایک صلح کے خواب دیکھا کرتی تھی ، جس میں بغض و عناد اور نفرت کا نام و نشان تک نہ ھو۔ وہ بعض اوقات کہا کرتی تھی کہ یا تو دنیا سے ایک ایک جرمن نیست و نابود ھو جائے (حالانکہ میں ایسا نہیں چاھتی) یا پھر انہیں امن اور چین سے رھنے دیا جائے -

جیتے ھوئے ملکوں کے سائنس دانوں سے تعلقات کا آغاز ھوا - مادام کیوری نے مخلصانہ طور پر کوشش کی کہ ماضی کی تلخیاں بھلا دی جائیں ، اب وہ اخوت اور بھائی چارہ کی فضا دیکھنا چاھتی تھی - وہ کسی جرمن سائنس دان سے ملاقات کرنے سے پہلے یہ معلوم کرنے پر مصر تھی کہ آیا اس جرمن سائنس داں نے منشور نمبر ۹۳ پر دستخط کر دیئے ھیں - اگر اس نے دستخط کر دیئے ھیں تو وہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آئے گی ، اگر دستخط

نہیں کئے ہیں ، تو وہ اس سے زیادہ دوستانہ فضا میں بات کرے گی اور اپنے اس ہم پیشہ سے اگر جنگ دوبارہ نہ چھڑ گئی تو آزادی کے ساتھ سائنس پر گفتگو کرے گی -

جو کچھ ہنگامی صورت حال ہوئی تھی ، اس میں میری کے رویہ نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ایسے موقعوں پر دانشوروں کا کیا فرض ہونا چاہئے - وہ یہ نہیں سوچ سکتی تھی کہ بڑے لوگوں کے دماغ جنگ سے بالا تر ہوتے ہیں ، کیونکہ اس نے چار سال تک فرانس کی وفاداری کے ساتھ خدمت کی تھی اور انسانی زندگیوں کو بچایا تھا ، لیکن اس نے دیکھا تھا کہ بعض دانشوروں نے سازشیں تک کیں تھیں - مادام کیوری دریائے رائین کے اس پار بسنے والے ادیبوں اور سائنسدانوں پر یہ الزام عائد کرتی تھی کہ وہ منشور کے گیت گاتے تھے - بعد میں وہ روسی سائنسدانوں پر بھی الزام عائد کرنے کو تھی ، جنہوں نے روسی پولیس کے طریقۂ کار کو کھلم کھلا پسند کیا تھا - ایک دانشور اگر اپنے تمدن اور اپنی آزادیٔ افکار کا بہت بڑا محافظ نہیں ہے تو اس نے اپنے مشن سے غداری کی ہے -

میری کوئی جنگ باز تو تھی نہیں اور نہ وہ کسی کی طرف دار تھی - ۱۹۱۹ء میں ہم اسے ایک خالص سائنسدان ہی کی حیثیت سے دیکھتے ہیں -

وہ ریو پیئر کیوری کی عمارت کو بڑی سرگرمی سے دیکھتی تھی ، جس میں اب خاصی گہما گہمی تھی ، اب اس کی پہلی توجہ اس نکتے پر تھی کہ زمانۂ جنگ میں جو غیر معمولی سائنسی

کام ہو چکا ہے اسے برباد نہ ہونے دیا جائے ۔ ڈاکٹر ری گاؤ کی نگرانی میں ریڈیم کے ذریعے سے علاج ہو رہا تھا ، جنھوں نے جنگ کے بعد شعبئے علم الحیات کو سنبھال لیا تھا ۔ شعبئے طبعیات میں مادام کیوری اپنے کارکن رفقاء کے ساتھ ان تجربات میں مصروف ہو گئی جو ۱۹۱۴ء کی جنگ کی وجہ سے مختل ہو گئے تھے ، اس نے ان نامکمل تجربات کے علاوہ چند نئے تجربوں کا آغاز بھی کیا ۔

اس معمر خاتون کی نسبتاً زیادہ نارمل زندگی نے اسے موقع دیا کہ وہ آئیرین اور ایو کے مستقبل کی طرف زیادہ توجہ صرف کرے ..... یہ دونوں دیو قامت لڑکیاں اس سے زیادہ بھاری بھر کم تھیں ۔ بڑی لڑکی کی عمر اکیس سال تھی ، اس کی طبیعت پرسکون تھی اور مزاج میں نہایت عمدہ توازن تھا ، اس نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی اپنے پیشے کے بارے میں فکر نہ کی ، اس سلسلے میں وہ کسی تذبذب میں مبتلا نہ تھی ، وہ ماہر طبعیات بنے گی اور وہ لازمی طور پر ریڈیم کا مطالعہ کرے گی ۔ اس کے والدین کی شہرت اور حاصل کئے ہوئے مقام نے نہ تو اس کی حوصلہ شکنی کی اور نہ کسی وہم میں مبتلا کیا ۔ اس کی طبیعت سادہ تھی اور مزاج میں کوئی بناوٹ نہ تھی ، آئیرین کیوری اسی شاہراہ پر چل پڑی تھی جس پر پیئر اور میری چل چکے تھے ، اس نے یہ بھی نہ دریافت کیا کہ اس کا مستقبل اس کی ماں کی طرح روشن ہوگا کہ نہیں ، وہ اس نام سے مرعوب نہ تھی جو بہت زیادہ عظیم المرتبت تھا ۔ اسے سائنس سے بے لوث محبت تھی ، اس کی

صلاحیتوں نے اس میں فقط ایک ہی جذبہ بدا کیا تھا ، یعنی اس تجربہ گاہ میں ہمیشہ ہمیشہ کام کیا جائے جسے وہ دیکھ چکی ہے ، بلکہ جس میں ۱۹۱۸ء میں اس کا نام اسسٹنٹ کے طور پر طے ہو چکا ہے ۔

میری کے ذاتی تجربے اور آئبرین کی خوش‌گوار مثال سے میری کو یہ یقین کرنے میں بہت سہولت ہوئی کہ یہ لڑکی اپنی زندگی میں جس ڈگر پر چل چکی ہے اس میں اسے مصائب کا سامنا نہ کرنا ہوگا ۔ میری ایو کو بھی پسند کرتی تھی ، اس میں سائنس کی صلاحیتیں تھیں ، وہ ڈاکٹر بن سکتی تھی اور ریڈیم کے ذریعے مریضوں کا علاج کر سکتی تھی ۔ اس کے باوجود ماں نے اپنی بیٹی کو اس سلسلے میں مجبور نہ کیا ۔ انتھک ہمدردی سے اس نے اپنی اس بیٹی کے من موجی منصوبے کی حمایت کی ، جب ایو نے موسیقی سیکھنا شروع کی تو ماں نے مسرت کا اظہار کیا ، اور اسے اختیار دے دیا کہ وہ جن استادوں سے چاہے موسیقی سیکھے اور سیکھنے کا جو طریقۂ کار چاہے اختیار کرے . . . . . اس نے بیٹی کو مکمل آزادی دے دی تھی ، یہ درست نہ تھا ۔ وہ اپنی غلطی کیوں کر دیکھ سکتی ، وہ لڑکی جسے اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا تھا ، خود رو بیل کی طرح بڑھ کر کیا بن سکتی تھی ؟

وہ بڑی محبت سے اپنی بیٹیوں کے مزاج پر غور کرتی تھی ، دونوں لڑکیاں اس کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں ۔ دونوں میں زمین آسمان کا فرق تھا ۔ وہ اس فرق کو محسوس کرتی تھی ، لیکن اس کے

باوجود دونوں بیٹیوں میں کسی قسم کا امتیاز روا نہ رکھتی تھی۔ وہ چاھتی تھی کہ اس کی بیٹیاں ھر حال میں اپنی ماں کو اپنا محافظ اور حامی و ناصر تصور کریں، بعد میں جب آئیرین کی شادی ھوگئی اور بچی کے بچے ھوئے تو وہ اپنی دریت کے درمیان محبت سے گھری رھتی تھی۔

میری کا خط آئیرین اور فریڈرک جولیئٹ کیوری کے نام،

۲۹ دسمبر ۱۹۲۸ء

میرے پیارے بچو۔ نیا سال مبارک ھو، یہ میری آرزو ھے کہ یہ سال تمھارے لئے بھاگوان ثابت ھو، یعنی اس سال تم دونوں تندرست رھو، تم دونوں خوش مزاج رھو اور تم دونوں اپنے فرائض اچھی طرح انجام دے سکو۔ اس سال کا ھر روز تمھارے لئے روز عید ثابت ھو اور دن اس طرح گزریں کہ تم اچھے دنوں کا انتظار کرو اور اچھے دن جلدی آ کر گزر جائیں پھر ان کی جگہ اور اچھے دن آ جائیں۔

میں تمھاری ننھی ھیلن کے بارے میں سوچ رھی ھوں، میری آرزو ھے کہ وہ خوش و خرم رھے۔ یہ بچی اچھی طرح پروان چڑھے کہ اس بچی کو تم پر بے پناہ بھروسا ھے، اور یہ تمھاری ذات سے ھر بات کی توقع کر سکتی ھے، ایک روز اسے معلوم ھوگا کہ تمھارے اختیارات اتنے وسیع نہیں ھیں جتنے وہ سمجھتی ھے۔ اس کے باوجود ھر شخص کی یہ خواھش ھوتی ھے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ وہ سب کچھ کر گزرے جو ممکن ھو۔۔۔۔

والدین کی پوری کوشش ھوتی ھے کہ ان کے بچوں کی صحت بہت اچھی رھے اور ان کا ماحول محبت سے معمور رھے ، اور اس ماحول میں ان کا اعتماد اتنی دیر تک قائم رھے جتنی دیر ممکن ھے -

---

میری کا خط بیٹیوں کے نام ، ۳ ستمبر ۱۹۱۹ء

. . . . . میں اکثر اس سال کے کام کے بارے میں سوچتی ھوں جو اب ھمارے سامنے کھلنے کو ھے - میں تم میں سے ھر ایک کے بارے میں سوچتی ھوں ، اور محبت ، مسرت اور تفکر میرے حصے میں آتا ھے - یہ قطعی طور پر درست ھے کہ تم دونوں میرے لئے بڑا مقدر ھو اور مجھے امید ھے کہ زندگی کے چند سال تم دونوں کے درمیان گزریں گے -

وجہ خواہ کچھ بھی ھو ، چاھے یہ وجہ ھو کہ جنگ کے بعد اس کی صحت کچھ بہتر ھو گئی تھی یا شاید یہ وجہ ھو کہ مزاج کے دھیمے پن کا زمانہ آ گیا تھا ، بہر حال ھوا یہ کہ میری جب عمر کے پچاسویں سال میں داخل ھوئی تو وہ بہت سنجیدہ ھو گئی - غم اور بیماری کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور ماضی کی کرب انگیز یادیں محروم ھو گئیں - میری دوبارہ مسرتیں نہ حاصل کر سکی ، لیکن روز مرہ زندگی کی چھوٹی چھوٹی مسرتوں سے محبت کرنے کا اسے سلیقہ آ گیا تھا - آئیرین اور ایو اب بھرپور عورت کا روپ اختیار کر رھی تھیں ، یہ دونوں بیماری کے خلاف جد و جہد کرتی تھیں ، اب انہیں ایک نیا ساتھی مل گیا تھا ، جس کا چہرہ بوڑھا تھا لیکن دل جوان تھا - آئیرین ، ایک انتھک کھلاڑی

عورت تھی ، اس نے اپنی ماں کو ترغیب دی کہ وہ اس کے کھیل کود میں حصہ لے ۔ وہ اسے کافی کافی دور تک اپنے ساتھ پیدل چلواتی تھی ۔ وہ اس سے سہسواری کرواتی تھی اور کسی حد تک اسے برف پر پھسلنے کی ترغیب دیتی تھی ۔

گرمیوں میں میری برٹینے پہنچ کر اپنی بیٹیوں کے ساتھ گھل مل گئی ۔ وہاں سے تھوڑی دور پر ایک گاؤں تھا ، جس کا نام لاکاؤسٹ تھا ۔ یہ ایک بڑا ھی پر سکون گاؤں تھا اور یہاں لغو اور بد ذوق لوگوں کا مجمع نہ تھا ، تینوں سہیلیوں نے یہاں مسحور کن تعطیلات گزاریں ۔

یہاں کی آبادی زیادہ تر ملاحوں ، کسانوں اور ساربوں کے پروفیسروں پر مشتمل تھی . . . . اس گاؤں کو مورخ چارلز سینوز اور علم الحیات کے ماہر (۱۸۹۵ء) لوئی لیپی کیوئے نے دریافت کیا تھا ۔ جیسے کولمبس کے پہلے سفر کو اھمیت ھے اسی طرح دونوں کو اس گاؤں کے سلسلے میں اھمیت حاصل ھے ۔ مادام کیوری اس نو آبادی میں بہت بعد کو آئیں ، اس گاؤں میں عام طور پر سائنسداں آ کر گرمیوں کی چھٹیاں گزارتے تھے ۔ ایک ظریف اخبار نویس نے اس گاؤں کا نام ” پورٹ سائنس ،، رکھ دیا تھا ، میری پہلے تو ایک دیہاتی کے مکان میں کرائے پر رھی تھیں پھر انہوں نے ایک اچھا مکان کرائے پر لیا جسے آخر میں انہوں نے خرید لیا تھا ۔ یہ مکان نہایت پر سکون اور خاموش مقام پر تھا ۔ چاروں طرف پیہڑ تھا اور سامنے پر سکون سمندر بہہ رہا تھا ، جس میں بے شمار چھوٹے بڑے جزیرے تھے ، یہ جزیرے موجوں

کو ساحل تک پہونچنے سے روکتے تھے - اسے روشنی کے سیاروں سے محبت تھی - اسے کرائے کے وہ مکان پسند نہ تھے جو سب ایک ہی طرح کے تھے ، بڑے بڑے میدان اور تنگ تنگ سے مکان ، بھونڈے کمرے اور ناقص فرنیچر - اسی لئے اس نے مکان خرید لیا تھا کہ وہ اپنی پسند کے مطابق بنا سکے -

میری ہر صبح جب کسی راستہ سے گزرتی تو اسے اجنبی راہ گیر ملتے ، جھکے ہوئے کاندھوں والی عورتیں ، آہستہ آہستہ چلنے والے کسان ، چھوٹے چھوٹے بچے جب مسکراتے نو ان کے کیڑے لگے ہوئے دانت نظر آتے ، وہ سب اسے دیکھ کر کہتے "میڈم کیوری سلام"، وہ لفظ کیوری کا صحیح تلفظ نہ کرسکتے تھے - کیسے معجزے کی بات تھی کہ میری اس بے تکلفی سے گھبرا کر بھاگنے کی کوشش نہ کرتی تھی - دیہاتیوں کو دیکھ کر مسکراتی تھی اور اسی لہجہ میں جواب دیتی تھی ، سلام ، سلام - یہ دیگر بات تھی کہ اس دیہات کے سادہ لوح باشندے کسی لالچ ، خود غرضی یا کسی مطلب سے سلام نہ کرتے تھے - وہ برابری اور انسانی برادری کی بنیاد پر سلام کرتے تھے ، وہ اس لئے سلام نہ کرتے تھے کہ میری نے ریڈیم ایجاد کی ہے یا یہ کہ اس کا نام اخباروں میں چھپا کرتا ہے - یہاں کی کسان عورتوں کے بال مضبوطی سے بندھے ہوتے تھے، اور سروں پر چونچ دار سفید ٹوپیاں پہنتی تھیں - میری تین چار سال برابر گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے اس گاؤں میں آتی رہی اور اس عرصہ میں اسے یہ احساس ہو گیا کہ اس گاؤں کی کسان عورتیں اسے کسان سمجھتی ہیں اور اپنی برادری کی عورت سمجھ کر اسے سلام کرتی ہیں -

اس گاؤں میں مادام کیوری نے جو مکان خریدا تھا وہ گاؤں کے دوسرے مکانوں کی طرح معمولی مکان تھا ۔ وہی نیچا نیچا چھپر اور وہی چھپر پر چڑھی ہوئی بیلیں ۔ اس میں ڈھلوان زمین پر ایک باغ بھی تھا جس میں کسی قاعدے اور ضابطہ کے بغیر پھولدار پودے لگے تھے ، اور ان میں بڑے شوخ رنگوں کے پھول نکلتے تھے ۔ مکان کے دروازے ہمیشہ چوپٹ کھلے رہتے تھے ، البتہ جب پوروائی چلتی تھی تو دروازے بند کر دیئے جاتے تھے ۔ ساربون یونیورسٹی میں تاریخ کا پروفسر چارلز سائینوبوس بھی اسی گاؤں میں رہتا تھا ، اس کی عمر ستر سال تھی ۔ بوڑھے پروفیسر کا قد بہت چھوٹا تھا ، لیکن وہ بڑا پھرتیلا تھا ، وہ عام طور پر سفید فلالین کا سوٹ پہنے رہتا تھا ، جس پر کالی دھاریاں بڑی ہوتی تھیں ۔ پرانے پن کی وجہ سے دھاریاں مٹ چکی تھیں اور سوٹ میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے ۔ گاؤں کے لوگ اسے موسیو سائینو کہتے تھے ، اور اس کے دوست اسے جہازی کپتان کہہ کر پکارتے تھے ۔ کپتان کے لفظ سے اس کی سیرت کا صحیح صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ۔ اسے اس گاؤں سے بڑی محبت تھی اور اس نے اس گاؤں کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی ۔ یہ بوڑھا آدمی ابھی تک کنوارا تھا ، لیکن ہر قسم کے لوگوں سے اس کی دوستی تھی ، اور عملی طور پر اس کی بیویوں کی تعداد کسی مسلمان بادشاہ سے بڑھ کر تھی ، اس کے دوست ہر عمر کے تھے ، دو سال سے لے کر اسی سال تک ۔

میری خلیج لاثونے کے کنارے کنارے ہو کر اس گاؤں تک پہونچی تھی ۔ پندرہ سیاح اس سے پہلے موجود تھے ۔ جب مادام کیوری یہاں پہونچیں تو یہاں کے باشندوں نے کسی

خاص مسرت کا اظہار نہ کیا، کیونکہ خانہ بدوش بنجارے نہ کسی کے آنے کی پروا کرتے ھیں اور نہ کسی کے جانے کی ۔ البتہ بوڑھے چارلز سائینوبوس نے اپنی عینک کے شیشوں سے جھانک کر میری کو دیکھا اور دوستانہ لہجے میں کہا "آخاہ یہ تو مادام کیوری آگئیں ھیں آئیے مادام آداب عرض،" آس پاس سے اور بھی چند سلاموں کی آوازیں بلند ھوئیں ۔ میری زمین پر بیٹھ گئی ، یہاں اور بھی بہت سے لوگ زمین پر بیٹھے تھے ۔

وہ ایک پرانا ھیٹ پہنے تھی ، جس کا استر ادھڑ چکا تھا۔ ایک پرانا اسکرٹ اور ایک ایسی پوستین پہنے تھی جسے ایک دیہاتی درزن نے سیا تھا ۔ یہ پوستین میری کے بتائے ھوئے نمونے کے مطابق سی گئی تھی ، اور یہ ایسی پوستین تھی جسے مرد عورت سائنس داں اور ماھی گیر بلا امتیاز پہن سکتے تھے ۔ وہ پیروں میں سینڈل پہنے ھوئے تھی ۔ اس کے سامنے ایک تھیلا رکھا ھوا تھا ۔ کم از کم پندرہ سیاحوں کے پاس ایسے ھی تھیلے تھے جو اس وقت یہاں گھاس پر بکھرے پڑے تھے ۔ اس تھیلے کے اندر غسل کرنے اور نہانے کا لباس تھا ۔

یہاں ایک اخباری نمائندہ اچانک پہونچ گیا ، اور اتنے لائق لوگوں کے مجمع میں خود کو دیکھ کر پھولا نہ سمایا ۔ اس گاؤں میں گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے کے لئے بڑے بڑے پروفیسر ، بڑے بڑے سائنس داں آئے تھے ، اور یہاں ھرے بھرے گھاس کے میدانوں پر الٹے سیدھے لیٹے ھوئے تھے ۔ اخباری نمائندہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا تھا کہ کہیں اس کا پاؤں فرانس کے کسی پروفیسر پر نہ

پڑ جائے جو کاہلی سے یہیں کہیں گھاس پر لیٹا ہوا ہو، یا کہیں کسی نوبل پرائز پانے والے کے ٹھوکر نہ لگ جائے - یہاں کیسے کیسے دانشوروں کا ہجوم تھا . . . . اگر آپ کسی ماہر طبعیات سے گفتگو کرنا چاہتے ہوں تو یہاں جین پیرین، مادام کیوری، آندرے دیبارنے اور وکٹر آگر موجود تھے - یہاں ایمائل بورل بھی موجود تھا۔جو نہانے کا لبادہ اس طرح پہنے ہوئے تھا کہ روم کا شہنشاہ نظر آتا تھا - اگر آپ علم الحیات پر گفتگو کرنا چاہتے ہوں تو یہاں لوئیس لیپی کبو اور چارلز مارین موجود تھے، اور پھر یہاں چارلز سائینوبوس بھی رہتا تھا - اس کے بارے میں پورے گاؤں کے بچے آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ گاؤں بھر کے لڑکوں کا کچا چٹھا جانتا ہے -

لیکن یہاں کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ یہ دانشور آپس میں طبعیات، تاریخ، علم الحیات یا ریاضی پر بالکل گفتگو نہ کرتے تھے - یہاں نہ کوئی کسی کی عزت کرتا تھا اور نہ کوئی نرمی سے پیش آتا تھا - یہاں انسانیت کو مصنوعی ضابطوں سے آزاد کر دیا گیا تھا - یہاں بوڑھے اور جوان سب برابر تھے - یہاں انسانوں کی صرف چار قسمیں تھیں - ایک تو فلسٹائن کہلاتے تھے - یہ اجنبی لوگ تھے اور گویا اس قبیلے میں عارضی طور پر آگئے تھے، انہیں جلد سے جلد خارج کرنے کی کوشش کی جائے گی - دوسرے گروہ کے انسانوں کو گھگھو کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ان میں شے لطیف کی کمی تھی، انہیں برداشت کیا جا رہا تھا، لیکن یہ لوگ سب کے مذاق کا نشانہ تھے - تیسری قسم لارکوسٹین کہلاتی تھی،

یہ لوگ ٹھیک ٹھاک تھے ، اور ملاح کہلاتے تھے ۔ آخری قسم کے لوگ بڑے ملاح کہلاتے تھے ، یہ لوگ مستری اور ھنر مند تھے ۔ مادام کیوری فلسٹائین تو کبھی نہ بن سکی ، وہ ملاح کہی جاتی تھی ۔

چارلز سائینوبوس نے اپنے گروہ کے افراد کو گنا اور انہیں رخصت کرنے کا اشارہ دیا ۔ ساحل کے کنارے دو بڑی کشتیاں اور چھ چھوٹی کشتیاں موجود تھیں ۔ ایو کیوری اور جین مارین نے بڑی کشتیاں پسند کر لیں ۔ سب کشتیاں روانہ ھوگئیں ۔ کشتیوں میں مسافر بھرے ھوئے تھے ۔ اس میں پہلا بیڑا کس کا تھا ۔ اب میں کشتی چلاؤں گی ۔ مادام کیوری کشتی چلائے گی ۔ فرانسس اسٹیر چلائے گا ۔

احکامات صادر ھو گئے ۔ ان احکام سے بعض دانشور گھبرا گئے ، لیکن عمل فوراً شروع ھوگیا ۔ اس وقت کشتی کے ملاح اور مانجھی سب بڑے بڑے پروفیسر تھے ۔ بعض پروفیسر فرانسس پیرین کا انتظار کر رہے تھے ، پیرین کسان تھا لیکن کشتی بہت اچھی چلالیتا تھا ۔ چارلز سائینو بوس نے کشتی کو پہلا دھکا دیا اور بیڑے کو رفتار سمجھا دی ۔ جین پیرین اتنی زور سے کشتی چلا رہا تھا کہ کشتی چکر گھنی بنی جا رھی تھی ۔ پیرین کے پیچھے ایمائیل بورل تھے اور بورل کے پیچھے مادام کیوری تھی ۔

سفید اور سبز کشتی بڑی باقاعدگی سے آگے بڑھ رھی تھی ۔ آپس کی تنقیدیں شروع ھو گئیں ، کسی نے کہا کشتی نمبر ۲ بہت سست ھے ۔ ایمائیل بورل نے کوشش کی کہ وہ اپنی غلطی سے

انکار کر دے ، لیکن جلد ھی اسے غلطی ماننا پڑی اور وہ کہنے لگی کشتی چلانا آسان کام نہیں ھے ۔

مسز چارلز سارمین خوبصورت خاتون نھیں ۔ ان کی آواز بہت اچھی تھی ، وہ ملاحوں والا گیت گانے لگیں ، سب اس گیت کو دھرانے لگے :

میرے ابا نے بنایا جب مکان
راج اور مزدور بلوائے گئے
کل وہ اسی راج تھے اے ھمنشیں

شمال مغرب کی طرف سے دھیمی دھیمی ھوا چل رھی تھی ، اس ھوا سے موسم خوشگوار ھو گیا تھا ۔ یہ ھوا ایک کشتی پر گائے جانے والے گیت کو دوسری کشتی تک پہونچا رھی تھی ۔ ان لوگوں کو ملاحوں کے کوئی تین چار سو گیت یاد تھے ۔ چارلز سائینو بوس لار کوسٹین ھر نئی نسل کو رٹاتا تھا ۔

دو تین گیتوں کے بعد بڑی کشتی لاڑی نیٹے تک پہونچ گئی ، ان میں سے ایک نے اپنی گھڑی دیکھی اور چلایا ۔ چھٹی ۔ اس نے یہ پروا نہ کی کہ مانجھی تھک گئے ھیں یا نہیں ، لیکن چونکہ قاعدے کے مطابق دس منٹ ھو چکے تھے اس لئے اس نے چھٹی لے لی تھی ۔ مادام کیوری ، بوریل اور سائینوبوس نے اپنی جگہیں چار دوسرے ممبروں کو دے دیں ۔

خالی کشتیوں کے پاس لوگوں نے لباس تبدیل کیا ۔ عورَتوں نے ریشمی کپڑے پہنے ۔ میری سیاہ رنگ کا لباس پہنے تھی ، یہ لباس تیرنے کے لئے مخصوص تھا ۔

مجھے اپنی ماں کی زندگی کے جو مختلف مناظر یاد ھیں ان میں سے وہ منظر آج تک میرے حافظے میں محفوظ ھیں جب وہ راج وراس میں گہرے اور ٹھنڈے پانی میں نہا رھی تھی ۔ وہ پانی کتنا صاف شفاف تھا ۔ وہ نہاتے وقت پانی میں رینگنے کی عادی نہ تھی جیسا کہ اس کی لڑکیاں عادی تھیں ۔ نہاتے وقت وہ اپنے ایک بازو کو پانی پر زور سے مارتی تھی اور خوبصورت اسٹائل سے تیرتی تھی ۔ اس نے اپنی بیٹیوں سے تیرنے کی تربیت حاصل کی تھی ۔ دیکھنے والے اس کے تیرنے کی بڑی تعریف کرتے تھے ۔ اس کے سر پر ٹوپی تھی جو نہاتے وقت پہنی جاتی ھے ۔ اس ٹوپی میں اس کے سفید بال چھپے ھوئے تھے ۔ اس کے چہرے پر جھریاں پڑی ھوئی تھیں ۔ اس کے گورے گورے بازو بہت خوبصورت تھے ، اور نہاتے وقت اس میں کمسن دوشیزہ کی جھلکیاں نظر آتی تھیں ۔

مادام کیوری کو اپنی چستی اور پھرتی پر بڑا فخر تھا ۔ ساربون میں اس کے اور اس کے رفقاءِ کار کے درمیان در پردہ طور پر رقابت موجود تھی ، اور یہ رقابت کھیل کود کے معاملے میں تھی ۔ مادام کیوری سائنسدانوں اور ان کی بیویوں کو دیکھتی تھی ، جو راج وراس میں بڑے بے ڈھنگے پن سے تیرتے تھے ۔ وہ پانی میں تیرتے وقت اپنے ساتھیوں کو دیکھتی اور اپنے اور ان کے درمیان فاصلہ کا اندازہ کرتی اور پھر اعلان کئے بغیر دل ھی دل میں تیراکی کا مقابلہ تجویز کرتی ، وہ اس بات کی مشق کرتی تھی کہ اپنی یونیورسٹی کے تمام پروفیسروں سے بہتر تیرے اور وقت اور فاصلہ کے معاملہ میں سب کو ھرا دے ۔ اس کی بیٹیاں اس کی استاد تھیں اور تیرتے وقت وہ اپنی بیٹیوں پر بھروسہ کرتی تھی ۔

میری اکثر کہا کرتی ”میں موسیو بوربل سے بہتر تیر سکتی ہوں،، لڑکیاں جواب دیتیں ہزار گنا می - ان کا اور آپ کا کوئی مقابلہ ھی نہیں ھے -

آج جین پیربن نے تیراکی کا اچھا مقابلہ کیا تھا لیکن کل کے مقابلے میں آج میرے تیرے کی رفتار زیادہ تھی - تمہارا کیا خیال ھے ؟

میں نے آپ کو دیکھا تھا ، آپ بہت اچھا تیر رھی تھیں - ایک سال کے اندر آپ نے تیرنے میں بہت ترقی کی ھے -

ان تعریفوں سے اس کا حوصلہ بڑھتا تھا اور وہ جانتی تھی کہ یہ مخلصانہ تعریفیں ھیں -

پچاس سال کی عمر میں وہ اپنے ھم عمروں کے مقابلے میں بہترین تیراک تھی -

نہانے کے بعد وہ دھوپ میں بیٹھ جاتی تھی تاکہ بدن میں گرمی آ جائے - وہ روٹی کا سوکھا ٹکڑا کھاتی اور وقت کا انتظار کرتی - جب وقت ھو جاتا تو وہ گھر چلی جاتی - جب وہ کوئی اچھا منظر دیکھتی تو کہتی کتنا اچھا منظر ھے - کبھی وہ چٹان ، آسمان اور پانی کو دیکھ کر کہتی ان سب میں کتنا حسن ھے - یہاں کے سیاحوں کے نزدیک یہ گاؤں دنیا کا سب سے زیادہ خوش کن مقام تھا - یہاں سمندر کا پانی زیادہ نیلگوں تھا ، اتنا ھی نیلا تھا جتنا کہ بحیرۂ روم کا ھے - یہاں کے باشندے مہمان نواز تھے - یہاں کی فضا میں اتنی رنگا رنگی تھی کہ کہیں اور نہ تھی -

دوپہر کے وقت سمندر میں مد آ گیا تھا ۔ کشتیاں پھر چلنے لگی تھیں ۔ سیاحت اتنی زیادہ معمول کے مطابق ہو رہی تھی کہ چند مسافر ایک کشتی پر بیٹھ کر روانہ ہوتے اور مخالف سمت سے مسافروں سے بھری ہوئی ایک کشتی آتی تو روزانہ ایک ہی مقام پر دونوں کا ملاپ ہوتا تھا ۔ گیت کے بعد گیت گائے جاتے اور گیتوں کا سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہوتا ۔ اکثر سب لوگ ریت پر چلتے ۔ پاؤں اوز ٹانگیں ننگی ہوتیں اور بدن پر لباس برائے نام ہوتا ۔ یہاں عمراور مرتبے کا کوئی سوال نہ تھا ۔ چھوٹا آدمی بڑے آدمی سے کہہ سکتا تھا کہ وہ اس کا نھیلا پکڑ لے ، لیکن یہاں کوئی کسی کی مدد نہ کرسکتا تھا ، کیونکہ اس بستی کا سب کا پہلا قانون یہ تھا کہ اپنی مدد آپ کرو ۔

دوپہر ہوئی نو سیاح ادھر آدھر بکھر گئے تاکہ وہ لنچ کر سکیں ۔ اب وہ دو بجے پھر اکٹھا ہوں گے ، اور روزانہ کی طرح گلینڈ ٹائین نک جائیں گے ۔ اس دفعہ مادام کیوری نہیں گئی ، کیونکہ جو کشتی روانہ ہوتی تھی اس کی رفتار بہت سست ہوتی تھی اور وہ اس سے تھک جاتی تھی ۔ اب وہ اپنے لائٹ ہاؤس میں تنہا رہ گئی تھی ۔ اس کی بیٹیاں سیر کے واسطے جا چکی تھیں ۔ وہ خالی وقت میں سائنس کی کسی کتاب کی تصحیح کرے گی یا پھر پھاؤڑا لے کر باغ کی کیاریاں درست کرے گی ۔ وہ اس قسم کی محنت اور ایسے کام کی عادی نہ تھی ، اس لئے اکثر اس کے چوٹ لگ جاتی ، خون نکل آتا اور کانٹے لگ جاتے تھے ۔ آج کا دن اچھا تھا ، کیونکہ اسے کوئی خاص تکلیف نہ پہونچی تھی ، ورنہ دونوں لڑکیاں

اکثر یہ دیکھتی تھیں کہ ماں کے گھٹنے میں جوٹ آ گئی ہے یا اناڑی پن سے ہتھوڑا استعمال کر کے انگلی بچی ہو گئی ہے ۔

چھ بجے میری دوبارہ تیرنے چلی گئی ، اور اس کے بعد لباس تبدیل کر کے واپس آ گئی ۔ ایک آرام کرسی پر ایک بہت بوڑھی عورت بیٹھی تھی ۔ اس کے کمرے کی کھڑکی کھلی تھی ۔ اس کھڑکی سے سمندر کا نظارہ کیا جا سکتا تھا ۔ جو خاتون کرسی پر بیٹھی تھیں ان کا نام مادام ماریلر تھا ۔ وہ سمندر کے کنارے اس مکان میں رہتی تھیں اور روزانہ شام کے وقت کشتیوں کی واپسی کا نظارہ کرتیں تھیں ۔ آج میری ان کے مکان کی اس کھڑکی سے کشتیوں کی واپسی کا انتظار کر رہی تھی ۔ سورج غروب ہو رہا تھا، سمندر کے پانی پر شفق کی چھوٹ پڑ رہی تھی ، اور سامنے سے کشتیوں کے بادبان نظر آ رہے تھے ۔ کشتیاں ساحل کے کنارے رکیں اور سیاح اترنے لگے ۔ ایک کشتی سے اس نے آئیرین اور ایو کو اترتے دیکھ لیا تھا ۔ وہ دونوں سستے لباس پہنے تھیں ، اور ان کے بالوں میں پھول لگے ہوئے تھے ۔ یہ پھول بوڑھے سائینو بوس نے انہیں دیئے تھے ۔ دونوں لڑکیوں کے چہروں سے سرشاری اور سرمستی نمایاں تھی ۔ وہ دونوں تفریح سے بہت خوش ہوئیں تھیں ۔

اس بستی کے جنگلی باشندوں کے طور طریقے بہت نرالے تھے ۔ وہ نیم عریاں لباس پہنتے تھے ۔ بعد میں ان کے رہن سہن کے طریقوں کو اپنایا گیا، اور اسے مہذب دنیا کے ہر طبقے نے اپنا فیشن بنا لیا ، لیکن جنگ عظیم کے فوراً بعد جب سیاحوں نے ان جنگلیوں

کے طور طریقے دیکھے تو ان کے جنگلی پن کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ پندرہ سال بعد انہیں جنگلیوں کا رہن سہن فیشن بن گیا۔ دریا اور تالاب میں نہانے کا شوق، آفتابی غسل کا فیشن، ویران جزیروں میں ڈیرے لگانے کا رواج اور کسی قسم کے مشاغل تمام مغربی دنیا نے اختیار کر لئے۔ آئرین اور ایو کے پاس جو لباس تھا وہ کچھ اچھا نہ تھا، اور وہ اپنے لباس پر کچھ زیادہ توجہ نہ کرتی تھیں۔ وہ اپنے نہانے کے لباس میں بار بار پیوند لگاتی تھیں۔ ان کے پاس دو ہی جوڑا سینڈلیں تھیں، ایک جیکٹ تھی، دو تین سوتی کپڑے تھے جو گھر پر پہننے کے لئے تھے۔

مادام کیوری کے پاس ایک بوسیدہ سا لبادہ تھا، جسے وہ پندرہ بیس برس سے پہنے جا رہی تھی۔ وہ رات کا کھانا کھانے کے بعد اس لبادے کو پہن لیتی تھی، اور اپنی دونوں لڑکیوں کے بازو میں بازو ڈال کر ٹہلنے چلی جاتی تھی۔ اس گاؤں میں ایک ایسا کمرہ بنایا گیا تھا جس میں ہر شخص کو اٹھنے بیٹھنے کی اجازت تھی، وہ اس کمرے میں بیٹھ کر تعلیمی تاش کھیلتے تھے۔ میری سب سے زیادہ پیچیدہ الفاظ بناتی تھی۔ وہ بڑی اچھی کھلاڑی سمجھی جاتی تھی، اور لوگ اسے اپنی طرف ملانے کے لئے بڑا جھگڑا کرتے تھے۔ جو لوگ تعلیمی تاش نہیں کھیلتے تھے وہ پیرافین لیمپ کی روشنی میں بیٹھ کر کتابیں پڑھتے تھے یا دوسرے کھیل کھیلتے تھے۔

جب کوئی تیوہار آتا تھا تو یہی سیاح مل جل کر ڈرامے کھیلتے تھے۔ یہ لوگ خود ہی ایکٹر بن جاتے تھے اور خود ہی ڈرامے اور گیت لکھ لیتے تھے۔

یہاں کی زندگی کتنے مزے کی تھی - یہاں سب لوگ گیت گاتے تھے ، بچوں کی طرح ھنستے تھے ، یہاں کا سکوت بھی حسین تھا اور یہاں کا شور بھی اچھا لگتا تھا - یہاں جوان اور بوڑھے آپس میں بے تکلفانہ دوستی کرتے تھے - مادام کیوری اور اس کی بیٹیوں کو یہ دن ھمیشہ یاد رھے - ایسے چین کے دن کبھی نہ گزرے تھے - کوئی کروڑ پتی بھی سمندر کے کنارے رہ کر اتنی مسرتیں نہیں حاصل کر سکتا جتنی مسرتیں ساربون کے ان پروفیسروں کو حاصل تھیں ، اور ان ھی مسرتوں کی خاطر پروفیسر اور سائنسداں ھر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں یہاں جمع ھو جاتے تھے -

اپنی ماں کی سوانح عمری لکھتے وقت بارھا مجھے خیال آیا کہ اس کتاب کے پڑھنے والے دوسری باتوں کے ساتھ یہ بھی سوچتے ھوں گے اور سوچ کر بڑے طنز سے یہ کہتے ھوں گے واللہ یہ لوگ بھی کیا خوب ھیں -

جی ھاں یہ میری غلطی نہیں ھے جو واقعات جس طرح ھوئے ھیں انہیں میں نے اسی طرح لکھ دیا ھے - میری کے بچپن سے لے کر مرنے تک کے واقعات بڑے عجیب و غریب ھیں - کیوری اور اسکاوڈوسکی خاندان بڑے عجیب و غریب خاندان ھیں ، جن میں والدین اور بچے ایک دوسرے کو بالکل پریشان نہیں کرتے اور جن میں انسانوں کی رھنمائی شفقت سے کی جاتی ھے ،

جن میں دروازوں پر کان لگا کر کوئی کسی کی باتیں نہیں سنتا ، اور نہ خاندان کے افراد ایک دوسرے کے خلاف سازش اور بدگوئی کرتے ہیں ، اور نہ جائداد اور ترکہ پر جھگڑا کرتے ہیں ، یہ وہ خاندان ہیں جن کا ہر فرد نہایت دیانتدار ہے -

میں نے اپنی میز پر بکھرے ہوئے کاغذوں پر تعطیلات گرما کے خوش کن واقعات قلمبند کر دیئے ہیں ، ممکن ہے کوئی شخص کاندھے مٹکا کر سوال کرے کہ لکھنے والی نے سب کچھ تو لکھ دیا اور یہ لکھا ہی نہیں کہ گرمیوں کی ان چھٹیوں میں آپس میں لڑائی کتنی مرتبہ ہوتی تھی ، لیکن واقعہ یہ ہے کہ لڑائی کبھی نہیں ہوئی - سیاحوں کی اس بستی میں بڑے بڑے اخبار نویس آئے اور چلے گئے لیکن یہ تمیز نہ کر سکے کہ یہاں امیر کون ہے اور غریب کون ہے ، چھوٹا کون ہے اور بڑا کون ہے - اس بستی میں کبھی کسی نے امیری غریبی کے مسئلہ پر بات ہی نہ کی - ہم سب کے بابا چارلز سائینو بوس نے ایک بہترین مثال قائم کر دی تھی - اس امر کا مدعی بنے بغیر کہ وہ عالم باعمل ہے ، اس نے اعلان کر دیا کہ اس کی جائداد سب کے لئے ہے - اس کا مکان ، اس کی کشتیاں اور اس کی ہر چیز سب کے لئے تھی ، اور اس نے کبھی ان چیزوں پر ملکیت کا دعویٰ نہ کیا ، اور جب اس کے گھر ناچ کی محفل ہوتی تھی تو اس میں سب شریک ہوتے تھے - نوکر اور ان کے مالک ، فرانس کے پروفیسر اور کسانوں کی لڑکیاں ، ملاح اور ماہی گیر ، سب مل جل کر ناچتے تھے -

ہماری ماں خاموش تماشائی بن کر یہ سب کچھ دیکھتی تھی۔ اس کے دوست اس سے یہ کہتے تھے کہ آئیرین بہت اچھا [illegible] ہے، اور ایو بڑی جامہ زیب لڑکی ہے۔ لڑکیوں کی تعریف [illegible] کر وہ فخر سے مسکراتی تھی۔



تئیسواں باب

امریکا

مئی ۱۹۲۰ء میں ایک روز صبح کے وقت ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کے ویٹنگ روم میں ایک دبلی پتلی عورت داخل ہوئی ۔ اس کا نام مسز ویلیم براؤن میلونے تھا ۔ وہ نیویارک کے ایک بہت بڑے رسالے کی ایڈیٹر تھی ۔ وہ صورت سے کوئی کاروباری عورت نظر نہ آتی تھی ۔ اس کا چھوٹا سا قد تھا ، اور بڑی نازک اندام تھی ۔ بچپن کے کسی حادثے کی وجہ سے وہ تھوڑا سا لنگڑاتی تھی ۔ اس کے بال بہت گھنے اور سفید تھے ، اس کی شاعرانہ اور سیاہ آنکھیں اس کے زرد چہرے پر بڑی خوب صورت لگتی تھیں ۔ جس نوکر نے دروازہ کھولا تھا اس سے اس نے کپکپاتے ہوئے پوچھا کہ کہیں مادام کیوری مجھ سے ملنے کا وعدہ کرکے بھول تو نہیں گئیں ۔

وہ سالہا سال سے اس کی ملاقات کا انتظار کر رہی تھی ۔ مسز میلونے ان لوگوں میں سے تھی جو مادام کیوری کی زندگی اور اس کی سائنسی خدمات سے بے حد متاثر تھے ۔ اس کے نزدیک مادام کیوری نے عورت کے مرتبے کو بہت بلند کر دیا تھا ۔ یہ امریکن عورت چونکہ بہت بڑی اخبار نویس تھی اس لئے اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ اس بت کے نزدیک آ جائے کہ جس کی وہ پوجا کرتی ہے ۔

اس نے مادام کیوری سے کئی بار ملنے کی درخواست کی، لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا - پھر مسز میلونے ایک سائنسداں کی سفارش پر ملی، وہ سائنسداں اور میری ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے تھے - مسز میلونے نے اپنے رقعے میں لکھا تھا :

" میرا باپ ڈاکٹر تھا اور وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ غیر اہم لوگوں کے بارے میں مبالغہ کرنا ناممکن ہے "، لیکن آپ تو گذشتہ بیس سال سے میرے نزدیک بہت اہم ہیں، میں آپ سے چند منٹ ملنا چاہتی ہوں -

دوسرے روز صبح میری نے اپنی تجربہ گاہ میں اس کا استقبال کیا - مسز میلونے اس ملاقات کے بعد لکھتی ہے -۱

" دروازہ کھلا، میں نے ایک زرد رو، ڈرپوک اور منحنی سی عورت کو دیکھا - وہ سیاہ رنگ کے سوتی کپڑے پہنے تھی - میں نے ایسا مغموم چہرہ کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا - وہ اپنی صورت سے سائنسداں نظر نہیں آتی تھی - اس کا چہرہ مغموم ہونے کے باوجود خوب صورت تھا، اور اس چہرے پر شفقت اور صبر و قناعت کے آثار تھے - میں اچانک بالکل گونگی ہو گئی - میری بزدلی اس کی بزدلی سے بڑھ گئی - میں بیس سال سے اخبار نویسی کر رہی تھی، گھاٹ گھاٹ کا پانی پئے ہوئی تھی، بڑے بڑے لوگوں سے انٹرویو کر چکی تھی - آپ جانتے ہیں کہ ہم اخبار نویس لوگ بڑے بڑے لوگوں سے بے جھجھک ہو کر سوالات کر لیتے

۱- یہ الفاظ اس نے مادام کیوری کی مختصر سوانح کے دیباچے میں لکھے ہیں - یہ چھوٹی سی کتاب امریکا میں شائع ہوئی تھی -

هیں ، اور مجھے سوال کرنے کی بیس سال سے مشق تھی ' لیکن میں اس خاتون سے ایک سوال تک نہ کرسکی ، جو معمولی لباس پہنے تھی - میں نے کوشش کی کہ میں اسے بتاؤں کہ امریکا کی عورتیں اس کی سائنسی خدمات سے بڑی دلچسپی لیتی ہیں ، لیکن یہ بات میں اچھی طرح بیان نہ کر سکی ، اور میں ادھوری بات چھوڑ کر اس سے کہنے لگی معاف کیجئے گا ، مس آپ کا بڑا وقت ضائع کر رھی ہوں - مادام کیوری نے مری بوکھلاھٹ کو دور کرنے کے لئے خود ھی امریکا کے بارے میں باس کرنا شروع کر دیں -

سادام کیوری نے کہا امریکا کے پاس پچاس گرام ریڈیم ھے ، چار گرام بالٹیمور میں ' چھ گرام ڈینور میں اور سات گرام نیویارک میں ھے -

وہ ایک ایک گرام کا حساب بتاتی چلی گئی -

میں نے پوچھا اور فرانس میں ؟

میری تجربہ گاہ میں بمشکل ایک گرام کچھ زیادہ ریڈیم ھے -

ارے آپ کے پاس صرف ایک گرام ریڈیم ھے -

میرے پاس - نہیں بھئی میرے پاس رتی بھر ریڈیم نہیں ھے - وہ ایک گرام ریڈیم تو میری تجربہ گاہ کے پاس ھے ، وہ میری ملکیت نہیں ھے -

. . . . میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ریڈیم کو رجسٹرڈ کروا کے پیٹنٹ حاصل کرے - اگر اس نے پیٹنٹ حاصل کر لیا

تو وہ دنیا کی کروڑ پتی عورت بن جائے گی - اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا :

ریڈیم کسی کو دولت مند بنانے کے لئے نہیں دریافت ہوئی ہے - ریڈیم تو ایک عنصر ہے اور اس پر دنیا کے ہر انسان کا حق ہے -

اب میں اس کی باتیں سن کر ترنگ میں آ چکی تھی - میں نے اس سے کہا اگر آپ سے یہ کہا جائے کہ اس ساری دنیا میں سے کوئی ایک چیز چن لیجئے تو آپ کس چیز کو چننا پسند کریں گی -

شاید یہ بڑا احمقانہ سوال تھا ، لیکن یہ سوال بڑا مفید ثابت ہوا -

. . . . اسی ہفتہ مجھے معلوم ہوا تھا کہ بازار میں ایک گرام ریڈیم کی قیمت ایک لاکھ ڈالر ہے - مجھے یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مادام کیوری کی تجربہ گاہ اگرچہ حال ہی میں تعمیر ہوئی ہے لیکن اس میں مکمل سائنسی سامان بھی موجود نہ تھا ، اور اس تجربہ گاہ میں جو ریڈیم تھی اس سے صرف کینسر کا علاج کیا جا سکتا تھا -

اس مہذب امریکن عورت کے تعجب کی انتہا نہ تھی - مسز میلونے کو اپنے امریکا کی عظیم الشان تجربہ گاہوں کا بخوبی علم تھا ، کیونکہ وہ ان تجربہ گاہوں کو بچشم خود دیکھ چکی تھی - ان میں سے اڈیسن بڑی عظیم الشان تجربہ گاہ تھی ، اور کسی محل سے

کم نہ تھی ۔ امریکا کی ایسی ایسی عالیشان تجربہ گاھوں کے آگے مادام کیوری کی یہ تجربہ گاہ بہت حقیر نظر آتی تھی ۔ مسز مبلونے کو بٹس برگ کے کارخانے کا بھی حال معلوم تھا ، جہاں خام ریڈیم کے انبار لگے ہوئے تھے ۔

یہاں پیرس میں وہ ایک ادنیٰ سے دفتر مس اس عورت کے روبرو بیٹھی ہوئی تھی جس نے ریڈیم ایجاد کیا تھا ۔ اس نے مادام کیوری سے پوچھا بتائیے بتائیے کہ آپ کون سی چننا پسند کریں گی ، مادام نے بڑی نرمی سے جواب دیا ۔ اپنی سائنسی تحقیق جاری رکھنے کے لئے مجھے ایک گرام ریڈیم کی ضرورت ہے ، لیکن میں خرید نہیں سکتی ہوں ، کیونکہ ریڈیم بہت مہنگی ہے اور میری اوقات سے باھر ہے ۔

مسز میلونے کے ذھن میں ایک بڑا شاندار منصوبہ آ گیا ، وہ چاھتی تھی کہ مادام کیوری کے مداح اسے ایک گرام ریڈیم نذرانہ کے طور پر دیں ۔ جب وہ نیویارک واپس آئی تو اس نے دس دولتمند عورتوں کو ترغیب دی کہ وہ دس دس ہزار ڈالر چندہ دیں ، جس سے وہ ریڈیم خریدی جا سکے ، لیکن وہ ناکام رھی ۔ صرف تین عورتیں چندہ دینے پر تیار ھو گئیں ۔ مسز میلونے نے اپنے دل میں کہا کہ دس عورتوں پر کیا منحصر ہے امریکا کی تمام عورتیں کیا غریب کیا امیر سب مل کر چندہ دیں ۔

امریکا میں کوئی بات ناممکن نہیں ہے ۔ مسز میلونے نے ایک چندہ کمیٹی بنائی جس کے ممبروں کے نام یہ تھے ۔

مسز ولیم واغان موڈی ، مسز رابرٹ جی مبڈ ، مسز نیکولس ایف بریڈی ، ڈاکٹر رابرٹ اے بے اور ڈاکٹر فرانسس کارٹروڈ ۔ ان سب نے مل کر مسری کبوری ریڈیم فنڈ کھول دیا ، اور پوری قوم سے چندہ وصول کرنے لگے ۔ نئی دنیا یعنی امریکا کے شہر شہر چندہ وصول ہونے لگا ۔ ابھی مسز میلونے کو اس عورت سے ملے ہوئے ایک سال بھی نہ گزرا تھا جو کالے رنگ کے سوتی کپڑے پہنے ہوئے تھی ۔

مسز میلونے نے مادام کبوری کو خط لکھا ۔ چندہ جمع ہو چکا ہے ، اور ریڈیم تمہاری ہو چکی ہے ۔

امریکا کی سخی عورتوں نے دل کھول کر مادام کیوری کی مدد کی ہے ، لیکن اس سخاوت کے بدلے میں انہوں نے مادام کیوری سے درخواست کی آپ امریکا کیوں نہیں آتیں ، ہم سب لوگ آپ کو دیکھنا چاہتے ہیں ۔

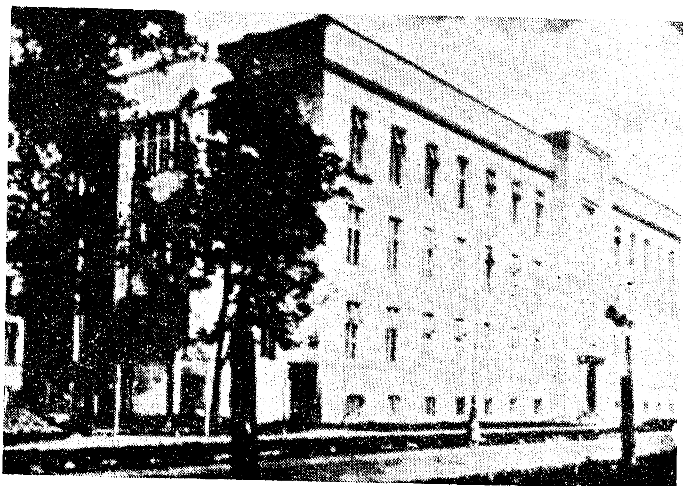
میری جانے سے ھچکچا رہی تھی ۔ وہ بھیڑ بھاڑ سے ہمیشہ گھبراتی تھی ۔ اسے اندازہ تھا کہ امریکا والے اس کے بے حد قدردان ہیں ۔ وہ لوگ اسے دیکھنے کے بے حد مشتاق ہیں ۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا جلوس نکالا جائے گا ، اس کے اعزاز میں جلسے کئے جائیں گے ، اور لوگوں کا بے پناہ ھجوم اس کے چاروں طرف جمع ہوگا ۔ وہ ان سب باتوں کا تصور کر کے بے حد خوفزدہ ہوگئی ۔

ادھر مسز میلونے کا اصرار جاری تھا ۔ اس نے مادام کیوری کے ہر عذر کو رد کر کے رکھ دیا ۔

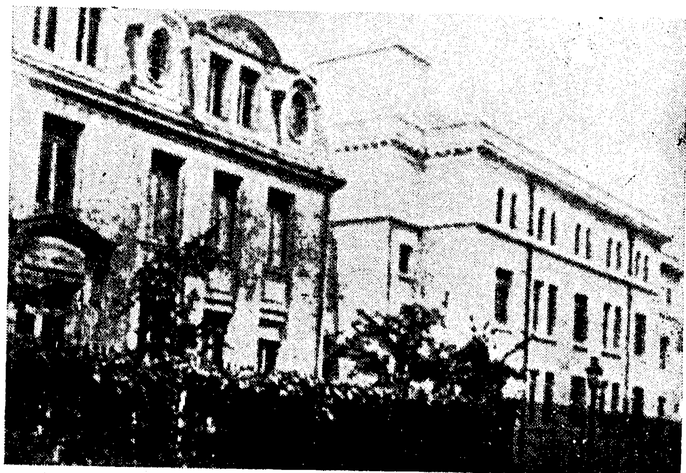


مادام کیوری اور آئیرین کیوری

ریڈیم انسٹی ٹیوٹ پیرس



ریڈیم انسٹی ٹیوٹ وارسا



ریڈیم انسٹی ٹیوٹ پیرس

آپ کہتی ہیں کہ آپ اپنی لڑکیوں سے جدا ہوکر یہاں نہیں آسکتیں ۔ ہم آپ کی لڑکیوں کو بھی مدعو کرتے ہیں ۔ آپ جلسے جلوس سے گھبراتی ہیں ۔ جلئیے ہم آپ کا بہت چھوٹے پیمانے پر استقبال کریں گے ۔ بس اب تو آ جائیے ۔ ہم آپ کے اس سفر کو بے حد خوش گوار بنا دیں گے ، اور وہ ریڈیم جو ہم نے آپ کے لئے خرید کر رکھی ہے وہ امریکا کے قصر سفید میں خود امریکا کے صدر بنفس نفیس آپ کی خدمت میں پیش کریں گے ۔

مادام کیوری پسیج گئی ۔ اس نے اپنے ڈر اور خوف پر قابو پا لیا ، اور ریڈیم وصول کرنے اور امریکا کا شکریہ ادا کرنے کے لئے اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ اس قسم کی دعوت قبول کرلی ۔ چون سال کی عمر میں وہ پہلی مرتبہ اتنے بڑے سرکاری دورے پر جا رہی تھی ۔

اس کی لڑکیاں سفر کی خوشی سے پھولی نہ سمانی تھیں ۔ وہ سفر کی تیاریاں کرنے لگیں ۔ ایو نے ماں سے ضد کر کے اسے اس بات پر تیار کر لیا کہ وہ اپنے لئے کپڑے کے ایک یا دو جوڑے خریدے ، اور وہ پھٹے پرانے کپڑے پیرس ہی میں چھوڑ دے ، جو اسے بے حد عزیز تھے ۔ میری کے آس پاس جو شخص تھا وہ حیرت زدہ تھا ۔ اخبارات قیاس آرائیاں کر رہے تھے ، اور ان تقریبات کی تفصیلات لکھ رہے تھے جو اٹلانٹک کے اس پار میری کا انتظار کر رہی تھیں ۔ سرکاری افسر ابھی سے سوچ سوچ کر حیران ہو رہے تھے کہ امریکا والے خدا جانے اپنی محبوب سائنسداں خاتون کی کیا کیا مدارات کریں گے ۔ امریکا والوں کے لئے یہ بات تقریباً ناقابل فہم تھی کہ مادام کیوری کو اکیڈمی آف سائنس آف پیرس کا ممبر کیوں نہیں بنایا

گیا ۔ ان کے لئے یہ بات بھی حیرت انگیز تھی کہ اس کے پاس لیجن آف آنر کا کراس بھی نہیں ہے . . . . یہ کراس اسے دو مرتبہ دیا گیا تھا ، لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا تھا ۔

۲۷ اپریل ۱۹۲۱ء کو ایک سائنسی رسالہ کی طرف سے پیرس گرانڈ آپرا میں اسے ایک الوداعی دعوت دی گئی تھی ۔

اس موقع در برارڈ ، پروفیسر جین پیرین اور ڈاکٹر کلائیو ریگارڈ نے تقریریں کی تھیں ، اور اس کے بعد پیرس کے باکمال اداکاروں اور گوئیوں نے اپنا اپنا ہنر دکھایا تھا ۔

اس تقریب کے چند روز بعد مادام کیوری اولمپک نامی جہاز پر سوار ہوئی ۔ اس کی دونوں بیٹیاں اس کے ہمراہ تھیں ۔ ماں بیٹیوں کے پاس صرف ایک ٹرنک تھا ، اس میں ان کے کپڑے تھے، اور یہ ایک ٹرنک ان کے لئے کافی تھا ۔ میری اس بات کو کبھی نہ بھول سکتی تھی کہ وہ اصل میں ایک کسان عورت ہے ۔ یہ بات وہ جگمگاتے ہوئے محلوں اور پرتکلف شاہی دعوتوں میں بھی نہ بھول سکتی تھی ۔ اس نے جہاز کے کمرے کا دروازہ بند کر لیا ، اور وہ اس بات کی کوشش کرنے لگی کہ وہ بھول جائے کہ وہ اس ملک میں جا رہی ہے جہاں اس کا شاہانہ استقبال کیا جائے گا ، وہ اپنی غریبی، مفلسی اور بے چارگی کے دن یاد کرنے لگی ۔

مادام کیوری کا خط جین پیرین کے نام ، ۱۰ مئی ۱۹۲۱ء

پیاری ہنریٹے

مجھے تمہارا پیارا خط جہاز ہی پر مل گیا ۔ خط پڑھ کر بہت

خوشی ہوئی - یہ دور دراز ملک کا سفر میرے مزاج کے خلاف ہے -

سمندر طوفان کی طرف مائل تھا اور مجھے سمندر کا سفر ناپسند تو نہیں ہے - مجھے قے تو نہیں آئی لیکن سر بہت چکرایا - زیادہ تر میں جہاز کے کمرے میں پڑی رہی - میری لڑکیوں کو بالکل تکلیف نہیں ہوئی، اور وہ بالکل مطمئن رہیں - مسز میلونے میرے ساتھ اور وہ ہر طرح سے میری پسند کا خیال رکھتیں ہیں - وہ بڑی اچھی خاتون ہیں، اور اتنی مہربان ہیں جتنا کوئی ہو سکتا ہے -

" مجھے لارکوسٹ یاد آ رہا ہے، اور مجھے وہ خوشگوار وقت یاد آ رہا ہے کہ جب ہم سب دوست وہاں پھر جمع ہوں گے، اور اس باغ میں ہم پھر چند پرسکون گھنٹے گزار سکیں گے، اور اس نیلے سمندر کا ہم پھر نظارہ کر سکیں گے جو مجھے اور تمہیں دونوں کو پسند ہیں - مجھے یہ بھی خیال آ رہا ہے کہ تمہاری بیٹی کے یہاں بچہ ہونے والا ہے، وہ بچہ ہم سب کا سب سے کمسن دوست ہوگا، اور نئی نسل کا وہ پہلا فرد ہوگا - اس بچہ کے بعد مجھے امید ہے کہ ہمارے بچوں کے بہت سے بچے ہوں گے . . . . "

موسم خوشگوار تھا - ہلکی ہلکی دھند چھائی ہوئی تھی - اسی دھند کے اندر سے نیویارک کا خوب صورت اور با وقار شہر نمودار ہوا - مسز میلونے جو کیوری خاندان سے متعارف ہوچکی تھی، وہ میری کو یہ ہوشربا خبر سنانے آئی کہ اخباری نمائندے، فوٹوگرافر اور سینما کی فلمیں بنانے والے اس کا انتظار کر رہے ہیں - ساحل کے کنارے لوگوں کا ایک جم غفیر تھا - یہ سب لوگ ایک سائنسداں خاتون کے لئے چشم براہ تھے - یہ بے شمار لوگ پانچ

گھنٹے سے بڑی بے چینی کے ساتھ اس کا انتظار کر رہے تھے جس کے بارے میں اخبار فروش چلا چلا کر کہہ رہے تھے " انسانیت کی محسنہ پہونچنے کو ہے "، تمام اخباروں میں پہلے صفحہ پر موٹے موٹے حرفوں میں اس کے آنے کی خبر چھپی تھی ۔ گرل سکاؤٹ اور اسکولی لڑکیاں اپنی ٹٹالین بنائے الگ کھڑی تھیں ۔ تین سو عورتیں سبز پتیوں اور سفیدبنکھڑیوں والے گلاب کے پھول ہلا رہی تھیں ۔ یہ تین سو عورتیں پولینڈ کی تھیں جو امریکا میں رہتی تھیں ۔ انہوں نے اپنی الگ انجمن بنائی تھی، اور یہ انجمن میری کا استقبال کرنے آئی تھی ۔ ہزاروں انسان اپنے ہاتھوں میں امریکی، فرانسیسی اور پولش جھنڈے لئے ہوئے تھے ۔ انتظار کرنے والوں کے چہروں کا اشتیاق قابل دید تھا ۔

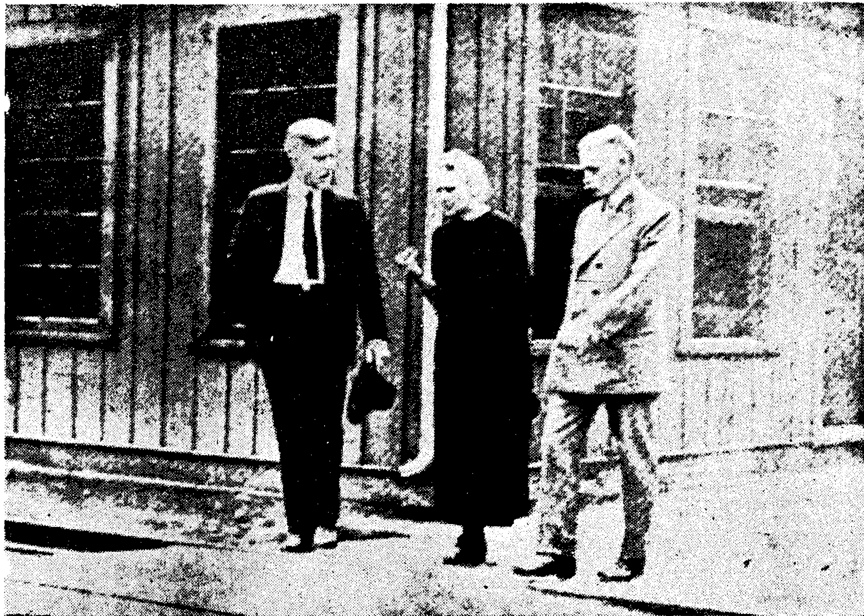
جہاز میں عرشے کے اوپر ایک آرام کرسی ڈال کر میری کو بٹھا دیا گیا تھا ۔ اس کا ہیٹ اور اس کا ہینڈ بیگ اس سے لے لیا گیا تھا ۔ فوٹو گرافر حلق پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے تھے ۔ مادام کیوری اس طرف دیکھئے ۔ اپنا سر داھنی طرف گھمائیے ، اب ذرا اپنا سر اونچا کیجئے ۔ ھاں اب ذرا اس طرف دیکھئے ، ارے اس طرف نہیں اس طرف ۔ چالیس فوٹوگرافر اور فلمیں بنانے والے اپنی اپنی مشینوں کے فوکس ڈال رہے تھے ، اور فوٹو کھینچنے کی کلک کلک کی آوازیں آ رہی تھیں، اور بے چاری مادام کیوری پھونچکا اور پریشان تھی ۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی ۔

امریکا کے دوران قیام میں آئیرین اور ایو باڈی گارڈ کی خدمات انجام دیتی رہیں ۔ یہ دونوں لڑکیاں اس سفر کے باوجود



مادام کیوری کولمبیا یونیورسٹی میں

۱۹۲۱ء



مادام کیوری امریکا کے زمانہ سفر میں
سائنسی موضوع پر گفتگو کر رہی ہیں

سریکا والوں کو اچھی طرح سمجھ نہ سکی تھیں - پانچ پانچ سو آدمیوں کی دعوت ، ہر وقت موٹر کار کی سیر ، اخباری نمائندوں کا ھجوم اور ہر وقت تماشائیوں کا جم غفیر - امریکا کو دیکھنے اور سمجھنے کے لئے سکون اور آزادی کی ضرورت تھی - اس ھنگامے میں امریکا کے اصلی خد و خال کو دیکھنا ممکن نہ تھا - اس دورے سے انہیں امریکا کے بارے میں ایک سبق مل گیا تھا اور دونوں لڑکیوں کو یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ ان کی ماں کس پایہ کی عورت ہے -

فرانس میں مادام کیوری کے لئے یہ بات کسی حد تک ممکن تھی کہ وہ کسی تنہائی کے گوشے میں چین سے بیٹھ سکے - شہرت کی جانی دشمن مادام کیوری فرانس میں اپنے مداحوں کو یہ سمجھانے میں کامیاب ہو گئی تھی کہ سائنس‌داں بڑا انسان نہیں ہوا کرتا - جب وہ نیویارک میں آئی تو یہ جھوٹ موٹ کی نقاب گر پڑی اور حقیقت ظاہر ہو گئی - اب تک اس کی بچیاں بھی یہی جانتی تھیں کہ وہ ایسی کوئی بڑی ہستی نہیں ہے ، لیکن اب دونوں کو امریکا آ کر معلوم ہوا کہ ان کی بوڑھی ماں دنیا والوں کی نظروں میں کیا وقعت رکھتی ہے - ہر تقریر ، ہر مجمع کے حرکات و سکنات اور اخبارات کے ہر مضمون سے یہی بات بار بار ظاہر ہوتی تھی کہ مادام کیوری بہت بڑی ہستی ہے - امریکا والوں نے تو مادام کیوری کو اس طرح گھیر لیا تھا جیسے وہ ان کی مذہبی پیشوا ہے ، اور یہ سب ان کے مرید ہیں - یہ لوگ پہلے سوچا کرتے تھے کہ وہ ایسی ہوگی ، ویسی ہوگی ، اور اب وہ

ان کے درمیان موجود تھی، اور اب بھی وہ اس سادگی پسند خاتون کے والا شیدا تھے - پہلی نظر میں وہ ایک چھوٹی سی عورت کو دیکھنے جو صورت سے بزدل نظر آتی تھی اور سادہ لباس پہنے تھی، بعد میں انہیں پتہ چلتا کہ یہ ھی تو مادام کیوری ھے - میں امریکن لوگوں کے دل کی بات نہیں جانتی اور نہ میں وھاں کے اخبارات کی سرخیوں سے اندازہ کرتی ھوں، لیکن میں یہ کہہ سکتی ھوں کہ امریکا والوں کا جوش و خروش ناقابل بیان تھا -

ایک امریکن شخص ریڈیم کے ذریعے کینسر کے مرض سے شفایاب ھو چکا - اس نے دو مہینے تک بڑے پیار کے ساتھ اپنے ھاتھ سے گلاب کے پودے اگائے اور جب گلاب کے پھول اگ آئے تو اس نے یہ پھول چن کر مادام کیوری کو بھیج دیئے - امریکا کے تمام شہروں، تمام کالجوں اور تمام یونیورسٹیوں نے مادام کیوری کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تھی - بیسیوں تحفے اعزازی خطابات اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں اس کی راہ تک رھی تھیں -

مسز میلونے نے پوچھا یہ تو ظاھر ھے کہ آپ اپنی ٹوپی اور اپنا گاؤن تو ضرور لائی ھوں گی، یہاں کی تقریبات کے لئے یہ دونوں چیزیں بہت ضروری ھیں -

میری معصومیت سے مسکرانے لگی - وہ گاؤن نہیں لائی تھی - اس بے چاری کے پاس گاؤن تھا ھی نہیں - یونیورسٹی کے پروفیسروں کو تو مجبوراً گاؤن بنوانا ھی پڑتا ھے، لیکن میری تنہا پروفیسر تھی جس نے گاؤن نہیں بنوایا تھا -

ایک درزی کو فوراً بلوایا گیا اور اس سے کہا گیا کہ وہ ایک سیاہ ریشم کا گاؤن اور ایک جھبے دار ٹوپی تیار کرے، کیونکہ اس کے بغیر ڈاکٹر کی ڈگری ملتی ھی نہیں ھے - میری ان تکلفات سے بےحد پریشان تھی، اور وہ طرح طرح کے بہانے بناتی تھی، کبھی وہ یہ کہتی تھی کہ آستینیں تنگ ھیں اور کبھی وہ یہ کہتی تھی کہ یہ کپڑا بہت گرم ھے - سو باتوں کی ایک بات یہ تھی کہ ریشم سے اس بے چاری کی انگلیوں میں جلن ھونے لگتی تھی، کیونکہ یہ انگلیاں ریڈیم سے جھلس چکی تھیں - ۳۱ مئی کو مسز اینڈ ریو کارینگی کے مکان پر لنچ پیش کیا گیا اور مادام کیوری وھاں سے روانہ ھوئی -

جب مادام کیوری کی سواری نکلی تو سفید لباس پہنے ھوئے لڑکیوں کی ایک قطار ساتھ ساتھ چل رھی تھی - یہ ھزاروں لڑکیاں تھیں - یہ لڑکیاں جھنڈیاں اور پھول ھلا رھی تھیں اور میڈم کیوری کی تعریف میں گیت گا رھی تھیں - یہ اسمتھ زنانہ کالج کی لڑکیاں تھیں -

اسی کالج کی نمائندہ لڑکیاں بعد میں بھی نیویارک کے کارینگی ھال میں نظر آئیں - اس ھال میں عورتوں کا ایک بہت بڑا جلسہ ھو رھا تھا - کالج کی لڑکیاں میری کے آگے ادب سے جھک گئیں اور انہوں نے میری کو ایک پھول دیا، یہ ایک امریکن گلاب تھا - امریکن پروفیسروں کے سامنے فرانسیسی اور پولش سفیر بیٹھے تھے، یہ اپنی پرانی رفیق کو داد تحسین دینے آئے تھے - مادام کیوری نے خطابات، انعامات اور تمغات وصول کئے، اور اسے ایک

بہت ھی بڑا اور غیرمعمولی خطاب دیا گیا ، اسے آزادیٔ نیویارک کا خطاب ملا ۔

دوسرے دو دنوں میں جب امریکن سائنٹیفک سوسائٹی میں والڈف آسٹوریہ اسے مبارک باد کہہ رہے تھے تو وہ تھکن کی وجہ سے لڑکھڑا رہی تھی ۔ ان تمام تقریبات اور ھنگاموں سے یہ نازک مزاج عورت بہت پریشان تھی ۔ ھزاروں انسانوں کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ھوئی تھیں ، اور وہ اتنی تیز نگاھوں سے بڑی خائف تھی ۔ اسے نہ جانے کیوں یہ وھم ستاتا تھا کہ وہ اتنی بھیڑ میں کچل جائے گی ۔ اس کے ایک عقیدت مند نے اس سے ھاتھ ملایا اور مارے جوش کے اتنی زور سے جھٹکا دیا کہ اس بے چاری کا ھاتھ اکھڑ گیا ۔ اس نے امریکا کا باقی سفر اس طرح کیا کہ ایک ھاتھ میں مستقل طور پر پٹی بندھی رھی ۔ یہ شہرت کا حادثہ تھا ۔ وہ عظیم دن آ گیا جس روز اس کی سائنسی خدمات کے صلے میں اسے نذرانا پیش کیا جانے والا تھا ۔ ایک ذھین عورت کی خدمت میں ھدیہ عقیدت پیش کیا جانے والا تھا ۔ ۲۰ مئی کو واشنگٹن کے قصر سفید میں امریکا کے صدر مسٹر ھارڈنگ نے اس کی خدمت میں ایک گرام ریڈیم پیش کیا ۔ ایک شیشہ کا صندوقچہ تھا جو خاص طور پر ریڈیم کی نلکیاں رکھنے کے لئے بنوایا گیا تھا ۔ یہ نلکیاں بڑی قیمتی اور بڑی خطرناک تھیں ۔ اس موقع پر بڑے بڑے سفیر ، جج ، فوجی افسر اور بحریہ کے افسر اور یونیورسٹیوں کے پروفیسر جمع تھے ۔

چار بج گئے ۔ دروازے کے دونوں پٹ اچھی طرح سے کھول دیئے گئے تاکہ جلوس اندر آ سکے ۔ فرانسیسی سفیر موسیو جیو سراں ،

مسز ہارڈنگ بازو مس بازو ڈالے ہوئے تھے۔ صدر ہارڈنگ مسز کیوری کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ ان کے پیچھے مسز میلونے، آئیرین، ایو اور میری کیوری اور کمیٹی کی خواتین تھیں۔

تقریریں شروع ہوئیں۔ سب سے آخر میں امریکا کے صدر نے تقریر کی، انہوں نے نیک دل خاتون، شوہر کے نام پر بیٹھی ہوئی بیوی اور محبت کرنے والی ماں سے خطاب کیا، اور انہوں نے کہا کہ مادام کیوری پر غموں کے پہاڑ ٹوٹے لیکن اس کے باوجود انہوں نے عورت کے فرائض کو پورا کیا۔ انہوں نے میری کی خدمت میں ایک چرمی کاغذ پیش کیا، اس پر تین رنگوں کا ربن بندھا ہوا تھا، اور ایک سونے کی کنجی پیش کی، یہ کنجی تجوری کو کھولنے کے لئے تھی۔

میری نے مختصر الفاظ میں شکریہ ادا کیا، اور ان الفاظ کو اس طرح سنا گیا جیسے سننے والوں کو مذہبی عقیدت ہو۔ اس کے بعد مہمان اٹھ کر نیلے کمرے میں پہنچے اور سائنس داں خاتون کے سامنے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ مادام کیوری ایک کرسی پر بیٹھ گئیں اور وہ ان لوگوں کی طرف مسکرا مسکرا کر دیکھنے لگیں جو اس کی طرف اشتیاق کے ساتھ بڑھ رہے تھے، اس کی لڑکیاں اس کی طرف سے ہاتھ ملا رہی تھیں اور انگریزی، پولش اور فرنچ میں شکریہ ادا کر رہی تھیں، جو شخص ان تینوں زبانوں میں سے کوئی زبان بولتا تھا، لڑکیاں اسی زبان میں جواب دیتی تھیں۔ اس کے بعد منتشر لوگ پھر جلوس کی شکل میں جمع

ہوئے اور روانہ ہوئے ، باہر فوٹو گرافروں کی فوج کی فوج انتظار کر رہی تھی ۔

اب ان لوگوں کو فوقیت حاصل تھی جو اس تقریب کا آنکھوں دیکھا حال بیان کر سکتے تھے ، اور اخباری نمائندے یہ جان کر حیران تھے کہ صدر ہارڈنگ مادام کیوری کی خدمت میں ریڈیم پیش کر چکے ہیں ۔ شام کے وقت مسز میلونے نے ریڈیم کے تحفہ کی دستاویز پیش کی ، تاکہ مادام کیوری اسے منظور کرے ۔ مادام کیوری نے بڑے غور سے دستاویز پڑھی اور پھر اس نے کہا :

اس دستاویز میں تبدیلی کی ضرورت ہے ، یہ ریڈیم جو امریکا نے مجھے پیش کیا ہے ، اس پر میرا نہیں سائنس کا حق ہے ۔ جب تک میں زندہ رہوں گی میں اسے سائنسی کاموں پر استعمال کرتی رہوں گی ، لیکن اگر میں مر گئی تو میری بیٹیوں کو اس ریڈیم پر کوئی حق نہ ہوگا ۔ میں اس ریڈیم کو اپنی تجربہ گاہ کے نام ہبہ کر دینا چاہتی ہوں ۔ وکیل کو فوراً بلاؤ اور دستاویز میں فوراً ترمیم کراؤ ۔

مسز میلونے نے کہا آپ سچ کہتی ہیں ۔ اگر آپ کو یہ بات پسند ہے تو آئندہ ہفتے ترمیم کرا دی جائے گی ۔

کیسا آئندہ ہفتہ میں تو کل کا انتظار نہیں کر سکتی ۔ ابھی اسی وقت وکیل کو بلواؤ ، ہو سکتا ہے میں چند گھنٹوں بعد مر جاؤں ۔

رات زیادہ ھو گئی تھی - بڑی مشکل سے ایک وکیل تلاش کیا گیا ، نئے کاغذ پر دستاویز لکھی گئی اور تب اس نے فوراً دستخط کردیئے -

واشنگٹن سے روانہ ھونے سے قبل اسے ایک تجربہ گاہ کا افتتاح کرنا تھا - آخری لمحہ پر انجینئروں کو بتا دیا گیا تھا کہ مادام کیوری بہت تھکی ھوئی ھے اور انجن والے کمروں میں نہیں جائے گی - وہ بجلی کا ایک معمولی سا بٹن دبا دے گی اور تمام مشینیں چل پڑیں گی ، اور رسم افتتاح ادا ھو جائے گی - جس طرح بات طے ھوئی تھی اسی طرح رسم ادا ھوئی - مقرر مائیکروفون کے سامنے آیا اور اسے جو کچھ کہنا تھا اس نے کہا، اور پھر اس نے بلند آواز سے اعلان کیا - اب مادام کیوری تجربہ گاہ کا افتتاح فرمائیں گی - چند سیکنڈ میں بات ختم ھوئی اور اسسٹنٹ مادام کیوری کے چہرے کو مایوسی سے تکتے رھے اور وہ اس کی توجہ اپنی جانب مبذول نہ کر سکے -

مادام کیوری ایک خوبصورت سے تاج کے نمونہ کو دیکھنے میں محو تھی - یہ تاج اسے پانچ منٹ پہلے پیش کیا گیا تھا ، وہ اسے بار بار الٹ پلٹ کر دیکھتی تھی اور اس طرح وہ گویا اس کی تعریف کر رھی تھی ، شاید وہ یہ سوچ رھی تھی کہ وہ ریڈیم کی تجربہ گاہ میں اس تاج کو رکھ دے گی کہ وھی اس کے لئے موزوں جگہ ھے -

اس نے جلدی سے بجلی کا بٹن دبا دیا اور رسم افتتاح ادا کر دی -

فلاڈلفیا اعزازی خطابات ، ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں ، تحفہ تحائف ایک فیکٹری کے مالک نے اسے مسسو تھورئم کے پچاس گرام دیئے ۔ امریکن فلاسوفیکل سوسائٹی نے اسے جون اسکاٹ میڈل دیا ۔ اظہار تشکر کے طور پر میری نے اس سوسائٹی کو ایک کوارز پیش کیا ۔

اس نے پٹس ورگ میں ریڈیم کی فیکٹری کا معائنہ کیا ، جہاں خالص ریڈیم تیار ہوتی تھی ۔ یونیورسٹی ..... میں ایک اور ڈاکٹر کی ڈگری دی گئی ..... میری اپنا یونیورسٹی کا گاؤن پہنے ہوئے تھی جو اب رفتہ رفتہ اس کے لئے آرام دہ بنتا جا رہا تھا ، لیکن اس نے وہ روائتی جھبے دار ٹوپی پہننے سے انکار کر دیا جو ڈاکٹر کی ڈگری لیتے وقت پہنی جاتی ہے ۔ وہ بدستور ننگے سر رہی ، اور اس نے اپنے سفید بالوں کو چھپانا پسند نہ کیا ، وہ کہتی تھی کہ یہ ٹوپی اس کے سر پر ٹھہرتی ہی نہیں ہے ، وہ اپنا ہیٹ داھنے ھاتھ میں تھامے رہی ۔ وہ طالب علموں اور جھبے دار ٹوپی پہننے والے پروفیسروں کے درمیان گھری ہوئی تھی ۔ اس پختہ کار اور تجربہ کار نازنین کو کوئی اندازہ نہ تھا کہ وہ اس ھجوم میں کیسی نظر آ رہی ہے ۔

اس نے تمام تقریب کے دوران میں بس یہی کوشش کی کہ وہ گرنے نہ پائے ۔ اس نے پھولوں کے ھار اور گلدستے قبول کئے ، تقریریں اور نظمیں سنیں ۔

لیکن دوسرے روز صبح اخباروں میں ایک خبر وحشت اثر شائع ہوئی ۔ مادام کیوری بہت کمزور ہو گئی ہیں، اور سفر

کے قابل نہیں ہیں۔ اپنے ڈاکٹروں کے مشورے کے مطابق اس نے باقی شہروں کے دورے کا پروگرام ملتوی کر دیا ، اور اس کے استقبال میں جو کچھ انتظام کیا جا رہا تھا وہ سب منسوخ کر دیا گیا۔

ایک امریکن اخبار نویس نے اپنے اخبار میں اپنے ملک والوں کو مطعون کیا تھا کہ وہ ایک معمر اور کمزور عورت کی طاقت سے زیادہ اسے دعوتوں میں شرکت کرنے کے لئے مجبور کرتے ہیں۔ اخباروں میں اکثر اسی قسم کے مضامین شائع ہونے لگے تھے۔

" ضرورت سے زیادہ مدارات "....... یہ ایک اخبار کا عنوان تھا " امریکی خواتین نے اپنی ذہانت کا عمدہ ثبوت دیا ہے ، یعنی انہوں نے سائنسداں خاتون کی مدد کی ہے ، لیکن سخت گیر نقاد ضرور کہیں گے کہ ہم نے جو کچھ اس کی مدد کی ہے اس کے معاوضے میں ہم نے محض اپنے غرور کی تسکین کے لئے مادام کیوری کی زندگی ضبق کر دی ہے۔ ایک دوسرے اخبار میں نہایت جرأت مندی کے ساتھ لکھا گیا تھا " سرکس کا منیجر مادام کیوری کو اتنی رقم دے سکتا ہے کہ جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے" ہر چیز کا تاریک پہلو دیکھنے والے لوگ یہ کہتے تھے " ہم نے اپنے جوش محبت اور جوش عقیدت میں پہلے تو مارشل جافرے کو ہلاک کر دیا ہے ، کیا اب ہم مادام کیوری کو ہلاک کرنے جا رہے ہیں ؟ "

مادام کیوری اب اپنے امریکن مداحوں سے اچھی طرح بے تکلف ہو چکی تھی۔ اب مادام کیوری ریل گاڑیوں سے اتر کر

پچھلی طرف سے نکل جانے کی عادی ہو چکی تھی ، وہ ریل گاڑی کی پٹریاں عبور کر کے اسٹیشن سے نکل جاتی تھی تا کہ اسٹیشن پر استقبال کرنے والے ھجوم سے بچ سکے ۔ جب بفالو میں اس کی آمد کا اعلان کیا گیا تو وہ ایک اسٹیشن پہلے ھی اتر گئی ۔ وہ نیاگرا فال دیکھنے گئی اور اس کا یہ سفر پر سکون رہا ، لیکن بفالو مجلس استقبالیہ مادام کیوری کی زیارت سے دست کش نہ ہو سکی ۔ موٹر کاریں نیاگرا فال کی طرف دوڑ پڑیں اور وھاں انہوں نے مادام کیوری کی زیارت کر لی ۔

آپ جانتے ھوں گے کہ تھئیٹر میں ایک ھی کردار کو بعض اوقات دو آدمی پیش کرتے ھیں اور انہیں تھئیٹر کی اصطلاح میں ڈبل کیا جاتا ھے ۔ آئیرین اور ایو جو شروع شروع میں محض بدرقے کے طور پر تھیں اب وہ تھئیٹر کی زبان میں ڈبل بن چکی تھیں ۔ آئیرین یونیورسٹی گاؤن پہن کر اپنی ماں کی طرف سے ڈگریاں وصول کرتی تھی ۔ بڑے بڑے مقرر ایو سے خطاب کرتے تھے ، جس کی عمر ابھی صرف سولہ سال تھی ، جو تقریریں مادام کیوری کے لئے تیار کی گئی تھیں وہ ایو کی شان میں پڑھ دی جاتی تھیں ، اور ان تقریروں میں اس کے شاندار سائنسی کام کی تعریف کی جاتی تھی ، اور اس کی عمر بھر کی شدید محنت کا ذکر کیا جاتا تھا ۔ ان تقریروں کے بعد اس سولہ سال کی چھوکری سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ ان تقریروں کا جواب بھی دے گی ۔ ان دونوں بہنوں کی اس طرح آؤ بھگت کی جاتی تھی کہ کیا کسی بڑے قومی رھنما کی عزت افزائی کی جاتی ھوگی ، جب یہ دونوں لڑکیاں

اپنی ماں کی طرف سے نمائندگی نہ کرتی تھیں تو ان سے بعض تفریحی مشاغل کے لئے کہا جاتا تھا ، مثلاً ٹینس پارٹی یا کشتی چلانے کی دعوت ، لانگ آئی لینڈ پر سنیچر گزارنے کا پروگرام ، لیک مچی گن میں تیرنے کا پروگرام ، تھیٹر میں چند شامیں اور کوئی آئی لینڈ میں ایک رات ، لیکن سب سے مسرت بخش دن وہی تھے جو غرب‌الہند کے سفر میں گزرے -

مسز ملونے نے مادام کیوری کو سارے امریکا کی سیر کرانے کا تہیہ کیا تھا ، لیکن وہ بعد میں اس خیال سے دست کش ہو گئی تھیں ، لیکن اس کے باوجود وہ یہ چاہتی تھیں کہ امریکا کی قابل دیدِ چیزیں ضرور دیکھ لیں - مادام کیوری بہت تھک چکی تھیں ، اور اسی لئے وہ کسی چیز کو دیکھ کر دل کھول کر تعریف بھی نہ کر سکتی تھیں ، لیکن ان کی لڑکیوں کا جوش‌وخروش آخر تک قائم رہا ، وہ ہر چیز سے لطف اندوز ہوتی تھیں - ٹیکساس سے گزرتے ہوئے سہ روزہ ٹرین کا سفر ، چھوٹے چھوٹے ویران اور سنسان اسٹیشنوں پر کھلی دھوپ ، کھانے کا انتظام ، گرانڈ کینان کا ہوٹل -

آئیرین اور ایو غرب‌الہند کے چھوٹے اور سخت جان ٹٹوؤں پر سواری کرتی تھیں - بے برگ و گیاہ پہاڑوں کی سیر کرتی تھیں -

اب نہایت اہم اور ناگزیر تقریبات ہی میں شرکت کی جا سکتی تھی ، کیونکہ وہ اب بہت تھک چکی تھیں - ۲۸ مئی کو نیویارک میں مادام کیوری کو کولمبیا یونیورسٹی کی طرف سے ڈاکٹر کی ڈگری پیش کی گئی - شکاگو میں اسے شکاگو یونیورسٹی کا اعزازی

رکن بنایا گیا ، اور تبن اسنفبالیہ دعوتوں میں اسے مختلف ڈگریاں پہنں کی گئیں ۔ پہلی مرتبہ مادام کیوری اور ان کی بیٹیوں کو ھجوم سے محفوظ رکھنے کے لئے ایک رسا باندھ دیا تھا ۔ دوسری مرتبہ ایک جلسے مبں پولینڈ کا قومی ترانہ سنایا گیا اور انئے ھار پہنائے گئے کہ وہ نقریباً پھولوں میں دب کر رہ گئی ۔ شکاگو میں پولینڈ کے باشندوں کی ایک نو آبادی بھی تھی ، ان باشندوں نے ایک جلسے میں مادام کیوری کو بلایا اور بڑے پر جوش طریقے سے استقبال کیا ۔ پولینڈ کے یہ باشندے بھول چکے تھے کہ مادام کیوری ایک سائنسداں خاتون ھے ، وہ اسے اپنے بھولے بسرے وطن کی ایک نشانی سمجھ رھے تھے ۔ پولش مرد اور عورتیں مادام کبوری کے ھاتھوں کو چومنے اور اس کے لباس کو چھونے کی کوشش کر رھے نھے ۔

۱۷ جون کو مادام کیوری بیمار پڑ گئیں ۔ انھیں بلڈ پریشر کا دورہ پڑا ، حملہ بہت سخت تھا ، ڈاکٹر پریشان ھو گئے ۔ مادام کیوری کو چند روز آرام کرنا پڑا ، جب کسی قدر بحال ھوئیں تو وہ بوسٹن نیوھیون ، ھارورڈ ، ولینرلی ، سمنز اور ریڈکلائف کے دورے پر جا سکیں ۔ ۲۸ جون کو وہ اولمپک نامی جہاز پر سوار ھوئیں ، جہاز کے کمرے مس برقی پیغاموں اور پھولوں کا انبار لگا ھوا نھا ۔

اب بہت جلد فرانس سے ایک اور ”اسٹار“ آنے کو تھا ۔ اب اخباروں کی شاہ سرخیوں میں مادام کیوری کی جگہ اس کا نام نظر آنے کو تھا ۔ جارجز کارینٹائر گھونسا بازی (باکسنگ) کے

فن میں بے حد مشہور تھا ۔ وہ نیویارک پہونچنے کو تھا ، اور اخباری نمائندے مادام کیوری سے یہ بات معلوم کرنے میں بری طرح ناکام رہے کہ مشہور گھونسا باز ڈیمپ سے اور امریکا پہونچنے والے اس گھونسہ باز کے درمیان جو میچ ہوا تھا اس کا کیا نتیجہ رہا تھا . . . .

میری بہت تھک چکی تھی اور سچ تو یہ ہے کہ وہ بہت مطمئن تھی ، وہ اپنے خطوں میں اس بات پر اظہار مسرت کرتی تھی کہ اس نے امریکا ، فرانس اور پولینڈ کے درمیان دوستی کے فروغ کے سلسلے میں تھوڑا بہت کام کیا ہے ، وہ اپنے سابق وطن پولینڈ اور نئے وطن فرانس سے اظہار ہمدردی کرتی تھی کہ جن کا نام وہ صدر ہارڈنگ اور نائب صدر کولج کی زبان سے سن چکی تھی ، لیکن اپنے شدید انکسار کے باوجود وہ یہ بات چھپانے میں ناکام رہی کہ امریکا میں اس کی بڑی آؤ بھگت ہوئی تھی ۔ لاکھوں امریکنوں کے دلوں کو اس نے مسخر کیا تھا اور لاکھوں امریکنوں نے اس سے اظہار عقیدت کیا تھا ۔ اس دورے میں اس نے بے شمار لوگوں کو اپنا دوست بنایا تھا ۔ ان دوستوں میں ایک مسز میلونے تھیں جو مرتے دم تک اس کی بہترین دوست رہیں ۔

مادام کیوری اپنے اس غیر معمولی دورے کی رنگین یادوں کی ترتیب کے ساتھ حافظے میں محفوظ رکھ سکیں ۔ وہ امریکن یونیورسٹیوں کی بھرپور زندگی اور وہاں کی سرگرمیوں سے بے حد متاثر ہوئی تھیں ۔ وہ وہاں کے جلسوں اور تقریبوں کی شگفتگی اور چمک دمک سے بہت متاثر ہوئی تھیں ۔ پھر وہاں کے کالجوں میں

اسپورٹس کا ایسا اچھا انتظام تھا کہ اسے دیکھ کر مادام کیوری بہت خوش ہوئی تھیں ۔

وہ امریکن عورت سے بھی بے حد متاثر ہوئی تھیں اور انہیں اپنے سفر میں بار بار امریکا کی عورتوں کی سرگرمیاں یاد آتی تھیں ۔

اور سب سے آخر میں وہ وہاں کی تجربہ گاہوں کو دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھیں ، جن میں سائنس کا مکمل سامان موجود تھا اور بے شمار شفاخانے تھے جہاں کیوری تھراپی کے ذریعے علاج ہوتا تھا ، یعنی ریڈیم کے ذریعے سرطان کا علاج کیا جاتا تھا ۔ ریڈیم کے ذریعے علاج کا سلسلہ دیکھ کر ان کے مزاج میں کچھ تلخی بھی پیدا ہو گئی تھی ۔ وہ بڑی حسرت سے سوچ رہی تھیں کہ اسی سال یعنی ۱۹۲۱ء میں فرانس میں ایک بھی ایسا ہسپتال نہ تھا جہاں ریڈیم کے ذریعے علاج ہوتا ہو ۔

وہ امریکا میں اس لئے آئی تھیں کہ وہ یہاں سے ریڈیم کا تحفہ حاصل کریں گی ۔ چنانچہ ان کے اسی جہاز میں ریڈیم بھی ان کے ہمراہ تھی ، اور بڑے پیچیدہ قسم کے تالوں کے اندر سیف کے اندر محفوظ تھی ۔ اس ریڈیم کے ایک گرام نے مادام کیوری کو ہزاروں باتیں سوچنے پر مجبور کر دیا تھا ۔ اتنی ذرا سی مقدار کی ریڈیم کو خریدنے کے لئے باوقار طور پر بھیک مانگنے کی مہم چلائی گئی تھی ، یعنی پورے براعظم امریکا میں چندہ اکٹھا کیا گیا تھا ۔ اس تحفے کو وصول کرنے کے لئے میری کو بنفس نفیس امریکا آنا پڑا تھا ، اور یہاں کے مختلف شہروں میں گھوم پھر کر اسے شکریہ ادا کرنا پڑا تھا ۔

بھلا کیوں کر اس خاتون کے ذہن میں یہ خیال نہ آیا ہوگا کہ اگر وہ چند سال پہلے اسی ریڈیم کا پیٹنٹ حاصل کر لیتی تو حالات کتنے مختلف ہوتے۔ بھلا کیوں کر اس نے یہ نہ سوچا ہوگا کہ ایک دولت مند مادام کیوری اپنی دولت سے ملک میں تجربہ گاہوں اور شفاخانوں کا جال بچھا سکتی تھی؟ کیا بیس سالہ ریاض اور اتنی طویل مدت کی جدوجہد سے میری کو دکھ پہونچا تھا؟ . . . . کیا لوگوں نے یہ سوچا ہوگا کہ اس نے دولت کو اس لئے ٹھکرا دیا تھا کہ ریڈیم کی صنعت دنیا میں ترقی کرے۔

امریکا سے واپس آنے کے بعد مادام کیوری نے اپنے مختصر حالات زندگی قلمبند کئے تھے، اور انہیں حالات میں اس نے اپنے آپ سے یہ سوالات کئے تھے اور ان کے جوابات بھی تحریر کئے تھے۔

میرے بے شمار احباب مجھ سے کہتے ہیں کہ اگر میں نے اور پیئر کیوری نے ریڈیم کے جملہ حقوق اور پیٹنٹ حاصل کر لیا ہوتا تو ہم دونوں بہت مزے میں رہتے، ہمیں کسی قسم کی اقتصادی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑتا، اور ہم اتنے دولت مند ہوتے کہ بغیر کسی رکاوٹ کے ریڈیم انسٹی ٹیوٹ قائم کرتے۔ آج بھی ریڈیم انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے میں رکاوٹیں درپیش ہیں۔ ان سب باتوں کے باوجود میں اپنی جگہ پر اب بھی مطمئن ہوں، اور میں سمجھتی ہوں کہ جو کچھ ہم دونوں نے کیا وہ درست تھا۔

بلا شبہ انسانیت کو با عمل انسانوں کی ضرورت ہے، جنھیں اپنے کام کا صلہ بہت کم ملتا ہے، اور جو اپنی ذاتی غرض کو

ھمیشه نظر انداز کر دیتے ھیں ۔ انسانیت کو ایسے لوگوں کی بھی ضرورت ھے جو اپنے حال میں مگن ھیں ، ان کے نزدیک کام کی اتنی زیادہ اھمیت ھے کہ وہ مادی نفع اور اپنے ذاتی اغراض و مقاصد پر نظر ھی نہیں کرتے ۔

اس میں ذرہ بھر کلام نہیں کہ ان قلندر لوگوں کو دولت کی بالکل طمع نہیں ھوتی ، یہ دولت کے مستحق ھوتے ھی نہیں ... کیوں ؟ اس لئے کہ یہ دولت کی خواھش کرتے ھی نہیں ... ان سب باتوں کے پیش نظر ایک منظم معاشرے کا فرض ھے کہ وہ ایسے قلندر انسانوں کی ھر طرح سے مدد کرے اور انہیں اپنی آسائشیں مہیا کرے کہ وہ مادی ضرورتوں سے بے نیاز ھوکر یکسوئی کے ساتھ اپنا تحقیقی کام جاری رکھ سکیں ۔



چوبیسواں باب

نقطۂ عروج

مجھے یقین ہے کہ امریکا کے دورے سے میری والدہ نے چند باتیں ضرور سیکھی ہوں گی -

میں نے اسے بتایا تھا کہ اس نے رضاکارانہ طور پر جو خلوت گزینی اختیار کی ہے وہ درست نہیں - طالبعلم کے طور پر وہ چاہے اپنے آپ کو اس کمرے میں بند کر لے جو بلڈنگ کی سب سے بالائی منزل پر تھا ، اور اس بند کمرے میں غرق مطالعہ ہو جائے ، اور اس خلوت میں تحقیقی کام کرے اور دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو جائے اور اس کام میں بالکل محو ہو جائے . . . . اور سچ بھی ہے اسے ایسا ہی کرنا چاہئے تھا ، لیکن پچپن برس کی بوڑھی مادام کیوری اس مس اسکلوڈووسکا سے بالکل مختلف تھی جو ریسرچ کے کام میں مصروف تھی - میری ایک نئے سائنس کی بانی تھی ، اور اس نے ایک نیا طریقۂ علاج ایجاد کیا تھا - اس کے نام کا اتنا دبدبہ تھا کہ وہ بہ یک جنبش ابرو اگر چاہتی تو کسی بھی ایسے منصوبے میں کامیابی حاصل کر لیتی جو اسے بہت عزیز تھا - اب وہ اس مقام پر پہونچ چکی تھی کہ لازمی طور پر اسے اپنی زندگی کے مقاصد پورے کرنے تھے -

میں اس کے ہر سفر کا حال بیان نہ کروں گی - اس نے اپنی زندگی میں بہت سے سفر کئے تھے - سائنسی اجلاس ، تقریریں ،

یونیورسٹیوں کی نقریبات اور تجربہ گاھوں کا معائنہ کرنے کے لئے مادام کیوری کو ملک ملک کا سفر کرنا بڑا نھا ۔ اس نے اپنے آپ کو مفید انسان بنانے کی کوشش کی تھی ۔ اس نے اپنی غیر یقینی صحت اور جسمانی کمزوری کو دور کرنے کی بہت کم کوشش کی نھی ، لیکن پھر بھی اس نے سیر و تفریح کے لئے وقت ضرور نکالا تھا ۔

جب وہ اپنے سرکاری فرائض انجام دے لیتی تو ان فرائض کی انجام دہی کا بہترین انعام وہ یہ حاصل کرتی کہ نئے اور پر فضا مقامات تلاش کرتی اور مناظر قدرت سے لطف اندوز ہوتی نھی ۔ اس نے تئیس برس تک نہایت خشک کام کیا تھا ۔ اس خشکی کو دور کرنے کے لئے وہ قدرت کی خوبصورتی کی جستجو میں رہا کرتی تھی ۔ جب وہ ایک چھوٹے سے اطالوی جہاز پر بیٹھ کر جنوبی اٹلانٹک کو عبور کر کے ایک ملک میں پہونچی تو اسے بچکانہ مسرت حاصل ہوئی ۔

وہ ایو کو لکھتی ہے :

ہم نے کچھ اڑنے والی مچھلیاں دیکھی ہیں ، ہم نے دیکھا کہ یہاں ہمارا سایہ گھستے گھستے بالکل غائب ہو جاتا ہے ۔ یہاں سورج ٹھیک ٹھیک ہمارے سروں پر ہوتا ہے ۔ یہاں ہم نے قطب ستارہ دیکھا ۔ میں ستاروں کے بارے میں بہت کم جانتی ہوں ۔

اس نے ری اوڈی جنرو میں چار ھفتے گزارے ۔ یہاں وہ آئیرین کے ساتھ آئی تھی ۔ یہاں اسے چند لکچر دینے تھے ۔ ہر صبح

وہ سمندر میں نہاتی تھی ۔ سہ پہر کو وہ کبھی پیدل ، کبھی موٹر پر ، کبھی کشتی پر سیر کرنے کو نکلتی تھی ۔

اطالیہ ، ھالینڈ اور انگلستان نے متعدد بار اس کا استقبال کیا تھا ۔ ۱۹۳۲ء میں وہ ایو کے ھمراہ ھسپانیہ گئی تھی ۔ یہ سفر اتنا خوشگوار تھا کہ اسے کبھی بھلایا نہیں جا سکتا ۔ صدر ماساریئک، مادام کیوری کی طرح طبیعتاً کسان تھا ، اس نے زیکوسلاویکیہ میں اپنے دیہاتی مکان میں مادام کیوری کو مدعو کیا تھا ۔ وہ بروسلز پہونچی ، وھاں اس نے باقاعدگی کے ساتھ سولہویں کانگرس کے اجلاس میں شرکت کی ۔ یہاں اسے اجنبی اور ممتاز مہمان کی حیثیت سے نہ دیکھا گیا بلکہ اسے جانا پہچانا دوست اور پڑوسی سمجھا گیا ۔ وہ ان جلسوں سے محبت کرتی تھی (وہ اپنے ایک خط میں لکھتی ھے) مجھے وہ جلسے بہت پسند آئے جن میں عاشقان طبعیات مختلف سائنسی دریافتوں اور نئے نظریات پر بحث کرتے تھے ۔ عام طور پر ان تقریبات کا اختتام اس طرح ھوتا تھا کہ کوئی نہ کوئی بادشاہ دعوت میں شرکت کرتا تھا ۔ بادشاہ البرٹ اور ملکہ الزبیتھ سے مادام کیوری بلجین محاذ پر متعارف ھوچکی تھی ، وہ دونوں مادام کیوری کے بڑے اچھے دوست بن چکے تھے ۔

دنیا کا ایسا کوئی گوشہ نہ تھا جہاں لوگ اس کے نام سے واقف نہ ھوں ۔ چین کے کسی نہایت دور افتادہ گاؤں میں ، کنفیوشس کے کسی مندر میں ، مادام کیوری کی تصویر دیکھی جا سکتی تھی ۔ انسانیت کے محسنوں کی تصویروں کے ساتھ ساتھ نیوٹن ، ڈسکارٹیس اور گوتم بدھ اور چین کے بڑے بڑے شہنشاھوں کی "Rene

ڈکارٹ

تصویروں کے ساتھ مادام کیوری کی تصویر دیکھی جا سکتی تھی ۔ پندرہ مئی ۱۹۲۲ء کو لیگ آف نیشنز نے بہ اتفاق رائے مادام کیوری اسکلوڈووسکا کو انٹرنیشنل کمیٹی فار انٹلکچول کواپریشن کا رکن نامزد کیا ۔ مادام کیوری اسکلوڈووسکا نے منظور کر لیا ۔

مادام کیوری کی زندگی میں ایک اہم تاریخ تھی نہ جانے کتنی انجمنوں ، نہ جانے کتنے یتیم خانوں اور نہ جانے کتنے اداروں نے اس کے نام کا تعاون حاصل کرنا چاہا تھا ۔ اس نے کبھی منظور نہ کیا ۔ مادام کیوری کسی ایسی انجمن کی رکن نہ بننا چاہتی تھی کہ جس کی وہ رکن تو بن جائے لیکن جس کے لئے کام نہ کر سکے ، اور ان سب باتوں کے علاوہ اس کی خواہش تھی کہ ہر حالت میں سیاست سے قطعی طور پر الگ رہے ۔ وہ خالص سائنسداں بن کر زندہ رہنا چاہتی تھی ، اور اپنی اس حیثیت کو کسی قیمت پر ضائع کرنے پر تیار نہ تھی ۔ وہ سیاسی اختلافات میں بالکل نہ پڑنا چاہتی تھی ۔ بے ضرر سے بے ضرر سیاسی قرار داد پر لوگ اس کے دستخط حاصل نہ کر سکے ۔

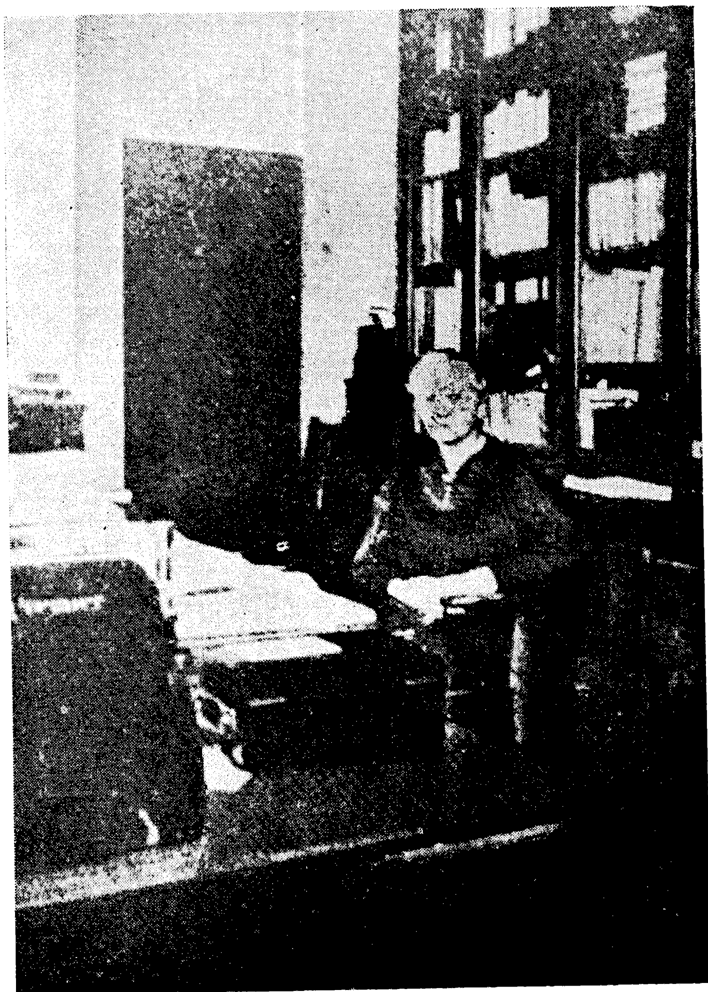
اب سوال یہ تھا کہ مادام کیوری نے لیگ آف نیشنز کی ایک کمیٹی کی رکنیت کیوں قبول کر لی ۔

انٹرنیشنل کمیٹی میں نہایت ذہین اشخاص شامل کئے جاتے تھے ۔ برگساں ، گلبرب مرے ، جیولز ڈیٹری ، البرٹ آنس " نائین "، پروفیسر لارنز ، پال پینلیو اور دوسرے بہت سے اشخاص ۔ میری اس کمیٹی کی نائب صدر بننے کو تھی ۔ وہ متعدد مخصوص کمیٹیوں



مادام کیوری اور صدر هارڈنگ (امریکا)

۱۹۲۱ء



مادام کیوری اپنے دفتر میں

۱۹۲۵ء

کی ممبر بننے والی تھی ، اس کے علاوہ انٹرنیشنل کمیٹی پیرس کی مجلس انتظامیہ کی رکن بھی بننے کو تھی - مادام کیوری نے جنیوا میں کام کیا ، اور ایک مرتبہ پھر سائنس کی خدمت کرنے کو تھی -

وہ اس چیز کے خلاف جد و جہد کر رہی تھی جسے سائنسی کام کی انارکی کہا جاتا ہے ، اور کوشش کر رہی تھی کہ وہ اپنے ہم پیشہ لوگوں کے درمیان معاہدہ کرا سکے - اس معاہدے میں کئی باتیں شامل تھیں اور مقصد یہ تھا کہ سب سائنسداں ایک دوسرے سے تعاون کریں ، ساری دنیا کے سائنسداں کتابوں کے سلسلے میں ایک دوسرے کی مدد کریں ، ایک دوسرے کو اپنے کاموں سے آگاہ کرتے رہیں ، سائنس کی کتابوں کی اشاعت کا معقول انتظام ہو ، سائنس کی اصلاحات بنائی جائیں اور انہیں رواج دیا جائے - سائنسداں اپنے تحقیقی کاموں کے بارے میں رسالوں میں مضامین چھپواتے رہیں -

تجربہ گاہوں اور یونیورسٹیوں میں سائنسی تعلیم کی طرف ایک طویل عرصے سے اس کی توجہ تھی - وہ چاہتی تھی کہ یونیورسٹیوں میں سائنس کی تعلیم بہت باقاعدہ طریقہ سے ہو - وہ ہدایت کے مطابق کام کی حامی تھی - اس طرح ریسرچ کرنے والوں کو بڑی مدد ملنی تھی -

وہ تمام زندگی بعض خیالات کی حامی رہی - ایک اس کا یہ خیال تھا کہ غریب اور متوسط طبقہ میں اکثر بڑے ذہین بچے پیدا ہوتے ہیں لیکن مفلسی کی وجہ سے انہیں پھلنے پھولنے کا موقع

نہیں ملتا ، اور ان کی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں - ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے اس کسان عورت کے اندر ایک مصنف ، ایک سائنسداں ، ایک مصور اور ایک مغنی چھپا بیٹھا ہے - میری اپنی سرگرمیوں کو محدود کرنے کے لئے مجبور تھی - اس نے اپنی تمام صلاحیتوں کو صرف سائنس کی ترقی کے لئے وقف کر دیا تھا -

وہ خود ہی لکھتی ہے اور سوال کرتی ہے کہ اس سے معاشرے کو کیا فائدہ پہونچے گا - کیا اس سے سائنسی مشاغل میں ترقی ہوگی پھر تو جن لوگوں کو خدمت کا موقع ملا ہے ان کو ایثار سے کام لینا چاہئے - میرے خیال میں سائنسداں کے سامنے علم کا ایک بہت بڑا خزانہ ہوتا ہے ، پھر یہ تو بڑی ناشکری کی بات ہے کہ اس خزانے کو ضائع کر دیا جائے - ہم اس خزانے کے منہ کو نہ کھولیں اور اسے تکتے رہیں حتی کہ یہ ضائع ہو جائے -

اور سب سے آخر میں یہ کہنا ہے کہ سائنسداں ہمیشہ مال و دولت سے کتراتا رہا ہے - وہ سائنس ہی کی دولت کو سب کچھ سمجھتا ہے - وہ چاہتی تھی کہ سائنسدانوں کے لئے ایک کاپی رائٹ تیار کی جائے ، اور ان کاموں پر انعام دیا جائے جو بظاہر غیر دلچسپ ہوں لیکن جن سے کسی صنعت کو فروغ ہو سکتا ہو - وہ چاہتی تھی کہ تجربہ گاہوں کی مفلسی دور ہو اور خالص سائنسی ریسرچ کی جائے ، اور تجارتی نفع اندوزی کا خیال نکال دیا جائے -

۱۹۳۳ء میں وہ میڈرڈ گئی ، وہاں اس نے ایک مجلس مباحثہ کی صدارت کی ، بحث کا موضوع تھا ''تمدن کا مستقبل'' اس مباحثہ میں

دنیا کے تمام ملکوں کے مصنفوں اور فنکاروں نے حصہ لیا ، اس میٹنگ کے بانی پال ویلرے تھے ۔ وہ کہتے تھے کہ ڈان کوئیک زاٹ کی صفت کے لوگ اپنی ہوائی چکیوں سے لڑ رہے ہیں ۔ اکثر لوگوں نے اپنی تقریروں میں یہ کہا تھا کہ سائنس سے تمدن کو نقصان پہونچ رہا ہے ۔ اس جلسے میں مادام کیوری نے سائنس کی بہت وکالت کی ۔ اس نے اپنی تقریر میں کہا :

”میں ان لوگوں میں سے ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ سائنس میں بڑا حسن و جمال ہے ۔ ایک سائنسداں جب اپنی تجربہ گاہ میں کام کر رہا ہوتا ہے تو اس وقت وہ نرا مستری نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ ایک ، ننھا منا بچہ ہوتا ہے ، اور مظاہر قدرت اس کے سامنے بکھرے پڑے ہوتے ہیں ۔ وہ ان مظاہر سے اس طرح متاثر ہوتا ہے جیسے بچہ پریوں کی کہانی سن کر متاثر ہوا کرتا ہے ۔ ہمیں یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ اگر سائنس نے ترقی کی تو زندگی بہت زیادہ مشینی بن کر رہ جائے گی ۔ اگر دیکھا جائے تو خود مشین کے اندر بے حد حسن موجود ہے ۔

نہ میرا یہ خیال ہے کہ سائنس کی وجہ سے رفتہ رفتہ مہم جوئی ختم ہو جائے گی ، ایسی کوئی بات نہیں ہے ۔

ایک بین الاقوامی تمدن کے لئے جد و جہد شروع ہو چکی ہے ، جس میں تمام قوموں کے تمدن کا احترام شامل ہے ۔ شخصیت اور ذہانت کی حفاظت کی جائے گی ۔ ساری دنیا میں امن و امان قائم کرنے کے لئے جد و جہد شروع ہوچکی ہے “

یہ تھے مادام کیوی کے خیالات حالانکہ اس کے ملک کو حال ھی میں فتح حاصل ھوئی تھی ، لیکن اس کی تقریر میں فتح کا کوئی غرور شامل نہ تھا ۔

مادام کیوری کا خط ایو کیوری کے نام ، جولائی ۱۹۱۹ء

میرے خیال میں بین الاقوامی کام بڑا مشکل کام ھے ۔ بہرحال خواہ کام نامکمل ھی کیوں نہ ھو لیکن جنیوا میں کام شروع ھو چکا ھے ، اور مدد کی ضرورت ھے ۔

دو تین چار مرتبہ پولینڈ کا سفر . . . .

مادام کیوری فکروں سے نجات حاصل کرنے اور آرام کرنے اپنے لوگوں میں واپس نہیں آئیں ۔ چونکہ اب پولینڈ آزاد ھوچکا تھا اس لئے میری کو ھر وقت یہ خیال ستایا کرتا تھا کہ وارسا میں ایک ریڈیم انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے ، جس میں سائنسی تحقیق کا مرکز قائم کیا جائے اور سرطان کا علاج کیا جائے ۔

مشکلات پر قابو حاصل کرنے کے لئے محض اس کا ضدی پن کافی نہ تھا ۔ پولینڈ نے ابھی غلامی سے نجات حاصل کی تھی ۔ یہ ملک غریب تھا ، سرمایہ کے لحاظ سے بھی غریب تھا اور اس لحاظ سے بھی غریب تھا کہ ملک میں مستریوں اور انجینئروں کی کمی تھی ۔ میری کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ وہ خود ھی سارا انتظام کرے ، اور چندہ بھی جمع کرے ۔

اس کا جو حمایتی تھا وہ اتنا جانا پہچانا تھا کہ اس کا نام لینے کی ضرورت نہیں ھے ۔ برونیا اب بوڑھی ھو چکی تھی ، لیکن اس

کے جوش کا وهی عالم تھا جو تیس سال پہلے تھا - وہ پورے جوش کے ساتھ میری کا ھاتھ بٹانے لگی - وہ بیک وقت ماھر تعمیرات ، ایجنٹ اور خزانچی کا کام کر رھی تھی - پولینڈ کے گاؤں میں دیکھتے ھی دیکھتے پوسٹر اور ٹکٹوں کا سیلاب آ گیا - ٹکٹوں پر میری کا چہرہ بنا ھوتا تھا - چندہ مانگتے وقت یہ کہا جاتا تھا کہ یا تو نقد دام دے دو یا تھوڑی سی اینٹیں دے دو - میری اسکلوڈووسکا کیوری انسٹی ٹیوٹ کے لئے ایک اینٹ خرید کر دے دیجئے - یہ جملہ هزاروں پوسٹ کارڈوں پر چھپا ھوتا تھا - میری کے یہ الفاظ بار بار چھاپے جاتے تھے -

میری شدید خواهش هے کہ وارسا میں ایک ریڈیم انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے - اس مہم میں حکومت کی مدد شامل حال تھی -

اینٹوں کا ذخیرہ بڑھتا گیا . . . . اور ۱۹۲۵ء میں میری وارسا گئی اور وھاں اس نے انسٹی ٹیوٹ کا سنگ بنیاد رکھا - یہ بڑا فاتحانہ دورہ تھا - ماضی کی یادیں اور مستقبل کی امیدیں . . . . . . لوگوں میں جوش بہت زیادہ تھا - ایک مقرر نے اپنی تقریر میں کہا تھا "یہ جمہوریہ پولینڈ کی پہلی خاتون هے جس کا ذکر پولینڈ کی تاریخ میں سنہرے الفاظ میں لکھا جائے گا"، ان تقریبات میں کسی قسم کا سرکاری یا افسرانہ تکلف نہ تھا - پولینڈ کے صدر نے اس بات پر تعجب کیا تھا کہ میری بڑی عمدہ پولش زبان جانتی هے - اسے حیرت یہ تھی کہ اتنی طویل جلا وطنی کے بعد بھی اس کا لب و لہجہ اور تلفظ بالکل ٹھیک تھا -

" کیا تمہیں وہ گڈا یاد ہے جو آج سے تینتس سال پہلے تم نے مجھے دیا تھا ، جب میں ایک پوشیدہ سیاسی مشن کے تحت جا رہا تھا "، صدر نے میری سے کہا "یہ بہت مفید ہے"

" مجھے یاد ہے " میری نے ہنستے ہوئے کہا ۔

سال گزرتے چلے گئے ۔ جو اینٹیں جمع ہوئیں تھیں وہ دیواریں بن گئیں ۔ میری اور برونیا اپنی مشکلات کے اختتام تک نہ پہونچیں تھیں ۔ سرمایہ کی کمی بڑھ گئی اور ریڈیم کا اسٹاک کم ہونے لگا ، جس سے سرطان کا علاج ہوتا ہے ۔

میری نے حوصلہ نہ ہارا ۔ اس نے مشرق کی سمت سے منہ پھیر کر مغرب کی طرف رخ کیا . . . . . . یعنی امریکا کی طرف ، جہاں شاندار طریقے سے اس کی مدد کی گئی ، اس نے مسز میلونے کی طرف دیکھا ۔ وہ سخی امریکی خاتون جو یہ جانتی تھی کہ مادام کیوری کو وارسا میں تجربہ گاہ کا قیام اتنا ہی عزیز ہے جتنا کہ اسے اپنی تجربہ گاہ عزیز ہے ۔ مسز میلونے نے نیا معجزہ دکھایا ، اس نے چندہ جمع کیا ، تاکہ ایک گرام ریڈیم خریدی جا سکے ۔ یہ ریڈیم کا دوسرا گرام تھا ، جو امریکا کی طرف سے مادام کیوری کو پیش کیا جا رہا تھا ۔ ۱۹۲۱ء کے واقعات نے اپنے آپ کو پھر دہرایا ۔ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں میری دوبارہ نیویارک جانے والے جہاز میں سوار ہوئی ، تاکہ پولینڈ کی طرف سے امریکا کا شکریہ ادا کر سکے . . . ۱۹۲۱ء میں اس پر اعزازات کی بھر مار کر دی گئی تھی ۔ اس مرتبہ وہ صدر هوور کی مہمان رہی اور اس نے کئی روز تک وائٹ هاؤس میں قیام کیا ۔

سری نے ایو کو خط میں لکھا ''مجھے زردوزی کا بنا ہوا ایک ہاتھی پیش کیا گیا ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جانور ری پبلکن پارٹی کا نشان ہے ۔ وائٹ ہاؤس انواع و اقسام کے ہاتھیوں کی تصویروں سے بھرا پڑا ہے ، ننھا تنہا اور جھنڈ کی صورت میں بھی . .

اس مرتبہ امریکا اقتصادی بحران سے گزر رہا تھا ، اس لئے ١٩٢١ء کے مقابلے میں مغموم تھا ، لیکن امریکا نے مادام کیوری کے پر جوش استقبال میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ۔ مادام کیوری کی سالگرہ کے موقع پر سینکڑوں ان جان دوستوں نے اسے تحائف بھیجے . . . پھول ، کتابیں ، چیک ، کہ جن سے تجربہ گاہ کی تعمیر ہو سکے ، ماہر طبعیات ہونے کی رعایت سے اسے گلوینومیٹر اور طبعیات سے متعلق دوسری اشیاء کے تحفے پیش کئے گئے ۔ روانگی سے قبل اسے مسٹر اوون ڈی ینگ نے ہوائی جہاز پر بٹھایا اور سینٹ لارنس یونیورسٹی پہنچایا گیا ، وہاں مادام کیوری کا نہایت شاندار مجسمہ نصب تھا ، یہ مجسمہ دروازے میں داخل ہوتے ہی نظر آتا تھا ۔ وہ اڈیسن کی جوبلی میں بھی شریک ہوئی ۔ اس موقع پر جتنی تقریریں کی گئیں اور قطب جنوبی سے جتنے پیغام آئے ان سب میں مادام کیوری کو ہدیۂ تبریک پیش کیا گیا تھا ۔

٢٩ مئی ١٩٣٢ء کو مادام کیوری ، برونیا ڈلوسکا اور حکومت پولینڈ کے اشتراک سے کام اپنے اختتام کے قریب آ پہنچا ۔ صدر جمہوریہ پولستان (پولینڈ) موسیو موسکگی اور سبری کے احباب کے سامنے وارسا کے ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کی رسم افتتاح کی گئی ۔

برونا کے باعمل مذاق اور خوش ذوقی سے یہ تقریب بہت عمدہ پیمانے پر ہوئی ۔ کئی مہینے سے اس عمارت میں مریضوں کو داخل کیا جا رہا تھا ، اور کیوری تھراپی کے ذریعہ ان کا علاج ہو رہا تھا ۔

اس مرتبہ میری نے آخری مرتبہ پولینڈ کو دیکھا ، اپنے وطن اور اپنے شہر کی پرانی گلیاں دیکھیں ، وہ ویسٹولا گئی ۔ وہ پولینڈ کا جب بھی دورہ کرتی تھی ویسٹولا ضرور جاتی تھی ۔ وہ ایو کو جو خطوط لکھنی تھی ان میں بار بار وہاں کے آب و گل اور وہاں کے منظر کا ذکر کرتی تھی ۔

کل صبح میں اکیلی ویسٹولا گئی . . . . . دریا آہستہ آہستہ اپنے پاٹ پر بہہ رہا تھا ، اس کا پانی نزدیک سے دیکھو تو سبزی مائل نیلا اور دور سے دیکھو تو گہرا نیلا نظر آتا ہے ، بات یہ ہے کہ نیلے آسمان کا شفاف پانی پر عکس پڑتا ہے ۔

یہاں کا ایک لوک گیت ہے ، جس میں کہا گیا ہے "اس پولش پانی میں نہ جانے کیسا جادو ہے کہ جو ایک بار اس پانی کو دیکھ لے وہ قبر تک آب پولستان کی تعریف کرتا ہے "، یہ درست معلوم ہوتا ہے ، کم از کم میری ذات کی حد تک تو یہ درست ہے ۔ اس دریا میں میں بڑی کشش محسوس کرتی ہوں ، وجہ مجھے معلوم نہیں ہے ۔

گڈ بائی ڈارلنگ ۔ اپنی بہن آئیرین کو میری طرف سے پیار کرنا ۔ میں تم دونوں کو چھاتی سے لگاتی ہوں ، میرا دل تم دونوں میں اٹکا ہے ۔

تمہاری ماں



ریڈیم انسٹی ٹیوٹ پیرس میں

آئیرین اور میری کیوری اپنے رفقاء کے ساتھ



مادام کیوری اپنی بیٹی آئیرین کے ساتھ

۱۹۲۵ء

فرانس میں . . . . .

۱۹۲۰ء میں بیرن هنری ڈی روتھ چائلڈ کی جرات مند سخاوت سے کیوری فاؤنڈیشن عمل میں آئی ، یه ایک خود مختار اداره تھا جو عطیات اور چندے وصول کرتا تھا ، تاکه ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کی سائنسی اور طبی سرگرمیوں کو تقویت پہنچائی جا سکے ۔

۱۹۲۲ء میں پیرس کی اکیڈمی آوف میڈیسن کے پینتیس ممبروں نے ایک دستاویز داخل کی :

جن ممبروں کے دستخط نیچے موجود هیں ، ان کا خیال هے که اکیڈمی مادام کیوری کو اپنا فری اسوشیئیٹ ممبر منتخب کر لے، اور یه رکنیت اس بنا پر کی جائے که مادام کیوری نے ریڈیم دریافت کی هے اور ایک نیا طریق علاج رائج کیا هے ، جسے کیوری تھراپی کہا جاتا هے ۔

یه ایک انقلابی دستاویز تھی ۔ اس تجویز سے نه صرف یه هوا که ایک عورت کو ممبر بنانے کی کوشش کی گئی بلکه ایک اور قاعدے کو توڑ دیا گیا ۔ اب تک تو یه هوتا تھا که جس شخص کو ممبر هونا هوتا تھا وہ خود امیدوار کے طور پر پیش هوتا تھا، لیکن اب یہاں ایک عورت کو خود اکیڈمی چن رهی تھی۔ اس دستاویز پر چونسٹھ ممبروں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ دستخط کئے ، اور اس طرح انہوں نے اکیڈمی آف سائنس والوں کو

سبق دیا ۔ تمام امیدواروں نے مادام کیوری کے لئے اپنی کرسیاں خالی کر دیں ۔

۷ فروری ۱۹۲۲ء کو انتخاب عمل میں آیا ۔ موسیو چاسڈڈ صدر اکیڈمی نے میری سے خطاب کرتے ہوئے کہا :

"ہم آپ کو ایک بہت بڑی سائنسداں خاتون کی حیثیت سے سلام کرتے ہیں ۔ آپ وہ خاتون ہیں کہ جس نے بڑے دل گردے کے ساتھ اپنی ساری زندگی سائنس کے لئے وقف کر دی ، آپ سچی محب وطن ہیں ، آپ نے امن و جنگ دونوں صورتوں میں ملک کی خدمت کی ہے ، اور اپنے فرائض انجام دیئے ہیں ۔ ہم نے آپ کو اپنی اکیڈمی کا ممبر بنا لیا ہے ، تاکہ آپ کے دم سے ہمیں اخلاقی فائدے حاصل ہوں ، ہم آپ کی مثال کو ہمیشہ سامنے رکھ سکیں اور آپ کی ذات سے ہماری اکیڈمی کے وقار کو اضافہ ہو ۔ ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ ہم فخر کرتے ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں ۔ آپ فرانس کی پہلی عورت ہیں جسے اکیڈمی کا ممبر بنایا گیا ہے ، لیکن کوئی دوسری عورت آپ سے بڑھ کر ہو بھی کیسے سکتی تھی "

۱۹۲۳ء میں کیوری فاؤنڈیشن نے ریڈیم کی پچیسویں سال گرہ منانے کا فیصلہ کیا ۔ حکومت نے اس تقریب میں شرکت کرنے کا فیصلہ کیا ، اور پارلیمنٹ میں اتفاق رائے سے یہ قرار داد منظور کی گئی کہ حکومت فرانس مادام کیوری کو چالیس ہزار

فرانک سالانہ پنشن دیا کرے گی، اور جب وہ وفات پا جائے گی تو یہ رقم آئیرین اور ایو کو ملا کرے گی۔

آپ کو یاد ہوگا کہ ۱۸۹۸ء میں اکیڈمی آف سائنس کا ایک معرکتہ الارا اجلاس ہوا تھا، جس میں پیئر کیوری، مادام کیوری اور جی بی مانٹ نے ضوریز مادوں کے بارے میں مقالے پڑھے تھے۔ اس واقعہ کے پچیس برس بعد ۲۶ دسمبر کو ساربون میں ایک اجلاس ہوا، اور ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھر گیا۔ ریڈیم کی پچیسویں سال گرہ منائی جا رہی تھی۔ فرانس اور غیر ملکوں کی یونیورسٹیاں، سائنسی انجمنیں، سول اور فوجی حکام، پارلیمنٹ، بڑے بڑے اسکول، طالب علموں کی انجمنیں اور اخبارات نے سال گرہ میں دھوم دھام سے شرکت کی۔ اس تقریب میں سب نے اپنے اپنے نمائندے بھیج دیئے تھے۔ پلیٹ فارم پر کون کون لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ الیگزینڈر ملی رانڈ صدر جمہوریہ فرانس، لئین گرانڈ وزیر تعلیم، پال ایپل ریکٹر آف دی اکیڈمی اور کیوری فاونڈیشن کے صدر، پروفیسر لارینز جو غیر ملکی سائنسدانوں کی طرف سے تقریر کرنے کو تھے۔ فکیلٹی آف سائنس کی طرف سے جین پیرین شریک تھے اور اکیڈمی آف میڈیسن کی طرف سے ڈاکٹر انٹونی بلکیرے آئے تھے۔

ان بلند مرتبہ لوگوں کی صف میں ایک سفید بالوں اور سنجیدہ چہرے والے شخص اور دو بوڑھی عورتوں کو دیکھا جا سکتا تھا، جو بار بار اپنی نم ناک آنکھوں کو پونچھ رہی تھیں۔ یہ سفید سر اور متین صورت والا شخص جوزف تھا، اور یہ دونوں بوڑھی

عورتیں هیلا اور برونیا تھیں ، یہ بھائی بہنیں وارسا سے آئے تھے اور اپنی مانیا کی فتح کے جشن میں شریک ہوئے تھے ۔ اسکلوڈووسکی خاندان کی سب سے کم سن بچی مانیا پر شہرت نازل ہوئی تھی ، اس بات سے اس کے بھائی بہنوں میں کبھی جلن کا مادہ نہ پیدا ہوا تھا ۔ آج اس جلسے میں دونوں بہنیں اور اکلوتا بھائی شریک تھا ۔ تینوں کے چہرے مسرت اور فخر کے جذبے سے ایسے دمک رہے تھے کہ اس سے پہلے کبھی ان کے چہرے اتنے منور نہ دیکھے گئے تھے ۔

مادام کیوری اور پئر کیوری کے دوست اور رفیق کار آندرے ڈے بارنے نے جلسے میں کھڑے ہو کر ریڈیم کی داستان کی روداد سنائی ۔ ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کے سربراہ فرننڈ هارلک نے آئبرین کیوری کی مدد سے حاضرین جلسہ کو کئی کرشمے دکھائے ۔ صدر جمہوریہ فرانس نے اپنی تقریر میں کہا کہ حکومت فرانس مادام کیوری کو ایک نہایت حقیر سی پنشن پیش کر رهی هے ۔ لیکن اس حقیر پنشن کی رقم پر غور نہ کیا جائے ۔ یہ محض اس بات کی دلیل کے طور پر دی جا رهی هے کہ فرانس کے دل میں خاتون سائنسداں کا بہت احترام هے ۔ یہ پنشن جذبہ شکر گزاری کے اظہار کے لئے دی جا رهی هے ، اور ساری دنیا میں خاتون محترم کی جو دھوم مچی ہوئی هے اور جو تعریف ہو رهی هے یہ پنشن اسی تعریف کی تائید کے لئے دی جا رهی هے ۔ صدر نے اپنی تقریر میں کہا کہ مادام کیوری کی عظمت اور شرافت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ جب ان کی پنشن کی قرارداد پارلیمنٹ میں پیش کی گئی تو ایک ممبر نے بھی مخالفت نہ کی ۔

سب سے آخر میں مادام کیوری اپنی کرسی سے اٹھیں اور انہوں نے اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے حاضرین جلسہ کو سلام کیا ، انہوں نے اپنی دھیمی آواز سے تقریر شروع کی - جن جن لوگوں نے ان کی تعریف کی تھی ان سب کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ان حضرات نے جس محبت اور خلوص کا ثبوت دیا ہے وہ اسے کبھی فراموش نہ کرے گی - انہوں نے اپنی تقریر میں اس شخص کا ذکر کیا جو اب مر چکا تھا ، یعنی پیئر کیوری - پھر اس نے مستقبل کے بارے میں باتیں کیں ، اپنے مستقبل کے بارے میں نہیں ، کیوں کہ وہ تو بہت مختصر تھا ، اس نے ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کے بارے میں گفتگو کی اور اس کے لئے بڑے شد و مد کے ساتھ مدد مانگی -

جب مادام کیوری کی شام زندگی کا آغاز ہوا تو ہم نے دیکھا کہ وہ مجبوراً اپنی تعریف سنتی تھی اور ان کا شکریہ ادا کرتی تھی - ملک ملک کے صدر ، دیس دیس کے سفیر اور دنیا کے مختلف بادشاہ اور شاہنشاہ اس کے مداح تھے -

جب بھی مجھے یہ جلسے اور جلوس یاد آتے ہیں تو ہمیشہ میرے حافظے میں والدہ مرحومہ کی ایک تصویر ابھرتی ہے - سفید چہرہ ، خون کی ایک چھینٹ تک نہیں ، بالکل گم صم اور اپنی تعریفوں سے بالکل بے نیاز -

وہ بہت پہلے کہہ چکی تھی کہ سائنس میں ہمیں افراد سے نہیں اشیاء سے دل چسپی لینی چاہئے - سالہا سال کے تجربے نے اسے سکھا دیا کہ عوام اور حکومتیں صرف افراد سے دل چسپی

لیتی ہیں اور اشیاء سے دل چسپی لینا انہیں آتا ہی نہیں - وہ چاہتی تھی یا نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ سائنس کو مالا مال کرنے کے لئے اپنے وقار کو استعمال کرتی تھی - امریکن لوگ کہا کرتے تھے کہ وہ جس کام کو بہت عزیز رکھتی تھی اس کی خود ہی پروپیگنڈا ایجنٹ بن گئی تھی -

لیکن اس میں کوئی تبدیلی نہ ہو سکی - ہجوم کو دیکھ کر اس پر خوف طاری ہو جاتا تھا ، اور اس کی بزدلی کا یہ عالم تھا کہ جب وہ کسی مجمع میں بیٹھتی تھی اس کے ہاتھ پاؤں سرد پڑ جاتے تھے ، اور حلق خشک ہو جاتا تھا - بے حد کوشش کے باوجود وہ شہرت کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کرنے میں کامیاب نہ ہوتی تھی -

اس نے ایک بار سفر کے دوران مجھے خط لکھا -

میں تمہاری جدائی کو بری طرح محسوس کر رہی ہوں - یہاں میری بہت تعریفیں ہو رہی ہیں ، لیکن مجھے یہ تعریفیں پسند نہیں ہیں - میں یہ تعریفیں سن سن کر تھک چکی ہوں - آج صبح سے میں کسی قدر مغموم ہوں -

برلن کے اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر ایک ہجوم بے حد شور مچا رہا تھا ، یہ ہجوم گھونسے بازی کے ماہر ڈیمسے کے استقبال کے لئے آیا تھا - وہ بھی اسی ٹرین سے آیا تھا جس سے کہ میں آئی تھی - وہ پبلک کے شور و غل سے بالکل مطمئن تھا - مجھ میں اور اس میں یہ ہی تو فرق ہے - میرے نزدیک کسی کے استقبال کا یہ طریقہ قابلِ مذمت ہے -

ریڈیم کو دریافت ہوئے چوتھائی صدی ہو چکی تھی۔ ہر حلقہ سے اس کی تعریفیں ہو رہی تھیں، لیکن اس کا یہ عالم تھا کہ وہ ایک جگہ یہ لکھتی ہے کہ جب لوگ مری تعریفیں کرتے ہیں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کہ میں مر چکی ہوں اور میں اپنی لاش کو دیکھ رہی ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جو سائنس کے لئے میں کارنامے کروں گی وہ ان کے نزدیک کوئی حیثیت نہ رکھیں گے۔ جب میں مر جاؤں گی تو انہیں میری تعریفیں کرنے کی بہت سہولت ہو جائے گی۔

میری سیاست دانوں، بادشاہوں اور تھیئٹر اور سینما کے ایکٹروں سے بالکل مختلف تھی، کیونکہ ان لوگوں کے مداح جب ان کی تعریفیں کرتے ہیں تو یہ خوشی سے پھولے نہیں سماتے، لیکن میری جب ایسی تقریبوں میں بلائی جاتی تھی اور وہ دیکھتی تھی کہ اس کی تعریفیں حد سے سوا ہونے والی ہیں تو وہ وہاں سے پر اسرار طور پر چپکے سے کھسک جاتی تھی۔

دنیا میں مادام کیوری سے زیادہ مشہور لوگ گذرے ہوں گے، اور دنیا نے مادام کیوری سے بڑھ کر ان کی عزت کی ہوگی، لیکن ایسا شاید کوئی نہ ہوگا کہ جب اس کی عزت افزائی کی جا رہی ہو تو اس کا چہرہ فق ہو، چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہوں، اور منہ سے بات کرنا مشکل ہو اور جی بھر کر بدحواس ہو۔ تعریفوں کے ہجوم میں اور لوگوں کے جم غفیر میں کسی شخص نے اپنے آپ کو کبھی اتنا تنہا محسوس نہ کیا ہوگا۔

پچیسواں باب

گھر میں

جب میری کسی پر شکوہ سفر سے واپس آتی تھی تو اس کی لڑکیوں میں سے اس کی کوئی نہ کوئی لڑکی اسے اسٹیشن پر لینے جاتی تھی ۔ میری اب بھی معمولی کلاس میں سفر کرتی تھی ۔ انہیں معمولی درجوں پر لڑکی کی نظر جم جاتی تھی ، اور وہ مفلسی کی ماری ہوئی صورت کو تلاش کرنے لگتی تھی ۔ مادام کیوری مرتے دم تک مفلس ہی رہی ۔ سفر میں اس کا یہ معمول تھا کہ وہ ہاتھ میں ایک بڑا سا ہینڈ بیگ مضبوطی سے تھامے ہوتی تھی ۔ ہینڈ بیگ کا چمڑا بھورے رنگ کا تھا اور یہ تھیلا زندگی بھر اس کی رفاقت کرتا رہا ۔ اس تھیلے کو دیکھتے ہی لوگ سمجھ جاتے تھے کہ یہ پولینڈ کی عورت ہے ۔ یہ ہینڈ بیگ کاغذوں سے پھولا نظر آتا تھا ، اسی کے اندر وہ اپنی عینک کا کیس رکھتی تھی ۔ وہ اپنی بغل میں مرجھائے ہوئے پھولوں کا گچھا لئے نظر آتی تھی ۔ کوئی نہ کوئی اسے پھولوں کا گچھا ضرور پیش کیا کرتا تھا ۔ یہ پھولوں کا گچھا خواہ کتنا ہی بلائے جان ثابت ہوتا لیکن وہ کبھی پھینکنے کی ہمت نہ کرتی تھی ۔

اس کا سامان اس کے ہاتھ سے لے لیا جاتا اور وہ سہ منزلہ مکان پر لفٹ کے بغیر زینے طے کرتی ہوئی چڑھ جاتی تھی ۔ گھر آ کر وہ اپنی ڈاک دیکھنے لگتی تھی ۔ ایو گھٹنے کے بل فرش پر

بیٹھ جاتی تھی اور ماں کا سفری سامان ٹٹولنے لگتی تھی ، کہ وہ کیا کیا لائی ہے ۔ وہ سامان کھول ڈالتی تھی ۔

جب وہ سامان کھولتی تھی تو جانے پہچانے کپڑے نکلتے تھے ۔ وہی مخمل اور ریشم کے چوغے ، ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں اور سونے کے تمغے ۔

جب وہ اور سامان کو ٹٹولتی تھی تو اچانک خوش ہو جاتی تھی ، اندر سے آئیرین اور ایو کے تحفے نکل آتے تھے ۔ اس کی ماں پردیس سے اپنی بچیوں کے لئے سامان لائی تھی ۔ وہ بڑی جستجو کے ساتھ ان چیزوں کو اندر سے نکالتی تھی ۔

سامان کے اندر سے لکڑی کے چوکور ٹکڑے نکلتے تھے ، یہ ٹیکساس سے آئے تھے ، ان ٹکڑوں سے پیپرویٹ کا کام لیا جانا تھا ۔ اسی سامان میں ٹولیڈو کے بلیڈ تھے ، جن سے سائنس کی کتابوں کے ورق کا کام لیا جائے گا ۔ ادنیٰ درجہ کے اونی قالین تھے جو پولینڈ کے پہاڑی لوگوں نے بنے تھے ۔ ان قالینوں کے ٹکڑوں سے چھوٹی چھوٹی میزوں کو ڈھک دیا گیا ۔ کالے بلاؤز کے اوپر میری اپنے گلے میں چھوٹے چھوٹے جڑاؤ زیور پہنے تھی ۔ یہ زیور گرانڈ کینن سے واپس ہوتے وقت خریدے گئے تھے ، یہ بڑی گھٹیا قسم کی چاندی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے تھے ، جن کو دھاگے کے اندر پرو دیا تھا ۔ چاندی کے ان ٹکڑوں پر ریڈ انڈین سناروں نے بے ھنگم سے نقوش بنا دیئے تھے ۔ یہ پرانے فیشن کا بروچ تھا ۔ بس میری ماں کے پاس یہ ھی ایک زیور تھا ۔ اگر اس زیور کو بیچا جاتا تو شاید تین سو فرانک بھی نہ وصول ہو سکتے ۔

میری جس مکان میں رہتی وہ کچھ زیادہ آرام دہ نہ تھا۔ اور یہ مکان بڑا عجیب و غریب نظر آتا تھا۔ اس مکان میں اسے رہتے ہوئے جودہ‌س سال ہوچکے تھے۔ یہ مکان لوئی چہاردہم کے وقتوں کا تھا، اور اسی لئے بڑا عجیب و غریب نظر آتا تھا۔ مہوگنی لکڑی کا بنا ہوا فرنیچر اسے ڈاکٹر کیوری کی طرف سے ورثے میں ملا ہوا تھا۔ یہ فرنیچر بے تکے پن سے بڑے ڈرائنگ روم میں رکھا ہوا تھا۔ یہ ڈرائنگ روم اتنا بڑا تھا کہ اگر پچاس آدمی اس میں بیٹھتے تب بھی یہ بڑا بڑا نظر آتا، لیکن واقعہ یہ تھا کہ اس میں صرف چار افراد نظر آتے تھے۔ اس کا فرش لکڑی کا بنا ہوا تھا، اور لکڑی پر موم چڑھا ہوا تھا۔ پاؤں رکھنے سے اس فرش کے اندر سے عجیب قسم کی آواز نکلتی تھی۔ مادام کیوری کے گھر میں نہ دریاں تھیں نہ پردے۔ بڑی بڑی کھڑکیاں بغیر پردوں کے نظر آتیں تھیں اور ان کے چاروں پٹ اچھی طرح سے کھول دیئے جاتے تھے۔ میری کو پردوں اور دریوں سے بڑی نفرت تھی۔ اسے چمکتا ہوا فرش اور کھڑکی کے کھلے ہوئے شیشے اچھے لگتے تھے۔ وہ کھڑکیاں پوری طرح سے کھول دیتی تھی تاکہ وہ سورج کی کسی کرن سے بھی محروم نہ رہے۔

سالہا سال سے وہ مفلس تھی اور ایک چھوٹا سا خوب صورت مکان تک نہ بنوا سکی تھی۔ شروع شروع اسے بڑی خواہش تھی، لیکن اب مکان بنوانے کی آرزو مٹ چکی تھی۔ اس کے پاس دور دور سے تحائف آتے رہے تاکہ وہ اپنے خالی کمروں کو سجا سکے۔ اس کے پاس رنگ برنگ کے تحفے تھے۔ کوپن ہیگن سے کسی نے نیلے

رنگ کا فیکٹری کا ماڈل بھیجا تھا ۔ میری کی خریدی ہوئی اگر کوئی قابل ذکر چیز تھی تو وہ بڑا پیانو تھا ۔ یہ پیانو اس نے ایو کے لئے خریدا تھا ۔ اس پیانو پر نوجوان لڑکی گھنٹوں مشق کیا کرتی تھی اور اس کی ماں نے کبھی شور و غل کا شکوہ نہ کیا ۔

شادی کے وقت تک آئیرین اسی مکان میں رہتی رہی ۔ اس نے اس مکان کے ایک کمرے کو سجانے کی کوشش کی تھی ۔ اس مکان کا ایک ہی کمرہ تھا ، جس میں زندگی کے آثار نظر آتے تھے، یہ میری کا کمرہ تھا ۔ اس کمرے میں پیئر کیوری کی ایک تصویر تھی ، الماریوں میں سائنس کی کتابیں بھری تھیں اور پرانا فرنیچر تھا ۔ اس کمرے کو دیکھ کر شریفانہ فضا کا احساس ہوتا تھا ۔

یہ مکان بہت سے مکانوں کو دیکھنے کے بعد پسند کیا گیا تھا ، اور اسے پسند اس لئے کیا گیا تھا کہ اس میں سناٹا بہت تھا ، لیکن اب اسی مکان میں ہر وقت شور و غل رہا کرتا تھا ۔ ٹیلی فون کی گھنٹی بار بار بجتی تھی ۔ گھر میں پلی ہوئی کالی بلی میاؤں میاؤں کیا کرتی تھی ۔ دروازے پر لگی ہوئی گھنٹی جب بجتی تھی تو اس کی گونج سارے مکان میں سنائی دیتی تھی ۔ وجہ یہ تھی کہ مکان کی دیواریں بہت اونچی تھیں ۔ پھر مکان میں چڑیاں تھیں جو ہر وقت شور مچایا کرتی تھیں اور پیانو کا شور مستزاد ۔

گھر میں ایک غیر تربیت یافتہ ملازم تھا ۔ صبح آٹھ بجے سے پہلے ہی اس کی بے ہنگم آوازیں سنائی دیتی تھیں ۔ اس کے بھاری بھر کم قدموں سے میری کی آنکھ کھل جاتی تھی ۔ پونے نو بجے مادام کیوری کی چھوٹی سی کار ان کے مکان کے آگے کھڑی

ہوجاتی تھی ۔ سری اپنا ہیٹ اور کوٹ اٹھاتی اور پہن کر جلدی سے زینے سے اترنے لگتی ۔ تجربہ گاہ اس کا انتظار کر رہی ہوتی ۔

مادام کیوری کو حکومت فرانس پنشن دیتی تھی ، اور کچھ اسے امریکا سے مل جاتا تھا ۔ اب اسے کوئی مالی پریشانی نہ تھی ۔ وہ آسودہ حالی سے زندگی بسر کر سکتی تھی ، لیکن بہت زیادہ فراغت کے ساتھ گزر بسر نہ ہو سکتی تھی ۔ اس کی آمدنی بہتوں کی آمدنیوں سے کم تھی ، اور اس آمدنی سے وہ کچھ زیادہ نفع نہ اٹھا سکتی تھی ۔ اس نے کبھی سیکھا ہی نہیں کہ ملازمہ سے کام کس طرح لیا جاتا ، اس نے کبھی ملازمہ کا انتظار نہ کیا ۔ وہ اپنے شوفر کا چند منٹ سے زیادہ کبھی انتظار نہ کر سکی ۔ اگر وہ ایو کے ساتھ کسی دکان میں سودا خریدنے جاتی تو وہ کبھی قیمتوں پر غور نہ کیا کرتی تھی ، بلکہ اپنی عادت کے مطابق اپنے مرتعش ہاتھوں سے ہمیشہ نہایت سادہ کپڑے اور سب سے زیادہ سستے سامان کی طرف اشارہ کرتی تھی ۔ معمولی دام والی چیزوں سے اسے ہمیشہ خوشی ہوتی تھی ۔

وہ پودے اور پتھر خریدنے اور دیہاتی مکان کرایہ پر لینے کے سلسلے میں خوشی کے ساتھ دام خرچ کرتی تھی ۔ اس نے دیہات میں دو مکان بنوائے تھے ۔ ایک مکان تو لارکاؤئٹ میں بنوایا تھا اور دوسرا مکان جنوب میں بنوایا تھا ۔ جوں جوں وہ بوڑھی ہوتی گئی وہ بحیرہ روم کے خطوں میں سفر کرنا پسند کرنے لگی ، جہاں دھوپ زیادہ گرم ہوتی ہے ۔ اس کے لئے سب سے بڑی مسرت یہ تھی کہ وہ کاواہ لائر میں اپنے دیہاتی مکان کی کھلی ہوا میں سو سکے اور ہائیرس کے جزیروں میں بیٹھ کر سمندر کا نظارہ کر سکے ،

اور پہاڑی علاقوں کے باغوں میں صنوبر اور یوکلپٹس کے پیڑ لگا سکے۔ اس کی دو پڑوسنیں تھیں ، مادام سالیے ناف اور مس کلیمنٹ ۔ وہ دونوں اس کی مداح تھیں ۔

میری اپنے ایک خط میں لکھتی ہے ، تیرنا بڑی اچھی چیز ہے ، لیکن یہاں تیرنے کے لئے دور دراز کا سفر کرنا پڑتا ہے ۔ سمندر تین روز سے پر سکون تھا ۔ آج میں سمندر میں تیری ، اور آج مجھے اندازہ ہوا کہ میں عرصے تک تیر سکتی ہوں ۔

بڑھاپے میں وہ سوچا کرتی تھی کہ وہ پیرس کی بجائے سی آکس میں سردیاں گذارے ۔ اس نے وہاں زمین خریدی تھی ، اور مکان بنوانا چاہتی تھی ۔ کئی سال گذر گئے ، لیکن کوئی فیصلہ نہ ہو سکا ۔ وہ دوپہر کو کھانا کھانے کے لئے تجربہ گاہ سے روزانہ پیدل چلی آتی تھی ۔ اس کی چال میں جوانوں کی سی توانائی تھی ، اور وہ سہ منزلہ مکان کی تمام سیڑھیاں طے کر لیتی تھی ۔

جب ایو ابھی بچہ ہی تھی ، اور آئیرین اپنی ماں کے سائنسی مشاغل میں ہاتھ بٹانے لگی تھی تو اکثر دوپہر کے کھانے میں یہ دیکھا گیا کہ ماں اور بیٹی نے کھانا موقوف کر دیا اور کسی سائنسی بحث میں الجھ کر رہ گئی ۔ ایو کے کانوں میں سائنس کی خشک باتیں سنائی دیتیں ۔ وہ دونوں ماں بیٹیاں سائنس کے کسی فارمولے پر بات کرتیں ۔ وہ اپنی گفتگو میں بار بار بی اور ڈبل بی کہتی تھیں ، اور ننھی ایو بی بی B B کو بے بی سمجھتی تھی ۔ وہ خود ہی سوچتی کہ بے بی تو بچہ کو کہتے ہیں ، لیکن ڈبل بی بی کا کیا مطلب ہے ۔

۱۹۲۶ء کی صبح کو آئبرین نے خاموشی سے اعلان کیا کہ وہ فریڈرک جولئیو سے شادی کرے گی - وہ ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کا نہایت ذہین اور نہایت شریف کارکن تھا - پھر اچانک اس گھر میں جس میں کوئی مرد نہ تھا ایک مرد نمودار ہوا - خیر ویسے مرد تو اکثر آتے تھے ، مثلاً آندرے ڈیبارنے اور مارس کیوری وغیرہ ، لیکن کوئی اجنبی مرد کبھی نہ آیا تھا - آئیرین اور فریڈرک جولئیو پہلے تو اسی مکان میں رہتے رہے ، پھر وہ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے - میری اس بات سے تو خوش تھی کہ اس کی لڑکی اپنے شوہر کے ساتھ خوش ہے ، لیکن اسے اس بات کا غم تھا کہ اس کی بہترین رفیق کار اس سے جدا ہو گئی تھی -

میری اپنے داماد سے خوش تھی - وہ اس کی خوبیوں کو سراہتی تھی ، اور سمجھتی تھی کہ اسے بہترین داماد ملا ہے - شادی کے بعد میاں بیوی ہفتہ میں چار مرتبہ میری کے ساتھ دوپہر کا کھانا ضرور کھاتے تھے ، اور کھانے کی میز پر ڈبل بے بی کی باتیں کیا کرتے تھے -

کیا تم تجربہ گاہ نہیں جا رہی ہو سی

بھوری آنکھوں والی بڑھیا ایو کی طرف دیکھنے لگتی اور جواب دیتی :

”ہاں میں جا رہی ہوں لیکن پہلے میں اکیڈمی آف میڈیسن جاؤں گی - میں پھولوں والے بازار میں نہیں ٹھہر سکوں گی“

اس اثناء میں باہر کھڑی ہوئی موٹر کی آواز تین مرتبہ سنائی دیتی تھی - میری اپنے مکان کے گملوں میں برائے اخبار لپیٹ کر اپنی کار میں رکھ لیتی تھی ، وہ ان پودوں کو اپنی تجربہ گاہ میں لگانا چاہتی تھی -

پھولوں اور پودوں کی تجارت کرنے والے اسے اچھی طرح جانتے تھے ، لیکن وہ کبھی کسی پھول والے کی دوکان کے اندر نہ جاتی تھی ، کیونکہ مفلسی کی عادتوں نے اس کے اندر ہچکچاہٹ پیدا کر دی تھی - اسے پھولوں سے بڑی محبت تھی - جبن بھر دن اکثر اسے پھولوں کا پودا پیش کرتی تھیں - اگر اسے زیوروں کا شوق ہوتا تو وہ خوب صورت گلاب کے پھولوں کے گہنے پہنتی -

دن کے ڈھائی بجے فورڈ کار نے اسے لگجم برگ گارڈن میں اتار دیا - وہ تیزی کے ساتھ بائیں طرف چلنے لگی ، سہ پہر کا وقت تھا ، سینکڑوں بچے باغ میں کھیل رہے تھے ، ان بچوں میں ایک چھوٹی سی بچی تھی ، جو بڑھیا کو دیکھ کر زور سے دوڑی - اس کے ننھے ننھے پاؤں تھے ، ان پیروں سے دوڑتی ہوئی بہت اچھی لگتی تھی - یہ اس کی نواسی ہیلن تھی - بظاہر مادام کیوری بے تعلق سی رہتی تھی ، لیکن سچ یہ تھا کہ وہ اس بچی پر اپنا بہت وقت برباد کرتی تھی - بچی سرخ لباس پہنے ہوئے تھی ، اور وہ اپنی نانی سے پوچھتی تھی :

” تم کہاں جا رہی ہو ممی - تم یہاں ہمارے ساتھ کیوں نہیں ٹھہرتیں می “

اب تین بجنے میں دس منٹ باقی تھے ، میری کو ننھی بچی کو چھوڑ کر ضرور جانا تھا ۔ اب وہ ریو بونا پارٹ کے ہال میں پہونچی ، یہاں میٹنگ ہو رہی تھی ۔ وہ اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گئی ۔ اس کے پاس ہی اس کا بوڑھا دوست ڈاکٹر راؤکس بیٹھا ہوا تھا ۔ ساٹھ معزز مردوں میں ایک ہی عورت نظر آ رہی تھی ۔

افوہ میں کتنا تھک گئی ہوں ۔

ہر شام کو میری یہ ہی جملہ دھرایا کرتی تھی ۔ اس کا چہرہ بالکل زرد تھا ، جھریاں پڑی ہوئی تھیں ۔ وہ تھکن سے چور چور تھی ۔ اب بوڑھی بھی تو ہو چکی تھی ۔ وہ روزانہ دیر تک تجربہ گاہ میں بیٹھتی تھی ۔ کبھی سات بجے اٹھتی تھی کبھی آٹھ بجے ۔ وہ کار میں بیٹھ کر گھر آتی تھی ، اور اب اس سے تین منزلہ مکان میں چڑھا نہ جاتا تھا ۔ گھر آ کر وہ سلیپر پہن لیتی تھی ۔ سیاہ اون کا سوئٹر پہن لیتی تھی ، اور بے مقصد مکان بھر میں ساری ساری پھرتی تھی ۔ وہ ملازمہ کا انتظار کرتی تھی کہ وہ آ جائے تو وہ اسے کھانا نکالنے کے لئے کہے ۔

اگر اس کی بیٹیاں اس سے یہ کہتیں کہ تم بہت محنت کرتی ہو اور پینسٹھ برس کی عورت کو روزانہ چودہ گھنٹے کام نہ کرنا چاہئیے ، تو لڑکیوں کے اس کہنے کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا ۔ ایو اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کی ماں اس سے کم کر ہی نہیں سکتی ۔ اس لئے چھوٹی لڑکی ایو ماں سے یہ نہ کہتی تھی کہ تم اتنی محنت نہ کیا کرو ، بلکہ وہ دعا مانگتی تھی کہ ماں میں اتنی طاقت آ جائے کہ وہ چودہ گھنٹے کام کر سکے ۔

چونکه اب آئیرین کی شادی بھی ہوچکی تھی ، اس لئے مادام کیوری ایو کے ساتھ کھانا کھاتی تھی - دن بھر کے واقعات میری کے ذہن میں گھومتے تھے ، لیکن اس میں اتنی توانائی نہ تھی کہ وہ ان واقعات کا ذکر یا ان پر تبصرہ کر سکتی - اب اس کی روح بھی تھک چکی تھی ، اور اس کا جسم بھی تھک چکا تھا - تجربہ گاہ کے آلات جن سے ایو کا کوئی سروکار نہ تھا میری کے رفیق زندگی بن چکے تھے - اب مادام کیوری گھر میں کس سے بات کرتی ، آئیرین اس سے جدا ہوچکی تھی ، اور ایو کو سائنس سے دل چسپی نہ تھی ، اس لئے اگر وہ اپنی اس بیٹی سے سائنس کی باتیں کرتی تو بڑی آسان زبان استعمال کرتی -

کھانا کھاتے وقت میری باتیں کرتی کہ میری تجربہ گاہ میں ایک نوجوان شخص کام کرتا ہے ، اس کا نام گری گوری ہے ، میں اس سے بہت خوش ہوں ، وہ بڑا لائق ہے - آج میں اپنے چینی دوست سے ملی ، ہم دونوں نے انگریزی میں باتیں کیں - اس نے مجھے بتایا کہ چین میں تہذیب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی کی بات کی تردید نہیں کرتا - میں نے چینی نوجوان سے کہا کہ یہ تو اچھی خاصی منافقت ہے ، کہ ایک شخص ایک بات کو صریحاً غلط سمجھ رہا ہے اور وہ چپ اسے سنتا رہے اور تردید نہ کرے - چینی نے میری کی بات سن کر فوراً میری تائید کی اور کہنے لگا آپ بالکل سچ کہتیں ہیں - میں سمجھ گئی کہ یہ تو چینی تہذیب ہے ورنہ ضروری نہیں ہے کہ اس کو میری بات سے اتفاق ہو - جب اس چینی شخص کو میری کسی بات سے اتفاق نہ ہوتا تھا ، تو میں

صرف اس کے چہرے سے بھانپ لیتی تھی ، ورنہ وہ خود تو کسی بات پر اعتراض کرتا نہ تھا - مشرق بعید کے ان طالب علموں کے سامنے میں ہمیشہ شرمندہ ہو جاتی ہوں ، کیونکہ ان کی تہذیب کے آگے میری تہذیب ہیچ نظر آتی ہے - یہ لوگ ہمارے مقابلے میں بہت زیادہ تہذیب یافتہ ہیں - پھر وہ اپنی بیٹی سے کہتی :

بیٹی ایو یبٹی میں کسی روز شام کے وقت اپنے پولش شاگرد کو ضرور بلاؤں گی - مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں وہ پیرس میں برباد نہ ہو جائے -

ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کیا تھا منارۂ بابل تھا ، جہاں مختلف قوموں کے لوگ بولیاں بولتے تھے - ان کارکنوں میں پولینڈ کا کوئی نہ کوئی آدمی ضرور ہوتا تھا - ایک مرتبہ پولینڈ کی ایک نوجوان موٹر کے بارے میں خوب گفتگو کرتی تھی - پھر اس کو اس کی نواسی کی باتیں سنائی جاتی تھیں - بچی کا کوئی جملہ سن کر وہ اچانک ہنسنے لگتی تھی ، اور کبھی کبھی نہ جانے کیوں رو دیتی تھی -

وہ تلخی کے بغیر سیاست پر بھی باتیں کرنا جانتی تھی - آہ اس کی آزاد خیالی کتنی تسکین دہ تھی - اگر فرانس کے لوگ اس کے سامنے ڈکٹیٹر شپ کی تعریف کرتے تو بڑی شرافت سے جواب دیتی -

میں ایک ایسے ملک میں رہ چکی ہوں جس پر بڑے مظالم ڈھائے گئے ہیں - آپ ایسے ملک میں نہیں رہے ہیں - آپ نہیں

جانتے آپ کتنے خوش قسمت ہیں کہ آپ ایک آزاد ملک میں رہتے ہیں ۔ اس کی رائے سے اختلاف کرنے والا بھی بڑے جوش سے کہتا ، آپ مجھے قائل نہیں کر سکتیں ۔

لیکن وہ بڑے تامل اور تکلف سے بات کرتی ۔ فرانس میں شفاخانوں اور اسکولوں کی کمی ہے ۔ ہزاروں کنبے تنگ و تاریک مکانوں میں رہتے ہیں ۔ عورتوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں ہے ، ان تمام باتوں سے اسے بہت دکھ ہوتا تھا ۔

ایک طالب علم پیرس میں بغرض تعلیم آیا۔ اس نے یونیورسٹی میں درخواست دی کہ اسے وظیفہ ملنا چاہئیے ۔ وظیفہ کا فیصلہ میری کے ہاتھ میں تھا ، لیکن ایک امیدوار اور تھا ۔ وہ وظیفہ کا زیادہ مستحق تھا ۔ میری نے مستحق طالب علم کو وظیفہ دلوا دیا اور پولینڈ کا طالب علم جب وظیفہ سے محروم رہ گیا تو میری نے اپنی جیب سے اسے خرچ دینا شروع کر دیا ۔ طالب علم کو اس بات کا گمان و گمان بھی نہ تھا ۔

میری تجربہ گاہ کی باتیں کرتے کرتے ایک دم گفتگو کا رخ بدل دیتی تھی ، اور اپنی لڑکی کو کہتی تھی ۔

پیاری ایو ، اب اور اور باتیں کرو ۔ مجھے دنیا جہان کی خبریں سناؤ ۔

ایسے موقعوں پر اسے کسی قسم کی بھی خبریں سنائی جا سکتیں تھیں ۔ بالکل بچکانہ باتیں کی جا سکتیں تھیں ۔ ایو اس سے باتیں کرنے لگتی ۔ وہ اس سے اس کی موٹر کے بارے میں گفتگو

کرتی - موٹر کی رفتار پینتالیس میل فی گھنٹے کے حساب سے رہتی تھی - میری بہت اچھی طرح موٹر چلانا جانتی تھی ......
میری کو کبھی اپنی بچیوں کو مکمل طور پر پالنے کا موقع نہ ملا ، لیکن آئیرین اور ایو کو اپنی ماں کے ورثے سے بڑی خوبیاں ملی تھیں - ماں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے ان دونوں کو دنیا کے بڑے اور مشہور لوگوں سے قربت حاصل تھی - یہ بڑے لوگ خالی خولی بڑے ھی نہ تھے بلکہ نہایت لائق و قابل لوگ تھے - اس ماحول میں رہنے کی وجہ سے ان بچیوں کی طبیعت میں گھمنڈ پن نہیں آیا - جب لوگ میری کی بہت زیادہ تعریف کرتے تھے تو وہ کہا کرتی تھی ، ہر عورت کو میری طرح روکھا پھیکا نہ ہونا چاہئے تھا - میں تو اس لئے ایسی ہوں .... میں چاہتی ہوں کہ آج کل کی لڑکیاں سیدھی سادھی گھریلو زندگی بسر کریں -

بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ مادام کیوری اور ایو عشق و محبت کے بارے میں گفتگو کرتی تھیں - اس عورت کو عشق میں شدید ناکامی ہوئی تھی ، لہذا اس عورت کے دل میں عشق کا کوئی خاص مقام نہ تھا - اسے ایک فرنچ مصنف کا مقولہ پسند تھا :

"عشق کوئی مقدس جذبہ نہیں ہے"

اس نے ایک بار ایو کو لکھا کہ ہمیں چاہئے کہ ہم روحانی طاقت تلاش کریں -

وہ طبیعت کی گمبھیر تھی اور راز کی باتوں کو سن کر اس طرح پی جاتی تھی جیسے اس نے یہ باتیں کبھی سنی ہی نہیں - محبت کے معاملے میں وہ اپنے ہی دماغ کی یادداشتوں سے کام لیتی تھی -

اسے اپنے بڑھاپے میں اپنے وطن اور اپنے آبائی گھر کا ہر وقت ھڑکا لگا رہتا تھا ، اسے دور دراز وطن میں رہنے والی بہنیں اور بھائی یاد آتے تھے - پہلے وہ تعلیم کی وجہ سے گھر بار چھوڑ کر پیرس آئی تھی ، اور اب وہ بیوگی کی وجہ سے پیرس میں رہنے کے لئے مجبور تھی ، وہ اپنے وطن کی محبت سے مجبور تھی اور اپنے عزیزوں اور پیاروں کو خط ہی لکھ سکتی تھی - ھیلا کو ، جوزف کو اور برونیا کو اکثر خط لکھتی تھی - ان لوگوں کی زندگی میں بھی اس کی طرح رنج و غم کو دخل تھا - برونیا کے دو بچے مر چکے تھے ، اور ۱۹۳۰ء میں برونیا کے شوہر کازیمیر ڈلووسکی کا انتقال ہو چکا تھا -

---

میری کا خط برونیا کے نام ، ۱۲ اپریل ۱۹۳۲ء

پیاری برونیا - مجھے خود ہی بہت رنج ہے کہ ہم دونوں بہنیں جدا ہو گئیں ہیں ، لیکن تمہیں اپنے تنہا ہونے کا احساس نہ ہوگا - وارسا میں تمہارا ایک بھائی ہے اور ایک بہن ہے ، اور تم تینوں ایک شہر میں رہتے ہو - تمہیں کچھ تو رفاقت کا احساس ہوگا - پیاری بہن یقین جانو میکے سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں - میں اس نعمت سے محروم ہو چکی ہوں ، مجھے کچھ تو

تسلی دینے کی کوشش کرو ۔ اپنی پردیسی بہن کو بھول نہ جانا ۔ تم سب لوگ یہاں آتے رہنے کی کوشش کرو ، میں بھی آنے کی کوشش کروں گی ۔

اگر ایو کہیں دعوت میں جاتی تھی تو اس وقت میری اپنے کمرے میں آ کر اپنے دیوان پر لمٹ جاتی تھی اور اپنے کپڑوں کو غور سے دیکھتی تھی ۔

لباس اور نسوانی جمالیات کے بارے میں ان کے خیالات بنیادی طور پر مختلف تھے ، لیکن میری نے عرصہ دراز سے اپنے اصولوں کو نافذ کرنے کے ارادے سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی ۔ دونوں لڑکیوں نے ، شاید ایو اپنی ماں کو بہت زیادہ مجبور کرتی تھی کہ وہ اپنا سیاہ لباس جلدی جلدی تبدیل کر لیا کرے اور اس کی نوبت نہ آنے دیا کرے کہ لباس میں جیتھڑے لگ جائیں ۔ یہ دونوں ماں بیٹی لباس کے بارے میں بڑی علمی بحث کیا کرتی تھیں ، اور بحث میں ہنسی مذاق بھی ہوتا تھا ۔ ماں اپنی بیٹی کے فیشن پر چوٹیں کرتی تھی ۔

یہ تمہاری سینڈلیں ہیں اور یہ نگوڑی ایڑیاں ہیں ۔ توبہ توبہ کتنی خوفناک ایڑیاں ہیں ۔ اتنی اونچی ایڑیاں کس کام کی ۔ نہیں نہیں تم جو یہ چاہو کہ میں یہ یقین کر لوں کہ عورتیں اس لئے پیدا کی گئیں ہیں کہ وہ ایڑیوں کے بل چلا کریں تو کم از کم میں یہ بات نہیں مان سکتی ہوں ، اور پھر یہ کون سا نیا فیشن چلا ہے کہ اچھی بھلی جمپر کو پیچھے سے کاٹ

ڈالا اور بٹھ ننگی ھو گئی ۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے کہ کئی کئی میل تک پیٹھ ننگی ہے ۔ اول تو یہ کہ یہ بڑی ناشائستہ حرکت ہے ، دوسرے یہ کہ اگر پیٹھ میں ٹھنڈ لگ جائے تو بلورسی ھو جائے ، تیسرے یہ کہ یہ بدنما لگتا ہے ۔ چلو سب باتوں کو جانے دو لیکن تیسری بات جو میں نے بتائی ہے وہ تو دل کو لگنی چاہئے . . . . میرا یہ مطلب نہیں ہے کہ تمہارا لباس خراب ہے ۔ تمہارا لباس بہت پیارا ہے ، لیکن تم کالے کپڑے بہت پہنتی ھو ۔ تمہاری عمر کی لڑکیوں کے لئے کالا رنگ موزوں نہیں ہے ۔

ایو کے پاس ایک صندوقچہ تھا ، جس میں آرائش اور زیب و زینت کا سامان رکھا رہتا تھا ۔ مثلاً لپ اسٹک ، کریم ، پاؤڈر اور نیل پالش وغیرہ ۔ جب ماں اپنی بیٹی کو سنگار کرتے دیکھتی تو طنز سے کہتی ، بیٹی ذرا اٹھ کر چاروں طرف گھوم کر دکھاؤ تاکہ میں واہ واہ تو کرسکوں ۔ مادام کیوری بڑے غور سے اور سائنسدانوں کی سی نظر سے بیٹی کا معائنہ کرتی تھی اور پھر یہ کہتی تھی ۔

مجھے نئے زمانے کے فیشن پر کوئی اعتراض نہیں ہے ۔ فیشن ھمیشہ سے چل آیا ہے ، پرانے زمانے میں مصر کی عورتوں نے بڑے عجیب عجیب فیشن ایجاد کئے تھے . . . . . میں تمہارے فیشن کے بارے میں صرف ایک بات کہہ سکتی ھوں ، تمہارا فیشن مجھے ڈراؤنا نظر آتا ہے ۔ تم نے بغیر کسی ضرورت کے موچنے سے

ابنی ساری بھوئیں نوچ ڈالی ھیں اور مصنوعی بھوئیں بنائی ھیں اور بلا وجہ اپنے ھونٹوں پر سرخ رنگ تھوپ لیا ھے ۔

ایو جواب دیتی ، یقین جانیئے سی یہ فیشن بڑا اچھا ھے ۔

ماں کہتی کہ یہ فیشن اچھا ھے ۔ خوب اچھا ! سو اپنے دل کو تسلی دینے کے لئے ، کہ تم تم ھی ھو ، میں کل تمہارے کمرے میں آؤں گی ، اور تمہیں بستر پر پیار کروں گی ، لیکن میرے آنے سے پہلے پہلے تم اپنے چہرے سے ان ڈراؤنی چیزوں کو ھٹا لینا ، تم مجھے اسی وقت اچھی لگتی ھو جب تم بہروپئے پن سے کام نہیں لیتیں . . . . پیاری بچی اب یہاں سے جاؤ ۔ سلام شب . . . . ارے ھاں ایک بات سنتی جاؤ ، تم نے مجھے پڑھنے کے لئے کوئی چیز نہیں دی ھے ۔

آپ کیا پڑھیئے گا سی

مجھے نہیں معلوم ھے . . . . . کوئی ایسی چیز پڑھنے کو دو جسے پڑھ کر مغموم نہ ھونے پاؤں ۔ غم انگیز اور دکھ بھرے ناول پڑھنے کے لئے تمہارے جیسی جوانی درکار ھے ۔

اس نے روسی مصنفوں کو کبھی دوبارہ نہ پڑھا ، حتی کہ دوسوسکی تک کو نہ پڑھا ، جسے ایک زمانے میں وہ بہت پسند کرتی تھی ۔ ایو اور میری کا ادبی مذاق اگرچہ بہت جداگانہ تھا لیکن اس کے باوجود ان کے چند محبوب مصنف مشترک تھے ۔ کپلنگ ، کولیٹے . . . . . جنگ کے بارے میں کتابیں پڑھنے سے

سیری کبھی نہ تھکتی تھی ۔ کولیٹے کی کتابیں اسے بے حد پسند تھیں ۔ یہ سب جنگ کے بارے میں تھیں ۔ اسے ہزاروں نظمیں زبانی یاد تھیں ، یہ نظمیں فرنچ ، جرمن ، روسی ، انگریزی اور پولش زبانوں میں تھیں ۔

ایو ماں کے لئے کوئی کتاب چنتی اور میری کتاب لے کر صوفے پر دراز ہو جاتی ، سر کے نیچے تکیہ رکھ لیتی اور ورق گردانی کرنے لگتی ۔

لیکن گھنٹے ، آدھ گھنٹے کے بعد وہ کتاب نیچے رکھ دیتی ، اٹھ کر بیٹھ جاتی ، پنسل پکڑتی ، نوٹ بک اور سائنس کے رسالے اٹھاتی ۔ اب وہ اپنا کام شروع کرے گی ، یہ اس کا معمول تھا ، اب وہ صبح کے دو تین بجے تک کام کرتی رہے گی ۔

ایو جب بھی نظر اٹھا کر دیکھتی ماں کے کمرے میں بتی جلتی نظر آتی ، کھڑکیوں کے شیشوں سے برابر روشنی چھنتی رہتی تھی ۔

ہر رات کو ایک ہی منظر نظر آتا تھا ۔ مادام کیوری کاغذوں میں گھری ہوئی فرش پر بیٹھ کر کام کر رہی ہوتی ۔ وہ میز پر کام کرنے کی کبھی عادی نہ بن سکی ۔ مفکرین کے فیشن کے مطابق اس نے آرام کرسی ڈال رکھی تھی ، کاغذ پھیلانے کے لئے اسے بے انتہا جگہ درکار تھی ۔

۔ کبھی کبھی وہ سائنس کا دقیق مسئلہ حل کرنے میں غرق ہوتی تھی، اور اگرچہ وہ دیکھ لیتی تھی کہ اس کی بیٹی اس کے

پاس کھڑی ہے ، لیکن وہ اپنا سر نہ اٹھاتی تھی - اس کی بھوئیں تنی ہوتیں تھیں ، اور چہرے پر پریشانی کے آثار نمایاں ہوتے تھے -

اس کے گھٹنوں پر ایک نوٹ بک رکھی ہوتی تھی ، وہ اس نوٹ بک پر سائنس کی ضروری باتیں نوٹ کرتی تھی ، اور منہ ہی منہ میں کچھ کہتی جاتی تھی -

مادام کیوری اعداد و شمار زیر لب کہتی جاتی تھیں ، وہ آج سے ساٹھ سال پہلے جس طرح استانی اسکورسکا کے اسکول میں گنتی گنتی تھیں ، اسی طرح آج بھی ساربون کی پروفیسر ہونے کے باوجود بھی پولش زبان میں گنتی گنتی تھیں -



چھبیسواں باب

تجربہ گاہ

کیا یہاں مادام کیوری ہیں ؟

مجھے مادام کیوری سے ملنا ہے ، کیا وہ آچکی ہیں ؟

کیا آپ مادام کیوری سے مل چکے ہیں ؟

جوان مرد ، جوان عورتیں سفید لباس پہنے ہوئے ایک دوسرے سے یہ ہی سوالات کرتے تھے ۔ وہ سب تجربہ گاہ کے دروازے پر کھڑے تھے ۔ مادام کیوری یہیں اتریں گی اور اسی دروازے سے گزریں گی ۔

پانچ دس کارکن روزانہ صبح کے وقت یہاں جمع ہو کر مادام کیوری کا انتظار کرتے تھے ، ہر شخص چاہتا تھا کہ اسے پریشان کئے بغیر وہ کسی سلسلے میں اس کا مشورہ حاصل کر سکے ، اپنے کسی کام کے سلسلے میں اس کی حوصلہ افزائی حاصل کر سکے ۔ اس ساری کیفیت کو مادام کیوری ہنس کر ”سوویٹ،، کہا کرتی تھی ۔

سوویٹ کو زیادہ انتظار کرنا نہ پڑتا تھا ۔ نو بجے پرانی کار ایو پیئر کیوری پھاٹک میں داخل ہو جاتی تھی ۔ لوہے کا پھاٹک کھل جاتا تھا اور مادام کیوری باغ والے راستے سے داخل ہوتی

تھی - طالب علم اسے چاروں طرف سے گھیر لیتے تھے - وہ اسے اپنی اپنی رودادیں سناتے تھے -

اگرچہ صبح ھی صبح اسے چاروں طرف سے گھیر لیا جاتا تھا ، وہ اس بات سے کبھی کبھی نالاں نظر آتی تھی ، لیکن وہ اس بات سے خوش تھی کہ نوجوانوں میں کام کرنے کا جذبہ موجود ھے - اسے اپنا کام بھی کرنا ھوتا تھا ، لیکن وہ ان نوجوانوں سے کترائے بغیر اپنا کوٹ اور ھیٹ پہنے ان کے درمیان گھری رھتی - ھر شخص اپنا سائنسی تجربہ بیان کرتا ، اور وہ اس کے بارے میں رائے دیتی تھی - بعض دفعہ وہ کہتی کہ اچھا میں سوچ کر جواب دوں گی ، اور وہ تنہائی میں طالب علموں کے سوالوں پر غور کرتی تھی اور دوسرے دن جواب دیا کرتی تھی -

موسیو فورنر ، میں نے آپ کے سوال پر غور کیا تھا ، آپ کا خیال تو اچھا ھے لیکن جو طریقہ کار آپ نے تجویز کیا ھے وہ عملی طور پر ممکن نہیں ھے - میرے ذھن میں ایک اور ترکیب آئی ھے ، جس میں کامیابی کا امکان ھے - میں پھر ملوں گی اور آپ سے اس مسئلے پر بات کروں گی - مادام کوٹلے آپ نے کون عدد نکالا تھا - کیا آپ کو بالکل یقین ھے کہ آپ کا نکالا ھوا جواب بالکل صحیح ھے ؟ گذشتہ رات کو میں نے آپ کا سوال حل کیا تھا ، لیکن اس کا جواب قدرے مختلف ھے - بهرحال جو بات ھوگی وہ سامنے آ جائے گی -

یہ باتیں الل ٹپ نہیں کہی جاتیں تھیں - جب وہ تحقیقی کارکن کی حیثیت سے اپنا کام کرتی تھی تو وہ مسئلہ حل کرتے

وقت اس میں غرق ھو جاتی تھی - طالب علموں کے ایک گروہ سے ملاقات کر کے وہ دوسرے گروہ سے باتیں کرنے لگتی تھی - اس کا دماغ اس قسم کی دماغی ورزشوں کے لئے بہت زیادہ مالا مال تھا - تجربہ گاہ میں وہ نوجوان اور ذہین کارکنوں کے درمیان اس طرح کام کرتی تھی جیسے شطرنج کے ماھر کھلاڑی ایک ھی وقت میں تیس تیس چالیس چالیس بساطوں سے نبٹ سکتے ھیں اور شطرنج کی گوٹوں کی مطلق پروا نہیں کرتے -

لوگ گذرتے ، سلام کرتے اور ٹھہر جاتے - سوویٹ وسیع ھوتی جاتی - میری کسی کام کو ملتوی کئے بغیر کسی زینہ پر بیٹھ جاتی ، اس طرح وہ اپنے چاروں طرف کھڑے ھوئے طالب علموں کو اچھی طرح دیکھ لیتی تھی ، یہ اس کی مخدومانہ شان نہ تھی ، اور نہ اس میں وہ کچھ بڑائی سمجھتی تھی -

وہ تجربہ گاہ کے لئے مفید مطلب طالب علموں کو منتخب کرنے کے لئے صرف ایک ایک منٹ گفتگو کرتی تھی ، اور ان کی قابلیت کا اندازہ لگا لیتی تھی - وہ مختلف طالب علموں کے کاموں کو پہچان لیتی تھی - اس کے طالب علم جب کسی سائنسی مشکل میں پڑتے تھے تو وہ اس امید پر اس کے پاس آتے تھے کہ وہ ان کی غلطی بتا سکے گی ، اور انہیں غلط راستے سے صحیح راستہ پر ڈال سکے گی -

چالیس سالہ سائنسی ریاض کے بعد اس سر سفید سائنسدان خاتون کے پاس علم کا بہت وسیع ذخیرہ تھا - وہ ریڈیم کی چلتی پھرتی لائبریری تھی - وہ پانچ زبانوں پر کامل مہارت رکھتی تھی ،

اور انہیں پانچ زبانوں میں اس نے سائنس کی تمام اعلیٰ کتابیں پڑھ ڈالی تھیں ۔ اس نے معلوم مظاہر کے نئے امکانات کو دریافت کیا تھا ، اور اس میں نئے طریقے ایجاد کئے تھے ۔ ان سب باتوں کے علاوہ اس کے پاس عقل سلیم بھی تھی ۔ طالب علم اس کے ساتھ کام کرکے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے تھے ۔

رفتہ رفتہ طالب علموں کا ھجوم چھٹ جاتا تھا ۔ جن طالب علموں کو مادام کیوری مشورے دے چکی ھوتی وہ ان پر عمل کرنے میں مصروف ھو جاتے تھے ۔ مادام کیوری کسی نہ کسی طالب علم کے ھمراہ فزکس ھال یا کیمسٹری ھال تک جاتی اور کسی سائنسی آلہ کے پاس کھڑی ھوکر گفتگو جاری رکھتی . . . . آخرکار جب وہ سب سے نجات حاصل کر لیتی تو اپنی تجربہ گاہ میں آتی اور کام کرنے کے لئے کالا بلاؤز پہن لیتی اور پھر وہ کام میں غرق ھو جاتی تھی ۔

اس کا استغراق بہت مختصر ھوتا تھا ۔ کوئی نہ کوئی دروازے پر دستک دیتا تھا اور کوئی نہ کوئی کارکن نمودار ھوتا تھا ، جو اپنے ھاتھ میں کوئی نہ کوئی مشورہ لئے ھوتا تھا ۔ اس کے پیچھے دوسرا منتظر ھوتا تھا . . . . اس پیر کو سائنس اکیڈمی کا ھفتہوار اجلاس تھا ، اس اجلاس میں جن لوگوں کو شریک ھونا تھا وہ اپنی رپورٹیں مادام کیوری کے پاس لائے تھے ۔

ان کاغذوں کے پڑھنے کے لئے میری ایک بہت ھی تنگ سے کمرے میں چلی جاتی تھی ۔ اس کمرے میں اگر اسے کوئی

دیکھنا تو شاید کوئی پہچان سکتا کہ یہ عورت بڑی مشہور سائنس دان ہے ۔ شاہ بلوط کی بنی ہوئی ایک دفتری میز ، ایک فائل ، کتابوں کی الماریاں ، ایک پرانا ٹائپ رائٹر اور چمڑے کی ایک آرام کرسی ، یہ تھا اس کمرے کا سامان ۔ میز پر سنگ مرمر کا ایک قلم دان تھا ، ایک چونگا تھا جو فاؤنٹن پنوں سے بھرا ہوا تھا اور پنسلیں بھی تھیں ۔

جن ہاتھوں میں اکیڈمی کے آلات ہوتے تھے وہ ہاتھ اکثر جذبات سے کانپنے لگتے تھے ۔ ان کے مصنفین کو معلوم تھا کہ امتحان سخت ہوگا ۔ کاپیاں صاف ستھری نہ تھیں ۔ بعض جملوں میں بڑی بڑی غلطیاں ہوتی تھیں اور وہ پورے پورے جملے کاٹ کر دوبارہ لکھ دیتی تھی ۔ وہ کہا کرتی تھی کہ شاید اس طرح سے کام چل جائے گا ۔ وہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتی تھی کہ جب وہ اپنے ہاتھ میں سائنس کے کسی آلہ کو پکڑ لیتی ہے تو اس میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے ۔

جب میری کے شاگرد تسلی بخش کام کرتے تھے تو وہ مسکرا کر کہتی تھی ، بہت عمدہ ، بہت مکمل ۔ اس طرح وہ شاگردوں کی حوصلہ افزائی کرتی تھی ، اور ان بے بال و پر بچوں کے پر لگاتی تھی ۔

جین پیرین اکثر کہا کرتے تھے کہ مادام کیوری نہ صرف ایک مشہور ماہر طبعیات ہے ، بلکہ وہ تجربہ گاہ کی بہت بڑی ڈائرکٹر بھی ہے ، میں نے ان سے بڑا ڈائرکٹر اپنی زندگی میں نہیں دیکھا ۔

مادام کیوری کی بڑائی کا راز کیا تھا - پہلی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ تجربہ گاہ میں شاوان ازم غیر معمولی طور پر پھیلا ہوا تھا ، دوسری بات یہ تھی کہ مادام کیوری کو اس تجربہ گاہ سے بے حد محبت تھی اور اس کے وقار کا اسے بے حد خیال تھا -

ضوریز مادوں کی ضروری مقدار فراہم کرنے کے لئے وہ پوری طرح کوشش کرتی تھی تاکہ کام میں ہرج نہ ہو - بیلجین ریڈیم فیکٹری اور مادام کیوری کے درمیان دوستانہ خط و کتابت جاری رہتی تھی - اس فیکٹری نے مادام کیوری کو پہلی مرتبہ چند ٹن خام دھات بغیر قیمت کے بھیج دی تھی ، مادام کیوری اس بات سے بہت خوش ہوئی تھی ، اور اس نے فوراً اس دھات سے ایک بڑا کارنامہ انجام دیا تھا -

وہ سالہا سال سے اپنی تجربہ گاہ کو مالا مال کر رہی تھی - جین پیرین کو ساتھ لے کر وہ حکومت کے دروازے کو کھٹکھٹاتی تھی، اور اس تجربہ گاہ کے لئے مالی امداد طلب کرتی تھی - اب چونکہ وہ مادام کیوری بن چکی تھی ، لہذا اس کی سنی بھی جاتی تھی - ۱۹۳۰ء میں اسے تجربہ گاہ کے لئے پچاس ہزار فرانک مدد ملی تھی -

بعض اوقات وہ اپنی اس گداگری سے تھک جاتی تھی - اس میں اپنی تھوڑی سی سبکی محسوس کرتی تھی - وہ از خود ایسا نہ کرنا چاہتی تھی بلکہ مجبور ہوکر ایسا کرتی تھی - ابو سے ایک بار اس نے اس کیفیت کا ذکر کیا تھا اور آخر میں مسکراتے ہوئے

کہا تھا :

,, میں سمجھتی ہوں کہ کسی روز ہمیں بھیک منگا سمجھ کر دھکا ضرور دیا جائے گا ،،

اس تجربہ گاہ کے رکن دن رات کام میں لگے رہتے تھے کیونکہ ان کی رہنمائی کرنے والی ایسی عورت تھی ، اسے یقین تھا کہ جہاز ساحل سے لگ کر رہے گا - ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۴ء تک اس تجربہ گاہ کے کارکنوں نے سائنس کے بارے میں چار سو تراسی کتابیں شائع کروائیں، جن میں چونتیس تحقیقی مقالے تھے - ان چار سو تراسی کتابوں میں اکتیس کتابوں کا سہرا مادام کیوری کے سر بندھتا ہے -

اگرچہ کتابوں کی اتنی بڑی تعداد تبصرہ کی طالب ہے - یعنی مادام کیوری اپنی زندگی کے آخری حصہ میں مستقبل کی خاطر بہت زیادہ ایثار سے کام لے رہی تھی ، اور اپنا بیشتر وقت ڈائرکٹر اور پروفیسر کی حیثیت سے صرف کر رہی تھی ، اگر وہ اپنا ہر منٹ تحقیقی کام پر صرف کرتی تو کتنے بڑے کارنامے انجام پا سکتے تھے، لیکن وہ اپنے شاگردوں کو تحقیقی کام پر اکسایا کرتی تھی ، اور وہ کارنامے جو اس کے شاگردوں نے انجام دیئے ان کے بارے میں کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے پیچھے میری کی ترغیب کو کس حد تک دخل ہے -

وہ اس سلسلے میں بالکل شاکی نہ تھی بلکہ وہ اس بات پر بے حد خوش تھی کہ اس کی امداد سے اس کے شاگرد فتح پر فتح

حاصل کرتے جا رہے ہیں ۔ وہ تو اپنی تجربہ گاہ کو اپنی تجربہ گاہ سمجھتی ہی نہ تھی ۔ وہ میری تجربہ گاہ کے بجائے ہمیشہ تجربہ گاہ کہتی تھی ، لیکن جب وہ صرف تجربہ گاہ کہتی تھی تو اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ اس تجربہ‌گاہ کے علاوہ دنیا میں کوئی تجربہ‌گاہ نہیں ہے ۔

لوگ اس تنہا سائنسداں خاتون کی مدد کرتے تھے ، تا کہ وہ ڈائرکٹر کی حیثیت سے دوسروں کی مدد کر سکے ۔ مادام کیوری اپنے رفقاء کار میں اچھی طرح گھل مل گئی تھی ، اور وہ جانتی تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ زندگی کو کیسے وقف کیا جاتا ہے ۔ وہ اپنے روز مرہ کے ساتھیوں کو مس اور مسٹر کہہ کر پکارتی تھی ۔

بعض دفعہ ایسا ہوتا کہ وہ باغ کی کسی بنچ پر بیٹھ کر کسی ساتھی سے گھنٹا آدھ گھنٹا تک کسی سائنس کی بحث میں الجھی ہوتی اور تجربہ گاہ کا کوئی کارکن یا اسسٹنٹ اسے آگاہ کرتا ۔

میڈم آپ کو ٹھنڈ لگ جائےگی ، مہربانی کرکے آپ اندر چلی آئیے ۔ اس کے شاگرد اس کے پیچھے پیچھے اس کا کھانا لئے لئے پھرتے تھے کیونکہ وہ دوپہر کا کھانا بھول جاتی تھی ۔

تجربہ گاہ کے کارکن اور مستری اس سے بے حد عقیدت رکھتے تھے ، وہ اس خاتون کو دنیا کی سب سے قیمتی چیز سمجھتے تھے ۔ جس روز مادام کیوری نے ایک شوفر کو ملازم رکھا ، اس روز باغ کا مالی پھوٹ کر رونے لگا ۔ یہ باغ کا مالی دوہرا کام کرتا تھا ، یعنی باغ کی دیکھ بھال بھی کرتا تھا اور مادام کیوری کا

ڈرائیور بھی تھا ۔ یہ مالی محض اس خیال سے رونے لگا کہ آج کے روز سے یہ ایک دوسرے شخص کو عزت حاصل ہوگی کہ وہ مادام کیوری کی کار چلائے ۔

تجربہ گاہ میں کام کرنے والوں سے مادام کیوری کو بڑی محبت تھی اور کبھی کبھی وہ اپنی محبت کا اظہار بھی کر دیتی تھی ۔ یہ ہی وجہ تھی کہ اس تجربہ گاہ کے کارکن اپنے آپ کو ایک بہت بڑے کنبہ کا فرد سمجھتے تھے ۔ اگست ۱۹۳۲ء میں میں نے اپنی ماں کو جتنا مغموم دیکھا ہے اتنا شاید کبھی نہ دیکھا ہوگا ، وجہ یہ تھی کہ اس کا عزیز ترین شاگرد اچانک مر گیا تھا ۔

مادام کیوری لکھتی ہے ، جب میں پیرس پہونچی تو مجھے بے حد صدمہ پہونچا ۔ نوجوان کیمیاداں رے منٹر جسے میں بہت چاہتی تھی ، دریا میں ڈوب کر مر گیا ۔ میرا دل ٹوٹ گیا ۔ اس کی ماں نے مجھے خط میں لکھا تھا کہ اس نوجوان لڑکے نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ تجربہ گاہ میں گزارا تھا ۔ اگر زندگی کو اسی طرح ختم ہونا تھا تو اس زندگی سے کیا حاصل ۔ کتنا اچھا نوجوان تھا ، کتنا رحم دل تھا ، کتنا شریف اور کتنا خوب صورت تھا اور کیسا اچھا دماغ پایا تھا ، لیکن یہ سب کچھ دریا میں بہہ گیا ۔

جب اس کے ایک شاگرد نے ڈاکٹریٹ کا امتحان پاس کر لیا اور اسے ڈپلوما مل گیا ، تو مادام کیوری نے اس کے اعزاز میں چائے کی دعوت کی ۔ ایسی چائے کی دعوتیں اکثر ہوا کرتی نہیں ، اگر گرمیوں کا موسم ہوتا تو باغ کی کھلی ہوا میں دعوت ہوتی تھی اور اگر سردیاں ہوتیں تو لائبریری کی عمارت میں دعوت منعقد ہوتی ۔

چائے کا سامان نو تھا نہیں لہذا تجربہ گاہ میں کام آنے والے گلاسوں کو پیالیاں فرض کر لیا جاتا تھا اور تجربہ گاہ میں کام آنے والی شیشے کی سلاخوں کو چمچہ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا ۔ یہاں کام کرنے والی طالبات دعوت میں خاطر مدارت کا کام انجام دیتی تھیں ۔ وہ اپنے ساتھیوں اور بزرگوں کی طرف کیک کی پلیٹیں بڑھاتیں ، اور چھوٹے درجے کے ملازموں کو بھی نظر انداز نہ کرتی تھیں ۔ ان دعوتوں میں آندرے ڈیبارنے اور مسٹر ھال ویک بھی نظر آتے تھے ۔ میری ایسے موقع پر بہت باتونی ثابت ھوتی تھی ۔ وہ اس بات کا خیال رکھتی تھی کہ بھیڑ بھاڑ میں کہیں گلاس نہ ٹوٹ جائیں ۔

چائے کے بعد خاموشی ھو جاتی اور مادام کیوری کامیاب ھونے والے شاگرد کو مبارک باد کہتی ۔ وہ گرم جوشی کے ساتھ مختصر لفظوں میں اپنے شاگرد کی نوعیت سمجھاتی ۔ کام کی ندرت بیان کرتی اور یہ بھی بیان کرتی کہ اس کام میں کیا کیا رکاوٹیں تھیں جن پر قابو حاصل کیا گیا ۔ اس کی بے تکلفانہ تقریر پر خوب تالیاں بجائی جاتیں ۔ اگر طالب علم کسی دور دراز ملک سے آیا ھوتا تھا تو مادام کیوری اپنی تقریر میں یہ کہتی ” جب تم اپنے پیارے اور خوب صورت وطن واپس جاؤگے تو مجھے معلوم ھے کہ تمہارے مداح تمہارا استقبال گرم جوشی سے کریں گے ، تو مجھے امید ھے کہ تم اس ماحول اور اس فضا کو ھمیشہ یاد رکھو گے ۔ تمہیں یہ معلوم ھو چکا کہ ھم لوگ یہاں کتنی محنت سے کام کرتے ھیں “

چائے کی ان دعوتوں میں بعض دعوتیں میری کے لئے بہت ارمان بھری تھیں ۔ ایک دعوت تو وہ ہوئی تھی جب اس کی بیٹی آئرین کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ملی تھی اور دوسری مرتبہ جب اس کے داماد فریڈرک جولئیو کو ڈگری ملی تھی ۔ ان دونوں کو مادام کیوری نے اپنی نگرانی میں تحقیقی کام کے لئے تیار کیا تھا ، لہذا جب اسے اپنی نگرانی اور محنت کا پھل ملا تو وہ بہت خوش ہوئی ۔ ۱۹۳۴ء میں اس نوجوان جوڑے کو شاندار فتح ہوئی تھی ۔ دونوں نے مل کر ذرات کے بارے میں تحقیقی کام کیا تھا ، اور دونوں نے مصنوعی ضوربزی کو دریافت کیا تھا ۔ بعض مادوں کو بکھیرنے کے بعد ان میں سے خود بخود شعاعیں پھوٹتی تھیں ۔ ان دونوں نے اپنی کوشش سے ان شعاعوں کو نئے عنصر میں تبدیل کر دیا ۔ آگے چل کر ان کے اس کام کے دور رس نتائج نکلے ۔

سائنس کے ایک جلسے میں جب یہ جوڑا اپنے تحقیقی کام کو بیان کر رہا تھا تو جلسے میں مادام کیوری بھی بیٹھی ہوئی تھی اور وہ بڑی توجہ اور فخر کے ساتھ اپنی بیٹی اور داماد کے کارنامے سن رہی تھی ۔ اس جلسے میں ایلبرٹ لیبارڈے بھی بیٹھا ہوا تھا ۔ یہ پیئر کیوری کا اسسٹنٹ رہ چکا تھا ۔ جلسے کے بعد مادام کیوری نے اس سے کہا ، آئیرین اور جولیٹ نے اچھی تقریر کی ۔

اس شام کو وہ اتنی زیادہ خوش تھی کہ مارے خوشی کے گھر تک چلی آئی ، اس کے ساتھ اس کے بہت سے ساتھی تھے ۔ وہ بار بار نوجوان جوڑے کی کامیابی کا ذکر کرتی تھی ۔

پروفیسر ریگارڈ کی نگرانی میں ریڈیم کے ذریعے کینسر کا علاج ہو رہا تھا۔ ۱۹۱۹ء تک آٹھ ہزار تین سو انیس مریضوں کو انسٹی ٹیوٹ میں بھرتی کیا گیا۔

ریگارڈ بھی تجربہ گاہ کا بڑا سرپرست تھا۔ وہ بڑے صبر کے ساتھ ان ہتھیاروں کو جمع کرتا تھا جن سے کینسر کے خلاف جنگ کی جا سکتی تھی۔ ریڈیم اور اس کے آلات نے ایک شفاخانے کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ہزارہا مریضوں کو ریڈیم کے ذریعے کینسر سے شفا حاصل ہوئی، اور اب ڈاکٹر ریگارڈ کو فوری طور پر مزید ریڈیم کی ضرورت تھی۔ یونین منرے نے اسے دس گرام ریڈیم دی۔ حکومت اور عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ اس سفاخانے کے لئے چندہ دیں۔ بیرن ہنری ڈی راتھ جائیلڈ اور لازرڈ فربر نے سب سے زیادہ چندہ دیا۔ انہوں نے کیوری فاؤنڈیشن کو چوبیس لاکھ فرانک چندہ دیا۔

رفتہ رفتہ یہ تجربہ گاہ سائنس کا مرکز بن گئی۔ پانچ براعظموں سے دو سو سے زیادہ ڈاکٹر کینسر کا طریقہ علاج سیکھنے آئے اور اب اس تجربہ گاہ کا وقار بے انتہا تھا۔

مادام کیوری طبعیات اور کیمیا کی ماہر تھی۔ اس نے علم الحیات اور علم الادویہ میں کوئی دخل نہ دیا، لیکن کینسر کے طریقہ کی ترقی پر بے حد خوش ہو رہی تھی۔ پروفیسر ریگارڈ کے ساتھ وہ ایک رفیق، ساتھی، ایک مداح اور ایک بے لوث معاون کی طرح پیش آتی تھی۔ خود پروفیسر بھی انہیں صفات کا حامل تھا۔ میری کی

طرح وہ بھی شہرت سے نفرت کرتا تھا ۔ وہ بھی اس کی طرح ہمیشہ دولت پر ٹھوکر مارتا تھا ۔ اگر وہ چاہتا نو لکھ پتی بن جاتا ، لیکن اس نے کبھی اس کی خواہش نہ ظاہر کی ۔

رات کے وقت مادام کیوری اپنی سکریٹری مادام ریزٹ سے خطوں کے جواب لکھواتی تھی ۔

اس کے خطوں پر نہایت مختصر پتہ لکھا ہوتا تھا :

مادام کیوری پیرس

یا

مادام کیوری سائنسداں فرانس

جتنے خط روزانہ آتے تھے ان سب سے آدھے خط ان لوگوں کے ہوتے تھے جو مادام کیوری کے آٹو گراف بھیجنے کی فرمائش کرتے تھے ۔ ان خبطی لوگوں کے لئے اس نے پہلے ہی سے چھپے ہوئے خط تیار کر رکھے تھے، جن پر لکھا ہوتا تھا "مادام کیوری آٹو گراف دینا نہیں چاہتی، وہ آپ سے معافی چاہتی ہے" اس کے علاوہ اور بہت سے خبطی لوگ اسے خط لکھتے تھے ، بعض ایسے تھے جو خواہ مخواہ اپنے آپ کو موجد سمجھتے تھے ، بعض ایسے تھے جو پاگل خانے کی سیر کر آئے تھے ، بعض نادیدہ سائنسداں خاتون کے عشق میں مبتلا تھے ، بعض پاگل لوگ اسے دھمکی بھرے خطوط لکھتے تھے ، ان سب کا ایک ہی جواب تھا ، یعنی جواب جاہلاں باشد خموشی ۔

ان خطوں کے علاوہ اور خطوط ، اس کے دور دراز ساتھیوں کے خطوط اور ایسے لوگوں کے خطوط جو غلط فہمی کی بنا پر مادام کبوری کو کینسر کا علاج کرنے والی ڈاکٹرنی سمجھتے تھے ۔ ایسے خطوں کا جواب وہ اپنے سکریٹری سے لکھوا دیا کرتی ۔ سائنس کے آلات تیار کرنے والے کارخانے داروں کے خطوط ہوتے تھے ۔ تخمینے ہوتے تھے اور بعض چیزوں کے بل ہوتے تھے ۔ غرض یہ کہ خطوط کا ایک سیلاب ہوتا تھا ۔ مادام کیوری نے سینتالیس فائلیں تیار کی تھیں، جن میں ان خطوط کو حفاظت سے رکھا جاتا تھا ۔

یونیورسٹی کے رسم و رواج کی وہ سختی سے پابند تھی ۔ اس کے باوجود کہ وہ دنیا کی مشہور عورت تھی لیکن وہ یونیورسٹی کے ریکٹر کو جب بھی خط لکھتی تو خط کے آخر میں لکھتی کہ آپ کی فرمانبردار ملازم ۔

ساری دنیا سے آنے والے خطوط کو حفاظت سے رکھنے کے لئے سینتالیس فائلیں کافی نہ تھیں ۔ ملاقاتوں سے وہ بے حد تنگ تھی ۔ منگل اور جمعہ کی صبح کو وہ اپنے ملاقاتیوں سے ملتی ۔ اس روز وہ بہترین سیاہ لباس پہنتی تھی اور کہتی تھی آج میرا دن ہے ۔ مجھے مجبوراً عمدہ لباس پہننا ہے ۔ لوگ ویٹنگ روم میں اس کا انتظار کرتے ۔ انتظار کرنے والوں میں اور لوگوں کے علاوہ اخبار نویس بھی ہوتے تھے ۔ ان اخبار نویسوں کو مادام کیوری کی سکریٹری مادام ریزک پہلے ہی سے خوفزدہ کر دیتی تھیں ، مادام کیوری صرف ان لوگوں سے ملاقات کریں گی جو ان سے

سائنس کی معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں ، اس کے علاوہ وہ کسی سے ذاتی ملاقات نہیں کریں گی -

اگرچہ مادام کیوری بڑی خلیق اور با اخلاق عورت تھی لیکن یہ ممکن نہیں تھا کہ گفتگو کو طول دے سکتی - کوئی شخص اس کے پاس دیر تک بیٹھ ہی نہ سکتا تھا - کمرے کی کرسیاں بہت سخت تھیں - تمام کمرہ بہت زیادہ غیر آرام دہ تھا - مادام کیوری بار بار گھڑی کی طرف بے چینی سے دیکھتی تھی ، ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ کوئی شخص دیر تک اس کے پاس نہیں بیٹھ سکتا تھا -

پیر اور بدھ کے روز وہ اپنے بستر سے بوکھلائی ہوئی اٹھتی تھی - پیر اور بدھ کو شام کے وقت وہ لکچر دیا کرتی تھی - دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد وہ اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیتی تھی ، اور لکچر کی تیاری شروع کر دیتی تھی - ایک سادہ کاغذ پر ضروری یاد داشتیں لکھتی جاتی تھی - شام کے ساڑھے چار بجے وہ تجربہ گاہ پہونچ جاتی تھی - اسے پچیس سال لکچر دیتے ہوئے ہو چکے تھے ، لیکن اس کے باوجود جس دن لکچر دیتی تھی اس روز پریشان اور بدحواس نظر آتی تھی - وہی پرانا لکچر ہال تھا اور پچیس تیس طالب علم تھے جو اسے آتا دیکھ کر تعظیماً اٹھ کھڑے ہوتے تھے -

لکچر دیتے وقت وہ بے تکان بولتی چلی جاتی تھی - خالی وقت میں وہ سائنس پر مضمون اور کتابیں لکھا کرتی تھی - اس نے

پیٹر کیوری کی مختصر اور دل آویز سوانح عمری بھی لکھی تھی۔ اس نے اپنے لکچروں کا مجموعہ بھی تیار کیا تھا۔

آخر عمر میں اس کی سوجھ کم ہو رہی تھی۔

۱۹۲۰ء میں ڈاکٹر نے اسے بتایا تھا کہ اس کی بینائی دھیرے دھیرے کم ہوتی جا رہی ہے۔ میری نہ چاہتی تھی کہ اس کی بینائی ضائع ہو۔ اس نے اپنی بیٹیوں کو حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اور علاج کی طرف توجہ کی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے اور دنیا کے درمیان کوئی پردہ پڑ جائے۔ اس نے فوراً آپریشن کروایا۔

میری کا خط برونیا کے نام، ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء

میری سوجھ کم ہو رہی ہے اور میری سماعت میں بھی فرق آ رہا ہے، میری آنکھیں اتنی کمزور ہو گئیں ہیں کہ ان سے بہت کم کام لے سکتی ہوں۔ جہاں تک کانوں کا تعلق ہے تو ان کی یہ کیفیت ہے کہ مجھے ہر وقت گھرگھراہٹ کی آواز سنائی دیتی ہے جس سے میں بہت پریشان ہوں۔ سماعت اور بصارت کے سلسلے میں میں بہت فکر مند ہوں، مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرا کام ہی نہ رک جائے، شاید ریڈیم سے ان چیزوں کا علاج ہو سکے، لیکن یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتی۔

لیکن یہ باتیں تم کسی سے نہ بتانا، میں نہیں چاہتی کہ میرے اندھے پن اور بہرے پن کا چرچا ہو جائے۔ آؤ اب اور اور باتیں کریں۔

اس نے اپنی ان دو پریشانیوں کا ذکر اپنی دو بیٹیوں اور اپنے بھائی اور اپنی دو بہنوں سے کیا تھا، جن پر اسے بھروسا تھا ۔ وہ یہ نہیں چاہتی تھی کہ یہ بات اخباروں میں چھپ جائے کہ مادام کیوری اب کام کرنے کے قابل نہیں ہے ۔

اس نے اپنے ڈاکٹروں کو بھی بتا دیا تھا کہ وہ بھی کسی سے نہ بتائیں ۔ مریضوں کے رجسٹر میں اس نے اپنا نام مادام کیوری کے بجائے مادام کارے لکھوا دیا تھا ۔ اگر کوئی پوچھتا تو یہ ہی بتایا جاتا کہ آنکھوں کی مریضہ کا نام مادام کیوری نہیں مادام کارے ہے ۔ اس کی لڑکی ایو جب ایک عینک ساز کے یہاں عینک خریدنے گئی اور عینک ساز نے پوچھا کہ کس کے لئے عینک درکار ہے تو لڑکی نے بتایا کہ ایک بوڑھی عورت مادام کارے کے لئے ضرورت ہے ۔

اگر کہرا پڑ رہا ہوتا یا اسے سڑک پار کرنا ہوتی یا سیڑھیوں پر چڑھنا ہوتا تو اس کی کوئی نہ کوئی بیٹی اس کا بازو پکڑ کر اسے چلاتی تھی، اور راستہ کے خطرات سے آگاہ کرتی جاتی تھی ۔ جب وہ کھانا کھانے بیٹھتی اور میز پر نمک دانی ٹٹولتی تو کوئی نہ کوئی بیٹی اس کے ہاتھ میں نمک دانی تھما دیتی ۔

اب سوال یہ تھا کہ تجربہ گاہ میں کام کس طرح کرتی ۔ اس کی بیٹی ایو نے اسے مشورہ دیا کہ وہ تجربہ گاہ کے معتبروں کو اپنی بینائی کا حال بتا دے، لیکن میری نے بڑے روکھے پن سے

جواب دیا ، کسی شخص کو میری آنکھوں کی بربادی کا حال نہ معلوم ہونا چاہئے ۔

اس کا کام بہت دیدہ ریزی کا تھا ، اور اس میں بہت باریک بینی کرنی پڑتی تھی ، لیکن اس نے اندھوں والی ہنرمندی اور چالاکی سے کام لیا ۔ اس نے اپنی خورد بین میں بہت بڑے بڑے شیشے لگوائے ، جن سے بہت صاف نظر آتا تھا ، جن آلات کو وہ استعمال کرتی تھی انہیں اس نے شوخ رنگوں میں رنگوا دیا تھا ۔ جب اسے لکھی ہوئی تقریر پڑھنا ہوتی تھی تو وہ بہت موٹے موٹے حرفوں سے لکھتی تھی ، اور اگر لکچر ہال میں روشنی کم ہوتی تھی تب بھی اپنے لکھے کو پڑھ لیتی تھی ۔

اگر اس کا کوئی شاگرد سائنس کے سلسلے میں کسی چیز کا خاکہ تیار کر کے اسے دکھاتا تو وہ بڑی عیاری سے کام لیتی تھی ۔ خاکہ تو اسے نظر آتا نہ تھا ، لہذا وہ اس خاکے کے بارے میں اپنے شاگرد سے اتنے سوالات کرتی کہ خود اس کے ذہن میں اس خاکے کا خاکہ تیار ہو جاتا تھا ، اس کے بعد وہ شاگرد کے ہاتھ سے وہ خاکہ لیتی اور اب جو وہ غور سے دیکھتی تو اسے مدھم لکیریں دکھائی دینے لگتیں ۔

اتنی احتیاطوں اور چالاکیوں کے باوجود تجربہ گاہ کے کارکن اس ڈرامے کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگے تھے ۔ اس کے کارکن اور اس کے شاگرد خاموش تھے اور ظاہر کر رہے تھے کہ جیسے وہ کچھ نہیں جانتے ۔ وہ سب لوگ اتنی ہی چالاکی سے یہ کھیل کھیل رہے تھے جتنی کہ میری ۔

مادام کیوری کا خط ایو کے نام ، ۱۳ جولائی ۱۹۲۳ء

ڈارلنگ ! شاید بدھ کے روز صبح کے وقت اٹھارہ تاریخ کو میری آنکھوں کا آپریشن ہوگا ۔ تم ایک دن پہلے آ جاییں ، گرمی بہت بڑھ رہی ہے ، مجھے ڈر ہے کہ تم یہاں آ کر پریشان نہ ہو جانا ۔

میری سہیلیوں اور دوستوں سے کہہ دینا کہ مس تدوین کا کام کرنے سے معذور ہوں اور ان سے کہہ دینا کہ مجھے تمہاری ضرورت ہے ، تم بہت جلدی چلی آؤ ۔ سہیلیوں اور دوستوں کو جہاں تک ہو سکے کم سے کم بتانا ۔

تمہاری می

وہ کتنے المناک دن تھے ، جب ایو بے حس و حرکت اندھی مادام کیوری کو چمچے سے کھانا کھلاتی تھی ، اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی ، اضطراب حد سے سوا تھا ۔ پیچیدگیاں بڑھتی چلی گئیں ، کچھ ایسی گڑ بڑ ہوئی کہ چند ہفتوں تک بینائی واپس آنے کی امید ختم ہو گئی ۔ مارچ ۱۹۲۴ء میں پھر دو مرتبہ آپریشن ہوا ۔ چوتھا آپریشن ۱۹۳۰ء میں ہوا ۔ بڑی مشکل سے میری اپنی آنکھوں سے دوبارہ کام لے سکی ۔

پہلے آپریشن کے چند مہینوں بعد مادام کیوری نے ایو کو لکھا ۔

میں عینک کے بغیر چلنے کی عادت ڈال رہی ہوں اور میں نے اس میں کچھ ترقی کی ہے ۔ میں دشوار گزار پہاڑی راستوں

پر بھی چل چکی ہوں ۔ یہ حرکت میں دو مرتبہ کر چکی ہوں ، میں اب کسی حادثے کے بغیر چل سکتی ہوں ۔ خرابی بس یہ ہے کہ نظر دوہری ہو گئی ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ جانے پہچانے لوگوں کی صورت بھی پہچاننے میں دقت ہوتی ہے ۔ ہر روز میں پڑھنے لکھنے کی کوشش کرتی ہوں ۔ لکھنے پڑھنے کا کام چلنے سے زیادہ مشکل ہے ، تم یقیناً میری مدد کروگی ۔ انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کے لئے مجھے مضمون لکھنا ہے ، یہ مضمون میں تمہیں املا کرا دوں گی ۔

دھیرے دھیرے اس نے اپنی بدنصیبی پر قابو حاصل کر لیا ۔ موٹے موٹے شیشوں کی مدد سے اس کی سوجھ تقریباً نارمل ہو گئی ۔ اب وہ تنہا چل سکتی تھی ، موٹر چلا سکتی تھی اور تجربہ گاہ میں پھر دیدہ ریزی کرنے لگی تھی ۔ یہ معجزہ نہیں تو اور کیا تھا ۔ میری کی زندگی معجزات سے بھرپور ہے ۔ ورنہ کھوئی ہوئی نظر کا واپس آنا کیا معنی ۔

مادام کیوری کا خط برونیا کے نام ، ستمبر ۱۹۲۷ء

بعض دفعہ میں حوصلہ ہار بیٹھتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ مجھے اب کام نہ کرنا چاہئے ۔ کسی گاؤں میں جا کر رہنا چاہئے اور وہاں باغبانی کرنا چاہئے ، لیکن میں ہزاروں الجھنوں میں پھنسی ہوئی ہوں ۔ میں نہیں جانتی کہ ان الجھنوں سے کب

چھٹکارا ملے گا ۔ مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ میں تجربہ گاہ کے بغیر زندہ بھی رہ سکوں گی ۔

مجھے یہ بھی نہیں معلوم ہے کہ میں تجربہ گاہ کے بغیر زندہ بھی رہ سکوں گی ۔ اس جملہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم آپ کو تھوڑی دیر کے لئے تجربہ گاہ لے چلیں جہاں مادام کیوری اپنے کام میں مصروف ہے ۔ غیر معمولی تجربے کے وقت مادام کیوری کا چہرہ دکھانے کی کوئی ضرورت نہیں ، روز مرہ کی مصروفیت ہی دکھانا کافی ہے ۔ وہ اپنے آلات کے سامنے کام کرنے میں اس طرح غرق ہے کہ اس کی صورت بدلی ہوئی نظر آتی ہے ۔ تجربہ کرتے وقت اس کے چہرے پر بے پناہ مسرت نظر آتی ۔ تجربہ کرتے وقت اس کا فوٹو کبھی نہیں اتارا جا سکا ، البتہ اس کی ایک رفیق کار مس شامائے نے اس کی کیفیت اس طرح بیان کی ہے ۔

وہ آلات کے سامنے بیٹھ جاتی ۔ کمرہ سرد ہوتا ہے ۔ وہ کمرے کے درجہ حرارت میں کوئی تبدیلی نہیں کرنا چاہتی ۔ کمرے میں ہلکا ہلکا اندھیرا ہے ۔ وہ بعض آلات کو کھولتی ہے ۔ کرونومیٹر کو اسٹارٹ کر دیتی ہے ۔ ترازو اور بانٹ اٹھاتی ہے ۔ "کسی پیانو بجانے والے کی انگلیاں بھی اتنی تیزی سے حرکت نہیں کرسکتیں جتنی تیزی سے مادام کیوری کام کرتی تھی ۔ اس کی ہنرمندی مکمل تھی، اور خامی صفر کے برابر تھی ۔

ناپ تول کا حساب وہ بڑی باریک بینی سے کرتی تھی ۔ پھر وہ اعداد و شمار کا مقابلہ کرتی تھی ۔ اس کا خلوص اور اس کی مسرت چہرے سے پھوٹی پڑتی تھی ۔

جب وہ کام میں غرق ہوتی تھی تو باقی دنیا کا کوئی وجود نہ ہوتا تھا - ۱۹۲۷ء میں آئبرین بہت زیادہ بیمار ہو گئی تھی، اس کی بیماری سے میری بہت پریشان تھی - ایک شخص اس کے پاس آیا، اور اس کی بیٹی کی خیریت پوچھنے لگا - اس وقت وہ اپنی تجربہ گاہ میں بیٹھی ہوئی کوئی تجربہ کر رہی تھی - اس نے اس شخص کی طرف پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا اور اپنے ایک اسسٹنٹ کارکن سے کہنے لگی - یہ لوگ مجھے چین سے کام کیوں نہیں کرنے دیتے -

مس شامائے کا ایک اور بیان ملاحظہ فرمائیے - وہ الفا شعاعوں پر کام کر رہی تھی - یہ مرنے سے پہلے اس کا آخری کام تھا -

ایکٹینئم نمبر ۱۰ کو نکھارنا اور خالص بنانا تھا، اور اسے ایسی صورت میں رکھنا تھا کہ اس کی ضوریزی بھی نہ ختم ہونے پائے - کام قریب الختم تھا - اس روز وہ بدستور تجربہ گاہ میں بیٹھی رہی، اور اس نے رات کا کھانا بھی نہیں کھایا، لیکن یہ کام بہت مشکل تھا - اس مادے کو خالص بنانے کے لئے ساری رات تجربہ گاہ میں رہنے کی ضرورت تھی -

رات کے دو بج گئے - اب آخری منزل رہ گئی تھی، مادام کیوری بدستور جمی رہی -

اگر تجربہ ناکام رہتا تھا تو مادام کیوری پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا تھا - وہ ایک کرسی پر بیٹھ جاتی تھی - دونوں ہاتھوں

کو ایک دوسرے مس ڈال لیتی تھی ، کوبڑ نکل آتا تھا ، خالی خالی نظروں سے خلاء میں دیکھتی تھی - اس وقت وہ کوئی بوڑھی کسان عورت نظر آتی تھی - بے حد مغموم اور دل گرفتہ - ساتھ کے کام کرنے والے پریشان ہو جاتے تھے کہ نہ جانے کیا حادثہ ہو گیا ہے - وہ اس سے دریافت کرتے ، اور وہ صرف ایک جملہ کہہ کر چپ ہو جاتی - وہ کہتی ایکٹینئم نمبر ۱۰ کا تجربہ کامیاب نہیں ہوا ، یا کبھی وہ یہ کہتی تھی ، پولونیم کو مجھ سے دشمنی ہے - بس اس کے ساتھی سمجھ جاتے تھے کہ بات کیا ہے -

جب اس کا تجربہ کامیاب رہتا تو اس کے چہرے پر ایسی دمک آ جاتی کہ وہ جوان لگنے لگتی تھی - وہ خوشی کی ترنگ میں باغ بھر میں ماری ماری پھرتی تھی - ایسا لگتا تھا جیسے وہ گلاب کے پھولوں کو اپنی مسرت کا راز بتانا چاہتی تھی - ایسے موقعوں پر وہ اکیلے میں خود ہی ہنستی تھی -

ایسے موقع پر اگر کوئی مزاج شناس شخص اس سے اس کے تجربے کے بارے میں دریافت کرتا تو وہ بڑے اضطراب کے ساتھ اسے آلات کے نزدیک لے جاتی، اور اسے رتی رتی باتیں سمجھاتی تھی - ایسے وقت اگر کوئی اس کی تصویر کھینچ لیتا تو وہ دنیا کی مسحور کن تصویر کہلاتی -



ستائیسواں باب

منزل آخر ہوئی تمام

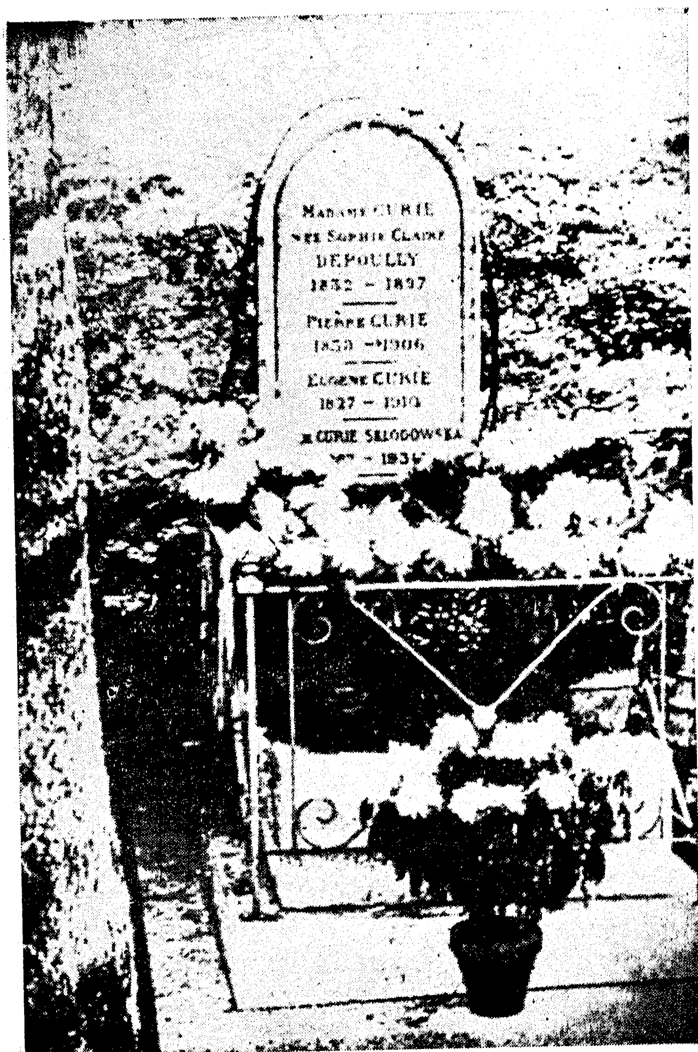
مادام کیوری اکثر اپنی موت کے بارے میں گفتگو کیا کرتی تھی ۔ وہ اس اٹل لمحے پر تبصرہ کرتی تھی ۔ بڑے اطمینان سے اپنے مرنے کے بارے میں باتیں کرتی تھی ، اور اپنی موت کے بعد کے نتائج پر غور کرتی تھی ۔ کسی جذبے کے بغیر وہ کہتی تھی ، ظاہر ہے میں زیادہ عرصے تک زندہ نہیں رہ سکتی ۔ مجھے صرف یہ فکر ہے کہ میرے بعد تجربہ گاہ کا کیا مستقبل ہوگا ۔

موت کا اسے کوئی غم نہ تھا، نہ اسے موت کی تمنا تھی ۔ وہ جانتی تھی کہ ہر زندہ چیز کا خاتمہ موت ہی پر ہوتا ہے ۔ اس کے مداح دور دراز ملکوں میں بیٹھے ہوئے سوچتے تھے کہ اس کی زندگی بے مثال ہوگی ۔ میری کے نزدیک فانی زندگی درگذر کرنے کے لائق تھی ۔ کام کے سامنے جان کی کوئی حقیقت نہ تھی ۔

کام ہی کے جوش میں تیس سال پہلے پیئر کیوری مر چکا تھا ۔ اب میری موت کے چیلنج کو قبول کرنے کے لئے تیار تھی ۔ اس نے اپنے فرائض کا ایک جال تیار کر رکھا تھا، اور گرم جوشی سے کام کرتی رہتی تھی ۔ وہ تکان کا بہت زیادہ ذکر کرتی تھی، اور اس کی تھکن میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا ۔ مختلف بیماریاں تھیں ، جو عرصہ دراز سے اسے لاحق تھیں ۔ سوجھ موٹی ہو گئی تھی، ایک شانے میں درد رہا کرتا تھا اور سماعت میں فرق آ گیا تھا ۔



مادام کیوری ۱۹۳۱ء
وفات سے تین سال قبل



کیوری خاندان کی آخری قیام گاہ

سی آکس کا قبرستان

لیکن ان سب باتوں کی کیا حقیقت تھی - ایک بات ان سب باتوں سے بڑھ کر تھی ، یعنی وہ ایک فیکٹری کھولنا چاہتی تھی جس میں کچی دھات کا انتظام ہو - وہ بہت عرصے سے یہ فیکٹری کھولنا چاہتی تھی اور ابتدائی انتظامات مکمل کر لئے تھے - وہ ایک کتاب بھی لکھنے میں مصروف تھی ، ایسی کتاب جو سائنس میں یادگار مینار بن کر کھڑی ہو سکے - اگر وہ مر جائے گی تو یہ کتاب کوئی شخص مکمل نہ کرسکے گا - ایکٹینئم کا کام بھی تیز رفتاری سے نہیں ہو رہا تھا - جب یہ کام ہو جائے گا تو وہ الفا کی شعاعوں پر کام کرے گی - میری علی الصبح اٹھتی تھی ، بہت جلدی تجربہ گاہ پہنچ جاتی تھی اور رات گئے گھر واپس آتی تھی -

وہ یکساں تیزی سے کام کئے جا رہی تھی - اپنے شاگردوں کو ہدائیتیں اور مشورے دیئے جاتی تھی - وہ پینتیس سال سے ریڈیم پر کام کر رہی تھی - جنگ کے زمانے میں اس نے چار برس تک ایکسرے کا کام کیا تھا - ایکسرے اور ریڈیم کی وجہ سے اس کے خون میں خرابی پیدا ہو گئی تھی - ریڈیم سے اس کے ہاتھ جھلس گئے تھے ، اور سوزش کی شکایت رہا کرتی تھی ، لیکن اسے یہ سارے دکھ جھیل کر کام بہرحال کرنا تھا -

دسمبر ۱۹۳۳ء میں ایک مختصر سی بیماری سے وہ بہت زیادہ جھٹک گئی تھی - ایکسرے لیا گیا - معلوم ہوا کہ پتے کے اندر بہت بڑی پتھری بن گئی ہے - یہ ہی بیماری اس کی ماں کو ہوئی تھی - وہ آپریشن سے بہت ڈرتی تھی ، لہذا وہ پرہیز وغیرہ پر بہت زیادہ زور دیتی تھی -

وھی سائنسداں خاتون جو کبھی پرھیز اور آرام نہ کرتی تھی، اب پرھیز کے منصوبے بنانے لگی تھی۔ وہ کہتی تھی میں پیرس کا یہ فلیٹ چھوڑ دوں گی۔ اس نے مکان کی تعمیر کا تخمینہ لگوایا، اور بلا تامل زر کثیر خرچ کرنے پر تیار ھو گئی۔ بات طے ھو گئی۔ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں سی آکس میں اس کا مکان بن جائے گا۔ میری کوائڈی بتھونے کی سکونت ترک کر دے گی۔

وہ تھکن سے چور چور ھو گئی، لیکن ظاھر یہ ھی کرتی تھی کہ اس کی صحت اچھی ھے۔ وہ آئبرین کے پاس پہونچ گئی، اور تفریح کی غرض سے برف پر پھسلنے کی کوشش کرنے لگی۔ جب ایسٹر کا تیوھار آیا تو اس کی بہن برونیا فرانس آئی۔ اس نے طے کیا کہ اپنی بہن کے ساتھ موٹر میں بیٹھ کر جنوبی فرانس کی سیر کرے گی۔

وہ چاھتی تھی کہ اپنی بہن کو فرانس کے بہترین قدرتی مناظر دکھائے۔ جب وہ کاوالائیر کے مقام پر پہونچی تو اسے ٹھنڈ لگ گئی۔ جس دیہاتی مکان میں وہ ٹھہری تھی اس میں بہت زیادہ خنکی تھی، اور آگ جلانے کے باوجود ٹھنڈک دور نہ ھو سکی۔ مکان میں اتنی سیلن اور ٹھنڈک تھی کہ میری تھر تھر کانپ رھی تھی۔ وہ ھاتھ پاؤں چھوڑ کر بے بس سی ھو گئی۔ پھر وہ بڑی بہن کی گود میں سسکیاں بھر کر بیمار بچی کی طرح رونے لگی۔ نرخرے کی نالیوں میں اتنا زیادہ ورم آ گیا کہ اسے محسوس ھوا کہ تمام بدن کی طاقت زائل ھو رھی ھے۔ برونیا اس کی تشفی اور تیمارداری کرنے لگی، دوسرے روز صبح میری عجیب و غریب باتیں کرنے لگی۔

چند روز بعد وہ اچھی ہو گئی - جب وہ پیرس واپس آئی تو اس کی طبیعت پہلے سے بہتر تھی - ایک ڈاکٹر نے کہا کہ اسے نزلہ ہے اور جیسا کہ تمام ڈاکٹر چالیس سال سے کہہ رہے تھے اس ڈاکٹر نے بھی کہا کہ یہ سب کچھ زکام کی زیادتی کی وجہ سے ہے - اسے دھیما بخار تو ہمیشہ ہی رہا کرتا تھا ، اس لئے اس نے اس مرتبہ بھی بخار کی پروا نہ کی - برونیا بے سبب پریشان تھی اور وہ اسی پریشانی کے عالم میں پولینڈ واپس چلی گئی - جب وہ وارسا جانے والی ٹرین پر سوار ہونے کو تھی تو دونوں بہنیں بہت زیادہ دل گرفتہ تھیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے سے چمٹی رہیں جب تک انجن کی سیٹی نہ بجی -

میری بیماری اور صحت کے درمیان زندگی گزار رہی تھی ، اور کام کرنے کے لئے برابر تجربہ گاہ جا رہی تھی - جب وہ بہت کمزور ہو جاتی تھی تو وہ گھر میں رہتی تھی ، لیکن گھر میں رہ کر بھی وہ آرام نہ کرتی تھی اور اپنی کتاب مکمل کرنے میں مصروف رہتی تھی - وہ کئی کئی گھنٹے دیہات میں مکان بنوانے کا منصوبہ بنایا کرتی تھی -

اس نے ۸ مئی ۱۹۳۴ء کو برونیا کے نام خط لکھا :

مجھے ایک ایسے مکان کی ضرورت ہے جس میں مکانیت کم ہو اور باغ زیادہ ہو ، مکان بنانے کا جو تخمینہ لگایا گیا ہے وہ میری اوقات اور امکان کے مطابق ہے - بہت جلد سنگ بنیاد رکھ دیا جائے گا -

لیکن اس کا چھپا ہوا دشمن تیزی کے ساتھ اپنی کارروائیاں کر رہا تھا ۔ بخار تیز ہو گیا تھا ، زکام شدید ہو گیا تھا ، ابو بڑے استقلال کے ساتھ ماں کو ڈاکٹر کو دکھانے پر تیار کرتی تھی ، لیکن میری طرح طرح کے بہانے تراشتی تھی ۔ یہ ڈاکٹر لوگ بہت بور کرتے ہیں ۔ کوئی ڈاکٹر فیس نہ لیتا تھا ، کیونکہ فرانس کے کسی ڈاکٹر کو یہ گوارا نہ تھا کہ مادام کیوری سے فیس لے ۔ میری کسی ڈاکٹر کا باقاعدگی سے علاج نہ کر سکتی تھی ۔ اتنی بڑی سائنسدان خاتون علاج کے معاملے میں کسی کسان عورت سے کم نہ تھی ۔

پروفیسر رنگارڈ دوست کی حیثیت سے میری کی عیادت کرنے آئے اور انہوں نے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر ریٹو کا علاج کراؤ ۔ ڈاکٹر ریٹو نے مشورہ دیا کہ ڈاکٹر بولن کا علاج کرایا جائے ۔ ڈاکٹر بولن نے جب میری کا چہرہ دیکھا ، جس پر خون کی چھینٹ تک نہ تھی تو انہوں نے کہا ، آپ لازمی طور پر بستر پر لیٹ جائیے ، اور مکمل آرام کیجئے ۔ مادام کیوری ایسی باتیں بارہا سن چکی تھی ۔ انہوں نے ایک کان سے سنا اور دوسرے کان سے اڑا دیا ۔ وہ برابر کام پر جاتی رہیں ، اور اپنے تین منزلہ مکان پر چڑھتی اور اترتی رہیں ۔ مئی ۱۹۳۴ء میں ایک روز دھوپ کھل کر نکلی تھی ، اس روز وہ اپنی تجربہ گاہ میں ساڑھے تین بجے تک بیٹھی رہیں ، اور سائنس کے آلات اور شیشے کی نلکیوں کو تھکے ہوئے ہاتھوں سے چھوتی رہیں ۔ یہ سائنسی آلات ان کے وفادار ساتھی تھے ۔ انہوں نے اپنے رفقاء کار سے چند جملے کہے ۔

مجھے بخار ہے - مجھے لازمی طور پر گھر جانا ہے - ایک مرتبہ پھر انہوں نے تجربہ گاہ کے باغ کا چکر لگایا - باغ میں رنگ برنگ کے نئے نئے پھول کھل رہے تھے - وہ اچانک گلاب کے ایک پژمردہ پھول کے پاس ٹھہر گئیں ، انہوں نے اپنے مستری کو پکارا اور اس سے کہا :

جارجز - ذرا گلاب کے اس پودے کو تو دیکھو کتنا مرجھایا ہوا نظر آ رہا ہے - دیکھو اس کی خبرگیری کا ہمیشہ خیال رکھنا -

اس کا ایک شاگرد آیا ، اور اس کی منت کرکے کہنے لگا " یہاں ٹھنڈ ہے آپ یہاں نہ کھڑی ہوں ، گھر واپس چلی جائیں ، وہ باغ سے چل پڑیں ، لیکن موٹر میں بیٹھنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر گردن موڑ کر تجربہ گاہ کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر کہا :

جارجز ، دیکھو اس گلاب کے پودے کو نہ بھولنا -

اس نے نظر بھر کر تجربہ گاہ کو دیکھا ، اور پھر اسی کملائے ہوئے گلاب کی طرف دیکھا - کیا اس نے آنکھوں ہی آنکھوں میں تجربہ گاہ کو الوداع تو نہیں کہا تھا -

وہ گھر آئی - بستر پر گر پڑی ، اور پھر اسے بستر سے اٹھنا نصیب نہ ہوا - اس کی بیماری بڑی غیر یقینی تھی ، اور کئی کئی رنگ بدلتی تھی - ایک مرتبہ پھر ایکسرے لیا گیا - ڈاکٹر اور تیماردار مضطرب اور پریشان تھے - ایکسرے بالکل صاف

آیا تھا ، کسی عضو میں خرابی نہ تھی ، لیکن پھیپھڑوں پر دھند چھائی ہوئی تھی ۔ اسی کے مطابق علاج شروع ہو گیا ۔ سبنی‌ٹوریم کا لفظ پہلی مرتبہ سنائی دیا ۔

ایو نے ڈرتے ڈرتے نقل مکانی کی تجویز پیش کی تھی ۔ میری نے اپنی بیٹی کا کہنا مان لیا اور نقل مکانی کے لئے تیار ہو گئی ۔ اسے امید تھی کہ شہر کے شور و غل اور گردوغبار سے ہٹ کر اسے کھلی ہوا ملی تو وہ صحت‌یاب ہو جائے گی ۔ منصوبے مکمل ہو گئے ۔ طے یہ پایا کہ ایو چند ہفتے اپنی ماں کے ساتھ سبنی‌ٹوریم میں رہے گی ، پھر میری کا بھائی اور اس کی بہنیں پولینڈ سے بیمارداری کے لئے آجائیں گی ۔ آئیرن ماں کے ساتھ اگست کا مہینہ گزارے گی اور موسم خزاں تک وہ بھلی چنگی ہو جائے گی ۔

بیمار خاتون کے کمرے میں آئیرین اور اس کا شوہر مادام کیوری سے تجربہ گاہ کی باتیں کرتے تھے ، اور اس مکان کے بارے میں گفتگو کرتے تھے جو سی آ کس میں بننے کو تھا ۔ مادام کیوری جو کتاب لکھ رہی تھی وہ مکمل ہو چکی تھی ، اور اس کی پروف ریڈنگ بھی ہو چکی تھی ۔ ایک نوجوان رفیق کار جارجز روزانہ اس کی خیریت پوچھنے آتا تھا ۔ ایو نئے مکان کی آرائش اور زیبائش میں مصروف تھی ۔ وہ دیواروں پر کاغذ چڑھاتی تھی اور الماری اور دروازوں پر پردے لٹکاتی تھی ۔

مادام کیوری جب اپنی بیٹی کو اپنے قریب نہ پاتی تو اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں ڈھونڈتی ، پھر ہلکی سی ہنسی کے ساتھ پوچھتی ، یہ ساری کوششیں بے سود ہیں شاید . . . .

ایسے موقعوں کے لئے ایو الفاظ کا ذخیرہ پہلے سے جمع کر لیتی تھی ۔ وہ ماں کی ان باتوں کے خلاف احتجاج کرتی اور اسے ہر طرح سے تسلی اور تشفی دیتی ۔ ان تمام باتوں کے باوجود میری کو بچنے کی کوئی امید نہ تھی ، حالانکہ ڈاکٹر نا امید نہیں تھے ۔ گھر میں کوئی بھی متفکر نہ تھا ، لیکن اسے یقین کامل تھا کہ اس کی منزل نزدیک آ چکی ۔

ان دنوں اس کی شفقت ، اس کی محبت اور زبان کی مٹھاس حد سے سوا تھی ۔ ان دنوں وہ بڑی پیاری سی تھی ۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کی عمر سولہ سترہ برس کی ہو گئی ہے ۔

بستر علالت پر اس نے کسی بات کا شکوہ نہ کیا ۔ بس وہ مستقبل کی باتیں کیا کرتی تھی ۔ ۔ ۔ تجربہ گاہ کا مستقبل ، وارسا کی تجربہ‌گاہ کا مستقبل ، اپنی بچیوں کا مستقبل ، اور خود اپنا مستقبل ۔ اسے امید تھی، بلکہ یقین تھا کہ چند مہینوں کے بعد اس کی بیٹی آئیرین‌اور اس کے داماد کو نوبل پرائز مل جائے گا ۔ وہ جانتی تھی کہ وہ مکان جس کا وہ تخمینہ لگا چکی ہے وہ کبھی نہ بن سکے گا ۔

اب وہ زیادہ کمزور ہو گئی ۔ سینی ٹوریم جانے سے پہلے ایو نے فیکلٹی کے چار ممتاز آدمیوں سے مشورہ کیا ۔ یہ چاروں فرانس کے مانے ہوئے ڈاکٹر تھے ۔ میں ان کا نام نہیں بتاؤں گی ، کیوں‌کہ اس طرح ان کے حاذق ہونے پر حرف آئے گا ۔ ان چاروں نے آدھ گھنٹا تک اس تھکی ماندی عورت کا معائنہ کیا اور کہنے لگے کہ مرض سمجھ میں نہیں آتا ، انہوں نے اپنے شک کا اظہار

کرتے ہوئے کہا کہ شاید دق کا پرانا مرض لوٹ آیا ہے ۔ انہوں نے پہاڑ پر لے جانے کا مشورہ دیا ہے ۔ وہ کتنے نادان تھے اور انہیں کتنی غلط فہمی ہوئی تھی ۔

سفر کی تیاریاں غم انگیز عجلت کے ساتھ ہونے لگیں ۔ کوشش یہ کی گئی کہ جہاں تک ہو سکے میری کو تکان سے بچایا جائے ، خاص خاص دوستوں کے علاوہ اس نے کافی عرصے سے ملاقات کرنا ترک کر دی تھی ۔ ڈاکٹر کی ممانعت تھی کہ کسی کو مریضہ کے کمرے میں نہ آنے دیا جائے ، لیکن اس کے باوجود اس نے در پردہ اپنی رفیق کار مادام کوٹلے کو اپنے کمرے میں بلوایا اور اس سے کہا ۔

دیکھو ایکٹینئم کو محفوظ جگہ رکھ کر قفل لگا دینا اور جب تک میں واپس نہ آؤں قفل نہ کھولنا ۔ دیکھو سب ساری ذمہ داری تم پر ڈال رہی ہوں ، کوئی بدعنوانی نہ ہونے پائے ۔ ہم تعطیلات کے بعد کام شروع کریں گے ۔

اچانک طبیعت بہت خراب ہو گئی ، اس کے باوجود چاروں ڈاکٹروں نے روانگی کا مشورہ دے دیا ۔ سفر بہت تکلیف دہ ثابت ہوا ، میری کو غش آ گیا اور وہ ایو اور نرس کی گود میں گر پڑی ۔ جب اسے سینی ٹوریم کے بہترین کمرے میں پہنچا دیا گیا تو دو بار ایکسرے لیا گیا ۔ معلوم ہوا کہ پھیپھڑے بالکل ٹھیک ہیں اور یہ سفر خواہ مخواہ کیا گیا ہے ۔

اس کا ٹمپریچر ۱۰۴ ڈگری سے زیادہ تھا ، یہ بات میری سے چھپی ہوئی نہ تھی ، کیوں کہ وہ تو ہمیشہ سائنسدان کی

نگاہ سے تھرماسیٹر کو غور سے دیکھتی تھی ، اتنا ٹمپریچر دیکھنے کے بعد اس نے بہت کم باتیں کیں ، لیکن اس کی آنکھوں سے خوف و ہراس ظاہر ہو رہا تھا ۔ جنیوا والے ڈاکٹر رکن کو فوراً بلایا گیا ، انہوں نے مریضہ کا خون ٹسٹ کیا ۔ خون میں سرخ اور سفید جسیمے تیزی کے ساتھ ایک ہی لکیر کی طرف گر رہے تھے ۔ انہوں نے شدید قسم کا انیمیا (فقرالدم) تشخیص کیا ۔ میری کا خیال تھا کہ پتے کی پتھری کی شکایت ہے ، لیکن ڈاکٹر نے اسے تشفی دی ۔ انہوں نے کہا کسی آپریشن کی نوبت نہیں آئے گی ۔ وہ بڑی سرگرمی کے ساتھ اس کا علاج کرنے لگے ، لیکن اس تھکے ہوئے بدن سے زندگی پرواز کرنا چاہتی تھی ۔

بیماری کے خلاف جد و جہد تیز ہو گئی ۔ ایو ایک دوسری کوشش میں لگی ہوئی تھی ۔ مادام کیوری کے ذہن میں موت کا خیال نہ آنے پائے ۔ شاید کوئی ایسا معجزہ ہو جائے کہ وہ بچ سکے ۔ علاج سیدھا سادہ اور آسان تھا ، یہ علاج زور دار تھا ، لیکن بے سود ۔ مریضہ اپنے بستر کے چاروں طرف اپنے گھر کے لوگوں کو جمع دیکھ رہی تھی ۔

میں ان لوگوں کا نام ضرور بتاؤں گی ، جنہوں نے آخری وقت میں میری ماں کی مدد کی تھی ۔ ان میں ایک تو ڈاکٹر ٹوبے تھے ، یہ سینی ٹوریم کے ڈاکٹر تھے ، اور دوسرے ڈاکٹر بیئر لوائنز تھے ، انہوں نے اپنی تمام قابلیت مریضہ پر صرف کر دی ۔ ایک نہایت بھیانک حقیقت کی وجہ سے سینی ٹوریم کی فضا میں ایک سنسنی پھیلی ہوئی تھی ، اور وہ حقیقت یہ تھی کہ مادام کیوری

مرنے کے قریب ہیں ۔ عمارت میں مکمل خاموشی اور سرگرمی تھی ، دونوں ڈاکٹر باری باری سے میری کے کمرے میں ڈیوٹی دیتے تھے ۔ وہ میری کو بار بار تشفی دیتے تھے ۔ وہ دونوں ایو کی خبر گیری کرتے تھے اور اسے بھی جھوٹی تسلیاں دیتے تھے ، اور اس کے بوچھے بغیر ہی کہنے لگتے تھے کہ آپ کی ممی اچھی ہو جائیں گی ۔

تین جولائی کی صبح کو مادام کیوری اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے آخری مرتبہ تھرمامیٹر دیکھ سکیں ۔ ٹمپریچر بالکل گر گیا تھا ۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ خاتمے کی نشانی ہے ۔ وہ خوشی کے ساتھ مسکرانے لگیں ۔ ایو نے اس سے کہا کہ یہ تو صحت یابی کی علامت ہے اور اب وہ اچھی ہو جائے گی ، لیکن اس نے کھلی ہوئی کھڑکی کی طرف دیکھا ۔ کھڑکی کے باہر بے حس و حرکت پہاڑ کھڑے تھے ۔ صبح کی دھوپ پھیلی ہوئی تھی ، میری نے کہا :

” میں دواؤں سے اچھی نہیں ہوئی ہوں ، میں تو پہاڑ کی کھلی ہوا سے صحت یاب ہوئی ہوں ،،

کرب کی حالت میں ان پر خواب کی سی کیفیت طاری ہوئی اور انہوں نے حیران ہو کر شکایت کی ۔

اب میری قوت اظہار ختم ہو چکی ہے ، میرا دماغ ماؤف ہوچکا ہے ۔ اس نے زندوں میں سے کسی شخص کا نام نہ لیا ، اس نے اپنی بڑی بیٹی کو بھی نہیں یاد کیا ، نہ ایو کا نام لیا ،

نہ اپنے کسی رشتہ دار کا ۔ اس کے عظیم الشان دماغ میں اب بھی عظیم الشان خیالات چکر کاٹ رہے تھے ، چنانچہ اس نے کہا :

” کتاب کے جتنے باب ہیں ان کے پیراگرافوں کی ترتیب ٹھیک ہونا چاہئے . . . . میں کتاب کی اشاعت کے بارے میں سوچ رہی ہوں . . . . “

پھر اس نے چائے کی ایک پیالی پر نظر جما دی ۔ وہ اس میں چمچا چلانے کی کوشش کرنے لگی ۔ نہیں نہیں چمچا نہیں وہ شیشے کی سلاخ تھی ۔ اس کی تجربہ گاہ کا ایک آلہ ۔ اس نے کہا :

” کیا اس میں ریڈیم اور میسوتھوریم ہے “

وہ انسانوں سے الگ ہو گئی اور ان چیزوں میں ہمیشہ کے لئے مل گئی جن کے لئے اس نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی ۔

اس کے بعد اس نے جو جملے ادا کئے وہ مبہم تھے ۔ اس کے منہ سے کمزور سی چیخ نکلی ، کیونکہ ڈاکٹر انجکشن لگانے آیا تھا ۔ اس نے کہا ” میں یہ نہیں چاہتی ، میں تنہائی چاہتی ہوں “

آخری لمحوں میں اس کی طاقت واپس آ گئی ، لیکن پھر رفتہ رفتہ اس کے بدن کی حرارت رخصت ہونے لگی ۔ سولہ گھنٹے تک ڈاکٹر پیرے لوائس اور ایو اس کے برفیلے ہاتھوں کو تھامے رہے ۔ زندگی اسے مسترد کر چکی تھی ۔ پو پھٹی، صبح ہوئی، سورج بلند

ہوا ، پہاڑوں پر دھوپ پھیلی ، سورج نے آسمان پر اپنا خوب صورت سفر شروع کیا - صبح کی خوب صورت دھوپ کمرے میں بھر گئی ، دھوپ بستر تک پہونچی ، رخساروں تک پہونچی ، بےحس آنکھوں تک پہونچی ، دل آخری مرتبہ دھڑک کر ہمیشہ کے لئے خاموش ہوگیا -

اس جسم پر سائنس کی کارروائیاں جاری نہیں - علامات نارمل نہیں تھیں -

ڈاکٹر ٹوبے نے اپنی رپورٹ پیش کر دی -

سنیکلی موز کے مقام پر ۴ جولائی ۱۹۳۴ء کو مادام کیوری وفات پا گئیں - انہیں شدید انیمیا کی شکایت تھی - ان کے بدن کے نظام کو ریڈیم سے بہت صدمہ پہونچا تھا -

یہ خبر سینی ٹوریم کی خاموش فضاء سے نکل کر دنیا کا چکر کاٹنے لگی - یہ خبر وارسا میں ہیلا کے پاس پہونچی - برلن سے ایک ٹرین تیزی کے ساتھ فرانس کی طرف جا رہی تھی - اس میں جوزف بیٹھا تھا - اور برونیا — برونیا کی کوشش رائیگاں گئی ، وہ بہن کے پیارے چہرے کو دوبارہ نہ دیکھ سکی - یہ خبر سونٹی پلر میں جیکوس کیوری نے سنی - لندن میں مسز میلونے نے سنی اور پیرس میں وفادار دوستوں نے سنی -

ریڈیم کی درسگاہ میں نوجوان سائنسدانوں کی ہچکیاں بندھ گئیں - میری کے عزیز ترین شاگرد جارجز فورنیر نے لکھا :

”ہم سب کچھ کھو بیٹھے ہیں“

سوگ منایا جا رہا تھا ۔ اس کے بستر کے چاروں طرف صف ماتم بچھی ہوئی تھی ، لیکن اسے سارے غموں سے نجات مل چکی تھی ۔ ماتم کدہ میں کسی اجنبی کو داخل نہ ہونے دیا گیا ۔ سب کچھ سفید تھا ۔ اس کے سفید بال اس کے ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے ۔ اس کے چہرے پر سکون کی کیفیت تھی ۔ اس کے چہرے پر سورما سپاھی کی فتح مندی تھی جو زرہ پہنے ہو ۔ اس وقت وہ شریف ترین عورت روئے زمین کی سب سے خوب صورت چیز تھی ۔

ریڈیم سے جھلسے ہوئے کھردرے ھاتھ جو رعشے سے کانپا کرتے تھے اب بالکل ساکن تھے ۔ دونوں ھاتھ چادر پر پھیلے ہوئے تھے ۔ ان ھاتھوں کا سکوت کتنا بھیانک تھا ۔ ان ھاتھوں نے کتنا کام کیا تھا ۔

جمعہ کے روز، ۶ جولائی ۱۹۳۴ء دوپہر کے وقت کسی تقریر، کسی جلوس کے بغیر مادام کیوری کو موت کی دنیا میں پہونچا دیا گیا ۔ اسے سی آکس کے قبرستان میں دفن کیا گیا جہاں اس کے عزیزوں اور پیاروں کی قبریں تھیں ۔ دوست، رشتہ دار، صبح و شام کے ساتھی جو اس سے محبت کرتے تھے خاموشی سے یہ منظر دیکھتے رہے ۔ پیئر کیوری کی قبر کے اوپر اس کی قبر بنا دی گئی ۔ برونیا اور جوزف پولینڈ کی خاک پاک ساتھ لائے تھے، انہوں نے یہ مٹھی بھر خاک قبر پر ڈال دی ۔ پتھر کے کتبے میں ایک سطر کا اور اضافہ ھوگیا :

”میری کیوری اسکلوڈووسکا“

۱۸۶۷ء تا ۱۹۳۴ء

ایک سال کے بعد وہ کتاب جو میری نے مرنے سے چند روز

پہلے مکمل کرلی تھی ، نوجوان سائنسدانوں کے لئے وہ آخری پیغام لے کر آئی ۔ ریڈیم انسٹی ٹیوٹ کی اس لائبریری جس کے اندر دھوپ بھری رہتی تھی ایک ضخیم کتاب کا اضافہ ہو گیا ۔ بھوری جلد کے اوپر مصنفہ کا نام لکھا ہوا تھا :

” مادام پیئر کیوری پروفیسر ساربون

نوبل پرائز فزکس، نوبل پرائز کیمسٹری“

کتاب کا نام تھا :

”ریڈیو ایکٹیوٹی“

